رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے بی ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء | نمبر (۴)

فہرست مضامین ماخوذ از اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا بابت ماہ مارچ ۱۹۱۵ء

۱ - شذرات صفحہ ۱۶۹
۲ - اتباع و تبدیلی مذہب ۱۸۱ //
۳ - سجدہ دو گنا میں انوار ۱۸۲ //
۴ - بے تعصبی ۱۸۳ //
۵ - قرآن کریم اور عقل ۱۸۹ //
۶ - مذہب اسلام ۱۸۳ //
۷ - اسلام نے کیوں ظاہر کے شریعت کو قائم رکھا صفحہ ۱۹۲
۸ - عقلی فلسفہ ۱۹۹
۹ - خطبہ
۱۰ - حدیث نبوی ۲۱۰
۱۱ - ممالک غیر میں تبلیغ اسلام

قیمت سالانہ تین روپے (۳)

اشتہار کتب خواجہ صاحب

مسلم پرنسپلز مصنفہ خواجہ صاحب انگریزی ۴؍

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی ۱۲؍

صحیفہ آصفیہ یعنی ہز ہائینس نظام حیدرآباد دکن مصنفہ خواجہ صاحب ۲؍

جنگ یورپ کی ابتدا - انگریزی اردو ہر دو ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت

مسلم انڈیا پہلا اور دوسرا نمبر انگریزی ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت

کرشن اوتار - ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر مفت - پیغام صلح محمد ایک آنے پر مفت

ہمیشہ مشتری - خواجہ صاحب کے لیکچروں کا سلسلہ اردو انگریزی ہر دو

اسلامک ریویو مسلم انڈیا - انگریزی ۱۹۱۳ء ۱۹۱۴ء

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ - ترجمہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے چھپ کر شائع ہو گئے ہیں قیمت ۲؍

ملنے کا پتہ - مینیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

اخبار پیغام صلح لاہور

وہ اخبار ہے جو فرنگستان میں اسلامی کوششوں کی صحیح خبریں خواجہ کمال الدین صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کی کامیابیوں کے حالات سناتا اور جنگ یورپ کی تازہ خبریں لیکر ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے - علاوہ ازیں ہندوستان اور دیگر ممالک کے قابل تذکرہ واقعات دلچسپ تنقیدات اور دلکش ادائے بیان کے ساتھ اسلامی جذبات کو متحرک کرنے اور قائم رکھنے کا بیان بحسن و خوبی انجام دیتا ہے اور اپنی دل ربا خصوصیات کے لحاظ سے ملک کا بے نظیر اخبار ہے - قیمت سالانہ چھ روپے (۶؍) ششماہی تین روپے (۳؍) سہ ماہی ایک روپیہ نو آنہ (۱؍۹) ماہوار نو آنہ (۹؍)

المشتہر - مینیجر اخبار پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور

PROF. NOOR-UD-DIN STEPHEN

ضمیمہ ۸۶؁ء

رسالہ اشاعت اسلام

بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کا کام آئندہ کس طرح چل سکتا ہے؟

اس مشن کی آمد و خرچ ۱۹۱۵ء

جس اہمیت کو آج ہمارا اسلامی مشن کیا یہاں اور کیا انگلستان پہنچ چکا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں جو فوق العادۃ کامیابی اللہ تعالےٰ نے ہمیں عطا کی۔ نہ اس کے ہم مستحق اور نہ اس کے حصول کیلیے ہماری کوششیں تکتی تھی۔ دنیا کا کوئی مذہب ہمارے مقابل اپنی تبلیغی کوششوں کے ثمرات گذشتہ دو صدیوں میں بھی ایسے اور نہیں دکھلا سکا۔ جو خدا تعالےٰ نے گذشتہ دو تین سال میں ہمیں عطا کیے در اصل اللہ تعالےٰ نے مغرب میں کچھ اسباب ہی ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ جنھوں نے وہاں کے غور و فکر کرنیوالے اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو اسلام کے قریب کر دیا ہے۔ یہ لوگ مذہب مغرب کی موجودہ مروجہ شکل سے بیزار ہو کر مختلف رنگوں میں اُن صداقتوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ جن کی حیثیت مجموعی کا نام اسلام ہے +

میں نے نومبر ۱۹۱۴ء میں ولایت سے آکر متعدد مقامات پر یہ بیان کیا تھا کہ اگر ہم اپنی تبلیغی کوششوں کو عقلمندی اور استقلال کے ساتھ یورپ میں جاری رکھیں تو اسلام مغرب میں حیرت انگیز ترقی کر جائے گا۔ جن لوگوں نے میری باتوں کو سنا وہ خود تصدیق کر لیں گے کہ میرے بیان کے بعد جو اس ایک سال میں نتائج مترتب ہوئے۔ انھوں نے میرے بیان کی کس قدر تصدیق کی۔ میرے یہاں پہنچنے پر چالیس اصحاب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن آج دو صد کے لگ بھگ اصحاب آنحضرت صلعم کے قدموں میں آچکے ہیں۔ یہ نومسلم کس پایہ کے اور کس علم و فضل سے آراستہ ہیں جنکے ذکر کرنے کی یہاں

+ تمام درخواستیں خریداری بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور ہونی چاہییں

ضرورت نہیں۔ رسالہ ہذا میں جو ماہواری رپورٹ چھپتی ہے وہ ان امور کا آئینہ ہے۔ میں صرف اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ نومسلم اخوان میں بعض ایسے فاضل اور اہل قلم ہیں کہ جن پر کسی قوم یا سوسائٹی کو ناز ہو سکتا ہے۔ طبقہ امراء میں سے لارڈ ہیڈلے اور اسی طبقے کی دو معزز خاتونیں طبقہ فضلاء میں سے پروفیسر ہیکلی، پارکنسن۔ ایف۔ جی۔ ایس۔ پروفیسر مصطفےٰ لاردن بی او ان۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل ڈی پروفیسر امین ڈیمینٹ۔ ڈاکٹر آف لٹریچر۔ پروفیسر نورالدین سٹیفن وغیرہ۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یورپین شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ اہل قلم میں سے مسٹر محمد صادق ڈڈلے رائٹ فوجی افسران میں بعض کپتان اور لفٹننٹ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہمیں اس تعداد پر چنداں ناز نہیں جس قدر اس تبدیلی و انقلاب کے لیئے ہم سجدات شکر ادا کرتے ہیں۔ جو آج یورپ میں اسلام کے متعلق ہو۔ ۔ وہاں وہ اسلام نہیں جو پہلے تھا۔ آج اسلام ایک جیتا جاگتا زندہ۔ معقول حکیمانہ اور مدلل مذہب تسلیم ہوچکا ہے۔ وہ مذہب جسے ناواقفوں یا متعصبوں نے دنیا کے لیے لعنت سمجھا۔ وہ مذہب ہے کہ کل مخلوق الٰہیہ کے لیئے رحمت سمجھا جاوے ؎

میں نے مختلف مواقع پر بیان کیا ہے کہ اشاعت مذہب کا بہترین طریق مغربی دنیا میں اسلامی لٹریچر کو پھیلانا اور اس کے ساتھ ایک مرکز قائم کرکے نومسلمین یا مستفسرین یا متفحصین کو اسلامی زندگی دیکھنے کا موقعہ دینا اور اس کے ساتھ موقع بموقع تقریروں و لیکچروں سے بھی امداد کرنا اس امر کے لیئے ہم نے اسلامک ریویو شایع کیا۔ اور یہ کوشش کی کہ حتی الامکان ہم اسے یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کریں اور بلاقیمت تقسیم کی تعداد بڑھائیں۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ہم یہ سرمایہ کہاں سے لاویں۔ کاش مسلمان اپنے مقابل غیر مسلموں کی تبلیغی کوششوں پر توجہ کریں۔ کیا دو ڈھائی ہزار رسالہ کا مفت تقسیم کردینا جو ہم اس وقت کر رہے ہیں اُس لٹریچر کے مقابل کسی شمار و قطار میں ہے جو پادری سمندر کی طرح دُنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ کیا اگر یہ قلیل مقدار ایسے نتائج مرتب کرسکتی ہے تو پھر اگر ہمارا رسالہ مثلاً دس ہزار تک ماہوار مفت تقسیم ہو تو کیا کچھ ہوسکتا ہے یہی ایک غرض تھی جو مجھے انگلستان سے ہندوستان لائی۔ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس قابل کیا کہ میں قوم کے آگے اپنی محنت کے نتائج پیش کروں۔ اور اُن کی خدمت میں عرض کروں۔ کہ وہ بھی کام جس میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں اگرچہ دو ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد ولایت سے واپس دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہندوستان آیا اور میں محتاج آرام تھا۔ لیکن وہ اخراجات ماہواری جو دو ہزار ماہوار کے قریب ۱۹۱۳ء کے شروع میں ہی پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے گھڑی بھی آرام لینے نہ دیا۔ مجھ سے جہاں تک ہوسکا

میں پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرا اور جس شہر میں جتنے دن رہا ۔ قریب قریب ہر روز لوگوں کو خطاب کرتا رہا ۔ اب چونکہ ووکنگ مشن کی روز افزوں کارروائیاں چاہتی ہیں کہ میں بہت جلد واپس چلا جاؤں اس لیئے مینے پسند کیا کہ میں اپنی قوم کو ووکنگ کے حالات سے کسی قدر اطلاع دیتے جاؤں ۔ یہ امر کئی دفعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے مشن کے خرچ کی مدات تین قسم کی ہیں ۔ اول اسلامک ریویو اور ایسا ہی دوسرا اسلامی لٹریچر مفت تقسیم کرنا ۔ دوم ۔ ہر اتوار کے دن شمولیت وعظ کے لئے جس قدر مہمانوں کا ووکنگ میں باہر سے آنا اور ایسا ہی نومسلم ساکنان ووکنگ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے اور سہ پہر کی چاء پر مہمان کرنا ۔ اور ایسا ہی جس قدر نومسلموں کا اسلام سیکھنے کے لیئے باہر سے ہمارے ہاں آنا یا بعض مستفسرین کا ہمارے ہاں ٹھیرنا اور انکا تعہد بطور مہمان اسلامی طریق پر کرنا ۔ سوم ۔ اخراجات متفرقات جس میں لندن یا دوسرے مقام پر علاوہ جمعہ کے وعظ و لکچر کے لیئے جانا اور خود ووکنگ کے متعلقہ اخراجات بڑی بھاری مدات خرچ کی پہلی دو ہیں یعنی مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو اور لنگر خانہ ۔ حصول امداد کو سہل ترین بنانے کے لئے مینے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اسلامک ریویو کی خریداری بہت بڑھا دیجاوے جس قدر ایسے خریدار زیادہ بڑھیں گے اسی قدر اس کے منافعہ کا کثیر حصہ اس کار خیر پر خرچ ہوگا ۔ اسی غرض سے میں نے اسلامک ریویو کا ترجمہ اردو میں شائع کرنا شروع کیا ہے ۔ اور اس کی قیمت ۳؎ روپئے سالانہ رکھدی ہے تا کہ اسکے منافعہ کا زیادہ حصہ بھی اس مشن پر خرچ ہو جیسے کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوگا ۔

نقشہ آمد و خرچ

آمد	روپے آنے پائی	خرچ	روپے آنے پائی
قیمت از خریداران اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام	۴۰۹۸-۱۰-۱	اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام چھپائی جلد	۲۰۶۲-۱۵-۲
چندہ امدادی از حیدرآباد ...	۳۹۵-۰-۰	عملہ لاہور و انگلستان	۲۷۹۳-۴-۶
چندہ امدادی از ہندوستان	۶۰۰۲-۹-۰	سفر خرچ حیدرآباد و ہندوستان معہ تنخواہ ایک [illegible] اور ایک ملازم کے لئے جنہوں نے ہمراہ رہنا ہے	۱۱۸۳-۰-۹
قیمت کتب ام الالسنہ وغیرہ	۱۶-۶-۰	خرچ ام الالسنہ وغیرہ	۲۱۱-۱۵-۰
چندہ از صاحبان معلومہ بحساب پیاس ریویو بابت تقسیم اسلامک ریویو از جنوری ۱۹۱۶ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵	۳۰۶-۰-۰	واپسی قرضہ ڈاکخانہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور دفعات ووکنگ فنڈ میں جمع ہوئیں	۶۳-۲-۰
چندہ از جائے معلومہ بغرض تقسیم اسلامک ریویو	۹۶-۱۱-۱۱	واپسی قرضہ حسنہ	۲۰۰-۴-۰

* ابتداء ۱۹۱۳ء میں [illegible] ہندوستان [illegible] آئندہ گنجائش ہو تو [illegible] ۱۹۱۳ء [illegible] ۱۹۱۵ء میں آج تک [illegible] ڈیڑھ صد بھیجا گیا

آمد		خرچ	
وظیفہ خواجہ کمال الدین از جائے سلیمہ بابت اٹھارہ ماہ از جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۵ء	۱۸۰۰-۰-۰	متفرق	۳۸۲۰-۲-۲
رخصتانہ از حضور نظام	۱۰۰۰-۰-۰	میزان بالا	۱۲۹۰۶-۳-۰
سفر خرچ از انجمن ہائے مختلفہ	۲۵۷-۰-۰	رقوم جو وقتاً فوقتاً ولایت گئیں	۱۹۴۲۹-۱۱-۰
		میزان	۳۲۳۳۵-۱۵-۷
		گرفتنی از امام الالسنہ	۷۰-۹-۰
		بقایا بدست خود	۴۰۱-۱۲-۵
میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰	میزان کل	۳۲۸۰۸-۵-۰

نقشہ بالا میں جو رقوم بطور امداد حیدرآباد اور دیگر علاقہ جات ہندوستان سے میںنے ان سفروں میں وصول کیں۔ اس کی تقسیم کو معطی صاحبان نے میری اقتضا رائے پر چھوڑا تھا۔ کہ جس نسبت سے چاہوں میں انھیں رسالہ انگریزی کی مفت تقسیم یا لنگرخانہ و دیگر ضروریات ووکنگ پر خرچ کروں۔ چنانچہ میںنے دفتر کو ابتداء میں ہی ہدایت دی کہ ان رقوم کو قریب قریب نصف نصف۔ ریویو انگریزی کی مد تقسیم میں اور لنگرخانہ وغیرہ میں دکھلا دیں لیکن ان رقوم کی بعد از وضع خرچ تقسیم کس طریق پر ہوئی۔ یہ ووکنگ کے خلاصہ حساب کے آنے پر بتلائی جا سکتی ہے۔ لاہور اور ووکنگ ہر دو جگہ باضابطہ حساب و کتاب رکھا جاتا ہے۔
اس سال اخراجات لنگرخانہ بہت ہی بڑھ گئے۔ میںنے ولایت ایک دفعہ لکھا تھا کہ وہ تین یا چار ماہ کی تعداد مہمانوں سے ہمیں اطلاع دیں۔ چنانچہ گذشتہ جون سے آخر ستمبر تک دو ہزار آٹھ صد کے قریب مہمان آئے اور اس سے آیندہ دو ماہ میں ہزار سے زائد تھے +
نقشہ آمد و خرچ میں یہ باتیں قابل ملاحظہ ہیں۔ اول جہاں تک اس مشن کا عملہ ہے اس نے پرلے درجے کے ایثار سے کام لیا۔ عملہ اس وقت حسب ذیل ہے :- ولایت میں مولینا مولوی صدر الدین صاحب شیخ نور احمد صاحب بلال۔ ہندوستانی باورچی۔ ان کے علاوہ مولویصاحب نے وقتاً فوقتاً اگر ولایت میں کوئی اور رکھا تو اس کا خرچ نقشہ بالا میں نہیں دکھلایا گیا۔ ہندوستان میں مینیجر دفتر اسلامک ریویو اور اس کے ماتحت دو کلارک۔ ایک چپڑاسی اور ایک دفتری جو ابتداء میں چند ماہ رہا۔ ایک ایجنٹ اغراض تبلیغ و اشاعت اغراض مشن جو گذشتہ اکتوبر سے رکھا گیا۔ اور میں خود اتنے بڑے کام پر اس قدر قلیل عملہ اور پھر اس عملہ پر بھی صرف ساڑھے پانسو روپیہ ماہوار کا خرچ۔ یہ آجکل کے حالات کے ماتحت ایثار نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں مد عملہ پر جو میںنے خرچ دکھلایا ہے اس میں وہ رقم ماہواری بھی شامل ہے جو میں اپنے ذاتی خرچ کے لیئے لیتا ہوں۔ لیکن اس کا بوجھ میںنے کسی قسم سے

ڈونیشن پر یا زر امداد مشن پر نہیں ڈالا۔ میں نے اپنی ذات کا خرچ بحیثیت ایڈیٹر اسلامک ریویو و منیجر اشاعت اسلام کا اپنی جیب سے کرتا رہا
میں ڈلوایا ہے۔ کیونکہ ان رسالوں کو میری ذات سے تعلق ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے یہی پسند کیا ہے کہ جو کچھ
منافع ہر دو رسالجات کا ہوا یا جو رقم بخشش ذاتی طور پر بطور وظیفہ یا تحفتاً بعض محسنوں سے ملی وہ سب
کی سب میں نے آمد مشن میں ڈال دی ہے۔ میں آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایسا
ہی کرنے کی توفیق دے +

مسلم بھائیوں سے میری آخری اپیل

میں اب جلد یہاں سے رخصت ہو کر ولایت جانیوالا ہوں۔ دوران قیام ہندوستان میں میں نے ہر ایک قسم کا آرام چھوڑ کر مسلمان بھائیوں کو اس کار خیر کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا۔ یہ مشن ایک حقیقت اور طاقت ہے۔ کوئی وہمی یا قیاسی امر نہیں۔ یہ مشن نظری حالات سے نکلکر واقعات اور عمل کا جامہ پہن چکا ہے۔ اس کے مفید اور یقینی طور پر کامیاب ہونے میں اب شبہ نہیں رہا۔ اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا اور رسول کے احکام کے ماتحت ہمارے کل قومی کام ایک طرف اور یہ کام ایک طرف ہے۔ ہماری کل کی کل تحریکات پر اس مشن کو فوقیت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلامی خیرات و زکوٰۃ کے مصرف پر کل دیگر خیراتی کاموں پر اسے ترجیح نہ دیں۔ نقشہ آمد سے ظاہر ہوتا ہے کہ چودہ ہزار کے قریب روپیہ محض بطور ڈونیشن مسلمانان ہند سے اس سال آیا اور اس سے جس قدر بھاری کام ہوا وہ ظاہر ہے۔ کیا ۱۹۱۵ء میں جو تیس ستیس ہزار کا خرچ ہے اور جس کے مقابل کئی ہزار رسالہ [illegible] بطور خریدار لوگوں کے گھروں میں بھی پہنچ چکا ہے۔ اس کے مقابل یہ کامیابی جو اس سال میں ہوئی وہ دیکھا ہوتی ہے ہمیں اس کی نظیر دنیا بھر کی مذہبی تبلیغی کوششوں میں نظر نہیں آتی +

لیکن اب جو میں ہندوستان سے چلا ہوں۔ امید ہے کہ میری غیر حاضری میں بہت جلد کوئی ایسا انتظام مبرانہ پیدا ہو سکے جو شہر بشہر پھر کر مسلم بھائیوں کو اُن کے فرض کی طرف توجہ کرے تو پھر کیا مسلم بھائی اپنے فرض کی طرف متوجہ نہ ہونگے +

مسلمانو! خدارا جاگو۔ غفلت کو چھوڑ دو۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو ہو کر رہیں گے لیکن مبارک وہ ہے جو اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹاوے۔ تمہارے مال جس دیانت اور احتیاط سے

تمیج ہوئے ہیں وہ اس نقشہ سے تم پر ظاہر ہو چکے ہیں اور جس ایثار اور محبت سے، کام کرنیوالے لوگ تم کو مل گئے ہیں وہ بھی اس قحط الرجال میں شاذ و نادر کا معاملہ ہے۔ خدا تعالےٰ ہی اس امر کا شاہد ہے کہ مجھے ایام وکالت کے مقابل دوگنا کام روزانہ کرنا پڑتا ہے۔ اور جو کچھ مینے بطور وجہ کفاف لیا وہ میری آمدنی وکالت سے جو ۱۹۱۲ء میں تھی کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ لیکن یہ کسی پر احسان نہیں ان اجری الا علی اللہ کا خوش کن مقولہ ہی ہمارے لیئے راحت جان ہے۔ لیکن ہمارا ایثار کس کام آوے گا۔ اگر ہمارے پاس اور سامان نہ ہوں۔

خدارا کچھ ایسا کام کرو کہ یہ انگریزی رسالہ دس ہزار تک مفت تقسیم ہو جاوے۔ اگر دس ہزار رسالہ تقسیم کرنے کے سامان کردو۔ تو پھر اس کے منافع سے ہی دیگر اخراجات ووکنگ چل نکلینگے مینے شروع سال ۱۹۱۵ء میں آپ کو مخاطب کیا۔ اور اردو رسالہ بھی اس لیئے شایع کیا کہ اسکے منافع سے ووکنگ مشن چلے۔ اگر یہ رسالہ دس ہزار خریدا جا سکے تو میرے نزدیک موجودہ خراجات کے لحاظ سے ⅗ اخراجات ووکنگ مشن کے نکل جاتے ہیں +

اگرچہ یہ رسالہ میرا ہی شایع کردہ ہے۔ لیکن میری یہی غرض ہے کہ اس کے منافع سے، شاعت کے کام کو مدد کافی ملے۔ جیسے کہ گذشتہ سال کیا گیا۔ اس وقت اردو رسالہ کی تعداد اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔ اس اشاعت پر جو منافع ہوتا ہے وہ قطعاً مشن کے لیئے کافی نہیں۔ اسی طرح انگریزی رسالہ کی اشاعت ابھی ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے یہ بھی بہت تھوڑی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان بھائی صرف پانچ ہزار تک انگریزی اور دس ہزار تک اردو رسالے کو خرید لیں تو میں کسی اور امداد کا سردست ان سے مطالبہ نہیں کرتا۔ اور اگر مجھے خدا توفیق دے۔ تو میں اس کے منافع کو اسی کام پر خرچ کروں گا۔ ہاں جب تک یہ صورت نہ ہو۔ میں ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جنھوں نے دریا دلی سے گذشتہ سال اپنے مالوں سے مجھے مدد دی وہ اب بھی دیں۔ یہ مال وہ بالفاظ قرآن کریم ایک تجارت پر لگاتے ہیں۔ جس کا منافع جو آخرت کو بالفاظ ربی ملتا ہے۔ وہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن اس کا منافع تو دم نقد مل رہا ہے +

تمہاری خیرات زکوٰۃ کا بہترین مصرف

ووکنگ مشن ہے۔ جاؤ قرآن کریم کو کھولو وہ بھی یہی کہتا ہے۔ ہمارے مشن کی امداد کا ایک سہل طریق

یہ ہے کہ تم ہمیں انگریزی رسالہ کی مفت تقسیم کے لیئے امداد دو۔ اپنی طرف سے متعدد رسالہ مفت تقسیم کراؤ یا ایسا ہی لنگرخانہ کی امداد کا فکر کرو۔ ہاں ایک آسان طریق امداد کا یہ ہے کہ خود رسالہ اردو یا انگریزی خریدو اور دوستوں میں اس کی خریداری بڑھاؤ۔ گذشتہ سال ہم نے دو رسالہ بہت سا زائد چھپوا ناپڑا خیال تھا کہ خریداری بہت بڑھے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا مختلف ماہ کے رسالجات زائد پڑے ہوئے موجود ہیں سو میں نے پسند کیا ہے کہ تمام گذشتہ رسالجات کے آگے یہ اپیل درج کر کے بطور نمونہ مسلم احباب کی خدمت میں بھیجوں وہ اس رسالہ کو دیکھیں۔ مختلف احباب کے پاس سنہ ۱۹۱۵ء کے مختلف مہینوں کے رسالے پہنچیں گے وہ اسکو شروع سے اخیر تک دیکھیں اور پڑھیں اور پھر اندازہ کریں کہ ایسا قیمتی رسالہ محض اگر لٹریچر کے طور پر ہی خریدا جاوے تو چنداں گراں نہیں۔ چہ جائیکہ اس کا منافعہ ایک ہماری مشن کو چلا رہا ہے۔ انگریزی کی قیمت سات روپیہ ہے اور جو ہمیں پانچ روپیہ بھیجدے ہم اُس کی طرف سے ایک مفت رسالہ انگریزی کسی غیر مُسلم کی خدمت میں بھیجدینگے + والسلام خواجہ کمال الدین ایڈیٹر رسالہ اسلامک ریویو و رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اشاعت اسلام

شذرات

حصول مقصد میں کامیابی

اس رسالے کے اجرا کی اغراض میں سے ایک غرض یہ تھی - کہ اُن غلط بیانیوں کی اصلاح کی جائے جو متعصب مصنفین نے اسلام کے متعلق کی ہیں - یہ غرض اُس خاص دائرہ کے اندر حاصل ہو چکی ہے جس میں یہ رسالہ کام کرتا رہا ہے - اور نہ صرف اسے اس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے - کہ اس نے غلط خیالات کو دور کر دیا ہے - بلکہ اس کی کوششوں کو خدائے تعالےٰ نے اپنے فضل سے بہت بڑھ کر بار آور بنایا ہے اور ان اصول نے . جو اس رسالے نے تھوڑے عرصے کے اندر پھیلائے ہیں بہت سے دلوں میں گھر کر کے ایک نمایاں کامیابی حاصل کی ہے - مدنی حیثیت کے لحاظ سے یہاں پبلک کو تین حصّوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے - یعنی اُمرا - متوسط الحال اور مزدوری پیشہ لوگ - ان میں ۔۔۔ آخری طبقہ کی حالت عموماً بُری ہے اور اُن کی عاجزانہ نگاہیں اُن کا لباس ان کی زندگی کی ساری طرز رحم اور ہمدردی پیدا کرنے والی ہیں - وہ اس قدر مشکلات میں ہیں اور اُمرا اور متوسط درجے کے لوگ ان سے عموماً ایسا سلوک کرتے ہیں کہ ان کی ذات اس ملک

ہیں۔ اور اس قوم کے اندر تقریباً قریباً وہی ہے جو شودروں کی ہندوؤں میں۔ اسلام کی جمہوری تعلیم کسی جماعت کو بھی علیحدہ نہیں کرتی بلکہ سب پر یکساں حاوی ہے اور جس طرح وہ اپنا اثر ایک امیر پر ڈالتی ہے اُسی طرح ایک غریب مزدور بھی اس سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر اب تک یہ خوش نصیبی ہمارے حصہ میں نہیں آئی کہ اس طبقہ کے لوگوں میں سے بھی کوئی ہمارے ساتھ شامل ہو کہ جن کو افلاس نے اس درجے تنگ کر رکھا ہے کہ اُن کی حالت عملاً فاقہ کشی تک پہنچی ہوئی ہے اور جن کی گذر اوقات انہی چند پیسوں پر ہوتی ہے جو انہیں مل جاتے ہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ کے فضل سے دوسرے انتہا پر یعنی اعلےٰ طبقے کے لوگوں میں سے مختلف اقوام یورپ میں سے بعض ایسے لوگ جن کی رگوں میں شاہی خون بہتا ہے۔ ایک نواب ایک اعلےٰ طبقہ کی خاتون اور درمیانی طبقہ کے بہت سے لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے آ گئے ہیں۔ اللھم صل وسلم وبارك علی نبیك ورسولك +

پھر ایک اور تقسیم سوسائٹی کی اُن کے ذہنی قوے کے نشو و نما کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ اور اس کے اندر پھر ایک تقسیم مذہبی گروہ اور عوام کی ہے۔ ان دونو قسم کے علمی طبقہ کے لوگوں کو اسلام کی دلکش اور مفید تعلیم نے اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ نہ صرف اس عالمگیر اخوت کے اندر شامل ہی ہوئے ہیں بلکہ اُن کے اعلےٰ درجے کے علمی مضامین اکثر اس رسالہ کے صفحات کو زینت دیتے اور ناظرین کے لئے باعث دلچسپی ہوتے ہیں +

مذہبی طبقہ کے لوگوں پر اسلام کی پاک تعلیم نے ایک اور رنگ کا اثر پیدا کیا ہے۔ اُن کے جو کچھ خیالات اسلام کے متعلق پہلے تھے اُن کے اندر بڑی بھاری تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ وہ علیٰ جلسوں تک بھی اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے اور اُس کے پاکیزہ اصول کی تعریف کرتے ہیں اور اُن لوگوں کو جنھوں نے اسلامی تعلیم کے متعلق غلط بیانیاں کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کھلے طور پر ملامت کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک فال ہے اور اس رسالہ کی کامیابی کا اس سے خوب اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو قوم کے مذہبی خیالات پر حکمران ہونے کی وجہ سے قومی خیالات کی رو کو ایک یا دوسری طرف لے جا سکتا ہے۔ اگر تم کو خیالات کے اس سرچشمہ کو پاک کرنے کا موقعہ مل جائے بالخصوص مذہبی جذبات اور خیالات

سکو تو تم اپنے آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر مبارکباد دے سکتے ہو تم نے ایک نہایت بڑے اور پاک مقصد کو حاصل کر لیا ہے۔ ہمارے پاس تحریریں۔ شہادتیں پہنچتی رہتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہماری عاجزانہ کوششوں نے انسانیت اور اسلام کی کس قدر خدمت اس پہلو سے انجام دی ہے۔ اسی رسالہ میں دوسری جگہ ایک نہایت فاضلانہ اور واضح خطبہ پادری میکسویل کنگ کا درج ہے۔ جس میں اُنہوں نے اپنی قوم کو ایک نہایت مفید نصیحت کی ہے اور بار بار اسلامک ریویو (یعنی اس رسالہ) کے صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ یہ ایک نہایت خوشی کی بات ہے۔ کہ وہ اس رسالہ سے اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے خیالات کی ایسی قدر کرتے ہیں کہ اپنے خطبہ کا مضمون ہی گویا اُنہوں نے ان خیالات کو تجویز کیا ہے۔ ان کے اس طرز عمل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب۔ آزادی خیال۔ اپنے اعتقادات کے اظہار کی اخلاقی جرأت اور تربیت کے لحاظ سے وہ اس اعلےٰ مقام پر پہنچے ہوتے ہیں۔ کہ جہاں تعصب اور تنگ خیالی کا ناپاک اثر نہیں پہنچتا۔ جو اکثر مذہبی کام کرنے والے لوگوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ علم الٰہیات کے بعض دیگر فضلا نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے اور غالبًا ان میں سے ایک کی تقریر اگلے مہینے کے رسالے میں درج ہوگی +

اجتماع

وہ اجتماع جن میں پبلک شامل ہو سکتی ہے۔ باقاعدہ طور پر مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے بی ٹی کی امامت میں مسجد ووکنگ میں ہر اتوار کو تین بجے شام کے اور لنڈسے ہال نا ٹنگ ہال گیٹ میں ہر جمعہ کو ۱۲ بجکر ۲۵ منٹ پر ہوتے ہیں +

تبدیلی مذہب

اسلام میں برابر لوگ داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جو لوگ تبدیلی مذہب کا اعلان

کرنا چاہتے ہیں یا تو وہ خود مذکورہ بالا دو نو مقامات میں سے کسی مقام میں آ جاتے ہیں یا اپنی تجویز بھیج دیتے ہیں۔ انگریزی قوم کی ذہانت اخلاقی جرات اور آزادی خیال کا یہ بڑا بھاری ثبوت ہے کہ وہ جب اسلام کی معقولیت کو سمجھ لیتے ہیں اور اس کی پاک اور مفید تعلیم جو ہر قسم کی تمدنی ملکی اخلاقی اور روحانی پیچیدہ سوالات کا سیدھا سادہ جواب اپنے اندر رکھتی ہے ان کے دلوں پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ تو وہ تبدیلی مذہب کا اعلان کر دیتے ہیں ✦

مسجد ووکنگ میں اتوار

مسجد ووکنگ میں اتوار نے اپنے لئے ایک علیحدہ خصوصیت قائم کر لی ہے اس دن ایک اچھا خاصہ مجمع غور و فکر کرنے والے اور مذہبی خیالات کے لوگوں کا وہاں ہو جاتا ہے جو نہ صرف قصبہ ووکنگ سے آتے ہیں بلکہ اور مقامات سے بھی ان لیکچروں کو سننے کی خاطر اس اجتماع میں شامل ہوتے ہیں۔ گذشتہ اتوار غیر معمولی طور پر ایک کامیاب دن تھا۔ برٹش مسلم سوسائٹی کا ایک منتخب جلسہ تھا۔ جس میں لارڈ ہیڈلے صدارت کی کرسی پر متمکن تھے۔ اور اس کے بعد مہمانوں کی دعوت اسلامی اخوت اور اسلامی تمدن کی جمہوریت کا اعلان کر رہی تھی۔ مولوی صدرالدین امام مسجد ووکنگ فیاض میزبان کا کام کر رہے تھے جیساکہ وہ ہر اتوار کو کرتے ہیں۔ اور کھانے کی میز کے گرد گرد نہ صرف دنیا کے مختلف حصص سے آئے ہوئے لوگ تھے بلکہ دنیوی طور پر مختلف حیثیتوں اور مختلف طبقات کے لوگ بھی تھے مشرق اور مغرب۔ بڑے اور چھوٹے کا امتیاز اسلام کے جھنڈے اور اس کی طاقت اور اثر کے نیچے زایل ہو گیا تھا۔ روسی شہزادہ عطاء الرحمن شیخ جلال الدین محمد یورکے ورچ اور مصری شہزادی صالحہ اور لارڈ ہیڈلے بغیر کسی امتیاز کے اسی میز پر کھانا کھا رہے تھے جس پر ان کے کم درجے کے بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے ✦

نماز ظہر۔ خاصی تعداد نمازیوں کی تھی اور لارڈ ہیڈلے کا لیکچر جس کا مضمون "بے تعصبی"

تھا سُننے کے لئے مسجد حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ بہت سے فاضل اور قابل غیر مسلم جیسے ڈاکٹر ڈلا ٹبو اور مسٹر لوگروؔ حاضرین میں ممتاز طور پر نظر آتے تھے۔ لارڈ موصوف کا لکچر نہایت موثر تھا۔ کیونکہ وہ عملی تجربے پر مبنی تھا۔ اس میں عیسائی عقاید کے کچا پن کے پہلو کو کھول کر بیان کیا گیا اور اس تعصب اور طرفداری کا ذکر تھا جو عموماً عیسائیوں کو دوسرے معقول مذاہب کے مطالعہ سے اس لئے روکتے ہیں۔ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی دوسرے مذہب کی معقولیت کے حقے سے مسیح کی خدائی کا عقیدہ جس کی بنیاد بڑے توہم پر تھی متزلزل نہ ہو جائے +

لارڈ ہیڈلے کے بعد ایک پُرجوش تقریر اسی مضمون پر ڈاکٹر یون مصطفٰے ایم اے ڈاکٹر اف فلاسفی ایل۔ ایل ڈی۔ ایف۔ ایس جی نے کی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ مسلمان نہیں جو مسیح کو کسی تخت سے نیچے اُتار رہے ہوں۔ بلکہ یہ عیسائیوں کا قصور ہے جنہوں نے مسیح کو اس جگہ پر جا بٹھایا۔ جو صرف ایک ذات واحد کے لئے مخصوص ہے اور مخصوص رہنی چاہئے۔ جو قادر علیم رحمان اور رحیم ہے۔ جو غنی حی اور قیوم ہے جو نہ خود پیدا ہوا نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ عیسائیوں میں متعصبانہ جوش بہت ہے۔ مسلمان حضرت موسٰے اور مسیح اور تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح وہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے ہیں اُنہوں نے لارڈ ہیڈلے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس نازک وقت میں بہت زیادہ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ بے تعصبی دکھائی جائے اور صرف ایک قادر ذوالجلال پر بھروسہ کیا جائے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کو جب آپ صرف ایک ساتھی کے ساتھ ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ رہے تھے پُردرد الفاظ میں بیان کیا اور بتایا کہ دونوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ ان کے پیچھے ہی اُن کے دشمن بھی آ پہنچے۔ اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُن کے پاؤں کی آہٹ کو سنا تو آپ نے کہا کہ ہم صرف دو ہیں اور دشمن بہت ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو نہیں ہم تین ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہی سچ نکلا +

لارڈ ہیڈلے کی درخواست پر مولوی صدر الدین صاحب نے بھی تقریر کی اُنہوں نے

کہاکہ مسلمانوں کی بے تعصبی نہ صرف نسل اور رنگ کی حدود کی پروا نہیں کرتی بلکہ خود قومیت کی قید سے بھی آزاد ہے۔ یورپ قومیت کے تعصبات کا شیدا ہو رہا ہے۔ جرمن عیسائیت یہ قوم نے اب انگریزی قوم کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ مگر اسلام کسی قسم کے قومی امتیاز کی قید کو جائز نہیں رکھتا۔ چین اور روم کے مسلمان۔ مراکش اور ہندوستان کے مسلمان سب ایک ہیں۔ اور اس طرح پر اسلام کی اخوت عالمگیر اخوت ہے۔ اُنہوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا۔ کہ عیسائی اس بات سے ڈرتے ہیں۔ کہ اُن کے عقاید پر معقولیت کی روشنی پڑے مگر اسلام ہر قسم کی تحقیق اور معقولیت کا حامی ہے۔ اُنہوں نے کہاکہ میں خود اگر قرآن کریم کو معقولیت کے پہلو سے سچا نہ پاؤں تو اسے مان نہیں سکتا۔ اُنہوں نے کہاکہ تمام نسل انسانی کی ایک عالمگیر اخوت قائم ہونی چاہئے۔ جس میں رنگ اور نسل ۔ مذہب اور قوم کا کوئی امتیاز نہ ہو +

لارڈ ہیڈلے کی ایک پُرجوش دعا کے ساتھ جلسہ ختم ہوا

قدوائی

بے تعصبی

یہ وہ ایڈریس ہے جو ۱۲۔ فروری سن رواں کو مسجد ووکنگ میں رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے (شیخ رحمۃ اللہ فاروق) نے دیا +

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ **ترجمہ**۔ اللہ ۔ نہیں کوئی معبود سوائے اُس کے وہ خود زندہ زندگی کا سرچشمہ قائم

بالذات اور سب کے قیام کا موجب ہے۔ اُسے نہ تو اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اُس کے حضور شفاعت کر سکے مگر اُسی کی اجازت کے ساتھ۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم میں کسی چیز کا بھی مگر جتنا وہ خود چاہے۔ اُس کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ اُن دونوں کی حفاظت سے تھکتا نہیں اور وہ بلند برتر اور بڑی عظمتوں والا ہے +

(قرآن کریم)

کچھ دن گذرے کہ میں اپنے خطوط کو کھول رہا تھا۔ تو اُن میں مجھے اپنی ایک رشتہ دار خاتون کا خط نظر پڑا۔ جس میں لکھتی ہیں۔ کہ آئندہ آپ مجھے اسلامک ریویو کا کوئی اور رسالہ نہ بھیجیں کیونکہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں اس بات پر موت کو ہزار درجہ ترجیح دیتی ہوں۔ کہ مسیح کو حقیقی خدا نہ مانوں۔ اُس وقت تو ان الفاظ کے صحیح مفہوم کو میں سمجھ نہ سکا۔ مگر اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ در اصل اس ہمہ صفت موصوف اور مخلص عیسائی خاتون کا اس سے مطلب یہ تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ اسلامی تعلیم کا کثرت سے مطالعہ کرنے کا یہ نتیجہ ہو۔ کہ مسیح کی الوہیت پر اُس کا ایمان کمزور پڑ جائے۔ جس حالت میں کہ یہی ایمان اُس کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اور یہ عین اُسی اصول کے مطابق ہے۔ جس کے رُو سے مسیح کی الوہیت پر ایمان لانا نجات کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اور جو دوسرے لفظوں میں یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ گرجے کے باہر کوئی نجات نہیں +

میں یہ ضرور کہونگا۔ کہ اگر یہی عقیدہ کو کوئی شخص محض اس وجہ سے قبول کرتا ہو۔ کہ وہ بچپن سے اُس کو سکھایا گیا ہے۔ اور پھر بعد میں جب وہ بالغ اور تجربہ کار ہو گیا ہے۔ تو دوسرے عقائد کی تحقیقات سے احتراز کرے۔ تو اس شخص سے بڑھ کر اپنی کمزوری کا معترف اور اپنے عقائد کی بے اعتباری ثابت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ نہایت معقول اور انصاف کی بات ہے۔ کہ ہم دوسرے لوگوں کے خیالات بھی تو سنیں کہ وہ موجودہ دنیا کی نسبت

اور آئندہ عالم کی نسبت جہاں ہم سب نے جانا ہے اور جس کا بہت تھوڑا علم ہمیں دیا گیا ہے کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام بڑی وسیع نظر رکھتا ہے اسلئے مذہب عیسوی میں یا کسی دوسرے مذہب میں اگر کوئی خوبی ہے۔ تو ہم اُس پر غور کرنے کے لئے ہر وقت نہایت خوشی سے تیار رہتے ہیں اور ہمارے دل میں یہ کبھی بھی واہمہ نہیں گذرتا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ تحقیقات یا بحث سے اسلام پر جو ہمیں ایمان ہے تنزلزل ہو جائے۔ چنانچہ اب جو میں مذکورہ بالا خط میں سے چند اقتباسات پڑھنے لگا ہوں۔ تو اسی بے تعصبی اور وسیع الخیالی سے پڑھنے لگا ہوں جو اسلام کا خاصہ ہے۔ اور جس میں سرد مہری اور بے مروتی کی ملونی ہرگز نہ ہوگی وھو ھٰذا +

"وہ (مسیح) ہمیشہ سے دُنیا میں سب سے بڑی طاقت رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اگر وہ مردوں میں سے نہیں جی اُٹھا۔ تو ہم پھر ہرگز ہرگز اپنے پیاروں کو دیکھ نہ سکینگے۔ لیکن نہیں۔ مسیح مردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور سونے والوں کا پہلا پھل وہی ہے کیونکہ آدم میں ہو کر ہم سب مرتے ہیں اور مسیح میں ہو کر ہم سب زندہ کئے جائینگے" +

پھر بائیبل کی نسبت وہی راقمہ کہتی ہیں +

"اگر تم ٹھنڈے دل سے بائیبل کو پڑھو گے تو تم پیدائش کے پہلے باب سے شروع کر کے مکاشفات کے اخیر تک ہر ایک چیز کو خواہ وہ قربانی ہے یا کچھ اور مسیح ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پاؤ گے۔ مسیح اپنی نسبت کہتا ہے۔ کہ کوئی باپ تک نہیں پہنچ سکتا مگر میرے واسطے سے"۔ اور پھر بائیبل کہتی ہے "کہ کسی اور میں نجات ہرگز نہیں کیونکہ آسمان کے نیچے مسیح کے سوا اب اور کوئی نام انسان کے لئے نہیں جس کے ذریعے سے ہم نجات پا سکیں"۔ پس یہ باتیں خدا کے کلام میں لکھی ہیں اور نہایت صفائی کے ساتھ" +

راقمہ نے ان اقتباسات میں پولوس کی تعلیم کا ہی خلاصہ بیان کیا ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ آئندہ زندگی کی ساری اُمیدیں مسیح کے مردوں میں سے جی اُٹھنے کے ساتھ وابستہ ہیں اور نیز پطرس کی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ جو بیان کرتا ہے کہ مسیح کے نام کے ساتھ ہی ہماری نجات وابستہ ہے۔ یہ عیسویت کی اصولی تعلیم ہے۔ مگر میں اس تعلیم کو ہمیشہ مسیح کے اپنے کلام

سے مختلف پاتا ہوں۔ کیا وہ پیغامات جو مسیح نے دنیا کو پہنچائے اور کیا وہ گفتگو جو مسیح کی شیطان سے بیابان میں ہوئی۔ سب کے سب اُس تعلیم سے جو لوپوس و پطرس نے پیش کی مختلف ہے۔ جب شیطان مسیح کو بیابان میں لے گیا۔ تو ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو بہکانے کے لئے شیطان نے بہت سے لالچ دئے اب سب سے اوّل تو یہ سوچنا چاہئے۔ کہ مسیح اگر خدا تھا۔ تو شیطان کا اس کو آزمانا کیا معنی؟ کیونکہ اس سے بڑھکر قابل شرم اور کفر کیا ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے مالک الملک اور علےٰ کل شئے قدیر کی نسبت یہ گمان کیا جائے۔ کہ وہ آزمائش سے متاثر ہو سکتا ہے اور بحیثیت خدا ہونے کے مسیح کا شیطان کی آزمائش اور تحریکوں سے اپنے آپکو بچانے کی کوشش کرنا کیسا لغو ہے۔ کیونکہ خدا ایسی کمزوریوں سے پاک اور برتر و بالا ہے۔ لیکن اگر یہ مانا جائے۔ کہ مسیح ملہم ربانی تھا۔ اور انسان کے لئے ایک اعلےٰ نمونہ تھا۔ تو پھر ہمیں مسیح کی پر شوکت کلام کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "انسان صرف روٹی سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے جیتا ہے" "تو اپنے خداوند خدا کو مت آزما"۔ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے کی بندگی کر"۔ ان تمام فقروں سے مسیح نے بتلایا ہے کہ وہ اُس خدا کو جو آسمان پر ہے اپنا مالک اور آقا سمجھتا تھا۔ ان فقروں کی کچھ بھی تاویلیں کی جاویں لیکن اُن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں کو کہاں لے جاینگے جو مسیح نے اس نوجوان کے جواب میں کہے تھے جب اُس نے مسیح سے دریافت کیا تھا کہ وہ کیا کرے تا ابدی زندگی کا وارث ہو۔ نوجوان نے جب اس طرح خطاب کیا کہ "اے نیک اُستاد" تو مسیح نے فوراً کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں سوا اُس ایک کے جو خدا ہے +

کچھ شک نہیں۔ کہ عیسائی لوگ نہایت اخلاص اور جوش سے اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بپتسمہ۔ عشائے ربانی۔ الوہیت مسیح نہایت ضروری چیزیں ہیں اور ان کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اور ان اصولوں میں اس قدر تعصب برتا جاتا ہے۔ جس کا نام و نشان تک اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے اور صرف ایک ہے اور اُسی کی فرمانبرداری اور عبادت شفقت علےٰ خلق اللہ۔ نجات کے لئے کافی ہیں لیکن

مجھے کم سے کم ایسا مسلمان کوئی نہیں ملا۔ کہ وہ اس بات پر زور دے۔ کہ اگر کوئی اس سے اختلاف رکھے تو نجات ناممکن ہے۔ میں اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دیتا ہوں وہ یہ کہ ایک متعصب عیسائی ایک خدا پر بھی ایمان رکھتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ایمان رکھتا ہے۔ کہ مسیح خدا تھا اور زور دیتا ہے کہ اس عقیدہ کے بغیر جہنم سے کبھی نجات نہ ہوگی۔ لیکن برعکس اس کے سچا مسلمان ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ یہ نہیں مانتا۔ کہ دوسرے لوگ ایک غیر منقطع عذاب میں رہینگے۔ اور اس سے ان کو کبھی بھی نجات حاصل نہ ہوگی۔ یہ کیسی قابل افسوس بات ہے کہ مشرق و مغرب کے یہ دو نو مذہب جو در اصل ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک ایسے مسئلہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں جس کا در اصل ان کی اپنی تعلیموں اور خوبیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے جیسا کہ پہلے بھی کہا ہے۔ کہ سب سے زیادہ ضروری سوال یہ ہے۔ کہ کیا مسیح نے خدا کا پیغام دنیا کو پہنچایا" اگر اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہاں۔ تو پھر دنیا کے لئے اگر کوئی چیز قابل قبول ہے۔ تو وہ مسیح کے اپنے الہامات اور انکشافات ہیں نہ کسی اور کے اپنے دماغ کی نکلی ہوئی باتیں +

اس بات پر بحثیں کرنا۔ کہ مسیح خود خدا تھا۔ یا خدا کی طرف سے ملہم تھا۔ بالکل فضول اور لغو ہے۔ کیونکہ یہ ایک صاف بات ہے۔ کہ جو انسان بھی دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی مخلوق ہی ہوتا ہے۔ ہاں اسے ایک رنگ میں خدا کا بیٹا بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کے اخلاق میں کم و بیش رنگین ہوتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ انسانوں میں سے ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو موسے و عیسلے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ملہم ربانی ہوں۔ یہ لوگ خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں جن کی تعظیم و عزت ہر وقت ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے +

قرآن کریم میں آتا ہے۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ ترجمہ۔ کہدے اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے یعنی خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔

اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ پکڑے پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو کہدو کہ گواہ رہو کہ ہم تو اُسی کے فرمان بردار مسلم ہیں"

پھر قرآن کریم فرماتا ہے۔ قولوا امنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی و عیسٰی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون ۰ **ترجمہ**۔ "کہدے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق پر یعقوب اور اولاد یعقوب پر اور جو دیا گیا موسٰے اور عیسٰے اور تمام نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ ہم اُن میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اُسی (ایک خدا) کے فرمانبردار مسلم ہیں"

دنیا کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا جس میں ہمارے زمانہ سے بڑھ کر تسلیم و رضا اور بے تعصبی کی اشد ضرورت ہو۔ ہم کو اپنے عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی کی موت پر اپنے ملک کے شریف فرزندوں اور لاکھوں پونڈوں کے نقصان پر سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور رضا بالقضا کے کوئی چارہ نہیں۔ اور ہر موقعہ پر ہمیں اپنی بے تعصبی کا نمونہ دکھانا ضرور ہے۔ رُوح کے لئے یہ ایک بڑی تربیت کا وقت ہے گو اس کا برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ صرف وہی لوگ ان غموم و ہموم کو نہایت طمانیت خاطر سے جھیل سکتے ہیں جو نے اللہ تعالٰی کی مشیت کے آگے کامل طور پر اپنی گردن رکھ دی ہے اور تزکیہ کے لئے اُس کی ہر ایک تقدیر سے جو اُن پر وارد ہوتی ہے خوشی خوشی سچی فرمانبرداری کے ساتھ راضی رہتے ہیں

قرآن کریم اور عقل

تمام اسلامی اصول اور عقائد خدا کی آخری کتاب قرآن کریم میں جو مسلمانوں کی ہادی

کتاب ہے موجود ہیں اور اُن پر کافی بحث کی گئی ہے ۔اس خدائی کتاب میں انسان کی زندگی کے جو اصول باندھے گئے ہیں وہ نہ صرف سخت سے سخت تنقید کے مقابلہ میں ہی اعلے اور اکمل ثابت ہوئے ہیں ۔بلکہ اُس کتاب نے انسانی زندگی کے ہر ایک پہلو پر نہایت خوبی سے روشنی ڈالی ہے ۔قرآن میں لا اکراہ فی الدین ۔یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ۔ایک ایسا اصول ہے جو صرف اسی کتاب ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور جس نے انسان کو اپنے خیالات میں کامل آزادی دی ہے ۔چنانچہ ایک اور جگہ بھی قرآن کریم فرماتا ہے وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیومن ومن شآء فلیکفر ۔ **ترجمہ** " کہدے یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے ۔پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے " ۔یہاں بھی مذہب اور الٰہیات میں خیالات کو کامل آزادی بخشی ہے ۔اور ہمیں اُن قیدیوں کی طرح نہیں بنایا گیا جن کا کام ہی یہ ہے کہ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں ۔کشتی چلانے کے لئے ہاتھ اور پاؤں مارے جائیں +

انسانی عقل اور فطرت اس بات سے سخت نفرت کرتی ہے ۔کہ مذہب کے بارے میں اُسے مجبور کیا جائے ۔اور اس طرح صرف یہی نہیں ۔کہ حریت انسانی کی سخت ذلت متصور ہوتی ہے ۔بلکہ اللہ تعالےٰ کی صفات حسنہ پر بھی حرف آتا ہے ۔جس نے ایسے تنگ اصول مرتب کئے ۔کہ انسانی عقل کو جسے خود ہی اُس نے انسان کے اندر ودیعت کیا تھا کام کرنے کا موقع ہی نہ دیا ۔لیکن ہم کو قرآن کریم پر فخر ہے ۔ہاں وہ قرآن جس کو ہم خدا کی کتاب اس لئے نہیں مانتے کہ ہمارا صرف ایسا ایمان ہے ۔بلکہ اُسے خدا کی کتاب اسلئے مانتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کھلے کھلے ثبوت منجانب اللہ ہونے کی رکھتی ہے ۔ہم جانتے ہیں کہ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے اور اُسے جو کچھ اخلاق اور قوتیں خدا نے عطا فرمائی ہیں ۔وہ سب نہایت اعلےٰ مقصد کے لئے ودیعت کی ہیں ۔پس عقل بھی ایک قوت ہے ۔اور یہ ہمیں اس لئے بخشی گئی ہے کہ ہم اُس سے کام لیں اور سیدھے رستے پر اُس کے ذریعے سے چلیں ۔اور یہ بھی ضروری ہے ۔کہ جو بھی خدا کی کتاب ہو ۔اور اُس میں جو بھی ہدایتیں ہوں وہ انسانی فطرت کے تمام قوے اور اخلاق کو مد نظر رکھ کر بنائی گئی ہوں ؏

اگر ایسا نہیں ہے - تو ہم اس کتاب کو خدا کی کتاب نہیں مان سکتے اور نہ اس کی کوئی وقعت ہمارے دل میں ہو سکتی ہے - کیونکہ خدا کی مخلوق کے بہترین حصہ یعنی عقل کو جو کتاب ملحوظ نہیں رکھتی اور لوگوں کی خوش اعتقادی سے فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے وہ اپنے مقصد کو خود ہی برباد کر دیتی ہے +

پس ایسی کتابیں جو الہامی ہونے کا دعوے کرتی ہوں اور عقل کو جواب دیتی ہوں اگر اُن کا ہم انکار کر دیں - تو ہمیں معذور سمجھنا چاہئیے - کیونکہ ایک ایسی مخلوق میں جو اپنے سر میں عقل بھی رکھتی ہے کس طرح اس بات کا میلان طبع پیدا ہو سکتا ہے - کہ وہ مذکورہ بالا قسم کی کتابوں کو محض کورانہ تقلید سے خدا کی کتاب تسلیم کر لے ہم انہیں تب ہی خدا کی کتاب مان سکتے ہیں جب اُن کے اصول خدا کے پیدا کردہ قوانین فطرت کے مطابق ہوں - کیونکہ خدا کے قول اور فعل میں مغائرت نہیں ہو سکتی - صحیفۂ قدرت اگر خدا کا فعل ہے - تو الہامی کتاب خدا کا قول ہے - پس خدا کے قول اور فعل میں مطابقت ہونی ضرور ہے - خدا کی کتاب کا یہ کام ہونا چاہئیے - کہ ان قوتوں اور اخلاق کو جو خدا نے ہمارے اندر رکھے ہوتے ہیں کام پر لگا دے اور ترقی اور کمال پر پہنچا دے - اور یہی طریق ہے جس سے خدا کا قول خدا کے فعل سے تطبیق کھا سکتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کا قبضہ ہو سکتا ہے - خدا نے اپنی منشا اور اپنے نہایت فضل سے ہمیں نور عقل عنایت فرمایا ہے - تو اگر کوئی کتاب اس بیش بہا خدا کی عطا کردہ نعمت کا ہی قلع قمع کرنا چاہے - تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کی منشا کے خلاف چلتی ہے اور جب وہ خدا کی منشا کے خلاف چلتی ہے تو پھر خدا کی کتاب کس طرح ہو سکتی ہے اور اس کتاب کا انجام ضرور ہے کہ فنا ہو کیونکہ جو کتاب خدا کی منشا اور فعل کے مطابق نہ ہو ضرور ہے - کہ وہ رفتہ رفتہ معدوم اور فنا ہو جائے - اب آؤ اسی معیار پر قرآن کو پرکھیں - قرآن بار بار انسان کو صحیفۂ قدرت کی طرف جو خدا کا فعل ہے توجہ دلاتا ہے - اور جس کی طرف توجہ کا ہی نتیجہ مختلف علوم طبعیات اور سائنس کا پیدا ہونا ہے - قرآن کریم ہمیں بتلاتا ہے کہ جو اصول وہ پیش کرتا ہے وہ صحیفۂ فطرت کے قوانین اور قوتوں کے عین مطابق ہیں - دونو کو ملا کر دیکھ لو -

اور تسلی کر لو اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان اصولوں پر چل کر انسان ہمیشہ سکھ پاتا اور امن میں رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم صاف لفظوں میں فرماتا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم۔ ترجمہ۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت یہی سیدھا دین پھر قرآن کریم اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس کی تعلیم کو خوب تحقیق اور تدبر کی نگاہ سے مطالعہ کرو اور پھر خدا کے بنائے ہوئے صحیفۂ قدرت سے مطابق کر کے دیکھ لو باطنی قوانین کو ظاہری قوانین سے اور خدا کے قول کو اس کے فعل سے تطبیق کر لو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اولم یسیروا فی الارض فتکون لہم قلوب یعقلون بہا او اذان یسمعون بہا۔ فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (الحج) افلا یتدبرون القراٰن ام علٰی قلوب اقفالہا (محمدؐ) ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیات لقوم یعقلون (بقرہ) ترجمہ"۔ کیا انہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا پس اگر ان کے دل ہوتے تو یہ ان سے سمجھتے اور کان ہوتے تو ان سے سنتے۔ یہ بات نہیں ہے۔ لیکن کی آنکھیں اندھی ہیں۔ بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہیں تو پھر کیا قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے، اور ان میں فرق پڑنے میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں انسان کے لئے نفع بخش چیزیں لے کر چلتی ہیں اور بارش میں جو خدا بادلوں سے اتارتا ہے اور اس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ اور زمین میں ہر قسم کا جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں۔ اور ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں نشان ہیں"+

مذکورہ بالا آخری آیت کے آخری حصہ میں انسان کو اپنی خداداد عقل اور فکر سے

کام لینے کے لئے خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ جن میں کورانہ تقلید کی سخت مذمت کی گئی ہے اور عقل فکر سے کام لینے کی بار بار تاکید ہے۔ مثلاً

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا او لوکان اٰباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون ٥ **ترجمہ**۔ اور جب کہا جاتا ہے اُن کو کہ اُس کی پیروی کرو جو اللہ نے اُتارا ہے تو کہتے ہیں نہیں جی ہم تو اسی طریقہ پر چلینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے ہوئے پایا۔ بھلا ان کے باپ دادا کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں تو بھی (وہ ان کی ہی پیروی کئے چلے جائینگے)۔

انّ شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ٥ **ترجمہ**۔ خدا کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔

افمن یمشی مکبا علیٰ وجھہٖ اھدیٰ امن یمشی سویاً علیٰ صراط مستقیم قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلاً ما تشکرون

ترجمہ۔ تو کیا جو شخص اپنا منہ اوندھائے ہوئے چلتا ہے وہ زیادہ روبراہ ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (تنا ہوا) راہ راست پر چل رہا ہے۔ کہدو کہ وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے سُننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل بنائے لیکن تم لوگ بہت ہی کم (ان چیزوں کی) قدر اور شکر کرتے ہو۔

مختصر یہ کہ اسلام کی الہامی کتاب ناقابل فہم عقائد اور خلاف عقل اصولوں سے بیزار ہے۔ وہ تمام ایسی راہوں کی سخت مخالف ہے جو انسان کو عقل سے کام لینے سے معطل کردے اور چوپاؤں کی طرح بنا دے۔ ایک اور جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اٰذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون ٥

ترجمہ۔ اُن کے دل تو ہیں۔ مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اُن کے کان تو ہیں مگر اُن سے سُننے کا کام نہیں

یقیناً۔ یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غافل اور بے پرواہیں +

اب آؤ ہم ذرا اسلام کے سب سے بڑے مفسر کی طرف توجہ کریں یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے مقدس اقوال پر نظر ڈالیں۔ تا اس مسئلہ پر زیادہ روشنی پڑے۔ قرآن کریم کے علاوہ آپ کے وہ تمام اقوال اور احکام بھی جو آپ نے وقتاً فوقتاً فرمائے۔ ہمیشہ نہایت معقولیت پر مبنی اور رازہائے باطنی کے عقدہ کشا اور یقین اور معرفت پیدا کرنے والے ثابت ہوئے۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق میں آنحضرت کے چند اقوال پیش کرتا ہوں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں +

(۱) سب سے پہلی چیز جو پیدا کی گئی عقل تھی +

(۲) اللہ تعالےٰ نے عقل سے بڑھ کر عمدہ یا مکمل اور مجلا یا خوبصورت اور کوئی چیز پیدا نہیں کی منافع جو اللہ تعالےٰ دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سمجھ بوجھ ہے۔ خدا تعالےٰ کی ناراضگی بھی اسی کی وجہ ہے اور اسی کی وجہ سے اعمال پر جزا اور سزا ہے +

(۳) ایک شخص نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ حج اور تمام عمدہ کام کر لیتا ہے لیکن اب جو اُس کو ثواب ملیگا۔ تو اُس نیت اور سمجھ پر ملیگا جس سے وہ یہ اعمال بجالایا ہے +

(منقول از اخبار کرانیکل)

فسٹ پر سبیٹیرین چرچ نیولٹون روڈ میں سبت کی شام کو پادری آر میکسول کنگ صاحب نے آج کل لیکچروں کا ایک سلسلہ "ہمارے غیر مسیحی اتحادیوں کا مذہب" کے عنوان سے جاری کر رکھا ہے۔ اسی سلسلہ میں ۱۷ جنوری کو مذہب اسلام کی باری آگئی۔ پادری صاحب نے جو کچھ مذہب اسلام کے متعلق فرمایا اُسے ہم یہاں اس خیال سے درج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے

ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا اور بالخصوص آج کل جبکہ ہمارے سپاہی ہمارے اتحادیوں کے
عثمانی سپاہیوں کے دوش بدوش دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا:۔

"مذہب اسلام جسے عام طور پر محمدی مذہب کہا جاتا ہے۔ روئے زمین کے تیس کروڑ
انسانوں کا مذہب ہے۔ مسلمان لوگ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اُن کے مذہب کو بجائے
محمدی مذہب کہنے کے یعنی اُن کے رسُول کی طرف مذہب کو منسوب کرنے کے اسلام کے نام
سے پکارا جائے۔ اسلام کے معنی ہیں "خدا کی کامل فرمانبرداری کا مذہب"۔ جب ایک مسلمان
اپنے خدا یا اللہ کا نام لیتا ہے۔ تو اُس سے اُس کا مقصد وہی عظیم الشان ہستی یا خدا ہوتا ہے
جو یہود اور عیسائیوں کا بھی معبود ہے۔ تو پس مسلمانوں کو ہمارا کافر یا ملحد کہنا نہ صرف سخت
غلطی ہے۔ بلکہ مجرمانہ غلطی ہے۔ مسلمان یہود اور عیسائی سب اُسی ایک خدا کی پرستش
کرتے ہیں۔ جب چھٹی صدی عیسوی میں عیسویت مسیح کی اصلی موحدانہ تعلیم سے دور جا
پڑی تو پہلے پہل اسلام اس غلطی کی تردید کے لئے اُٹھا۔ تثلیث کے عقیدے نے خدا
کی توحید کو معدوم کر دیا تھا۔ اور ایک فرقہ نے تو یہاں تک نوبت پہنچائی۔ کہ مسیح کی ماں مریم کو
الوہیت میں شامل کر کے چار خدا بنا دئے۔ آخر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی آواز کو
سنا کہ وہ اُٹھیں اور ابراہیم کے مذہب کی جو توحید تھی پھر زندہ کریں۔ جب آپ کو نبی ہونے اس
وقت آپ کا اپنے تئیں کمزور اور اس بھاری بوجھ کے ناقابل سمجھ کر ہچکچانا بالکل وہی نقشہ
سامنے پیش کر دیتا ہے جو یرمیاہ کے ابتدائی باب میں ہم پڑھتے ہیں۔ درحقیقت آپ کے
یہ ابتدائی حالات نہ صرف انبیائے بنی اسرائیل کے حالات زندگی سے مشابہ ہیں بلکہ ہر ایک
زمانہ کے انبیا اور اولیا میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ جو کچھ آپ کو واقعات پیش آئے۔ وہ
بالکل اُسی قسم کے ہیں جو دوسرے نبیوں کو پیش آئے۔ اور وحی کی طرز بھی انہی کی مانند
تھی۔ آپ کا پیغام گو آج ہمارے دل کو کلی طور پر نہ لگے۔ لیکن اگر ہم انصاف کو دل میں
لائیں اور اُسی کے مطابق حکم لگائیں تو یہ سچ ہے کہ ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ
آپ نبی تھے اور خدا نے اپنی مشیت کے پورا کرنے کے لئے آپ کو مبعوث کیا تھا۔

اسلام کی الہامی کتاب قرآن ہے اور اس میں وہ تمام الہامات اور اعلانات جمع ہیں۔

پیغمبر (حضرت) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانۂ نبوت میں وحی ہوئے۔ اس کتاب میں نہ صرف مذہب اسلام کے عقائد و ارکان ہی درج ہیں بلکہ مومنوں کے روزمرہ کے عمل درآمد کے لئے معاشرت و تمدن اور اخلاق کے قوانین بھی مذکور ہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاں الہامی کتاب اور قانون یعنی شریعت ایک ہی چیز ہے۔ مگر عیسائیوں کے ہاں اُن کی مذہبی کتاب الگ ہے اور قوانین کے لئے اصول الگ بنانے پڑتے ہیں +

اسلام میں قانون کی ناواقفیت عذر نہیں سمجھی جا سکتی۔ جو ایک عیسائی اپنے ہاں بطور عذر کے پیش کر سکتا ہے۔ عبادات اسلامی میں ایک تو کلمہ پڑھنا ہے۔ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرے مفروضہ نماز ہے۔ تیسرے رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا ہے۔ چوتھے زکوٰۃ ہے۔ پانچویں مکہ جا کر حج کرنا ہے۔ اسلام کی الہیات نہایت سادہ ہے۔ اور اُس کا سارا مضمون اللہ ہی اللہ ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ **ترجمہ**۔ کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ازلی ابدی ہے۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں"۔ پھر قرآن میں ہے۔ الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین + **ترجمہ**۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے رستہ کی ہدایت فرما۔ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ نہ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ اُن لوگوں کا جو گمراہ ہوگئے +

ہر ایک مسلمان مقررہ وقتوں پر پانچ دفعہ دن رات میں نماز پڑھتا ہے۔ اور جو سچے مومن ہیں وہ کبھی نماز قضا نہیں کرتے۔ علاوہ زکوٰۃ کے روزانہ صدقات کے لئے بھی بہت تاکید ہے اور نیکی اور شفقت علے خلق اللہ اور اخوت و اتحاد خدا کو راضی کرنے

والے افعال سمجھے جاتے ہیں +

دنیا خدا نے چھ ایام میں بنائی - ہر ایک زندہ مخلوق جو پیدا ہوتی ہے وہ خدا ہی پیدا کرتا اور اُس میں جان ڈالتا ہے - جسم اور رُوح دو الگ الگ چیزیں مانی جاتی ہیں - موت کے وقت جسم خاک میں مل جاتا ہے اور رُوح پر نیند یا غشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے - قیامت کے دن ایک فرشتہ صور پھونکیگا - جس سے زمین ریزہ ریزہ ہو جائیگی اور رُوح جسم سے مل جائیگی - اور خدا اپنے عرش پر فرشتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا - اعمالنامے کھولے جائینگے - اور ہر ایک شخص اپنے اعمال کو جو وہ کر چکا ہے پڑھیگا - ہر ایک شخص کو اپنے اعمال کی فہرست دیجائیگی - نیک اعمال کی دائیں ہاتھ میں اور بد اعمال کی بائیں ہاتھ میں اور اعمال کو وزن کرنے کے لئے میزان قائم ہوگی - نیک لوگ جنت میں ابدی سُکھ پائینگے اور بد لوگ آگ کے گڑھے میں پھینکے جائینگے - جہاں روح اور جسم یکساں دکھ پائینگے بدی جو انسان میں ہے اُس کا محرک شیطان سمجھا جاتا ہے - آدم نے اپنی لغزش سے خدا کی نعمت کو کھو دیا تھا - لیکن خدا نے اپنے خاص فضل سے اُس پر رجوع بہ رحمت فرما کر وہ نعمت پھر واپس دیدی - قرآن میں صاف طور پر یہود - عیسائیوں اور زرتشتیوں کے خیالات اور مذہب کا رنگ جھلکتا ہے - محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ سے پہلے جتنے آئے سب چور اور بٹ مار آئے - بلکہ اس کے خلاف آپ نے اس بات کو تسلیم کیا - کہ خدا اپنے آپ کو ہمیشہ نبیوں اور کتابوں کے ذریعے سے دنیا پر ظاہر کرتا رہا ہے - جس طرح یہود کو شریعت دی اور عیسائیوں کو انجیل دی اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم یعنی مجھ کو قرآن دیا - اور اپنی وحی سے مشرف کر کے مجھے بطور رسول کے لوگوں کی طرف بھیجا ہے - قرآن میں کئی ایک رسولوں کا ذکر ہے - آدم - موسےٰ - عیسےٰ (یسوع) محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسلمانوں کے لئے نبی ہیں - بلکہ خاتم النبیین ہیں یعنی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں - تمام انبیا و رسل مسلمانوں میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً اُن کے ساتھ "علیہ السلام" کہا جاتا ہے - یہ سچ ہے کہ تیغ و دشمنا

نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن کے عقیدے میں جو اصلی انجیل مسیح پر وحی ہوئی تھی وہ نہایت قابل عزت کتاب تھی۔ مسلمانوں کے نزدیک اُسی طرح جس طرح خود مسیح کے حواری سمجھتے تھے۔ مسیح یوسف اور مریم کا بیٹا تھا اور خدا کا نبی و رسول تھا۔ قرآن میں ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علےٰ بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجٰت ط واتینا عیسےٰ ابن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس

ترجمہ۔ یہ رسول ہم نے ان میں بعض کو بعض پر برتری دی۔ ان میں کوئی تو ایسے ہیں جن سے خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجے اور طرح پر) بلند کئے اور عیسےٰ ابن مریم کو کھلے کھلے نشان دئے اور رُوح القدس سے اُن کی تائید کی۔" پھر ایک کا یہ مقولہ ہے۔ "کہ ہم مسلمان مسیح علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں اور انہیں اپنے نبیوں میں سے ایک گنتے ہیں تو پھر ہم کیوں لڑیں۔ کیا ہم اور عیسائی دونو مسیح کو ماننے کی وجہ سے اتحاد کی ایک مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ایک سچے مسلمان کا سچا عیسائی ہونا بھی ضروری ہے"۔

الغرض میں نے مسلمانوں کی کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے اُن میں مسیح کی نسبت اس قدر عزت اور تعظیم کے کلمات پائے کہ اُس وقت مجھے یہ پتہ نہ لگتا تھا۔ کہ میں ایک مسلمان کی لکھی ہوئی کتاب پڑھ رہا ہوں یا ایک عیسائی کی۔ پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ عیسائیوں نے جو کچھ حضرت محمدؐ صلے اللہ کی نسبت کہا اور لکھا ہے وہ مسلمانوں کے مذکورہ بالا طریق سے کس قدر مختلف ہے۔ لیکن اس کا اصلی باعث کیا ہے۔ بلحاظ اپنی زندگی میں ایک مسلم با اخلاق اور متقی ہوا کرتا ہے۔ وہ خدا اور یوم آخر سے عمل کرتے وقت ڈرتا ہے۔ خدا کی منشا کی کامل فرمانبرداری جس کا دوسرا نام اسلام ہے ایک مسلم کی مذہبی زندگی کے لئے لازمی امر ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی زبان پر "انشاء اللہ" کا لفظ عام طور پر رہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں "اگر خدا چاہے"۔ اسلام میں یہ بھی مانا جاتا ہے۔ کہ خدا توبہ سے گناہوں کو مغفرت کر دیتا ہے۔

خدا گناہوں کو معاف کر دینے کا اختیار رکھتا ہے مگر کافروں کو خواہ کتنے ہی عمدہ کام

کریں کوئی اجر نہیں مل سکتا[1]+

پس اس اصول میں اسلام مسیح کے اُس امتوں سے جو اُس نے خدا کی محبت کے متعلق تعلیم دی ہے۔ کم رہتا ہے۔ جس طرح کہ اکثر عیسائی مانتے ہیں۔ کہ بائیبل اپنے لفظوں کے ساتھ الہامی ہے اور اس میں کوئی غلط نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان قرآن کو خدا کی منشا اور ارادے اور احکام کا مکمل مظہر اور بالکل محفوظ مانتے ہیں اگرچہ جائے تعجب ہے۔ مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ باوجود اصول کی پابندی میں اس قدر سختی ہونے کے فروعات میں معقول طور پر اختلاف رائے ہو جانا کوئی ہرج نہیں سمجھا جاتا۔ میں اسلامک ریویو جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۹۲ سے حوالہ دیتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ "اسلام افعال میں آزادی روا رکھتا ہے اور ذاتی اجتہاد کو اچھا سمجھتا ہے اور معقول اختلاف رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے محمد رسول اللہ صلعم انسانی عقل کی مختلف حالتوں اور بناوٹوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے فرماتے ہیں اختلاف امتی رحمۃ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے معقول اختلاف کو خدا کی رحمت قرار دیا۔ کیا عقل اور فکر کی قوت خدا کی عطا کردہ نہیں۔ اگر ہے تو پھر یہ ضروری ہے۔ کہ جب انسان اپنی اپنی جگہ عقل اور فکر سے کام لیگا۔ تو اختلاف بھی پیدا ہوگا اور اگر مذہب بھی خدا کا عطیہ ہے تو پھر یہ خدا کے دوسرے عطیوں کو تباہ نہیں کر سکتا۔ پس جو مذہب اپنے ماننے والے کی عقل کو ذبح کر دیتا ہے۔ اور کسی شخص کو اپنی تحقیق کے لئے کوئی راہ نہیں دیتا وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف انسانی دماغ کا اختراع ہے" قرآن کے الفاظ یہ ہیں لا اکراہ فی الدین

---

[1] یہ غلط ہے قرآن میں ہے۔ یومئذٍ یصدر الناس اشتاتاً لیروا اعمالھم ہ فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرًا یرہ ہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرًا یرہ ہ۔ سورہ زلزال ترجمہ۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں اپنے اعمال دیکھنے کے لئے جمع ہونگے اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ بھی دیکھ لیگا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بدی کی ہے وہ بھی دیکھ لیگا + ان الذین امنو والذین ھادوا والنصریٰ والصابین من امن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحًا فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون ہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہود اور عیسائی اور صابی ہیں۔ جو کوئی ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یوم آخر پر اور نیک عمل کرتا ہے پس ان کے لئے اُن کا اجر اُن کے رب کے حضور میں ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ایڈیٹر

قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا واللہ سمیع علیم **ترجمہ** - دین میں کوئی زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے - تو جو جھوٹ کا انکار کرتا ہے - اور خدا پر ایمان لاتا ہے وہ مضبوط رسی کو پکڑتا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں - اور خدا سننے اور جاننے والا ہے +

اسلام ایک حریت کا مذہب ہے - یہ تمام بنی نوع انسان کو یکساں حقوق دیتا ہے اور تمام جہان کے ایک ہی حاکم اور بادشاہ یعنی صرف خدا کا سب کو محکوم بنانا چاہتا ہے - اور بس - اور یہ بار بار تاکید کرتا ہے کہ انسانی روح کو اس ہستی سے جو اس کا رب ہے گہرا تعلق پیدا کرنا چاہئے +

اگرچہ نبی کریم نے فرمایا کہ خدا نے ہر ایک آدمی کی قسمت اس کی پیشانی پر لکھ دی ہے اور ہم میں عام طور پر یہی یقین پھیلا ہوا تھا - کہ اسلام بالکل کورانہ طور پر جبریہ مذہب کی تعلیم دیتا ہے - مگر مسلم ریویو ہمیں بتلاتا ہے - کہ اسلام جبریہ مذہب نہیں - چنانچہ اس میں لکھا ہے - کہ " ایک ایسا مذہب جو کہ محنت اور جفاکشی کی عزت کرتا ہے اور انسان کو اپنے عمل کا خود ذمہ وار ٹھیراتا ہے - اور بتاتا ہے - کہ خدا کی طرف سے ہمیشہ خیر و بھلائی ہی آتی ہے - وہ نہایت بودے اور انسان کے لئے زہر قاتل - جبریہ عقیدہ کی کب تائید کر سکتا ہے جس کے رو سے بدی ایک پہلے سے مقدر چیز ٹھیر جاتی ہے اور پھر اس سے بچنے کی کوشش کرنا انسان کے لئے ایک عبث اور بلا نتیجہ فعل ہو جاتا ہے - اسلام تو نہایت صاف لفظوں میں جبریہ عقیدہ کی تردید کرتا ہے " - اس کے علاوہ لارڈ ہیڈلے لکھتے ہیں " ہم تمام بنی نوع انسان کے آخر کار نجات پا جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں " - اسلام میں حریت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کے متعلق بھی احکام موجود ہیں - قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی عورتوں کا ذکر آیا ہے - وہاں ان کے لئے نہایت عزت اور تعظیم کی تاکید کی گئی ہے - ماں کے ساتھ محبت کرنا ایک مسلمہ اصول ہے - اور بیوی کے ساتھ مہربانی اور شفقت کے سلوک کی سخت تاکید ہے - مثلاً قرآن میں آتا ہے - یا یہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً

کثیرا و نساء ج واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ط ان اللہ کان علیکم رقیبا ہ

ترجمہ۔ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونو سے کثرت سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلائے اور اللہ سے ڈرو جس کا تم واسطہ دیکر اپنے کتنے کام نکالتے ہو۔ اور رحموں کا لحاظ رکھو۔ بیشک اللہ تمہارا نگران حال ہے۔

پھر احادیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میری اُمت میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو اپنی بی بی سے سب سے زیادہ نیک اور مہربانی کا سلوک کرتا ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے۔ فردوس ماں کے قدموں کے تلے ہے۔ عورتوں کے حقوق محترم ہیں۔ پس خبردار جو حقوق عورتوں کو دئے گئے ہیں اُن میں خلل نہ واقع ہو۔ مسجد میں آنے سے اپنی عورتوں کو نہ روکو خدا اور اُس کی مخلوق کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے خاندان کے لوگوں اور اپنی بی بی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہے۔ نیک اور باعصمت عورت شوہر کا بہترین خزانہ ہے۔ اپنی بیبیوں کے ساتھ جو سلوک کرو اُس میں خدا کا خوف مدنظر رکھو۔ وہ تمہاری مددگار ہیں۔ تم نے خدا کی ضمانت پر اُن کو لیا ہے۔ اور خدا کے کلمات سے اُن کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ملکہ ہے۔ دُنیا خوشی اور مسرت کی چیزوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن سب سے بہتر خوشی کا منبع نیک اور باعصمت عورت ہے"۔

اِس بات کے کہنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ ایک مذہب جس کا مفہوم وہی خدا کے ارادوں کی کامل فرمانبرداری ہو۔ وہ اپنے متبع سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ راستباز ہو۔ اپنے معاملات میں نہایت صاف اور سچا ہو اپنے لفظوں اور معاہدوں کا پورا پابند ہو۔ قرآن سے ان باتوں کو ثابت کرنے کی طوالت کا یہ مضمون متحمل نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے خلاف کوئی اشارہ کرنا ہمیں گویا اپنی عقل و سمجھ کو جواب دینا ہے جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ وہی ہے جو عام طور پر اسلام میں پایا جاتا ہے۔ البتہ مختصر ہے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے میں نے صرف مجمل سا خاکہ کھینچا ہے۔ اس مختصر مضمون سے میں نے آپ لوگوں کو تحریک کرنی چاہی ہے۔ کہ آپ اسلام پر غور کریں یہ کہ اپنی سابقہ رایوں کو بدلیں

اور یہ کہ آپ لوگ جانیں - کہ تمام مذاہب میں سچائی ہے اور ہر ایک مذہب قابل عزت ہے - اگر میری اس تحریک پر آپ لوگوں نے توجہ کی تو میں سمجھونگا - کہ میری یہ ساری تقریر ضائع نہیں گئی - اسلام میں بہت سی سچائی اور خیر و برکت ہے - اسلام کی بعض سچائیاں اور ارکان اگر عیسائی لوگ اختیار کرلیں - تو عیسائی نقصان نہیں اُٹھائینگے - آؤ ہم ایک دوسرے کے مذہب میں جو عمدہ باتیں ہیں اختیار کرلیں - عمدہ باتوں کی تلاش کریں - اور جو کسی دوسرے کے پاس عمدہ بات ہو اُس سے سیکھ لیں اور جسے ہم سچے سمجھتے ہیں اُسے قائم رکھکے دنیا جہان اور خدا کے متعلق نظر ذرا زیادہ وسیع کریں اور سمجھیں کہ تمام انسان اُسی خدا سے نکلے ہوئے ہیں اور نیز ہم سمجھیں کہ انسان پر جھوٹ کبھی حکومت نہیں کرسکتا پس تمام مذاہب خدا کی آواز اور انسان کی اُس آواز کی فرمانبرداری سے قائم ہوئے ہیں - کسی مذہب کی قدر و عزت اس بات پر منحصر نہیں - کہ اس میں قطعاً کوئی غلطی نہ ہو بلکہ اس پر منحصر ہے - کہ اُس میں سچائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہو اور اُس کے اخلاقی اصول اُس کے متبعین پر اپنا اثر ڈال سکیں +

اِسلام نے کیوں ظاہر شریعت کی پابندی کو قائم رکھا

(از سید مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا)

یہودیت اور عیسویت اور اسلام تینوں ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں - ان میں سے یہودیت میں عیسویت کی بہ نسبت ظاہر شریعت کی پابندی بہت زیادہ ہے - قرآن کے پڑھنے والے جانتے ہیں - کہ اسلام کی تعلیم میں یہودیت کی بہ نسبت عیسویت کا رنگ زیادہ ہے اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے - اور یہودیت کی طرح کسی خاص قوم یا فرقہ کے لئے محدود نہیں اسلام کا خدا رب العالمین یعنی تمام جہانوں کا رب ہے - اور اسلام کا نبی رحمۃ للعالمین یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے - اسلام کا دعوےٰ ہے کہ وہ ایک رُوحانی مذہب ہے اور یہی

وجہ ہے کہ اس میں لاکھوں صوفی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے بڑے بڑے سینٹوں یعنی ولیوں لوگوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہندوؤں کے رشیوں اور مہاتماؤں کی مانند ہیں بعض مسلمان صوفیوں نے روحانی ترقیات میں ہندو رشیوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور بازی لے گئے۔ ہندوستان میں کثرت سے ہندو مسلمان ولیوں کی خانقاہوں پر اُسی طرح زیارت کے لئے آتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے دیگر مقدس مقامات پر جاتے ہیں۔ چند سال کا عرصہ گذرا ہے۔ کہ اودھ میں حاجی وارث علی شاہ صاحب ایک ولی گذرے ہیں جن کی ہر ایک مذہب و ملت کا آدمی عزت اور تعظیم کرتا تھا۔ اکثر صوفی ظاہری شریعت کی پابندی کی عیسائیوں کی طرح پروا نہیں کرتے۔ عیسائی راہبوں یا ہندو جوگیوں کی طرح بہت سے صوفیوں نے روحانی ترقی کے لئے اپنے تئیں وقف کر دیا۔ اور اپنے جسمانی عیش و آرام کو بھلا دیا۔ پس باطنی رنگ میں اسلام نے اپنے خیالات الگ ہی پیدا کئے جو بدھ اور ویدک خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ باایں ہمہ اسلام بحیثیت مذہب کے یہودیت کی طرح ظاہر شریعت کو قائم رکھتا ہے بلکہ تفصیل میں تو یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور زندگی کے ہر ایک شعبہ اور ہر ایک فرد کے لئے قوانین مہیا کر دئے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس نے ہر ایک شخص کو اپنے اعمال و افعال کا خود ذمہ وار قرار دیا ہے۔ اور کفارہ کے خیالات کو یک قلم اُٹھا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا ج وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ ط وھو العزیز الحکیم (فاطر) ترجمہ۔ اللہ رحمت جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں۔ اور اگر بند کر دے تو اس کے پیچھے کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب اور حکمتوں والا ہے۔

پھر فرمایا۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ط وان تدع مثقلۃ الی حملہا لا یحمل منہ شیئاً ولو کان ذا قربیٰ ط انما تنذر الذین یخشون ربہم بالغیب واقاموا الصلوۃ ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہٖ والی اللہ المصیر ۝ (فاطر) ترجمہ۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہیں لیگا۔ اگر کسی پر (گناہوں کا) بڑا بھاری بوجھ ہوگا اور وہ اپنا بوجھ بٹانے کے لئے (کسی کو) بلائیگا تو اُس کا ذرا سا بوجھ نہیں بٹایا جائیگا۔ اگرچہ وہ (جس کو اُس نے

بلایا جائے اُس کا رشتہ دار (ہی کیوں نہ) ہو۔ (اے پیغمبر) تم تو بس اُنہیں لوگوں کو ڈرا سکتے ہو۔ جو بے دیکھے خدا سے ڈرتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور جو شخص اپنا تزکیہ کرتا ہے تو اپنی جان کے فائدے کے لئے تزکیہ کرتا ہے۔ اور (سب کو آخرکار) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ قرآن صاف صاف کفارہ کے مسئلہ کو رد کرتا ہے۔ اور نہایت دلیری سے انسان کو مطلع کرتا ہے۔ کہ واتقوا یوماً لا تجزی نفس عن نفس شیئاً ولا یقبل منھا شفاعۃ (البقرہ) **ترجمہ**۔ اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ اور کوئی شفاعت قبول نہ کی جائیگی ؎

اسلام کا انحصار اعمال صالحہ پر ہے۔ ومن یعمل من الصٰلحٰت من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فاولٰئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا (نساء) **ترجمہ**۔ اور جو نیک عمل کرینگے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت اور وہ ایمان والے ہونگے۔ وہی جنت میں داخل ہونگے اور ذرا بھی اُن کی حق تلفی نہ ہوگی ؎

الغرض جب ہر ایک شخص کو خود ذمہ وار گردانا گیا۔ تو ضرور تھا۔ کہ لوگوں کو سیدھا رستہ بھی بتایا جاتا۔ اسلام کا خدا نہایت عادل اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اُس نے ہر ایک قوم کی طرف نبی اور ہادی بھیجے اور وہ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا۔ جب تک اُس کی طرف کسی ہادی کو نہ بھیج لے۔ یہ کیسا پر از انصاف و رحم اعلان ہے! جب خدا نے ہر ایک شخص کے کندھوں پر ذمہ واری کا بوجھ رکھا۔ تو یہ اُس کا فرض ہے۔ کہ وہ لوگوں کو سیدھا رستہ بھی دکھاوے اور انسان کی ہر ایک حالت کے لئے زندگی کا ایک معیار اور ایک رستہ مقرر کرے۔ پس اسلام کا یہ فرض تھا کہ عملدرآمد کے لئے وہ ایک شریعت پیش کرتا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ تھے تمام لوگوں کے لئے خود ایک عملی نمونہ تھے۔ لیکن آپ کا فرض تھا۔ کہ آیندہ نسلوں کے لئے آپ ایک مکمل شریعت چھوڑ جاتے۔ اسلئے ضروری تھا کہ تمام عبادات اور روزمرہ کے معاملات قوانین کے ماتحت منضبط کئے جاتے ؎

(قرآن کریم تو خدا کا کلام ہے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہر بات

ہیں وحی الٰہی کی پیروی کرنے والے تھے - لیکن اگر عقلی پہلو سے دیکھا جائے تو
حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسٰے اور حضرت عیسٰے کی نبوت کو تسلیم کیا - ان
میں سے حضرت موسٰے کو آپ نے صاحب شریعت مانا - آپ کو کوئی نفسانی بڑائی کا تو خیال
تھا ہی نہیں اسلئے آپ نے حضرت موسٰے کے بہت سے قوانین کو جو اُن کی قوم کیلئے تھے قبول کر لیا -
لیکن آپ نے اُن کی سختی کو کم کر کے اُنہیں عالمگیر بنا دیا - ان قوانین کی تفہیم میں آپنے
حضرت عیسٰے کی پیروی کی اور لفظ پرستی کو چھوڑ کر اُن کی حقیقت کو لیا - لیکن ساتھ ہی الفاظ
کے ظاہر کی طرف سے بے پروائی بھی نہیں کی - پس ظاہر شریعت کی پابندی یہودیت
کی طرح اسلام میں بھی آئی - بلکہ زیادہ تفصیل اور لطافت کے ساتھ آئی - لیکن اسلامی
شریعت اور یہودیوں کی شریعت میں ایک بیّن فرق ہے - اسلام میں شریعت حقیقت
نہیں ہے - اس کا مدعا قوم میں وحدت پیدا کرنا - لوگوں کو مہذب بنانا اور زندگی کو تقویٰ
اور اخلاق فاضلہ کے ماتحت چلانا ہے - دن میں دو ہزار دفعہ وضو کرو - لیکن اس سے تمہاری
رُوح پاک نہ ہوگی - جب تک کہ تمہارے ارادے نیک اور تمہارے اعمال صالح نہ ہوں - اسلام
میں کوئی بھی ایسا قاعدہ نہیں ہے جو بعض حالتوں کے ماتحت چھوڑا نہ جا سکتا ہو - ہاں وہ
اصول جس پر وہ قاعدہ قائم ہُوا تھا - انسانی زندگی کی ہر حالت میں ویسا ہی قائم رہتا ہے
اسلام میں اصولوں کی پابندی کے متعلق نہایت سختی سے تاکید ہے - لیکن قواعد
مختلف حالتوں کے ماتحت بدلتے رہتے ہیں - مثلاً مسلمانوں کو حکم ہے کہ رمضان میں
روزے رکھیں - لیکن جب یہ ناقابل عمل ہو جائے - مثلاً مرض یا سفر کی حالت میں تو
اُس وقت روزہ تو معاف ہو جاتا ہے لیکن اس حکم کی اصلی حقیقت کو ہاتھ سے جانے نہ دینے کے
لیئے مساکین کو کھانا کھلانا ضروری ہو جاتا ہے - اسلام نے کبھی نہیں کہا کہ ظاہر شریعت کا نام
ہی مذہب ہے - بلکہ اس نے یہود اور نصارےٰ کو اپنی اپنی جگہ جنت کے ٹھیکہ دار بن جانے
کے دعوے پر ملامت کی چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے - وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان
ھودًا او نصٰرٰی ط تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ٥ بلیٰ من اسلم
وجھہٗ للہ وھو محسن فلہٗ اجرہٗ عند ربہٖ ص ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥ (بقرہ ع)

ترجمہ اور (یہود) کہتے ہیں کہ یہود کے سوا اور (نصاریٰ کہتے ہیں) کہ نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جانے پائیگا۔ یہ ان کے (اپنے) خیالی پلاؤ ہیں۔ (اے پیغمبر) کہدو کہ اگر سچے ہو تو کوئی دلیل اور برہان پیش کرو۔ بلکہ واقعی بات تو یہ ہے۔ کہ جس نے خدا کے آگے (کامل فرمانبرداری سے) اپنا منہ رکھ دیا۔ اور وہ نیکوکار بھی ہے۔ پس اُس کا اجر اُس کے رب ہاں (مقرر) ہو چکا اور ایسے لوگوں پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے +

اسلامی قوانین اور شریعت کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خود محمد مصطفےٰ صلعم اور آپ کے صحابہ نے عمل کر کے دکھایا آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا۔ کہ ان قوانین اور شریعت میں کوئی حکم ایسا نہیں جو قابل عمل نہ ہو۔ پھر یہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ یہ احکام ہر ایک قوم اور مذہب اور سوسائٹی کے ہر ایک مرتبہ اور طبقہ کے لئے نہایت موزون ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی کثرت سے مختلف حالات کے ماتحت گذارنی پڑی ہے آپ میں ایک کاروباری آدمی۔ ایک سپاہی۔ ایک شہری۔ ایک بادشاہ۔ ایک فلسفی۔ ایک درویش۔ ایک خلوت نشین عابد۔ ایک صاحب ریاضت زاہد سب ہی کے تو رنگ نظر آتے ہیں اور سب کا اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ آپ میں پایا جاتا ہے۔ وہ صوفیا جو ظاہری شریعت کی پابندی کی زیادہ پروا نہ کرتے تھے وہ بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور تعلیم سے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔ وہ بھی قرآن سے ہی رموز باطنی حاصل کرتے ہیں۔ جو ویدانت فلاسفی سے بہت اوپر نہایت اعلےٰ مذہبی فلاسفی ہے۔ وہ بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی سے نمونہ لیتے ہیں۔ ایسے وقت بھی تھے جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ویدک مہاتماؤں کی طرح تنہا غاروں میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے بیٹھتے رہے۔ ایسے بھی موقعے ہوتے رہے۔ کہ آپ تمام دنیوی تعلقات کی زنجیروں کو کاٹ کر اپنے گھر میں ہی بند ہو کر سب سے علیحدہ تشریف رکھتے رہے۔ جہاں آپ کی بی بیاں بھی آپ سے مل نہ سکتی تھیں۔ آپ نہ صرف کثرت سے روزے ہی رکھا کرتے تھے۔ بلکہ راتوں کو نماز میں اتنا قیام فرماتے تھے۔ کہ آپ کے

پاؤں سوج جاتے تھے۔ لوگوں کے سامنے آپؐ نے انتہائی مقصد بہشت کو نہیں رکھا بلکہ اس مقام کو رکھا جو دیدار الٰہی کا مقام ہے۔ اسی لئے قرآن کی آیت انا للہ وانا الیہ راجعون کا مسلمانوں میں کثرت سے رواج ہے۔ یعنی ہم اللہ کے لئے اور اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ تاکہ مقصد اصلی خدا اور اُس کا وصال مدنظر رہے +

لیکن اس میں شک نہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی یہ باتیں اور خاص واقعات اور قرآن کریم کی تصوف کی تعلیم ہر ایک کے لئے نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ خاص لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں۔ اگر سب کے سب دنیا میں زاہد مرتاض بن جائیں تو بنی نوع انسان کا خاتمہ ہو جاتے۔ اس طرح ہم فرشتے تو بن سکتے ہیں۔ لیکن انسان نہیں رہ سکتے۔ روحانیت کی طرف ساری توجہ مبذول کر دینے اور جسم کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ ہم درندوں کا شکار ہو جائینگے۔ نہ صرف شیر اور چیتوں کا بلکہ چیونٹیاں اور کیڑے تک ہمیں کھا جائینگے۔ اور اس طرح خدا کی بہترین مخلوق بنی نوع انسان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ روحانیت کی طرف کامل توجہ کرنے والے بھی صرف معدودے چند ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ سب کے سب +

پس جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن چند کے لئے نہ تھا بلکہ کل دنیا کے لئے تھا۔ آپ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے خواہ وہ عقلمند ہوں یا ناداں۔ اعلےٰ ہوں یا ادنےٰ معلم ہو کر آئے تھے۔ تمام دنیا کے خدا نے آپ کو تمام دنیا کے لئے صراط مستقیم دکھانے پر مامور کیا تھا۔ اسلیئے آپ کو ایسی شریعت دی گئی۔ جو ہر ایک انسان کے لئے قابل عمل ہے۔ اور ایسا اس لئے کیا گیا تا ہر ایک آدمی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حسنات سے متمتع ہو۔ وہ اصول جس پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عمل کرنے کے لئے وحی ہوئی۔ یہ تھا۔ کہ اوپر ایک خدا ہو اور نیچے ایک قوم ہو۔ اسلام کی بنیاد وحدت الٰہی اور وحدت انسانی ہے۔ اسلام رُوح اور مادہ یعنی جسم و رُوح دونو کی طرف توجہ دلاتا ہے قرآن کریم جہاں جناب الٰہی کی اعلےٰ سے اعلےٰ معرفت سکھاتا ہے۔ وہاں شفقت علےٰ خلق اللہ کے بہترین اصول بتاتا ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ صرف ایک بہتر سے بہتر مذہبی آدمی ہوتا ہے

بلکہ اس قابل ہوتا ہے۔ کہ سوسائٹی کا زیور بن جائے۔ جب مسلمان اپنے مذہب کے پوری طرح پابند تھے اُن کی ہر ایک قوم عزت کرتی تھی۔ اُن کے نمونہ کو دیکھ کر دنیا جہان کے لوگ اُن کے مذہب کو قبول کرتے تھے۔ اور اسلام کے سرعت سے پھیلنے کا یہی راز تھا۔ جس قدر مضبوطی سے مسلمان قوانین شریعت کے پابند رہے اُسی قدر اُن کی قوم ترقی کرتی رہی اور اقبال یاوری کرتا رہا۔ کبھی کسی قوم نے اپنی زندگی اور قوت و استحکام کے آثار ایسے نمایاں طور پر ظاہر نہیں کئے جیسے کہ مسلمانوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر کے زمانے میں کئے۔ اور کبھی ساری قوم کی قوم نے اخلاق فاضلہ کا ایسا اعلےٰ نمونہ نہیں دکھایا جیسا کہ اس زمانے کے عربوں نے دکھایا۔ چنانچہ ہر قسم کے گناہ اور جرائم معدوم ہو گئے تھے۔ اور ایسی قوم کی ترقی کا سیلاب کو روکنا ناممکن تھا۔ یہ سب کچھ اسلام کی شریعت کے احکام پر عملدرآمد کا نتیجہ تھا۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک۔ ایک معمولی کسان سے لیکر بادشاہ وقت تک سب کے سب زندگی کے ایک ہی قسم کے مقرر کردہ اصولوں پر جو اسلام نے فرض کر دئے تھے عمل کرنے کے لئے پابند تھے جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ ساری قوم کی قوم ایک رنگ میں رنگی جا کر دنیا کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بن گئی۔ یہ اسلامی شریعت کی ظاہری خوبی کی پابندی کی ہی خوبی تھی جو ساری قوم کی قوم بے نظیر وحدت و یکتائی کے معراج پر پہنچ گئی اور یہ بھی شریعت کی پابندی کا ہی نیک ثمرہ تھا جو قوم کی قوم تمدن و معاشرت اور روحانی ترقی کے کمال پر پہنچ گئی۔ آنحضرت صلعم اور حضرت عمر کے زمانہ کے مسلمانوں نے نہ صرف دنیوی سلطنتوں میں ہی عجیب و غریب فتوحات کیں۔ بلکہ اخلاق فاضلہ اور روحانیت کے بھی بادشاہ بن گئے۔ دنیا و دین دونو سلطنتوں کے وارث بن گئے۔ ایسے قلیل عرصہ میں یہ انقلاب کیوں واقع ہو گیا۔ اسلئے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کو ایک قاعدہ اور اندازہ کے اندر مقید کر دیا تھا۔ اس صنعت و حرفت کے زمانہ میں قاعدہ و اندازہ کی خوبی کو سمجھنا کچھ بھی مشکل بات نہیں جبکہ مشین کا ایک ایک پُرزہ ایک خاص مقرر شدہ اندازہ پر بنایا اور رکھا جاتا ہے +

پس ہمارے نوجوانوں کو چاہئیے کہ اپنی فرضی تہذیب اور روشنی کے نشہ میں بدمست ہو کر اپنے مذہب کے قوانین شریعت کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ اگر وہ سلف صالحین کی

طرح مستعدی اور اخلاص کے ساتھ اُن پر عمل کرنے لگیں تو آج دنیا میں پھر معزز اور ممتاز بن سکتے ہیں +

عقلی فلسفہ

اور

طبعیات کے ماتحت علوم باطنی

(از ڈاکٹر اے نیول جے وہینٹ پی ایچ ۔ ڈی ۔ لٹ ڈی ۔ ایف ایس ۔ پی)

یہ ایسٹر کی تقریب پر میری طرف سے پیغام ہے ۔ اگرچہ کوئی اور مذہب اس سے متاثر ہو یا نہ ہو ۔ مگر عیسائیوں کی نگاہ میں تو ایسٹر ایک نہایت با وقعت تیوہار ہے اور اُس زمانہ کی یادگار جب ہر ایک چیز کی یادگار کا قائم کرنا دستور تھا ۔ جو اب اس زمانہ میں قریباً معدوم ہوتا چلا جاتا ہے آج جب موسم اپنی بہار پر ہے اور نیلگوں آسمان اور چمکتے ہوئے سُورج اور پرندوں کے کلول کرنے سے یہ پتہ لگنے لگا ہے کہ صحیفۂ قدرت پھر دوبارہ زندہ ہو گئی ہے آؤ میرے ساتھ ملکر اُن باتوں کی تحقیقات کرو ۔ جو بنی نوع انسان میں خود ساختہ تفرقہ کی بنا ہیں ۔ اور جو عالمگیر اخوت و محبت کو حقیقت کا جامہ پہننے سے روک رہی ہیں +

ایک زمانہ تھا ۔ کہ دنیا میں بولیوں کا وجود ہی نہ تھا ۔ اور انسان بول نہ سکتا تھا ۔ اور ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھانے کے لئے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں سے اشارے کیا کرتے تھے ۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو ۔ کہ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے صرف اپنے ہی حواس کو کام میں لاتا تھا ۔ اور کسی دوسرے کے خیالات الفاظ کے ذریعے اُس کی فہم و عقل تک نہ پہنچ سکتے تھے ۔ جنھوں نے صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کیا ہے اُن کا بیان ہے ۔ کہ دیگر حیوانات کا اب تک یہی حال ہے ۔ اب دیکھو اس سے نتیجہ کیا نکلا ۔ فطرت صحیحیہ اور حواس یہ دو قوتیں تھیں جس پر انسان کے تمام کاموں کا دار و مدار تھا ۔ اور اسی لئے بہت کم کبھی جھگڑا ہوا کرتا تھا ۔ اور جھگڑا اُسی وقت ہوا کرتا تھا ۔ جب کوئی معقول وجہ جھگڑنے

کی ہوتی تھی - مثلاً کسی دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا - اب سوچو کہ آج ہمیں کیا تماشا نظر آتا ہے - فرقے اور جماعت بندیاں - تفرقہ اور تقسیم صرف اس لئے کہ انسان میں قوت ناطقہ جیسی بے بہا نعمت اپنے کمال تک پہنچ گئی ہے - انسان اپنے بھائی کی بات کو اچھی طرح خود تو سمجھتا نہیں اور لفظ پرستی میں پڑ کر اور اپنی پسند کے خاص لفظوں پر زور دے کر باقی سب باتوں کو ناجائز اور غلط بتاتا چلا جاتا ہے - جس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے خوب سوچو اور غور کرو - کہ الفاظ کی مثال چھلکے کی ہے - اور جو اس کے اندر مفہوم و معنی ہوتے ہیں اس کی مثال مغز کی ہے - پس الفاظ کے ان بہت سی قسم کے چھلکوں کے اندر مغز یعنی معنی و مطلب وہی ایک ہی ہوتا ہے - ایک ہی قسم کے خیالات کو مختلف لوگ جب مختلف لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں تو ایک ظاہر پرست انسان لفظوں کے اختلاف کو حقیقی خیالات سمجھ کر لڑنے جھگڑنے لگتا ہے - پس ایسٹر کی تقریب پر میں اپنا یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ صلح و امن کے زمانہ کی یادگار میں ہمیں یہ چاہیئے - کہ اپنی عالمانہ تصنیفات ظاہری و باطنی کو تہ کر کے ذرا دیر کے لئے طاق پر رکھ کے سچائی کی سونے کی چڑیا کو پکڑنے کی کوشش کریں +

اوّل - اس تمام کائنات کے متعلق چونکہ ساری دنیا میں ایک ہی قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں - اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں +

دوم - خدا کے متعلق جو خیالات تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ بھی ایک ہی قسم کے ہیں - اس کو میں ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہوں - کیونکہ اس بارے میں آجکل عجیب و غریب افواہیں پھیلی ہوئی ہیں جس سبب سے بہت سی بیہودہ غلطیاں پیدا ہوئی ہے - کہ مختلف زبانوں کی وجہ سے خدا کے مختلف نام ہیں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے نام مختلف ہونے چاہئیں تھے - مگر لفظ پرستوں نے اس سے مغائرت پیدا کر لی مثلاً عربی میں خدا کو اللہ کہتے ہیں - چینی میں شانگ ٹی یا ٹین چو - فارسی میں خدا - روسی میں بوش - انگریزی میں گاڈ +

پس اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ایک قوم کا جو خدا ہے - وہ دوسری قوم کا نہیں کس قدر نادانی ہے - اگر عرب خدا کو اللہ کہتے ہیں اور ہم گاڈ - تو ہم تو گاڈ کو مانیں گے اللہ کو نہیں

مانینگے - یہ کتنی بڑی حماقت ہے - دنیا میں بے شمار قومیں ہیں جو خدا کو مختلف ناموں سے پکارتی ہیں - لیکن خدا وہی ایک ہے جو سب قوموں کا خدا ہے - اس بات میں تعصب سے کام لینا خطرناک غلطی ہے - پس جب ہم عرب کے بیابان سے ایک نبی کی آواز سنتے ہیں - کہ لا الہ الا اللہ - کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے - تو ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے - ہم سے تو وہ دیوانہ فقیر ہی اچھا تھا - جو ایک تثلیثی مذہب ہندوستی سے جب اسلام میں داخل ہوا - تو خدا کی توحید کو یاد رکھنے کے لئے اپنی ران پر بار بار سونٹی مارتا رہتا تھا - اور ہر ضرب کے لگنے پر لبوں سے "ایک" کہا کرتا تھا +

الغرض اگر ہم اسی طرح تعصب سے کام لیتے رہینگے - تو بہت مشکل پڑیگی کیونکہ ہم کو اس بات کا علم ہے کہ چینی - ہندی - ایرانی - عربی وغیرہ ہماری طرح ہوا سے تنفس لیتے ہیں - تو پھر ہم کیوں ہوا کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً پانی وغیرہ سے تنفس نہ لیا کریں +

جب ہم دیکھتے ہیں - کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہمیں اُن سے مماثلت ہے تو مذہب کے بارے میں اگر کسی خاص حصہ میں مماثلت پیدا ہو جائے - تو ہمیں کیوں دکھ ہوتا ہے +

میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں - کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ سب ایک ہی ہیں - کوئی نہیں کر سکتا - کہ زرتشتیوں کا فلسفیانہ مذہب - بدھ کا معقول مذہب - مسلمانوں کا عملی دین - ہندوؤں کا رسموں سے بھرا ہوا مذہب - عیسائیوں کا سادہ دین - یہودیوں کا قدیم مذہب - سب کے سب ہر پہلو سے ایک ہی ہیں - کچھ شک نہیں - کہ ان میں مماثلت بھی ہے - مگر بہت سی باتوں میں اختلاف بھی ہے میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ مذاہب مختلف ہیں مگر جس خدا کو یہ تمام مذاہب پیش کرتے ہیں وہ وہی ایک خدا ہے - جو سب کا خدا ہے - اس امر کو صاف کرنے کے لئے میں مفصلہ ذیل مثال پیش کرتا ہوں +

خلیفہ ہارون رشید علیہ الرحمتہ اپنی نفاست طبع اور عیش پسندی کے لئے مشہور بادشاہ گذرا ہے - اس نے اسی مسئلہ کی مشکلات کو مدنظر رکھ کر اپنے باغ میں گرمیوں کے لئے ایک نہایت عالیشان اور خوشنما بارہ دری بنوائی - جب وہ تعمیر ہو چکی تو حکم دیا کہ ایک کمرہ میں جہاں سے دریا نظر آتا تھا - ایک ہی رُخ پر کئی ایک کھڑکیاں بنوائی جائیں - اور

ہر ایک کھڑکی کے شیشے علیحدہ علیحدہ رنگ کے ہوں۔

اگر ایک کھڑکی کے شیشے سُرخ ہوں تو دوسری کے سبز۔ تیسری کے زرد۔ تو چوتھی کے نیلگوں وغیرہ وغیرہ۔ ایک دن اُس بارہ دری میں ایک بڑے فاضل شیخ زمانہ کو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ایک کھڑکی کے پاس کھڑا کرکے اُس سے کہا کہ اس کھڑکی میں سے دیکھو اور بتاؤ کہ دریا کا رنگ کیا ہے؟ شیخ نے کہا کہ امیرالمومنین نیلا ہے۔ پھر اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے دوسری کھڑکیوں کو پردے میں چھپا چھپا کر اور صرف ایک کو کھلی رکھ رکھ کر ہر ایک کھڑکی پر شیخ کو لے جا کر دریا کا رنگ دریافت کیا۔ اور شیخ نے کھڑکی کے رنگ کے مطابق ہر ایک کھڑکی پر دریا کا نیا رنگ ہی بتلایا۔ جب اُس کمرہ سے باہر نکلے تو خلیفہ نے شیخ سے کہا "کہ دنیا کے لوگ مختلف کھڑکیوں پر کھڑے ہیں۔ اور ایک ہی چیز کو مختلف رنگ کے شیشوں کی وجہ سے مختلف رنگ میں دیکھتے ہیں"۔ یہ حقیقت آج بھی نظر آ سکتی ہے۔ ایک فاضل جو ایک مشرقی اُستاد کا شاگرد ہے۔ اپنے اُستاد کی کھڑکی میں سے ہی دیکھتا اور مشرقی کہلاتا اور خود بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ اس کے خلاف ایک مشرق کا رہنے والا۔ جو مغرب میں تعلیم پا رہا ہے۔ وہ اپنے وطن کی حسن نگاری اور مضمون آفرینی کو خیرباد کہہ کر مغربی بن جاتا ہے۔

عقلی فلسفہ مشرق کی کُنجی ہے اور طبعیات کے ماتحت علوم مغرب کی

کُنجی ہے۔ اور یہ کُنجیاں بدل کر مختلف تالوں میں لگائی جائیں تو وہ نہ لگینگی۔ لیکن کیا ہم اُس دیانت کی حِس کی کہ ایک تالے کی کُنجی بنی ہوئی ہے دُوسرے تالے کے لئے کُنجی نہیں ہو سکتے ضرورت رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے جلسوں اور مجمعوں میں تقریر کے دوران میں میں سُنتا ہوں۔ کہ جو مشرق کے لئے موزون ہے وہ مغرب کے لئے موزون نہیں ہو سکتا۔ تو میری حیرت اور تعجب کی حد نہیں رہتی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ہر روز یہ بات غلط ثابت ہوتی چلی جاتی ہے۔ انگریز اور یورپین لوگ کثرت سے مشرقی مذاہب قبول کر رہے ہیں۔ دو مذہب بالخصوص جو مقبول ہوئے ہیں۔ وہ اسلام اور بدھ مذہب ہیں۔ لیکن اسلام میں داخل ہونے والے زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ اس کے اصول عالمگیر ہیں اور ہر ایک حالت زندگی کے مطابق ہیں۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہدایت کی راہ بتاتا ہے لیکن بدھ

مذہب کے دقیق غوامض ایسے ہیں جن کو سوا ایک فاضل کے دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ پھر اگر ایک فاضل بدھ مذہب قبول بھی کرتا ہے۔ تو وہ درحقیقت اسلام کے لئے راہ صاف کرتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو اصولوں میں بہت کچھ مماثلت ہے۔ دوسرے جب ایک شخص بدھ مذہب قبول کرتا ہے تو اُس کو اپنی عقل سے کام لینے کی عادت پڑتی ہے۔ اور جہاں آدمی عقل سے کام لینے لگا۔ تو پھر وہ ایک دن اسلام کا حلقہ بگوش ہو کر رہیگا۔ پس انگریزوں اور یورپین لوگوں کے مشرقی مذاہب قبول کرنے سے یہ بات تو بالبداہت غلط ہو گئی کہ جو مشرق کے لئے موزوں ہے وہ مغرب کے لئے نہیں۔ بلکہ علم و ادب کا تقاضا ہے۔ کہ مشرق و مغرب مل جائیں۔ اور بس ملنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ انسان کی ہمدردیات خیالات کا دائرہ وسیع ہو جائیگا۔ اور اُس کا تجربہ بڑھیگا۔ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیگا کہ اکثر مختلف مذاہب مختلف رنگوں کے شیشے ہیں جن میں سے تمام دنیا کا خالق رب العالمین نظر آتا ہے +

پس لوگوں میں مخالفت اور عناد اس بات پر ہونا کیسا غلط ہے۔ کہ دوسرا فریق ہماری نگاہوں سے کیوں نہیں دیکھتا اور ہمارے قلب کی طرح اُس کا قلب بھی کیوں نہیں سمجھتا۔ بلکہ بجائے اس کے یوں ہونا چاہئے۔ کہ دنیا کے مذاہب کے متعلق جو کچھ متعصب نکتہ چینیوں نے لکھا ہے اُن سب سے قطع نظر کر کے خود اُن مذاہب کی تحقیق کریں اور یہ بلکہ ممکن ہے کہ ہمیں مذاہب کے مختلف شیشوں میں سے کسی شیشے سے خدا کی معرفت کا منظر کچھ ایسا خوبصورت نظر آوے کہ اپنے پہلے شیشے کو ترک کر کے یہ نیا شیشہ اختیار کرلیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے طریق نظر کو بدل دیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر تنگ دلی کیا ہوگی۔ کہ تحقیقات کے وقت تعصب کو مدنظر رکھ کے اپنے پُرانے عقیدہ کو ہی چمٹے رہیں اور حق کو قبول نہ کریں +

کچھ سالوں سے بہت سے انگریز فضلا نے اپنی توجہ کو مشرقی علم ادب کے وسیع مناظر کی طرف پھیرا ہے۔ اور اس کے تراجم کرنے اور مغرب میں اُن کو رواج دینے کے لئے اپنی زندگیاں اور قابلیتوں کو وقف کر دیا ہے۔ لیکن کیا اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ وہ لوگ انگریز شعرا مثلاً بائرن۔

ملٹن۔ ڈرائیڈن۔ ٹینی سن۔ شیکسپیئر۔ ورڈسورتھ وغیرہ ہم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان فصحا و بلغا کی عزت اُن کے قلب میں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کی نگاہ زیادہ وسعت سے ان لوگوں پر پڑتی ہے بہ نسبت اُن کے جو اپنی تنگ نظری سے یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ ان کے سوا دنیا میں اور کوئی ہو ہی نہیں۔ حالانکہ یہ لوگ کل کا جزو ہیں جس طرح سیاحت کرنے سے انسان دوسرے ملکوں کی خوبیاں اور اوصاف کو دیکھ کر اپنے ملک کی خوبیوں کو ایک نئے رنگ میں بہتر اور زیادہ صاف طریق پر جانچ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مخلص اور سرگرم سچا محقق دوسری قوموں کے علم و ادب اور مذہب کو مطالعہ کر کے اپنی نگاہ کو زیادہ وسیع اور اپنی رائے کو زیادہ مدلل بنا سکتا ہے۔ جب کوئی شخص علم کی کسی خاص شاخ میں فاضل منتہی بننا چاہتا ہے۔ تو اس کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ صرف اسی شاخ کو پڑھا کرے اور بس۔ نہیں بلکہ وہ بنیادی اصول کے طور پر بہت سے علوم مطالعہ کرتا ہے۔ تا کہ جب وہ آخر میں اُس خاص شاخ کی طرف توجہ کرے جس میں وہ منتہی بننا چاہتا ہے تو اُس وقت اپنی شاخ کو علم کی دوسری شاخوں سے صحیح نسبت اور رشتہ پر قائم رکھ سکے اور علوم حقہ کی دوسری شاخوں سے اُس کو تعصب اور لاعلمی نہ ہو۔

الغرض میرا مطلب یہ ہے۔ کہ آئندہ موسم میں غور و توجہ کے لئے یہ مضمون میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نظروں کو وسیع کرو۔ اور خاص دور عایت کسی کی نہ کرو اور یہ حسد اور رقابت چھوڑ دو کہ ساری کی ساری سچائی صرف تمہارے پاس ہے اور کسی کے پاس کوئی سچائی نہیں۔ کچھ عرصے کے لئے سب جھگڑے برطرف کر کے کسی دوسری قوم کی رُوح اور نظام کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور علومی زندگی کی راہ کو دوسروں کے ساتھ بھی طے کر کے دیکھیں کہ کیا واقعی اس راہ میں ابھی ہمیں دوسروں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس سے زیادہ بہتر چیزیں ہمیں نظر آویں اور طبعیات کے علوم باطنی کو عقلی فلسفہ سے تبادلہ کر لیں۔ علم طبعیات کا سارا زور خشک بدیہیات پر دہ جاتا ہے اور انسان کو اعلےٰ باطنی قوے سے کام لینے سے جن کا تعلق ملاء اعلےٰ سے ہے۔ اور جہاں کی ہوا ابدی جنت کی خوشبو سے معطر ہے روک دیتا ہے عقلی فلسفہ پھولوں کی ایک کتاب کی طرح یا اُس روش کی طرح ہے۔ جس کے دو طرفہ گلاب کے پھولوں کی

تختہ ہندیاں ہوں۔ لیکن روحانی امور کی تعلیم سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کون دے سکتا ہے تعلیمی دنیا کی فضیلت علمی کے جبہ پوش ان معاملات میں خاموش ہیں سوائے اس کے کہ اُس ذات کی طرف اشارہ کر دیں جس سے زندگی پیدا ہوئی اور جس میں ہو کر زندگی قائم ہے - ہر ایک آدمی کو بطور خود ہی اللہ تعالےٰ کو پانے کی کوشش کرنی ہے - کوئی پادری وسیلہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ آدمی روح ہے۔ اور روح کا کمال یہی ہے - کہ وہ خود خدا تک پہنچ جائے اپنے لئے سچائی کی کتاب کے صفحات کو تلاش کرو۔ اور جس جگہ اللہ تعالےٰ کو انسانی روح صفا صیقلی سے ہم کلام ہوتا ہوا پاؤ۔ اُسی راہ کو اختیار کر لو +

شام ہو چلی ہے اور پرندوں کا چہچہانا بھی ختم ہونے پر ہے - میں تم سے دیر سے باتیں کر تا رہا ہوں - آخر جسم کو آرام کی اور روح کو تسکین کی ضرورت ہے - میری کوشش کی ہے - کہ یہ دن تمہارے لئے بابرکت ہو اور تم کو ایک سچے نور کی شناخت نصیب ہو - ایک عربی مثل ہے - کہ جس دن کوئی علم حاصل نہ ہو - وہ دن ضائع گیا - کیا تم تمام علوم حاصل کر چکے - یا یہ چاہتے ہو کہ تمہارا کوئی دن ضائع نہ ہو - اور روز بروز نیا علم حاصل کرو اور جو روز نیا علم حاصل کرتا ہے - وہ ہر روز اللہ تعالےٰ کے باغ میں سے ایک نیا پھول توڑتا ہے اور خدائی دار السلام میں زندگی بسر کرتا ہے +

خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سورت نمبر ۱۰۷ دین یعنی مذہب

(از پروفیسر پارکنسن صاحب)

ارئیت الذی یکذب بالدین ۰ فذٰلک الذی یدع الیتیم ۰ ولا یحض علےٰ طعام المسکین ۰ فویل للمصلین ۰ الذین ھم عن صلاتھم ساھون ۰ الذین ھم یراءون ۰

ترجمہ۔ "(۱) کیا تو نے دیکھا اُس شخص کو جو مذہب کی تکذیب کرتا ہے (۲) یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۳) اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لیئے (دوسروں کو) ترغیب نہیں دیتا (۴) افسوس ایسے نمازیوں پر (۵) جو اپنی نمازوں (کی حقیقت) سے غافل ہیں (۶) (اپنی عبادتوں کو) ریاکاری کے طور پر ظاہر کرتے ہیں (۷) اور محتاج کی مدد سے انکار کرتے ہیں"۔

ہمیں ماننا پڑیگا۔ کہ مذہب ایک عالمگیر چیز ہے۔ یعنی یہ تمام بنی نوع انسان میں خواہ وہ کسی قوم فرقہ قبیلہ میں سے ہوں پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی بول اُٹھے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کا کوئی بھی مذہب نہیں۔ لیکن یہ غلت تدبر اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے مذہبی رنگ جس جس شکل میں اپنی جلوہ نمائی کرتا رہتا ہے۔ بہت اور مختلف ہیں چنانچہ جادو اور بھوت اور پریت کے عقیدوں اور بُت پرستی و توہم پرستی سے لے کر توحید کے اعلےٰ منازل تک سینکڑوں مذہب ہیں۔ جو جاری و ساری ہیں +

مذہب کیا ہے؟

اِس سوال کا جواب دینے کے لئے بہتوں نے کوشش کی ہے اور اس کی بہت سی تعریفیں بنائی گئیں۔ لیکن کوئی تعریف ایسی نہ بن سکی جو قبولیت عامہ کا شرف رکھتی۔ سب پر اعتراض پڑتے ہیں اور اس کی وجہ خاص یہ ہے۔ کہ جس بات کو کوئی شخص یا فرقہ مذہب سمجھتا ہے۔ دوسرے اُسے مذہب کے مخالف سمجھتے ہیں یا کم سے کم یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا سائنس اور فلسفہ کے رو سے جو تعریف کی جائیگی وہی ہر ایک پہلو سے جامع ہوگی۔ جن لوگوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔ اُن میں بعض نے تو پُرانے مذہبی قصوں کو درمیان سے نکال دیا ہے۔ اور بعض نے رسم پرستی کو جواب دے دیا ہے اور بعض نے معرفت الٰہی کو اور مذہب کو جدا کرنا چاہا ہے۔ میکس میع لر اور دوسرے یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مذہب در اصل فطری جذبات یا احساسات کا نام ہے۔ جنہوں نے مذاہب کا مطالعہ کثرت سے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ پُرانے قصّے۔ رسم پرستی۔ اخلاق اور معرفت الٰہی یہ مذہبی رنگ کے ساتھ لازم ملزوم کی طرح رہے ہیں اور اُن کا تعلق فطری جذبات اور احساسات کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ گو ماننے والا ان باتوں کو محسوس

کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ ناظرین میں سے کسی کو اس بارے میں شک ہو۔ تو میں اُن کی خدمت میں عرض کرونگا۔ کہ وہ اپنے نفس میں ہی غور کرتے رہیں اور وہ دیکھینگے۔ کہ اُن پر کبھی ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ وہ عادات اور اعتقادات جو بچپن میں سیکھے تھے اور جنہیں اب غلط یا توہمات سمجھا جاتا ہے۔ باوجود ترک کر دئے جانے کے بے اختیار پھوٹ پڑینگے۔ میں خود اسی کا تجربہ کار ہوں اور اکثر ہم میں سے اس کا تجربہ کر چکے ہونگے +

مذاہب کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ کسی مذہب کے رسومات۔ ارکان۔ خیالات کو ہم واپس سمجھ کر رد نہیں کر سکتے۔ وہ مذہبی محسوسات کے اظہار کے ذرایع ہیں۔ جو شخص اُس مذہب کا پیرو ہے۔ وہ اُنہیں ویسا ہی فرض سمجھتا ہے جیسے ہمارے زمانہ کی تہذیب میں اعلےٰ درجے کا اخلاقی مذہب رکھنے والے کے لئے اخلاق فاضلہ ضروری ہیں پادری جے میکڈ انلڈ فرماتے ہیں" مذہب کی تعریف اپنے وسیع معنوں میں یہ ہو سکتی ہے۔ کہ مذہب غیب کے ساتھ انسانی تعلق اور برتاؤ کا نام ہے۔ انسانی تخیل کی ابتدائی حالتوں سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ کس طرح بڑے بڑے مذاہب جن کے کثرت سے لوگ مختلف زمانوں میں پیرو رہے ہیں پیدا ہو گئے۔ مذہب کے عنوان کے نیچے نہ صرف غیب کی روحانی ہستیاں آئینگی بلکہ بے شمار رسومات۔ توہمات اور افسانہ جات بھی شامل ہیں جن کو راہ چلتے اور فضلا اب ہی تو زمانہ موجودہ میں آکر ہیچ اور باعث ذلت سمجھنے لگے ہیں" +

کسی سائنٹیفک محقق مذہب کے لئے تو مذکور بالا تعریف ٹھیک ہے۔ مگر ایک فلسفی یہ اعتراض کریگا۔ کہ اس تعریف میں مذہب کی رُوح تو آئی ہی نہیں جو تمام مذاہب کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ ایک دن میں ایک عیسائی پادری سے بات کر رہا تھا۔ دوران گفتگو میں اُس نے مجھ سے مذہب کی تعریف پوچھی اور اُس وقت برجستہ جو کچھ میں نے جواب دیا وہ یہ تھا" ایک انسان کا مذہب اُس کا وہ اخلاص اور سرگرمی ہے جو وہ اپنے عقاید یا علم کو جنہیں وہ سچا سمجھتا ہے عمل میں لانے کے لئے دکھاتا ہے"۔ پادری صاحب نے کہا۔" کہ آپ میری نسبت کیا کہینگے۔ جس حالت میں کہ مجھے ایسی کوئی سرگرمی نہیں"۔ اگر وہ میرا رفتہ دلدادہ نہ ہوتا اور اسی لئے میں اُسے خوب جانتا نہ ہوتا۔ تو اُس کے اس سوال سے

مجھے یہ خیال ہوتا کہ محض تنخواہ کی خاطر انجیل کی منادی کیا کرتا ہے۔ لیکن بوجہ ذاتی واقفیت کے میں اُسے خوب جانتا تھا۔ کہ اُس کو عیسائیت کی سچائی پر کامل یقین ہے۔ پس میں اپنی مذکورہ بالا تعریف کو فلسفہ کے رُو سے درست سمجھتا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ مجھے اس کا یقین نہیں کہ سرگرمی کا لفظ اُس خیال یا قوت یا تحریک کا مفہوم ٹھیک بھی ادا کرتا ہے یا نہیں جو ایک شخص کو اُن سچائیوں پر جن کو وہ سچا سمجھتا ہے عمل کرنے کے لئے برانگیختہ کرتے رہتے ہیں ٭

ہمارے تمام چال چلن کی بنیاد مذہب ہے۔ مذہب ہی سے اعمال کا بانی ہے۔ اور اسی کے ذریعے ہمیں تحریک ہوتی ہے۔ کہ اُس علم کو جو ہم رکھتے ہیں اور جسے ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہم حق اللہ اور حق العباد سمجھتے ہیں عمل میں لاویں۔ تمام وہ خیالات مذہبی کہلائیں گے جو کشمکش ہستی میں ہمیں سنبھالتے رہتے ہیں۔ یا کم سے کم ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں اور جو ہمارے اعمال کو سدھارتے اور انسانی توجہ کو اپنے سے اعلےٰ اور پاکیزہ مقاصد کی طرف پھیرتے ہیں۔ ایک صوفی کی یہ بات تو درست ہے۔ کہ وہ اپنی نفسانیت سے پاک اور بکلی آزاد ہونے کی کوشش کرے۔ مگر اُس کی یہ بات غلط ہے۔ کہ اپنے تئیں صرف خدا کے خیال میں ہی مستغرق رکھے۔ اُس کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ہم اس زمین کے بنے ہوئے ہیں اور دنیوی میں اور انسانی کنبہ کے ایک جزو ہیں۔ پس کچھ ہمارے فرائض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی ہیں۔ جن کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ارکانوں میں سے قرار دیا ہے۔ انسان اپنے کمال کو تب ہی پہنچتا ہے جب وہ دوسرے لوگوں کے حقوق کو بھی اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ زندگی خود کوئی قیمتی چیز نہیں۔ ہاں قیمتی چیزیں پیدا کرنے کے لئے یہ انسان کو ایک موقع دیا گیا ہے۔ اس کی قیمتی باتیں یہی۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ تخیلات و تصورات ہیں جن کی ذہن میں تصویر کھینچتے ہیں اور وہ پاکیزہ خیالات ہیں جو ہم دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ نمونے ہیں جو ہم پیش کرتے ہیں۔ وہ اعمال ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا مذہب عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ شکل میں یہ صورت جیسے میں نے اوپر تلاوت کیا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے زمانے کے اوائل میں ہی نازل ہوئی تھی

جنہوں نے باوجود ابتدائے زمانہ وحی و رسالت ہونے کے اور کفار کی نہایت سخت مخالفت اور ایذا رسانی اور تمسخر کے آپ نہایت فصیح و بلیغ رنگ میں خدا کا پیغام پہنچایا کرتے تھے اس سورت میں اسلام کے بعض اصولوں کو اپنے مخالفوں کے افعال کی تردید میں استفہام کی شکل میں پیش کیا ہے تا کلام میں زیادہ زور اور طاقت پیدا ہو اس سورت میں جو اصول ہیں وہ صرف مکہ والوں کی بعض کرتوتوں کے رد کے لئے ہی نازل ہوئے تھے۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ کے لئے ہیں مسلم ہو یا غیر مسلم ساتویں صدی عیسوی کے مکے والے ہوں یا آج کے مسلمان سب کے لئے یہ سورت دستور العمل پیش کرتی ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ ہی اعلیٰ اخلاق فاضلہ کو حرکت میں لاتے ہیں یعنی اُن لوگوں کی مدد کے لئے تحریک کرتے ہیں جن کا کوئی عزیز قریبی نہیں جو اُن کی مدد کر سکے یا اُن کا رہبر بن سکے۔ پھر یہیں تک نہیں بلکہ اس سورت کا منشاء ہے کہ اس نیکی کے نہ صرف تم مرتکب ہو بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تحریک کرو۔ جو ایسا نہیں کرتا اور یتیم کو دھکے دیتا ہے وہ مذہب کی تکذیب اور تحقیر کرتا ہے۔ کوئی سچا مسلمان ایسے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہیں تک بس نہیں بلکہ مزید براں یہ بھی فرمان ہوتا ہے۔ کہ محض ایک فرض کا ادا کر دینا کچھ قدر و منزلت نہیں رکھتا جب تک کہ اُس کے ساتھ اخلاص اور نیت خالص لوجہ اللہ نہ ہو۔ چنانچہ غفلت و بے پروائی اور ریاکاری کے خلاف یوں جتایا جاتا ہے۔ کہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الخ یعنی افسوس ہے اُن لوگوں پر جو نماز تو پڑھتے ہیں اور نماز کے مقصد سے غافل ہیں +

نماز ایک روحانی چیز ہے۔ پس اس کا مقصد یہ تو ہے نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کوئی دولت مل جاتی ہے یا ہمارے سروں پر دنیوی منافع یا اعزاز کی بارش ہونے لگتی ہے۔ بلکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ ہمیں نیکی کی تحریک ہوتی رہے۔ ہم میں خدا کی رحمت پر نئی سے نئی توقعات پیدا ہوں۔ ہم میں نئی قوت اور روحانی تر و تازگی پیدا ہو اور ہم میں ایک ایسی روح پھونکی جائے جس سے ہم اسلامی صراط مستقیم پر جو راستبازی اور انسانی کی ادائیگی فرائض کا صحیح رستہ ہے مضبوطی اور درستی سے چل سکیں۔ خالص نماز سے ظاہر ہے نہیں بلکہ روح پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ ہاں جوں جوں ہم روحانی ترقی کرتے ہیں ظاہر

عادات و اخلاق پر بھی نہایت پاکیزہ اثر پڑتا چلا جاتا ہے۔

صرف روزانہ مسجد میں حاضر ہونا اور ایک خاص طریق پر عبادت کر لینا ہی کافی نہیں ہے ایک شخص جو کبھی بھی مسجد میں نہیں آیا ایک ایسے شخص سے جو روز مسجد میں آتا ہے بہتر ہو سکتا ہے۔ ریاکاری کے طور پر محض ظاہری باتوں کی پابندی اور درمیانی اوقات میں ہر ایک مذہبی فرض کو بھلا دینا اسلام نہیں ہے۔ خیر خواہ قوم بنتے پھرنا اور شہرت یا سرکار سے اعزاز طلبی کے لئے خیرات کرنا اور کچھ مادی نفع لوگوں کو پہنچا دینا۔ اسلام نہیں ہے کسی عمل کا ایک مذہبی فرض ہونے کی وجہ سے رسمی طور پر ادا کر دینا اسلام نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے تمام افعال نہایت خالص اور مضبوط مذہبی اور روحانی عقائد پر مبنی ہونے چاہئیں۔ محض ظاہری رسومات چھلکے کی طرح ہیں جو اسلام کا مغز نہیں ہیں۔ جب تک روح بھی نہایت خلوص کے ساتھ اعمال کے بجا لانے میں شریک نہ ہو۔ بہتر ہو کہ وہ کام کیا ہی نہ جائے۔ پاک دل اور راستباز روح اور خالص نیت نجات کا صحیح راستہ اور اسلام کا اصلی مقصد ہیں +

احادیث نبوی

اقوال و افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

(مترجمہ شیخ فیروز الدین مراد ایم۔ ایس۔ سی۔ بی اے اسسٹنٹ پروفیسر علم طبعیات)
ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڈھ)

نمبر ۱۔ دنیا کی اور کسی قوم نے اپنی ابتدائی تاریخ کے بیان کرنے میں صحت اور صداقت کو ملحوظ رکھنے کے لئے اس قدر تکلیف نہیں اٹھائی جیسا کہ مسلمانوں نے تمام قوموں کے مورخ سوائے مسلمانوں کے صرف اسی قدر پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ واقعات کو ایک مسلسل رنگ میں بیان کر دیں۔ اور شاذ و نادر ایسا بات کی پرواہ کرتے ہیں۔ کہ ان واقعات کی بنا

چشم دید شہادت پر رکھیں۔ نہ ہی پہلے راوی یا مورخ کی حالت یا حافظہ کی وہ چنداں پرواہ کرتے ہیں مگر مسلمانوں نے گذشتہ واقعات کی صداقت کو معلوم کرنے کے لئے دوسری قوموں کی نسبت ایک اعلےٰ معیار کو اختیار کیا ہے۔ وہ صرف سُنی سُنائی باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرتے اور ان کے نزدیک تاریخی واقعات کا راوی خود تاریخ میں ایک ضروری جزو ہے جس پر تاریخ کی صحت کا معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے حالات یعنی اس کی راست گوئی یا کذب بیانی کی عادت اور اس کے علم کے اصلی ذرائع خود اسی طرح مورخ کی تحقیقات کے نیچے آتے ہیں جیسے کہ وہ واقعات جن کو وہ بیان کرتا ہے ؁

کسی بیان کو جو تاریخ کے کسی واقعہ سے تعلق رکھتا ہو۔ پایہ اعتبار تک پہنچانے کے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ کیا اصل راوی اس واقعہ یا اُن واقعات کا چشم دید گواہ بھی ہے جن کو وہ اپنی سند پر بیان کرتا ہے پھر اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہونا ضروری ہے کہ وہ صادق۔ دیانتدار۔ عادل اور عاقل ہے۔ پھر اس کا حافظہ بھی قابل اعتبار ہونا ضروری ہے۔ پھر اس وقت سے لیکر اس تاریخی واقعہ کے لکھا جانے کے وقت تک جس قدر راوی اُس واقعہ کے ہوں وہ سب اپنے بیان میں ویسے ہی صادق دیانتدار۔ عادل اور عاقل ہونے چاہئیں۔ پھر اگر وہ واقعہ جو بیان کیا گیا ہے۔ ایک عام رنگ کا ہے۔ یا ایسا واقعہ ہے۔ کہ عقل چاہتی ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ تو ابتدائی راوی صرف ایک ہی آدمی نہیں ہونا چاہئے مختصراً یہ وہ نہایت ضروری امور ہیں جن کا ثابت ہونا کسی گذشتہ واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ابتدائی زمانوں کے مسلمانوں نے صرف انہی احتیاطوں کو نہیں برتا بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا۔ واقعات کی صحت کو پرکھنے کے لئے اُنہوں نے خالی اس اعلےٰ معیار کو بھی کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ اس سے بھی زبردست ایک معیار ایجاد کیا ہے۔ یعنی روایت کی صحت کے لئے اصُول درایت کو بھی ضروری قرار دیا ہے جس کی رُو سے ان واقعات کو نقلی طور پر تسلیم کرنے سے پہلے ان کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا بھی ضروری ہے ؁

اصول درایت کے متعلق ہیں اگلے پرچہ میں مفصل بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جہاں احادیث
میں اختلافات کے پہلو پر غور کرنا ہوگا۔ مگر راویوں کے حالات کی باریک تفتیش نے ایک علم پیدا کر دیا ہے
جو اسماء الرجال کے نام سے موسوم ہے جو راویوں کی سوانح عمریوں پر صرف روایت کے پہلو سے بحث
کرتا ہے جن باتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ احادیث نبوی اور ابتدائی زمانہ کی اسلامی تاریخ سے
یکساں تعلق ہیں۔ بعد میں مسلمانوں نے صداقت کے پرکھنے کے اس نیک اصول کو ترک کر دیا
اور اب تو انہوں نے اپنے آپ کو ایسا ذلیل کر دیا ہے۔ کہ ان کا نیا آقا یورپ خواہ کیسے بھی بیہودہ سے
بیہودہ جھوٹ اُن کو بتائے وہ اسے آسمانی وحی کی طرح حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں +

مسلمانوں نے جو کوشش کی وہ بے فائدہ نہ تھی۔ ان کے نزدیک اسلام کی گذشتہ تاریخ
ہی ہر ایک چیز ہے۔ اور ان کے غیر مسلم باپ دادوں کی روایات ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں
ابھی کہ تم اسلام میں داخل ہوتے ہو تم ایک بحر اخوت میں آجاتے ہو۔ اسلام نے نسل نسانی کے
عام اخوت کے اصول کو نہایت موثر طریق پر اور نہایت کامیابی سے سکھایا ہے۔ سب مسلمان
گویا ایک ہی خاندان کے اجزا ہیں ملک یا نسل کا امتیاز کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتے بلکہ ساری
دنیا کے مسلمان ایک ہی قوم ہیں۔ قومیت مذہب کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور مذہب کے
ماتحت ہو کر چلتی ہے۔ پس ساری دنیا کے مسلمانوں میں صرف ایک اسلام کی تاریخ ہی مشترک
امر ہے خواہ وہ اس بابرکت مذہب میں شامل ہونے سے پہلے کسی ملک کے باشندے اور کسی
مذہب کے پیرو ہوں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے واقعات اور پہلی چار خلافتوں کے حالات
اسلامی تاریخ کی اصلی بنیاد ہے۔ اسی پر اسلامی تاریخ کی ساری عمارت مبنی ہے۔ قرآن کریم ہمارے
لئے کامل ہدایت نامہ ہے جو اصول اس کے اندر رکھے گئے ہیں اور جن کو ہماری رہنمائی کے لئے
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں عملی رنگ میں دکھا دیا ہے وہ ہمارے مذہب کا
اصل سرچشمہ ہیں۔ وہ روشنی کی شعاعیں ہیں جو ہماری دنیوی زندگی کی تاریکی کو دور کرتی
ہیں۔ ہم خدا کی کلام کے اصل مفہوم کو اسی وقت سمجھ سکتے ہیں۔ جب غور اور تدبر سے خود قرآن
کریم اور سیرت نبوی کا مطالعہ کریں اور آپ کے اقوال و افعال اور ان لوگوں کے اقوال و افعال

کو بھی جو آپ کے قریب تر تھے یعنی آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس پاک سرچشمہ سے اپنے آپ کو سیراب
کیا اُن کے اقوال و افعال کو بھی اپنا رہنما بنائیں +

لفظ حدیث کے مفہوم میں وہ تمام واقعات داخل ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
میں واقع ہوئے اور جن پر آپ نے مطلع ہو کر انہیں پسند کیا اور ایسا ہی نبی کریم صلعم کے اپنے تمام اقوال و افعال
بھی اسی مفہوم کے اندر داخل ہیں۔ مجھے انگریزی زبان میں کوئی ایسا موزوں لفظ نہیں ملتا جس سے لفظ
حدیث کا صحیح مفہوم اس زبان میں ادا ہو سکے اور اس زبان میں مختلف اشخاص نے تین مختلف الفاظ کا
استعمال اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کیا ہے جو لفظ نقل۔ بول چال۔ اقوال کے مترادف ہیں۔ حدیث کے
مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بول چال کا لفظ میرے خیال میں ایک نہایت ہی ناقص اور بیہودہ لفظ ہے۔ اور میں بات
کو پسند کرتا ہوں کہ حسب ضرورت ہم اپنی مذہبی اصطلاحات کو یورپ کا لباس پہنائیں پس بول چال کے لفظ کو
تو قطعاً ترک کرنا چاہئے۔ باقی رہا لفظ اقوال سو اس میں پورا مفہوم لفظ حدیث کا ہرگز نہیں آتا کیونکہ
حدیث میں صرف نبی کریم صلعم کے اقوال ہی شامل نہیں بلکہ بہت سے امور بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر میں ٹریڈیشن
(نقل) کے لفظ کو اس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے ناپسند کرتا ہوں کیونکہ اس کا استعمال ایک نہایت مبہم طریق پر کیا جاتا
ہے اور جو عظمت حدیث کی مسلمانوں کے دلوں میں ہے اس کا عشر عشیر بھی اس لفظ سے ظاہر نہیں ہوتا۔
پس یورپ کی زبانوں میں لفظ حدیث کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لئے بھی ہمیں کوئی لفظ تلاش کرنا ہے
اس بارہ میں ہم یورپ کے مصنفین کا بلا سوچے سمجھے تتبع نہیں کر سکتے جو کبھی نقل کبھی اقوال کبھی بول چال
کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ لفظ کے انتخاب میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری غرض اس
پاک وجود کے اقوال و افعال کو ظاہر کرنا ہے جو بلا شبہ ساری مخلوق میں افضل اور یگانہ انسان ہے میرے
اپنے خیال میں کم از کم مسلمان مصنفین کو اصل لفظ احادیث کا استعمال ساری زبانوں میں کرنا چاہئے جس
طرح کہ اصل لفظ قرآن اپنی اصل صورت میں موجود ہے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے احادیث کے مفہوم میں وہ تمام واقعات
آجاتے ہیں جو نبی کریم صلعم کی زندگی بھر وقوع میں آئے (سب واقعات سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا تعلق
آنحضرت صلعم کی ذات سے ہے) مختصر طور پر ہم ان کی ذیل کی اقسام کر سکتے ہیں یعنی آپ کے اقوال۔ آپ کے افعال اور
وہ واقعات جو آپ کے سامنے ہوئے اور وہ واقعات جن پر آپ کو اطلاع دی گئی بعد آپ نے انہیں رد نہیں کیا۔ اسی لحاظ
وقوع کے احادیث کی تین بڑی قسمیں ہیں اور ان تینوں کے نام علیحدہ علیحدہ احادیث قولی۔ احادیث فعلی اور

احادیث تقریری ہیں ان میں آخر الذکر قسم کے متعلق یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ وہ تمام امور جن پر نبی کریم صلعم کو اطلاع دی گئی اور آپ نے انہیں ناپسند کیا وہ بھی اس تقسیم کے تحت آ جاتے ہیں اگرچہ حدیث ایک عام لفظ ہے مگر اس کا عام استعمال اب سب کے اتفاق سے صرف حدیث نبوی پر ہوتا ہے۔ روایت کے پہلو کے لحاظ سے احادیث کی تقسیم دو طرح پر ہوتی ہے ان میں سے قسم اوّل بلحاظ راویوں کی تعداد کے ہے۔ اور قسم دوم بلحاظ راویوں کے حالات اور ان کے حافظے کے۔ جب راویوں کی تعداد سارے زمانوں میں یعنی حدیث کی روایت کے سارے مراتب میں اس قدر زیادہ ہو کہ یہ ماننا پڑے کہ اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے تو ایسی حدیث کو حدیث متواتر کہتے ہیں اور ایسی حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ان تمام امور میں جن کا تعلق مذہب سے ہے سنت یعنی نبی کریم صلعم کے فعل کے مطابق اپنے عمل کو کریں لیکن اگر وہ احادیث جن پر سنت کا کوئی حصہ مبنی ہے ثابت نہ ہو سکتی ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکتا ہو کہ آیا نبی کریم صلعم کا یہی منشا تھا تو پھر ان پر عمل ضروری نہیں مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ اُس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کریں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔ (النساء - ۵۹) پھر اسی جگہ یہ بھی فرمایا۔ کہ وہ ایمان نہیں لاتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں نبی کریم صلعم کو حاکم نہ بنائیں۔ اور آپ کے فیصلہ کو شرح صدر سے قبول نہ کریں اور کامل فرمانبرداری نہ کریں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے فلا وربک لا یؤمنون حتےٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۰ (النساء ۶۵)

پس جب خود نبی کریم صلعم اب ہمارے درمیان موجود نہیں تو ہماری ہدایت کے لئے یا قرآن کریم کی پاک تعلیمات ہیں یا نبی کریم صلعم کے وہ اقوال یا افعال جن کے متعلق ہم یقین کر سکتے ہوں کہ واقعی وہ آپ کے اقوال و افعال ہیں صحیح بخاری کے وہ نسخے جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس مجموعہ احادیث کی صحیح نقل تسلیم کئے جاتے ہیں جو امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے جو ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں وفات پا گئے۔ تیار کیا تھا۔ ان نسخوں کو اصل مجموعہ احادیث کے لکھا جانے کی تاریخ سے لیکر ہمارے زمانہ تک وہ تواتر کا مرتبہ حاصل ہے جس سے ان کے صحیح ہونے پر یقین ہو سکتا ہے۔ مگر اس تواتر کو اجماع کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شرعی

معاملہ کے متعلق کسی وقت ساری امت کا اتفاق ہوگیا ہے لفظ اجماع اور اجماع شرعی کے مفہوم میں بھی بڑا اختلاف ہے کیونکہ اجماع شرعی وہ اجماع مذہبی ہے جس کے متعلق نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری اُمت کا اجماع کبھی کسی ایسے معاملہ پر نہ ہوگا جو خلاف اسلام ہے +

تواتر کے قابل تسلیم ہونے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سارے زمانوں کے مسلمان کبھی جھوٹ پر جمع نہیں ہو سکتے اور یہ قیاس خود فطرت انسانی اور قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ستر ہزار مسلمانوں نے خود امام بخاری علیہ السلام سے ان کے مجموعہ احادیث کو سنا ہے اور یہ سب لوگ ان کے شاگرد تھے جنہوں نے آپ سے سند حاصل کی اس کے بعد اس کتاب کے پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی ہے۔ اور اس کے موجودہ نسخوں کے متعلق یہ سب کا اتفاق ہے کہ یہ اصل نسخہ کی صحیح نقلیں ہیں جو خود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں لوگوں کو پڑھایا۔ پس صحیح بخاری کے نسخوں کی صحت تواتر سے ثابت ہے +

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے چار ہزار احادیث کا انتخاب چھ لاکھ احادیث میں سے کیا جو آپ نے جمع کی تھیں اور پورے سولہ سال کی محنت کا نتیجہ یہ انتخاب تھا۔ صحیح بخاری میں کل تعداد احادیث کی ۷۲۷۵ ہے مگر چونکہ بعض احادیث مکرر لائی گئی ہیں اسلئے مکررات کو نکال کر باقی کوئی چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں +

امام بخاری نے نہایت ہی نیک ارادہ اور نیک نیت سے احادیث کے راویوں اور مضمون کے متعلق ٹھنڈے دل سے تنقید کی تاکہ ان احادیث کو الگ کر دیں جن میں یقین اور صحت کا مرتبہ کامل طور پر پایا جاتا ہے پس ہمارے لئے اور ہمارے پیچھے آنے والوں کے لئے احادیث کی صحت کو پرکھنے کا کام بہت سی مشکلات سے صاف ہو چکا ہے ہمارا یہ ایمان ہے کہ صحیح بخاری کو جو مرتبہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا حاصل ہے وہ بالکل درست ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سوائے انبیاء کے کوئی شخص غلطی سے پاک نہیں ہو سکتا۔ پس ہم ان تمام احادیث کو جن پر امام بخاری نے بڑی محنت سے تنقید کی ہے اس وقت تک درست مانینگے جب تک کہ ہمارے ہاتھوں میں امام صاحب کی تنقید پر جرح کے نہایت مضبوط وجوہات نہ ہوں۔ ہم کو یہ حق تو حاصل ہے کہ ہم راویوں اور اُن کے حالات پر جس طرح چاہیں تنقید کریں مگر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے

کہ امام بخاری کو ایسی تنقید کا موقعہ ہم سے بہت بڑھ کر حاصل تھا +

قرآن کریم کے جس قدر موجودہ نسخے ہیں ان کی صحت ہر ایک قسم کے شک سے بالاتر ہے۔ کیونکہ ہر ایک زمانے میں جس قدر نسخے ملتے ہیں وہ سب ایک ہی ہیں دنیا کی کوئی دوسری کتاب صحت کا ایسا دعوے پیش نہیں کر سکتی یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اسی کی نگاہِ حفاظت ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر تبدل یا تحریف نہیں ہوئی +

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے جو احادیث متواتر کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں وہ احاد کہلاتی ہیں یہاں آکر محقق کی تحقیقات کرنے والے کو ایک بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے اور یہ مضمون مختلف ہے اور اس میں بہت سے امور بحث طلب ہیں اور اسلئے یہ بحث بہت احتیاط اور فکر چاہتی ہے۔ احاد کی تین قسمیں کی گئی ہیں جن کے راوی تمام زمانوں میں تین یا تین سے زیادہ رہے ہوں وہ مشہور کہلاتی ہیں جن کے راوی دو ہوں وہ عزیز کہلاتی ہیں اور جن کا صرف ایک راوی ہے وہ غریب کہلاتی ہیں +

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے متواتر احادیث کو سب تسلیم کرتے ہیں مگر احاد کو قبول کرنا یا ان کا رد کرنا راویوں کے حالات پر منحصر ہے وہ احادیث جن کو رد نہیں کیا گیا وہ صحیح و حسن کہلاتی ہیں اور اس کا انحصار راویوں کی قوت حافظہ پر ہے کہ انہیں قسم اول یا اعلیٰ کیا جائے یا دوسری قسم میں مگر ان دونو قسموں میں آنے کیلئے ضروری ہے کہ راوی ذی دیانت صادق عادل عاقل ذہین نیک شہرت رکھنے والے ہوں۔ اگر ان کی قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کی ہو تو احادیث جن کے وہ راوی ہیں بالکل صحیح تسلیم کی جاتی ہیں ورنہ حسن کہلاتی ہیں ان دونو اقسام کی احادیث کو قابل تعمیل مانا گیا ہے۔ ہاں حسن کو کم درجہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ قوت حافظہ پر جب پورا وثوق نہ ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور راوی بھی عالم ہو اس کی دینداری کے پہلو اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہم یقین کریں کہ اصل الفاظ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہوگی۔ پس نقلی تعداد۔ حالات اور حافظہ کے سب پہلوؤں پر اچھا غور کرکے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں یہ لکھنے میں غلطی نہیں کرتا کہ حسن غریب اور حسن عزیز کو احتیاط کے ساتھ صحیح تسلیم کرنا چاہیئے اکثر اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی احادیث یعنی وہ احادیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں

ف میں نے چند باتیں مختصر شکل کے طور پر لکھی ہیں [illegible] سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور کسی خاص مجموعہ احادیث کی تنقید کی غرض سے نہیں اور نہ ہی اس جگہ [illegible] داخل ہونا چاہتا ہوں [illegible] جو اس مضمون پر ہوگا۔ ان امور پر بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت ہوگی +

تقسیم احادیث

- بلحاظ تعریف
  - قولی
  - فعلی
  - تقریری
- بلحاظ تعداد راویاں
  - متواتر
  - آحاد
    - تعداد راویاں
      - مشہور (۳ راوی)
      - عزیز (۲ راوی)
      - غریب (۱ راوی)
    - حالات راویاں
      - قابل وثوق
        - صحیح
        - حسن
      - ضعیف
        - منقطع
        - معضل
        - معلق
        - مرسل
      - مردود
        - موضوع
        - متروک
        - منکر

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام۔ ووکنگ مشن کی رپورٹ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء

اس ماہ میں ولایت میں اور بہت سی روحوں کے قبول اسلام کی خبر موصول ہوئی ہے جن میں سے ایک نام مسٹر ... ہے
جو بہت دیر سے دل سے مسلمان ہو چکے ہوئے تھے لیکن بباعث بیماری تامل تھا۔ اب یہ سوچ کر کہ موت کا کوئی پتہ نہیں۔ مبادا جان کسی وقت
دم نکل جائے تو ایسا نہ ہو کہ انہیں کفار میں شامل سمجھا جائے حضرت مولوی صدر الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت اسلام قبول کر لیا ہے
ان کا نام عبد العزیز رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت بخشے اور اسلامی برکات کا وارث بنائے۔ طبقہ خواتین میں سے ایک معزز عورت نے
جن کا اسم گرامی مس ... جو ایک عرصہ سے ... رہی ہیں بڑے تعشق و تپاک سے اسلام قبول کیا اور خود ہی اپنے ایک بیٹے کے لئے بھی
مسلمان بچوں کی خوشخبری سنائی۔ یہ بہت ہی قابل ادب ہے جو شش خاتون ... اسلام کے متعلق ان کی عاشقانہ تحقیقات ہیں
دلچسپ ہیں وہ ان کی دلی کیفیت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں۔

علاوہ ازیں اس ماہ میں امریکہ کا ایک معزز خاندان جس کے ممبروں میں بہت لائق اور قابل بزرگوار شامل ہیں مسلمان
ہوا ہے اور تبلیغ اسلام کے لئے انہوں نے اپنے پر جوش ارادوں کا اظہار کیا ہے والحمد للہ علی ذالک۔

اس مختصر رپورٹ سے ناظرین کرام اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مولانا مولوی صدر الدین صاحب
کس قدر مردی خلوص دل ہمت و استقلال و قابلیت کے ساتھ مقدس اسلام کے کام کو سرانجام دینے کی کوشش فرماتے ہیں
ان کے ساتھ اس نہایت ہی قلیل عرصہ میں جو انہیں تبلیغ اسلام کے لئے آج تک میسر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت
شامل حال رہی ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی خوشگوار اطلاعات کی ہمیں امید رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ؎

دین کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

اب بہار کے دن ہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا میں ظاہر ہو اور ہر طرف اسلام ہی کا نام روشن ہو اس کی اس مشیت
کو پورا کرنے کے لئے ضرور ہے ایسے پاک دلوں کی جو اس راہ میں مال و جان کی کوئی پرواہ نہ کرکے دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عملی ثبوت
دیں دیکھو خواجہ صاحب نے جس وقت اپنے کاروبار کو چھوڑ کر ولایت کا عزم کیا تو کتنے لوگ تھے جو انکے اس جوش و اخلاص میں جو تبلیغ اسلام کیلئے
انہوں نے عملی طور پر ظاہر کیا انہیں اگر اور کسی طرح کی امداد دینا نہیں چاہتے تھے تو زبان سے ہی جزاک اللہ و مرحبا انہوں نے کہا ہو اعتراض کرنے والے
تو آج تک بھی انہی معترضانہ کارروائیوں سے باز نہیں آئے لیکن مبارک ہیں وہ جنہوں نے اس پاک کام میں جناب خواجہ صاحب کی نہیں بلکہ اپنے
پیارے دین کی امداد کی اور کر رہے ہیں کیونکہ وہ مشیت ایزدی کو پورا کرنے میں حسب الوسع کوشاں ہیں۔

پس میں ان تمام لوگوں کو بھی جنہوں نے ابھی تک اس کام کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ؎

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضہ ملت شود پیدا

اشاعت اسلام کالج لاہور

اسلام کی بیکسی کی اس سے بڑھکر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں میں اور بہت سے کاموں کا فکر کرنے والے پیدا ہو گئے۔ لیکن اگر نہیں ملتے تو وہ لوگ نہیں ملتے جو اشاعت اسلام کے مقدس کام کو سرانجام دے سکیں۔ ہندوستان میں مذاہب کا ایک زبردست دنگل قائم ہے اور اس دنگل میں ہر مذہب کے پہلوان اس وسیع جزیرہ نما کے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کام کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں ایسے واعظین جو صرف خدمت دین کے لئے وقف ہوں اور مقابلہ مذاہب میں ہر قسم کے ہتھیاروں سے پورے طور پر مسلح ہوں ابھی تک نادر ہیں اور نہ ہی آیندہ ایسے واعظین کے تیار کرنیکا کوئی سامان نظر آتا ہے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جس پر درحقیقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال موقوف ہے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ایک اشاعت اسلام کالج لاہور میں کھولا ہے جس میں اسلام کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں اس کو کھلے ہوئے قریباً پانچ ماہ ہو چکے ہیں اور قریباً دس طالب علم اس کے اندر تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے اخراجات کی متکفل بھی انجمن ہے جیسے جیسے اس کالج سے مبلغین تیار ہو کر نکلینگے مختلف مقامات پر ان کے لئے مرکز مقرر کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام باقاعدہ ہاتھ میں لیا جائیگا۔ علاوہ اس کالج کے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مذاہب غیر کی تردید کے لئے ٹریکٹ اور رسالے بھی تیار کروا رہی ہے۔ اور پانچ۔ چھ نومسلم بھی اس وقت اس کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کر رہے ہیں +

ان اخراجات کے لئے ہم جملہ اہل اسلام کو اور بالخصوص ان کو جو اپنے دلوں میں اشاعت اسلام کیلئے درد رکھتے ہیں توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں کا ایک حصہ اس راہ میں خرچ کر کے عنداللہ ماجور ہوں عطیوں کے علاوہ بالخصوص زکوٰۃ کے روپے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ اس وقت اشاعت اسلام سے بڑھ کر کوئی نیک مقصد نہیں جس پر ایسا روپیہ صرف ہو سکتا ہو۔ روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیجا جاوے ہر ایک رقم کی باضابطہ رسید جاری ہوتی ہے اور انجمن ہذا رجسٹرڈ انجمن ہے +

المشتہر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی اے - ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی اے - بی ٹی)

نمبر (۱)	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء	سال نو	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

(۱) شذرات (ایڈیٹر) ۱ + (۲) انگریزی ترجمہ میں سورۃ فاتحہ ...... ۴ + (۳) اسلام اور عقل انسانی (ایڈیٹر) ۲۰ ÷ (۴) دنیا کا آخری نبی (مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء) ۲۴

(۵) ایک اسلام کی سرگذشت (یحییٰ النصر پارکنسن) ۳۵ +

(۶) اسلامی نماز کا فلسفہ (از مشیر حسین قدوائی بیرسٹر) ۴۴

(۷) الضروری الناس (ایڈیٹر)

[illegible] ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء کو خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام [illegible]

قیمت سالانہ تین ۳ روپے

ضروری قابل توجہ ضروری

مندرجہ ذیل امور ناظرین کرام کے قابل توجہ ہیں:-

۱- جن احباب کا چندہ رسالہ دسمبر ۱۹۱۵ء کے پہنچنے پر ختم ہوگیا ہے - اور جنکا چندہ اس سالہ جنوری ۱۹۱۶ء کے پہنچنے پر ختم ہو جاویگا - براہ کرم وہ سب اصحاب مبلغ تین ۳ روپے بذریعہ منی آرڈر بابت چندہ سال ۱۹۱۶ء پیشگی مرحمت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں - وگرنہ بصورت دیگر فروری ۱۹۱۶ء کے رسالہ پر اُن سب کی خدمت میں وی-پی سالانہ چندہ کا ارسال ہوگا +

۲- ترسیل جملہ رقوم زرچندہ وغیرہ بنام جناب شیخ رحمت اللہ صاحب انگلش ویرہاؤس دی مال لاہور ہونی چاہیئے +

۳- ترسیل زر وخط وکتابت کے وقت نمبر خریداری کا ضرور حوالہ فرمادیں - وگرنہ شکایت توقف یا عدم تعمیل، عدم جواب بیجا تصور ہوگی +

۴- بعض احباب کے پتوں کی صحت کی ضرورت ہے - اس لیئے ناظرین کرام اس رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کے لفافہ پر اپنا اپنا پتہ بغور ملاحظہ فرماکر حسب ضرورت پتہ کی اصلاح کر کے مینجر کو براہ کرم فوراً مطلع فرمائیں - تاکہ اجرائے وی پی کے وقت عدم صحت پتہ کی وجہ سے وی-پی رائیگان نہ ہوں اور دفتر کو محصول ڈاک کا خمیازہ بے سود اٹھانا پڑے +

۵- جن احباب کی جلد ۱۹۱۵ء میں کسی نمبر کی کمی ہو - فوراً منیجر سے طلب فرمائیں +

۶- دفتر رسالہ ہذا سے فرداً فرداً اطلاعی کارڈ اجرائے وی پی سالانہ سے پیشتر بھی ارسال کیئے جاوینگے -

۷- فہرست مضامین رسالہ اشاعت اسلام جلد اول ۱۹۱۵ء کی بھی اسی رسالے کے ساتھ ملفوف ہے - احباب اپنی جلد کے شروع میں لگالیں - منیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور -

نومسلموں کی تصاویر

ہم نے متعدد تصاویر نومسلموں کی وُوکنگ آفس لندن سے منگوائی ہیں
قیمت فی تصویر (۱ر) ہے :.

نوٹ:- محصول ڈاک وخرچہ وی پی بذمہ خریدار - درجن کے خریدار کو ۲ر رعایت :. منیجر اشاعت اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

Yours fraternally

Ameen Neville J. Stuhrmann. PH.D., LITT.D., F.S.P.

(ط م)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اُردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لندن

جلد (۲) بابت ماہ جنوری ۱۹۱۶ء نمبر (۱)

شذرات

سال نو کی مبارکباد۔ ناظرین رسالہ ہذا کے لیئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُن کو یہ خوشخبری سُنائی جائے۔ کہ پچھلی رپورٹ کے بعد ایک ماہ کے اندر انگلستان میں انگریز نومسلمین کی تعداد میں سات کا اضافہ ہوا اللّٰھم زد فزد یہ ترقی موجودہ حالات کے اندر جب قوم کی توجہ قومی ہستی کے استحکام کے لیئے صرف جنگ کی طرف ہو رہی ہے۔ بہت ہی اُمید افزا ہے۔ اور یہ اُمید کہ جب حالات اپنی معمولی روش اختیار کریں اور یورپ کی سرزمین جنگ وجدل کے شور وشغف سے صاف ہو جائے تو رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا نظارہ ایک بار پھر دُنیا کے سامنے آجائے کچھ بعید نہیں۔ ہاں اس عرصہ میں ہمیں اپنے کام میں پہلے سے بڑھ کر مستعدی دکھانی چاہیئے اور یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ایک ذخیرہ اسلامی مذہبی لٹریچر کا اس قدر موجود ہو کہ ہمارے تبلیغ کے کام میں اس سے کافی مدد مل سکے۔ یہ گویا ایک فرصت کا وقت ہے۔ جب مجبوراً ابھی ہمیں اپنی کوشش کا دائرہ بہت محدود کرنا پڑا ہے۔ اور ہمیں

ہم دوسری باتوں کی طرف توجہ کر سکتے ہیں جو آیندہ ہمارے مقاصد میں ہمارے لیئے کامیابی کا ذریعہ ہو سکتی ہیں +

اس تعداد میں ایک پورا خاندان بھی ہے۔ جس کے کل پانچ ممبر ہیں اور یہ اللہ تعالےٰ کے خاص احسانات میں سے ہے۔ کیونکہ جو گھر پورے کا پورا اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ وُہ درحقیقت اسی وقت ایک جنت کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ اور بالخصوص اس میں جو اس وقت چھوٹی عمر کے بچے ہونگے۔ چونکہ اُن کی پرورش ہی گویا اسلام کے اندر ہو گی۔ اس لیئے اسلام کی محبت اور اسلامی حمیت گویا اُن کے خونوں میں رچی ہوئی ہوگی +

اس خاندان کی رہنمائی کا ذریعہ اس گھر کی نیک دل خاتون ہی ہوئی ہیں۔ جس سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ جو خواتین انگلستان میں داخل اسلام ہو رہی ہیں وہ کس پایۂ کی ہیں اور کس طرح یہ اپنے متعلقین کی ہدایت کا باعث ہو سکتی ہیں۔ ابتدا میں اسلام کی محبت کا خیال اُن کے دل میں مولینٰا مولوی صدرالدین صاحب کے ایک لیکچر سے ہوُا جس کے آخر پر ایک متعصب پادری نے چند بیجا حملے اسلام پر کیئے۔ جن کا جواب مولوی صاحب کو سختی سے دینا پڑا۔ یہ سختی کیا تھی اسلامی غیرت کا ایک نقشہ اُس نے کھینچ دیا۔ جو بالخصوص اس حری القلب خاتون کے دل پر ایسا جم گیا۔ کہ اُسی وقت سے وُہ اسلام کی تحقیقات میں لگ گئی۔ یہ خاتون ابتدا سے ہی عیسائی مذہب سے متنفر تھیں۔ چنانچہ جب اُنھوں نے مسجد میں آمد و رفت بہت ناگوار ہوئی۔ اور اُنھوں نے اسے سمجھانا چاہا۔ اور جب اُس نے دریافت کیا۔ کہ آجتک میرے گرجا نہ جانے سے تو آپ کو فکر نہ ہوُا تو پادری صاحب نے یہ جواب دیا کہ تمہارا گرجا میں نہ آنا اب بھی مجھے کچھ گھبراہٹ میں نہیں ڈالتا۔ مگر تمہارے مسجد میں جانے کی وجہ سے مجھے بہت فکر ہے۔ آخر پادری صاحب مایُوس ہو گئے اور اس بہادر خاتون نے اپنے خاوند کو بھی اپنا ہم خیال بنایا اور آخر میاں بی بی اور بچے کل پانچ کس اسلام میں داخل ہوئے حذیفہ نام جو مولوی صاحب نے اس خاتون کے لئے تجویز فرمایا اس کی قلبی کیفیت کا اظہار

کرتاہے۔ اور ایسی الٰہی خواتین کو دیکھ کر اسلام کی صداقت کا ایک بنا ولولہ قلوب میں جوشزن ہوتاہے کہ ایک عورت جو خود ابھی دائرہ اسلام کے اندر داخل نہیں ہوئی چار اور دو حوں کو اسلام کی صداقت منوا سکتی ہے۔ تو وہ لوگ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور جنکے دلوں میں بچپن سے ہی اسلام کی محبت جوش زن ہے۔ وہ اگر کوشش کریں تو کیا کچھ نہیں کرسکتے

اسلام کی محبت نے کس طرح مکّہ والوں کے دلوں کو اندر ہی اندر مسخر کر لیا تھا۔ اسکا کچھ نظارہ صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ کے درمیانی عرصہ میں نظر آتا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں جو دو سال کے قریب بمشکل پہنچتا ہے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے تیرہ چودہ سو ساتھیوں کی بجائے دس ہزار قدوسیوں کی معراج عظیم نظر آتی ہے۔ اور اس طرح پر ان دو سال کے اندر ہی حضرت موسیٰ کی دس ہزار قدوسیوں والی پیشگوئی کے پورا ہونے کا سامان ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود اہل مکّہ باوجود اس روک کے جو اُن کے اسلام میں ایک بڑی دیوار کی طرح حایل ہو گئی تھی۔ کہ اُن میں سے کوئی مسلمان پھر کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہ کونسی چیز تھی جو اُن کو اسلام کی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ محض اسلام کی صداقت تھی۔ جس نے ساری روکوں اور ساری مخالفتوں کے اندر قلوب کو بالکل مسخر کر لیا تھا۔ آج بھی ہم یہ اُمید کرتے ہیں۔ کہ اگر ایک دفعہ اسلام کی صداقت کو پورے طور پر یورپ میں ظاہر کر دیا جائے۔ تو وہ وقت دُور نہیں کہ تمام ظاہری روکوں پر غالب آکر اسی طرح جوق در جوق لوگ ایرہ اسلام میں داخل ہوں جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ صداقت ایک بیج کی طرح زمین کی تاریکیوں میں نشو و نما پاتی ہے۔ یہاں تک کہ دیکھنے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ ضایع ہو گئی۔ مگر وہ ضایع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس پر جو موت وارد ہوتی ظاہری آنکھ کو نظر آتی ہے وہ درحقیقت اُس کی نئی زندگی کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیس سال تک وعظ فرماتے رہے تو ایک ایک دو دو کر کے وہ ہی لوگ اسلام کے اندر داخل ہوتے رہے۔ کیونکہ خارجی رکاوٹیں اکثر لوگوں کی راہ میں حایل ہو رہی تھیں حتّٰی کہ پہلے تیرہ سال میں ایک سو تک ہی بمشکل تعداد پہنچی ہے۔ مگر آخر وہ وقت آگیا۔ کہ گروہ در گروہ لوگ اسلام

کے اندر داخل ہونے شروع ہوئے۔ اسی طرح پر یہاں بھی ہو رہا ہے۔ مگر ہاں ہمارا فرض ہے۔ کہ پہلے قرآن اُن کو پہنچائیں اور پھر اس قرآن کو خود ہی تسخیر قلوب کا کام کرنے دیں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مطبع میں چلا گیا ہے۔ اور جلد ہی ہم اسے لوگوں تک پہونچانے کے قابل ہونگے۔

اس ترجمہ میں سے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور نوٹ بطور نمونہ اسلامک ریویو بابت دسمبر ۱۹۱۵ء میں چھاپے گئے ہیں۔ جن کو ہم بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیئے نیچے درج کرتے ہیں۔

انگریزی ترجمہ میں سے سورہ فاتحہ

خلاصہ مضمون: آیت ۱۔ اللہ تعالےٰ سارے جہان کی ربوبیت کرتا ہے یعنی کل مخلوق کو وجود میں لاتا۔ اور پھر بتدریج اسے اس کے کمال تک پہنچاتا ہے۔ ۲۔ اس کا رحم انسان کی زندگی اور ترقی کے سامان اس کے وجود میں آنے سے پہلے مہیا کرتا۔ اور ان سامانوں کو کام میں لانے پر اچھے نتایج مترتب کرتا ہے۔ ۳۔ اس کا معاملہ انسان سے مالک کا ہے۔ اور اس لیئے اس کا قانون جزا و سزا عفو اور رحم سے ملا ہوا ہے۔ ۴۔ پس وہی سزاوار ہے اس بات کا۔ کہ اس کے سامنے انسان اقرار عبودیت کرے اور اُسی سے اعانت طلب کرے۔ ۵۔ ۷ صراط مستقیم پر رہنے اور افراط و تفریط کی راہوں سے بچنے کی دعا۔

نام۔ علاوہ الفاتحہ یا فاتحۃ الکتاب کے جس سے اس کا قرآن کریم کی ابتدا میں رکھا جانا ثابت ہوتا ہے۔ اس سورت کے اور بھی کئی نام آئے ہیں۔ خود قرآن کریم میں اس کا نام سبع من المثانی رکھا گیا ہے (الحجر ۸۷) کیونکہ اس کی سات آیتوں کو ہر مسلمان کم از کم تیس ہر روز نماز میں پڑھتا ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اس سورت کا نام فاتحۃ الکتاب آتا ہے۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ یعنی سوا۔ فاتحہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اسی لیئے اُس کا ایک نام سورۃ الصلوٰۃ بھی آیا ہے

کیونکہ ہر نماز میں یہ سورت ضروری ہے۔ اس کو سُورۃ الدُعا بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ساری سورت درحقیقت ایک دُعا ہے جس میں پہلے اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ اور اُس کی معبودیت کا اظہار ہے۔ پھر اقرار عبودیت اور طلب اعانت اور دُعا۔ اور نہ صرف دُنیا کی تمام دعاؤں میں یہ ایک بے نظیر دُعا ہے۔ بلکہ خود قرآن کریم کی دعاؤں میں سب سے اعلےٰ درجہ کی دُعا ہے۔ اسکے ناموں میں سے ایک نام ام الکتاب بھی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ بطور نچوڑ کے آگیا ہے۔ اور یہ گویا قرآن کریم کا مغز ہے۔ اس کے اور نام بھی بہت سے آئے ہیں۔ جن سے انہی مطالب میں سے ایک یا دُوسرے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے الاساس الکنز۔ الوافیہ۔ الکافیہ۔ الحمد۔ الشکر۔ الشافیہ۔ الشفاء +

تاریخ نزول۔ الفاتحہ ایک رکوع اور سات آیات پر مشتمل ہے۔ اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو حصہ قرآن کریم کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر دعوے کے نہائیت ابتدائی زمانہ میں نازل ہوا۔ اسی میں سورہ فاتحہ بھی ہے۔ گو ٹھیک تاریخ کا تعین کرنا ایک مشکل امر ہے۔ یسور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی وحی کو زمانہ کے لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کو سب سے پہلے حصہ میں رکھتا ہے۔ گو یہ خیال اسکا کہ سورہ فاتحہ کا نزول اقرا باسم ربک والی وحی سے پہلے کا ہے۔ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ سب سے پہلی وحی سورہ علق کا ابتدائی حصہ ہونے پر اس قدر وزنی شہادت ہے۔ کہ کوئی عقلمند اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ پس تاریخ نزول کے متعلق اس قدر تو ہم یقین سے لکھ سکتے ہیں۔ کہ یہ نہائیت ہی ابتدائی زمانہ کی وحی ہے۔ مگر واقعی طور پر نزول ترتیب قائم کرکے صحیح تاریخ کی تعین نہیں کرسکتے۔ خود قرآن کریم میں ایک مکی سورت میں ہی سورہ فاتحہ کے نزول کا ذکر موجود ہے۔ جہاں سورہ الحجر میں فرمایا ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم۔ اور سورہ الحجر یقیناً مکی سورت ہے۔ پھر اس کے اوائل زمانہ نبوی کی وحی ہونے پر ایک شہادت اس سورت کی نمازوں میں پڑھا جانا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں ابتدا سے ہی یہ سورت پڑھی جاتی تھی اور نماز پڑھنے کا حکم بہت ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اب یہاں ہم کو ایک تاریخی شہادت ملتی ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے چوتھے سال میں نماز پڑھنے کے لیئے حضرت ارقم

کا گھر مقرر کیا جاتا ہے۔ گویا وہاں نماز باجماعت ادا ہونی شروع ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ کھلے مقامات میں نماز پڑھنے سے کفار روکتے اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت سعدؓ کو پیش آیا جو چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ کے قریب ایک میدان میں نماز پڑھنے کے لیئے گئے تو اُن کا عیسائیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ اور اسی بات پر نوبت فساد تک پہنچی۔ تو چونکہ چوتھے سال میں نماز کے لیئے ارقم کا گھر ان مشکلات کی وجہ سے مقرر کیا جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان نماز پڑھنے والوں کی تعداد خاصی ہو گئی تھی۔ جس کے لیئے ایک جگہ مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اِس لیئے ہم قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ اس سے بہت پہلے نماز کا حکم ہو چکا تھا اور اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کے جن نہایت ہی ابتدائی واقعات کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ ان سے بھی آپ کا خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھنا اور کفار کا بعض وقت آپ کو دُکھ پہنچانا ثابت ہوتا ہے۔ پس سورہ فاتحہ کا نزول دعوے کے پہلے سال کا ہی معلوم ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ فاتحہ کے اوّل الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آتے ہیں۔ اور یہ وہ الفاظ ہیں جن کے ساتھ قرآن کریم کی تمام سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ سوائے سورت توبہ کے اور یہی الفاظ ایک سورہ نمل کے اندر بھی آتے ہیں۔ پس بسم اللہ ایک سو چودہ مرتبہ قرآن کریم کے اندر آتی ہے۔ علاوہ ازیں بسم اللہ ایک ایسا جملہ ہے۔ کہ خواہ ایک مسلمان کسی ملک کا رہنے والا ہو بچے سے لے کر بوڑھے تک۔ خواندہ ہو یا ناخواندہ سب کی زبان پر یہ الفاظ یکساں پائے جاتے ہیں۔ اور ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کی جاتی ہے۔ جس طرح سورہ فاتحہ خلاصہ ہے سارے قرآن کریم کا۔ اِسی طرح بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اور ہر ایک اہم کام کی ابتدا بسم اللہ سے کر کے ایک مسلمان دُنیا کو یہ سبق دیتا ہے۔ کہ انسان کے دل کا خالق عالم اور مالک حقیقی کے ساتھ اصلی تعلق یہی ہے۔ کہ ہر حال میں رنج میں ہو یا راحت میں عسر ہو یا یسر میں اللہ تعالےٰ کو ہی ساری طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے اسی سے مدد چاہے اور صرف اُسی کا سہارا تلاش کیے۔ اور اس طرح پر بسم اللہ کا استعمال توحید الٰہی کا عملی پہلو ہے۔ جو ایک مسلمان کی زندگی میں ہر وقت اور ہر آن میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور جس کی نظیر مذہب کی تاریخ میں اور جگہ تلاش کرنا عبث ہے۔ گویا بسم اللہ سے ہر کام کی ابتداء کرنا یہ ایک فعلی

توحید ہے۔ جس کا ظہور ایک مسلمان کی زندگی میں قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم درحقیقت اس سب سے پہلے ارشادِ الٰہی کی تعمیل ہے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا میں پہنچا۔ بخاری میں ہے کہ جب آپ غار حرا میں حسب معمول عبادت الٰہی میں مصروف تھے تو فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل آئے۔ اور کہا اقرأ یعنی پڑھو۔ تو چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لکھنے اور پڑھنے سے مطلق ناواقف تھے۔ اس لیئے آپ نے جواب میں فرمایا ماانابقارئ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرائے اور آپ نے بھی اسی جواب کا اعادہ فرمایا اور اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ چوتھی مرتبہ فرشتہ نے کہا اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم یعنی اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھ۔ وہ رب جس نے سب کچھ پیدا کیا الخ۔ اس میں یہ تعلیم دی گئی کہ اسم رب کی مدد درحقیقت سب کامیابیوں کی جڑ ہے کہ اس کے ساتھ ان ہوئی باتیں ہو جاتی ہیں۔ بس جب اسم رب کی مدد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ان پڑھ ہونے کے پڑھ لیا۔ اسی سے مدد مانگنا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہر مسلمان کو سکھایا گیا ہے۔ پس یہی بسم اللہ سب کامیابیوں کی جڑ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کا نزول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

مَیں نے کہا تھا۔ کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ جس طرح سورہ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو بسم اللہ توحید کا عملی سبق ہے۔ اور توحید الٰہی ہی سورہ فاتحہ اور سارے قرآن کریم کی تعلیم کا مغز ہے۔ پھر بسم اللہ میں جن تین اسمائے الٰہی کا ذکر ہے۔ وہ بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی اوّل اللہ ہے۔ یہ پاک نام صرف ایک ہی ہستی پر عرب کے اندر بولا گیا ہے۔ اور اس طرح پر توحید الٰہی کا کامل سبق صرف ایک اسم اللہ کے اندر ہی دے دیا گیا ہے جسے دُنیا کی کوئی دُوسری زبان اس حقیقت کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتی پھر دُوسرے دو اسماء جن کا ذکر بسم اللہ میں ہے وہ الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔ جو دونوں اللہ تعالےٰ کی بے انتہا محبت اور رحم پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے انسان کی ترقی کے سارے سامان پہلے سے پیدا کر رکھے ہیں۔ تو

دُوسری طرف جب انسان ان سامانوں سے فایدہ اُٹھاتا ہے تو ان پر صحیح نتائج بھی اللہ تعالیٰ ہی مترتب فرماتا ہے۔ تو رحمانیت اور رحیمیت درحقیقت ربوبیت کی صفات کاملہ کیلئے بطور جڑ کے ہیں۔ پس اسم اللہ میں اگر ہر ایک قسم کے شرک کی جڑ کاٹی ہے تو رحمٰن اور رحیم میں ہر قسم کے اصُولی عقائد کی تردید کی ہے۔ جیسے کفارہ وغیرہ جو بلا بدل رحم کے قایل نہیں۔ حالانکہ دُنیا کا سارا نظم ہی رحم بلا بدل پر ہے۔ پس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کامل توحید سکھاتی ہے شرک اور ہر قسم کے غلط عقائد کی بیخکنی کرتی ہے اور صفات الٰہی میں سے ان دو صفات کا انتخاب کر لیتی ہے۔ جو دیگر تمام صفات کے لئے بطور اصل اور جڑ کے ہیں۔ اسی تعلیم کو پہلے سورہ فاتحہ میں پھیلایا۔ پھر اُس کو سارے قرآن کے اندر پھیلایا۔

راڈویل لکھتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وُہ جملہ ہے۔ جو طائف کے مشہور شاعر امیہ نے قریش کو سکھلایا۔ مگر یہ بیان صداقت سے دُور ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سکھانے والا قرآن اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کوئی نہیں۔ عرب لوگ اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن سے بالکل ناواقف تھے۔ اور نہ ہی اس حقیقت کا انکشاف اُن پر ہوا تھا جو لفظ رحمٰن کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔ اور نہ وُہ صرف اسم رحمٰن اور صفت رحمانیت سے ناآشنا تھے۔ بلکہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم اُن کو پہنچائی تو اُنھوں نے اُسکو رد کیا بلکہ اس کے ساتھ اظہار تنفر کیا چنانچہ اس بارہ میں قرآن کریم کی شہادت جو سب شہادتوں سے بڑھ کر ہے موجود ہے واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا۔ (الفرقان - ۶۰) جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ تو کہتے ہیں رحمان کیا ہوتا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تو حکم کرتا ہے اور اس بات نے اُن کو نفرت میں اور بھی بڑھا دیا۔ یہ تو اس وقت کا ذکر ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں۔ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ کفار کو آخر دم تک بھی مخالفت ہی رہی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے وقت کا واقعہ مشہور ہے۔ جب عہدنامہ لکھنا شروع ہوا تو سہیل بن عمرو نے جو قریش کی طرف سے لکھنے والا تھا۔ عہدنامہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کیا۔ اور کہا لا اعرف ھذا میں اسے

نہیں جانتا۔ اور آخر عہدنامہ پر بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے باسمک اللھم لکھا گیا جسطرح عرب کے اندر مروج تھا۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض قوموں کے اندر کچھ اسی قسم کے الفاظ یا جملے مروج تھے۔ جن سے وُہ اپنی تحریروں کو مزین کیا کرتے تھے۔ لیکن محض یہ بات کہ دُوسری قوموں کے اندر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرز کا کوئی جملہ پایا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے ان قوموں سے لے لیا تھا۔ اصل خوبصورتی تو الفاظ اور مجموعہ میں ہے نہ محض اس بات میں کہ کوئی جملہ ہے جس سے ابتدا ہو کیونکہ اسلام کا یہ دعوے تو نہیں کہ دُنیا میں پہلے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس نے سب نئی ہی تعلیم دی۔ اسلام کا دعوے صرف تکمیل کا ہے۔ جیسا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی سے ظاہر ہے۔ تعلیم تو کچھ نہ کچھ پہلے بھی موجود تھی۔ اسلام نے اسے کامل کر دیا۔ اور ہر قسم کے نقصوں سے اسے پاک کر دیا۔ یہی تکمیل کا کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی کیا۔ چنانچہ باسمک اللھم کے مقابلہ میں جو فوقیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو حاصل ہے وہ بطور اشارہ اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اسی طرح پر جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ اہل فارس یعنی زردشت کے پیروؤں میں اسی طرح ابتداء کرنے کے لئے خدا کے اسمائے بخشائیش گر اور دادار تھیں۔ اور انہی سے رحمٰن اور رحیم کا لفظ لیا گیا ہے۔ وہ درحقیقت اسم رحمٰن اور رحیم کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ بخشائیش گر کے معنے ہیں بخشنے والا اور دادار انصاف کرنیوالا اب ان صفات کو رحمانیت اور رحیمیت کے معنوں سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ نہ ہی یہ صفات صفات الٰہی کی جڑ قرار دی جا سکتی ہیں اور نہ ہی ان کے اندر محبت اور رحم کی اس الٰہی صفت کی کچھ جھلک نظر آتی ہے۔ جس کا نقشہ رحمان اور رحیم ہمارے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ اسلام کے ان معترضین کے لیئے جو اسلام کے خدا کو نعوذ باللہ من ذالک ظالم اور غضب سے بھرا ہُوا قرار دیتے ہیں۔ بسم اللہ کے اندر اسمائے رحمٰن اور رحیم کا انتخاب سبق دینے کے لیئے کافی ہے۔ بشرطیکہ حق پسندی کا مادہ طبیعت میں ہو۔"

سورہ فاتحہ بحیثیت دُعا۔ سورہ فاتحہ کو جو خاص امتیاز حاصل ہیں اُن میں سے نمایاں امتیاز اس کا ایک دُعا ہوتا ہے۔ اور یہ ایسی دُعا ہے۔ کہ جو ہر ایک مسلمان کئی کئی مرتبہ

روز پڑھتا ہے۔ اور اس کی ہر نماز کا خواہ وہ نماز جماعت سے ہو یا تنہائی میں یہ ایک ضروری حصہ ہے۔ اِس لیئے دُنیا کی کسی دعا کو وہ وقعت حاصل نہیں جو سورہ فاتحہ کو ہے۔ حتیٰ کہ مسیحیت کی مشہور دُعا کو جسے خداوند کی دعا کہا جاتا ہے۔ اس ظاہری پہلو سے بھی فاتحہ سے کوئی نسبت نہیں۔ اور معنے اور مفہوم کے لحاظ سے تو دونوں دُعاؤں میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن مسیح کو تو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ کہ وُہ خدا کی بادشاہت کے آنے کے لیئے دُعا کرے۔ جیسا کہ اس دُعا کے ان الفاظ سے ظاہر ہے "تیری بادشاہت آوے" لیکن ایک مُسلمان کو جو دُعا سکھائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس بادشاہت کے اندر جو درحقیقت آچکی تھی اپنی ٹھیک جگہ کی تلاش کرے۔ جس کو دُوسرے لفظوں میں حوالہ مستقیم کیا گیا ہے۔ اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ جس بادشاہت کے آنیکا ذکر مسیح کی کلام میں بطور وعدہ پایا جاتا ہے۔ جیسا لوکا ۱۱ : ۱۵ میں اس کے قریب آجانے کا ذکر ہے۔ وہ وہی خدا کی بادشاہت ہے جس کا ظہور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے دُنیا میں ہوا۔ پس سورہ فاتحہ کی دُعا درحقیقت تمام دُنیا کی دُعاؤں کے لیئے ایک نمونہ کے طور پر ہے اور اُس پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ شروع ایسے الفاظ سے نہیں ہوتی۔ جن سے معلوم ہو کہ یہ انسان کو ایک دُعا سکھائی گئی ہے۔ طرز کلام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کی قریبا کل دُعائیں اسی طرح پر ہیں۔ اور دُعا کا کلام الہٰی کے اندر ہونا تو خود ہی اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وُہ دعا انسان کو سکھائی گئی ہے۔

۵۔ پھر بعض رُوحانیت کے کوچہ سے دُور افتادوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ دُعا یعنی سورہ فاتحہ میں جو اھدنا الصراط المُستقیم کی دُعا ہے۔ یہ صرف ایسے لوگوں کے لیئے موزوں ہے جو گناہ اور ظلمتوں کے اندر مُبتلا ہوئے اور رستہ معلوم کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ وُہ پاک الفاظ اھدنا الصراط المستقیم جو ہر حالت اور ہر وقت میں ایک ناسخ شدہ رُوح انسانی کے سچے اخلاص اور صداقت کی تڑپ کا اظہار کرنے والے ہیں گناہوں کی تاریکیوں کے اندر گرفتار رُوح کی خواہش بتایا جاتا ہے۔ کیا صراط مستقیم کی خواہش۔ افراط اور تفریط سے بچائے جانے کی خواہش۔ ہر قسم کی ظلمت اور تاریکی سے رہنے کی خواہش صحیح فطرت انسانی کا نقشہ پیش کرتی ہے یا ایک گرے ہوئے یا ذلیل از

ظلمتوں میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ایسی خواہش کر بھی نہیں سکتا۔ سورہ فاتحہ کی دُعا نہ صرف تمام مذاہب کی دُعاؤں میں ہی ایک یگانہ دُعا ہے۔ بلکہ خود قرآن کریم کی ساری دعاؤں میں بھی یہ سب سے اعلےٰ اور افضل دعا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کے مخالفوں کے مُونھ سے بھی اس دُعا کو پڑھ کر بے اختیار تعریفی کلمات نکل گئے ہیں۔ اب ذرا وضاحت سے ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو ساری سورت سات آیات یا سات جملوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پہلی تین آیات میں اللہ تعالےٰ کی چار صفات رُبوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت کا ذکر ہے۔ جو سب صفات کے لیئے بطور بُنیاد اور اصل کے ہیں۔ اور اس طرح پر ان میں اللہ تعالےٰ کے معاملہ کامل طور پر آجاتے ہیں اور پچھلی تین آیات انسانی رُوح کی اس سچی تڑپ کا نقشہ پیش کرتی ہیں جو ہر آن یہ چاہتی ہے کہ وُہ افراط و تفریط دونوں پہلوؤں کی ٹھوکروں سے بچ کر حقیقی پاکیزگی کی راہ پر چلتی رہے۔ اور درمیانی آیت اللہ تعالےٰ اور اُس کے بندے میں حقیقی تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ بندہ اور مالک کا یہ تعلق ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنا حقیقی مقصود اور مطلوب صرف ذات الٰہی کو رکھے اور اُسی کی اعانت بھی چاہے۔ جن صفات الٰہی کا سورہ فاتحہ میں ذکر ہے وہ وہ صفات ہیں جو اللہ تعالےٰ کے محیط عالم رحم اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دُوسری طرف جس مقام پر رُوح پہنچنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ وہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقام ہے۔ جہاں تک رُوح انسانی کا پرواز اسے پُہنچا سکتا ہے۔ وہ راہ استقامت۔ وہ رضائے الٰہی کا راستہ۔ وہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک راستہ۔ جہاں پُہنچ کر انسان لغزش اور ٹھوکر سے بچ جاتا ہے۔

اگر ایک سرسری نظر سے بھی اس دعا کا مقابلہ کسی اور مذہب کی اعلےٰ سے اعلےٰ دعا کے ساتھ کیا جائے تو اس کی فوقیت خود ہی انسان کے دل کو کھا جاتی ہے۔ سب سے پہلا کمال تو اس دعا کا یہ ہے کہ اس سے پہلے ہر قوم اللہ تعالےٰ کو اپنا خداوند کرکے پُکارتی تھی۔ مگر یہاں کسی قومی خدا کا ذکر نہیں۔ بلکہ دُعا رب العالمین کے لفظ سے شروع ہوتی ہے یعنی وہ خدا جس کی ربوبیت تمام عالموں پر خواہ وہ انسان کے علم میں ہوں یا اس سے باہر ہوں حاوی ہے۔ پھر یہاں باپ یا رب کے لفظ سے خطاب نہیں کیا۔ بلکہ رَبّ کے لفظ سے خطاب کیا ہے کیونکہ گو انسان کی نظر میں شفقت پدری اور باپ کا اپنی اولاد کی خبر گیری کرنا کتنا بھی بڑا نظر

آتا ہو۔ مگر خداوند عالم کی اس ربوبیت کاملہ کے سامنے یہ ہیچ ہے جو نہ صرف انسان کو عدم سے وجود میں لاتا۔ بلکہ اس کی زندگی اور پھر اس زندگی کے قیام کے لیئے ہر طرح سے سامان مہیا فرماتا ہے۔ اور یہاں تک ہی بس نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان کو اس کے کمال تک پہنچانے کا بھی انتظام کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ رب کے اندر کمال تک پہنچانے کا مفہوم بھی موجود ہے پس ایک طرف اگر صفات الہیٰ کے اس تنگ دایرہ کو مٹایا جو خدا کی خدائی کو خاص خاص قوموں تک محدود کرتا تھا۔ تو دوسری طرف خود ان صفات کی کیفیت میں جو انسان نے اپنے نفس پر ان صفات کو قیاس کر کے ایک تنگی پیدا کر رکھی تھی۔ اس کو بھی محو کیا۔ یہ انقلاب تو صفات الہیٰ کے بارہ میں ہے۔ اور پھر روح کی بلند پروازی کے معاملہ میں بھی یہی انقلاب عظیم پیدا کیا۔ ایک وُہ بھی دُعا ہے۔ جو جسم کی خبر گیری کے خیالات کو مقدم کر کے جب خدا سے کچھ مانگنے کی ہدایت کرتی ہے۔ تو اس میں پہلے "ہماری روز کی روٹی آج ہمیں بخش" کا سوال سکھاتی ہے۔ اور اس طرح پر جسم کے فکر کو روح کی فکر پر مقدم کرتی ہے۔ اور جب روح کا فکر سکھاتی ہے۔ تو اس میں بھی اس ادنےٰ مقام پر قناعت کرنا سکھاتی ہے۔ جہاں انسان گناہ بھی کرتا ہے۔ اور لغزش بھی اُس کو آتی ہے۔ پھر وہ اس گناہ کے بخشا جانے کے لیئے اور اس لغزش کے بد نتایج سے بچائے جانے کے لیئے تڑپتا ہے۔ مگر سورہ فاتحہ چونکہ سب دُعاؤں میں حتیٰ کہ قرآنی دُعاؤں میں بھی کامل ترین دُعا ہے۔ اس لیئے اس دُعا میں رُوح کی جس تڑپ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں جسم کی خبر گیری کا کوئی خیال انسانی رُوح اور اس کے مالک حقیقی کے تعلق میں حائل نہیں ہوتا۔ اور اسی لیئے روزانہ روٹی کی کوئی دُعا نہیں سکھائی جاتی۔ بلکہ کامل تعلق عبودیت کے اظہار کے لیئے رُوح انسانی پرواز کر کے اس مقام پر پہنچنا چاہتی ہے۔ جہاں نہ کوئی گناہ ہے نہ لغزش ہے۔ نہ ٹھوکر کا خطرہ ہے۔ بلکہ وُہ استقامت کا مقام ہے۔ جو انسان کے لیئے ایک مضبوط چٹان ہے۔ اور جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ یہ وُہ بلند مقام ہے جس پر خدا کے نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح لوگ پہنچ چکے ہیں۔ یہ وہ راستی کا بلند منارہ ہے۔ جس میں ایک طرف مالک حقیقی کی ناراضگی سے قطعی غیریت پائی جاتی ہے اور دوسری طرف ہر قسم کی ضلالت کی نفی کامل

پائی جاتی ہے۔ اسی لیئے اس راہِ مستقیم کی تعریف یوں بیان فرمائی صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اب کوئی شخص نظر انصاف سے دیکھے کہ اس اعلےٰ مقام سے اس مقام کو کیا نسبت ہے جہاں "خداوند کی دعا" جس کی تعلیم انجیل نے دی ہے انسان کو پہنچانا چاہتی ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک اگر روحانیت کا بلند سے بلند آسمان ہے تو دوسری روحانیت کی زمین ہے۔ اور فاتحہ کے سامنے "خداوند کی دعا" ایسی ہی ہے جیسے آفتاب کے سامنے ایک مٹی کا چراغ۔ اور ایک خداوند کی دعا کیا۔ دنیا کی ساری دعاؤں کو تلاش کرلو۔ ساری کتب مقدسہ کی ورق گردانی کر جاؤ۔ اس دعا کے سامنے ساری دعائیں ہیچ نظر آئیں گی۔

پھر ایک اور کمال سورہ فاتحہ کا یہ ہے کہ جن چار صفات الٰہی کو اس دعا کے لیئے چنا ہے وہ نہ صرف سب صفات الٰہی کے لیئے بطور بنیاد اور اصل کے ہیں۔ وہ نہ صرف اللہ تعالےٰ کی عالمگیر محبت اور رحم کے اظہار کی وجہ سے دعا کے لیئے موزون ترین صفات ہیں۔ بلکہ یہ ایسی صفات ہیں کہ ان کے اندر تمام مذاہب باطلہ کا رد پایا جاتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلی صفت جس کا ذکر رب العالمین میں ہے ربوبیت ہے۔ اور ربوبیت چاہتی ہے کہ جس طرح اس کے ذریعہ سے ایک چیز نیستی سے ہستی میں آتی ہے۔ اسی طرح وجود کا جامہ پہن کر اپنے کمال کو بھی حاصل کرے۔ تو گویا رب نہ صرف مخلوق کو ہستی میں لاتا ہے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی مخلوق کے لیئے ایک دایرہ اس کی استعداد کا مقرر کر دیا ہے جس کے اندر وہ ترقی کرتی کرتی آہستہ آہستہ اپنے کمال کو پالیتی ہے۔ تو اس صنعت کے اندر اس خیال کی تردید پائی جاتی ہے۔ جس پر عیسائی مذہب کا دارومدار ہے۔ کہ انسان پہلے ایک کامل حالت میں پیدا کیا گیا تھا اور پھر اس میں تنزل کی حالت پیدا ہوئی۔ لفظ رب ظاہر کرتا ہے کہ اول ایک چیز نیستی سے ہستی میں آتی ہے تو سب سے ادنٰے مرتبہ میں ہستی میں آتی ہے۔ پھر تقاضائے ربوبیت یہ ہے کہ ادنٰے سے اعلےٰ مقام کی طرف اسے لے جائے۔ گویا کل مخلوق ادنٰے حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے۔ نہ یہ کہ اعلےٰ حالت سے تنزل کر کے ادنیٰ حالت کی طرف آرہی ہے۔ پھر لفظ رب کے ساتھ جو عالمین کا لفظ لگا دیا۔ تو اس سے مقصود

ان تمام تنگ خیالات کو مٹاتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی ربوبیت روحانی کو خاص خاص قوم
تک یا خاص زمانوں تک محدود کرتے ہیں۔ اور اس طرح پر اس لفظ میں ان تمام لوگ
کے خیالات کی تردید ہے۔ جو ایک خاص ملک مثلاً ھندوستان میں ہی کلام الٰہی کا
انسان کے رُوحانی نشوونما کا اصل ذریعہ ہے نزول مانتے ہیں۔ یا جو ایک خاص قوم
بنی اسرائیل کے اندر ہی اسے مقید مانتے ہیں۔ پس رب العالمین کے لفظ سے یہ ظاہر
مقصود ہے۔ کہ کلام الٰہی نہ کسی خاص زمانہ اور نہ کسی خاص ملک یا قوم تک محدود ہے
اس کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے اللہ تعالےٰ کی ربوبیت جسمانی کا دائرہ۔ ہاں وہ
اپنے قوانین کے ماتحت چلتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت میں کفارہ جیسے
عقیدہ کی تردید موجود ہے۔ کیونکہ کفارہ کا مسیحی عقیدہ اس بنار پر قایم کیا گیا ہے کہ اللہ
بلا بدل رحم نہیں کر سکتا۔ یعنی انسان پر رحم کرنے کے لیئے اللہ تعالےٰ کوئی بدل چاہتا
اور وہ بدل خدا کے بیٹے کا مصلوب ہونا ہے۔ مگر صفت رحمانیت بتاتی ہے کہ اللہ تعا
عادت میں ہی رحم بلا بدل ہے۔ کیونکہ جب اُس نے انسان کے لیئے اُس کے وجود میں
سے پہلے بھی سامان مہیّا کر رکھے ہیں تو یہ سب اس کا رحم بلا بدل ہے۔ انسان کا کوئی
تھا۔ کہ اُس کے لئے یہ سامان مہیا کیئے جاتے۔ پس جب اُس کے جسمانی قوانین میں رحم
کا ایسا عالمگیر نقشہ نظر آتا ہے تو رُوحانی قوانین میں بھی وہی صفت الٰہی کام کرنیوا
اور اس لیئے رحم بلا بدل کے انکار کو جس پر کفارہ کی بُنیاد ہے اللہ تعالےٰ کی صفت رح
باطل ٹھیراتی ہے۔ پھر تیسری صفت رحیمیت ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان خدا
کی صفت رحمانیت کے ماتحت عطا کیئے ہوئے سامانوں سے کچھ فایٔدہ اُٹھاتا ہے۔ تو وہ
رحیم اس پر اجر عظیم مترتب فرماتا ہے۔ اور وہ اجر ایسا ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہو
اس کے کہ انسان کسی اپنے فعل سے ہی اُسے منقطع کر دے۔ اس صفت کے اندر تناسخ
عقیدہ کی تردید ہے۔ کیونکہ تناسخ کی عقیدہ بُنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے۔ کہ وہی
بار بار اس عالم میں بھیجی جاتی ہیں۔ اور یہ اس لیئے ہوتا ہے۔ کہ انسان کے اعمال چونکہ
ہیں۔ اس لیئے اُن کا ثمر غیر محدود نہیں ہو سکتا۔ اور جب اجر غیر محدود نہ ہُوا تو ضرو

کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر رُوحوں کو اسی دُنیا میں واپس بھیجا جائے۔ تو سورہ فاتحہ میں صفت رحیمیت کا تذکرہ فرما کر اس غلط عقیدہ کی تردید کی ہے۔ کیونکہ خدا کا وُہ رحم جو اچھے اعمال پر نیک اجر مترتب کرتا ہے۔ وہ بے انتہا رحم ہے۔ وہ صرف معاوضہ نہیں دیتا بلکہ رحم کا مُعاملہ انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اس لیئے اعمال کی جزاء غیر منقطع عطاء فرماتا ہے۔ پھر مالک کے لفظ میں اس غلط خیال کی تردید کی ہے۔ جو خدا کی طرف گناہوں کے معافی کے منسُوب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اور جس پر بہت سے مذاہب باطلہ کی بنیاد ہے۔ کفارہ اور تناسخ کا عقیدہ بھی اسی غلط خیال پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ سب عقائد باطلہ خدا کو محض ایک منصف یا جج یا ایک غیر متبدل قانون کی صورت میں مانتے ہیں۔ مگر صفت مالکیت اس بات کا اظہار کرتی ہے۔ کہ وُہ کامل اختیار و تصرف اپنے بندوں پر رکھتا ہے۔ اور اگر وُہ کسی کو مُعاف کر دے تو اپنے مالکانہ اختیارات سے ایسا کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ سورہ فاتحہ کے اندر سارا قرآن کریم اجمالی رنگ میں سمجھا گیا ہے کیونکہ اس میں جیسا کہ اوپر دکھایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کا اظہار بھی ہے۔ بندہ اور مالک کے حقیقی تعلق کو بھی بتا دیا گیا ہے۔ رُوح انسانی جس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ سکتی ہے وہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ پھر باایں سارے عقائد باطلہ کی تردید بھی اُس کے اندر موجود ہے۔ اسی لیئے سورہ فاتحہ کو قرآن عظیم بھی کہا ہے (الحجر ۸۷) اسی لیئے اس کا نام ام القرآن بھی آیا ہے۔ کیونکہ سارے اصُول مجملاً اس کے اندر آگئے ہیں۔ اور در حقیقت اس بات کا اظہار کہ خدا بھی ایک ہے۔ اور کل نسل انسانی بھی ایک۔ جس کی تعلیم دینا مذہب کی اصل غرض ہے۔ سورہ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ رب العالمین میں ہی کر دیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ[۱] الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ[۲]	اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ کے نام سے۔

۱؎ با یہاں استعانت کے لیئے ہے۔ یعنی مدد طلب کرنے کے لئے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔ کہ جب ملک فرشتہ نے آپ کو کہا اقرأ یعنی پڑھ تو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب آخر اُس نے کہا اقرأ باسم ربك۔ یعنی اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم درحقیقت اُسی ارشاد کی تعمیل ہے +

(۱) الحمد للہ رب العلمین	سب تعریف اللہ کے لیئے ہے۔ جو سب جہانوں کا رب ہے۔

ع۲ اللہ اسم ذات اور علم ہے۔ اور صرف ہستی باری تعالےٰ پر عربی زبان میں اس نام کا اطلاق ہوا ہے۔ جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے۔ یہ ایک ہی لفظ ہے۔ اَل رنگ میں اور نہ یہ مشتق ہے یہ نام عربی زبان میں کسی دوسرے پر سوائے ذات باری تعالےٰ کے نہیں بولا گیا۔ مگر دوسری زبانوں میں جو الفاظ ذات باری تعالےٰ کیلئے بولے جاتے ہیں وہ دوسروں پر بھی بول دیئے جاتے ہیں۔ جیسے خدا یا گاڈ۔ پس اللہ نام ہی خود اللہ تعالےٰ کی توحید کامل پر شاہد ہے۔ چونکہ ایسا لفظ کسی دوسری زبان میں موجود نہیں۔ اس لیئے ترجمہ میں اللہ کا لفظ ہی اختیار کیا گیا ہے +

ع۳ رحمان اور رحیم دونوں لفظ رحم سے مشتق ہیں۔ اور دونوں مبالغہ کے معنے ہیں۔ رحمان وزن فعلان پر ہے۔ اور رحم کے غلبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ رحیم وزن فعیل پر ہے۔ اور رحم کی تکرار اور بار بار اظہار کے لیئے ہی بحر المحیط میں ہے مبالغة فعلان من حیث الاستیلاء والغلبة ومبالغة فعیل من حیث التکرار والوقوع اسی میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الرحمٰن رحمن الدنیا والرحیم رحیم الآخرة۔ یعنی رحمانیت اللہ تعالیٰ کی وہ صفت رحم ہے۔ جو دنیا یعنی ابتدا میں کام کرتی ہے۔ اور رحیمیت وہ رحم کی صفت ہے جو آخرت یعنی نتایج امور میں کام کرتی ہے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی وہ صفت رحم جو دنیا میں کام کرتی ہے وہ رحم بلا بدل ہے یعنی انسان کے کسی فعل کے نتیجہ میں اس رحم کا اظہار نہیں ہوا۔ بلکہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس نے اپنے رحم سے سارے سامان اس کے لیئے مہیا کر رکھے ہیں۔ اور پھر جب انسان یہ کام کرتا ہے۔ تو اس کا ثمرہ مترتب کرنے میں اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت کام کرتی ہے۔ یہ رحم کی صفات کے اظہار کا لطیف فرق صرف قرآن نے ہی دنیا میں ظاہر فرمایا۔ خود عرب بھی پہلے اس سے واقف نہ تھے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں ان کا یہ قول منقول ہے قالوا وما الرحمٰن۔ یعنی کہتے ہیں رحمان کیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ رحمٰن باوجود صفاتی کام ہونے کے صرف اللہ تعالےٰ کے لیئے مخصوص ہے۔ اور دوسرے کسی پر نہیں بولا جاتا۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے پیرو اسے رحمان الیمامہ کہتے تھے۔ مگر یہ محض مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے ایک بات اختیار کیگئی تھی۔ اور اس لفظ کے سوائے خدا کے دوسرے پر استعمال کا جواز بہر حال ثابت نہیں + (بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۱۷ پر)

رحمان - رحیم ہے -	(۲) الرحمٰن الرحیم -

۴۔ الحمد میں اَل استغراق الجنس کے لیئے ہے - یعنی ہر قسم کے محامد اور تعریفیں الحمد کے اندر داخل ہیں
للہ میں لِ استحقاق کا ہے - یعنی ہر قسم کی تعریفوں کے حقیقی مستحق صرف ذات الٰہی ہے -

۵۔ ربّ - رب کے اصل معنے مفردات راغب میں یُوں بیان کیئے ہیں - الرب فی الاصل التربیۃ وھو انشاء الشیٔ حالا فحالا الی حد التمام - یعنی رب اصل میں تربیت ہے - اور وُہ ایک شئے کا بڑھانا ہے - یہاں تک کہ ایک حالت سے دُوسری حالت کی طرف ترقی کرتے کرتے کمال کی حالت کو پُہنچ جائے - پس ربّ نہ صرف پیدا کرنے والا ہے - بلکہ پیدا کرکے پھر مخلوق کو حالت کمال تک پُہنچانے والا بھی ہے - گویا ہر ایک چیز کو پیدا کرکے اس کے لیئے ایک دائرہ استعداد کا مقرر کر دیا - اور اس دائرہ کے اندر وہ چیز ترقی کرتی چلی جاتی ہے - یہاں تک کہ اپنے دائرہ استعداد کے کمال کو حاصل کر لیتی ہے - پس لفظ ربّ کے اندر جو مفہوم ہے - وہ ابّ یا باپ کے لفظ سے بہت اعلےٰ اور بہت وسیع ہے - اسی لیئے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کے محاورہ میں جو لفظ ابّ مجازاً خدا کے لیئے بولدیا جاتا تھا - اسے ترک کرکے اُس کی بجائے لفظ ربّ اختیار فرمایا ہے -

۶۔ عالمین عالم کی جمع ہے جو علم سے مشتق ہے - اور عالَم اصل میں نام ہے مایعلم بہ یعنی اُس چیز کا جس کے ذریعہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے - اور مخلوق پر یہ لفظ اس لحاظ سے بولا جاتا ہے - کہ وہ صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے - پھر اس مخلوق میں ہر ایک نوع پر بھی لفظ عالم بول دیا جاتا ہے - اور اسی لحاظ سے انسانوں کی مختلف اقوام یا نسلیں بھی الگ الگ عالم کہلا سکتی ہیں - قرآن کریم کی ابتداء میں ہی ربّ العالمین لکھ کر یہ بتا دیا ہے - کہ مذہب اسلام اپنے اندر وسعت رکھتا ہے - کیونکہ جب اللہ سارے عالموں کی ربُوبیت کرنیوالا یا ان کو ان کے کمال تک پُہنچانے والا ہُوا - تو ضروری ہُوا کہ اُس نے ہر جگہ انسانوں کے کمال تک پُہنچنے کے سامان بھی مہیا کر رکھے ہوں اور چونکہ حقیقی کمال انسان کا رُوحانیت کی تکمیل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا - اس لیئے دُنیا کی ہر قوم میں رُوحانی تربیت کا مہیا کیا جانا یا انبیاء کا پیدا کیا جانا بھی ضروری ہُوا - اسی لیئے سب قوموں کے نبیوں پر ایمان لانا بھی اسلام نے ضروری قرار دیا ہے - یہ وسعت کسی دُوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی -

آیت	ترجمہ
(۳) مالکِ یومِ الدین	جزا کے وقت کا مالک ہے۔
(۴) ایاک نعبد و ایاک نستعین	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
(۵) اھدنا الصراط المستقیم	ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔
(۶) صراط الذین انعمت علیھم[9]	ان لوگوں کی راہ پر جن پر تونے انعام کیا۔

ے مالک کے لفظ کا انگریزی ترجموں میں عموماً بادشاہ ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر مالک کا حقیقی مفہوم بادشاہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ بادشاہ مَلِک ہے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ [illegible] مبالغہ کرنے کے لیے کسی لفظ میں جو حروف زیادہ کیے جاتے ہیں۔ اس لیے مالک بادشاہ سے بڑھ کر ہے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کسی گناہ کو معاف نہیں کر سکتا۔ انھوں نے لفظ مالک کے حقیقی مفہوم کو نہیں سمجھا +

ے یوم۔ یوم کا لفظ قرآن کریم میں چھوٹے سے چھوٹے وقت سے لے کر بڑے سے بڑے وقت تک استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کل یوم ھو فی شان میں تو کل یوم سے ہر آن مراد ہے۔ اور لمبے وقفہ وقت کے متعلق فرمایا فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ یعنی ایک دن میں جسکا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے زبان عرب میں یوم کا لفظ خالی دن پر ہی بولا جاتا ہے۔ اور دن اور رات پر بھی اور کسی وقفہ وقت پر بھی۔ خواہ وہ بڑا وقفہ ہو یا چھوٹا۔ راغب میں ہے مدۃ من الزمان ای مدۃ کانت چونکہ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون جزا و سزا ہر آن اور ہر لمحہ میں جاری و ساری ہے۔ اس لیے یہاں یوم الدین سے مراد صرف قیامت کا دن ہی نہیں۔ جس دن جزا و سزا کامل طور پر ظہور پذیر ہوگی۔ بلکہ جزا و سزا کے مرتب ہونے کا ہر لمحہ اور ہر آن مراد ہے۔ اور اصل غرض صفت مالکیت کی طرف توجہ دلانا ہے +

ے ۹ انعمت علیھم کی تفسیر خود دوسری جگہ فرمائی۔ النساء ۹ ع۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین حضرت ابن عباس نے بھی یہی چار گروہ مراد لیے ہیں۔ یعنی نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح چونکہ اس اُمت کو یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ تم نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں۔ صالحین کی راہ پر چلنے

(۷) غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝	سوائے ان کے جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کے ۔

(بقیہ حاشیہ ۱۰) کے لئے دُعا مانگتے رہو۔ پس معلوم ہوا کہ ان چار گروہوں کے کمالات سے اس اُمت کو بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ اور وُہ انعامات جو نبیوں۔ صدیقوں شہیدوں۔ صالح لوگوں کو دیئے گئے وہ اس اُمت کو دیئے جاتے ہیں +

۱۱۔ بحر المحیط میں ہے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ المغضوب علیھم الیھود والضالون النصاریٰ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنپر غضب کیا گیا وہ یہود ہیں۔ اور جو گمراہ ہوئے وہ نصارٰے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان الفاظ میں تفسیر ہی حصر نہیں۔ یہود اور نصارٰے درحقیقت دو قومیں تھیں۔ جن کی مثال دے کر مغضوب علیھم اور ضالین کا مطلب سمجھایا گیا ان دونوں قوموں نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا۔ ایک قوم تفریط کی طرف چلی گئی دوسری افراط کی طرف ۔ ایک نے حضرت مسیح علیہ السّلام کا انکار کر دیا دُوسری نے غلو کرکے اصل درجہ سے بھی بڑھا دیا۔ اسلام یہ دعا سکھاتا ہے۔ کہ ہم درمیانی راہ پر چلیں۔ اور تفریط اور افراط دونوں راہوں سے بچیں +

اِسلام اور عقل اِنسانی

دُنیا کے مذاہب میں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو اپنے پیرووں کو یہ ہدایت کرتا ہے۔ کہ وہ قدرت کے وسیع نظارہ کا مطالعہ کریں اور فلسفہ اور علُوم کی تحقیقاتیں کریں اسلام ہی ایک مذہب ہے جو نسل انسانی سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وُہ اپنی عقلوں کو بھی تیز کریں۔ اور نور قلب سے بھی کام لینا سیکھیں۔ دُوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ کے خلاف قرآن دلائل سے کام لینا سکھاتا ہے۔ اور خود جو بات بتاتا ہے۔ اُس کے وجُوہات بھی ساتھ دیتا ہے۔ خلاف عقل اور بلا وجہ موجبہ کبھی کسی بات کو نہیں منواتا پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔ وہ بھی علم قال کی طرف ہی ہدائت کرتی ہے۔ اور وہ وحی یہ ہے اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا صاحب کرم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ساتھ علوم سکھائے۔ اِنسان کو وُہ کچھ سکھایا جو وُہ نہیں جانتا تھا (العلق)۔ سب سے پہلی وحی میں پڑھنے اور لکھنے کی طرف۔ قرأت اور قلم کے ذریعہ سے علوُم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے میں اسلام کی پاک کتاب کے مقابل پر کوئی دُوسری کتاب نہیں۔

فلسفہ اور حکمت انسان کو دُوسری مخلُوق پر ممتاز کرنے والی چیزیں ہیں۔ سو قرآن نے عجیب عجیب پیرایوں میں مُسلمانوں کو فلسفہ اور حکمت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسلام کا خدا خود ایک حکیم خدا ہے یعنی اُس کے ہر ایک کام میں حکمت اور ہر ایک بات کے نیچے فلسفہ ہے۔ پھر وُہ علیم بھی ہے۔ یعنی سب کچھ جانتا ہے۔ اور ساری باتوں کا عِلم رکھتا ہے۔ و انك لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم (النمل۔ ٦) تجھ کو قرآن اُس ذات پاک کی طرف سے سکھایا جاتا ہے۔ جو خود صاحب حکمت تامہ اور صاحب علم کامل ہے

ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا۔ سب کی نشو و نما کرنے والا۔ سب کو اپنے کمال تک پہنچانے والا وہی ہو سکتا ہے۔ جو علم اور حکمت کا سرچشمہ ہو۔ اور جس کا علم اور حکمت سب پر حاوی ہو۔ پھر وہی جب انسان کو اپنی صورت پر پیدا کرتا ہے تو کچھ شک نہیں کہ اُس کے اندر علم اور حکمت اور فلسفہ کے حاصل کرنے کی خواہش بھی اس لیئے ضرور رکھی ہے علم کی فوقیت اور فضیلت کے اظہار کو قرآن کریم ایک جگہ یُوں سوال کے رنگ میں ظاہر فرماتا ہے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون کیا وُہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے ھل یستوی الاعمی والبصیر کیا اندھا اور بصارت والا دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ خود قرآن کو بھی حکمت اور فلسفہ کی کتاب کہا گیا ہے۔ تلك آیات الکتٰب الحکیم یہ پُرحکمت کتاب کی آیات ہیں۔

پھر اس کتاب کے اندر یہ تعلیم دیگئی ہے کہ مخلوقات بھی ایک اصُول پر اور ایک قانون کے ماتحت پیدا کی گئی ہے۔ اور اس عالم کے کل امُور قوانین کے ماتحت چلتے ہیں۔ لغو طور پر اور اتفاقی طور پر کوئی امر نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتا ہے ماخلقنا السمٰوات والارض ومابینھما الا بالحق واجل مسمی۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے حق و حکمت کے اقتضاء سے ہے۔ اور ایک وقت مقرر کے لیئے پیدا کیا پھر بڑے پُر زور الفاظ میں قدرت کے نظاروں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم ان فی السمٰوات والارض لآیات للمومنین وفی خلقکم ومایبث من دابۃ آیات لقوم یوقنون۔ واختلاف الیل والنھار ومانزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریح آیات لقوم یعقلون (الجاثیہ ۲-۵) اِس کتاب کا اُتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں مومنوں کے لیئے یقیناً نشان ہیں اور تُمہاری اپنی پیدائش میں اور حیوانوں میں جن کو زمین میں پھیلاتا ہے۔ اُن لوگوں کے لیئے جو یقین رکھتے ہیں نشان ہیں۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اس رزق میں جو آسمان سے اللہ تعالےٰ نازل کرتا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے

اور ہواؤں کے تغیرات میں اُن لوگوں کے لئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ یعنی جس شخص کو حکمت دے دیجائے۔ اُس کو عظیم الشان خیر و برکت کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ تو وہ بھی حکمت سے اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔ اور جب اُن کے ساتھ بحث کرو تو احسن طریق پر۔

خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے۔

علوم پر اس قدر زور دینے کا ہی یہ نتیجہ تھا۔ کہ مسلمانوں کے ماتحت ہسپانیہ میں علم کا وُہ چرچا تھا۔ کہ فرانس جرمن اور انگلستان کے طالب علم ہسپانیہ میں موروں سے علم حاصل کرنے کے لیئے دوڑے چلے آتے تھے۔ اندلس کے سرجن اور ڈاکٹر علوم کے پیشرو تھے۔ عورتوں کو بھی علوم کے حاصل کرنے میں ترغیب دیجاتی تھی۔ اور کارڈووا میں لیڈی ڈاکٹر بھی موجود تھیں۔ علم ہندسہ۔ علم نجوم۔ علم نباتات۔ تاریخ فلسفہ اور اصول قانون میں کمال حاصل کرنے کے لیئے اگر کوئی جگہ دُنیا میں تھی تو وُہ صرف مسلمان ہسپانیہ ہی تھا۔ ہر ایک قسم کے فنون۔ زراعت کا فن۔ آبپاسی کی علمی تجاویز جہاز بنانے کا کام۔ کپڑا بُننے کے اعلےٰ سے اعلےٰ سامان۔ سنگ تراشی کا کمال۔ برتنوں کا بنانا۔ اور عمارت کا فن۔ غرضکہ انسانی ضروریات کے متعلق ہر ایک قسم کے فنون کو ہسپانیہ کے مسلمانوں نے تکمیل کو پہنچایا۔ اور ان کے سارے فنون کے ساتھ ساتھ فنون جنگ میں بھی وُہ سب پر غالب تھے۔ غرض ہر چیز جو ایک سلطنت کو بڑا اور با اقبال بنا سکتی ہے۔ ہر وہ بات جو شائستگی اور تہذیب سکھاتی ہے۔ اسلامی ہسپانیہ میں پائی جاتی تھی (لاپول)۔

بہت سے مسلمانوں کے نام جنھوں نے علوم اور فلسفہ کو ترقی دی ہمیشہ کے لیئے

دنیا کی تاریخ میں روشن رہیں گے۔ یہی مسلمان فلاسفر اور ماہرین علوم ہی درحقیقت یورپ کے معلم ہوئے منتھیم ایک یوروپین مورخ لکھتا ہے "لاطینیوں کا فلسفہ صرف ایک علم منطق یا علم مناظرہ پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اور اسی کو وہ انسانی حکمت کا خلاصہ اور ماحصل سمجھتے تھے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ عرب کے فلاسفروں نے ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے سکول بنا رکھے تھے۔ جہاں علم کے طالب گروہ در گروہ جاتے تھے اور فلسفہ عرب کے اصول اور قوانین کو سیکھ کر انہی کو عیسائی سکولوں میں ترویج دیتے تھے۔ ...... یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ سارا علم خواہ وہ علم طبعیات ہو یا علم نجوم یا فلسفہ یا علم ریاضی جسکا یورپ میں دسویں صدی سے چرچا نظر آتا ہے۔ وہ سب عربی مدرسوں سے اخذ کیا گیا تھا۔ اور ہسپانیہ کے مسلمان خصوصیت سے یورپین فلسفہ کے پیدا کنندہ کہلانے کے مستحق ہیں"

چیمبرس انسائیکلوپیڈیا لکھتا ہے "عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نویں صدی سے تیرھویں صدی تک مسلمان ہی وحشی یورپ کے مہذب معلم تھے۔ عربی فلسفہ۔ علم طب۔ جغرافیہ۔ تاریخ گرامر۔ علم فصاحت وغیرہ نے بہت سی ایسی تصنیفات کو پیدا کیا۔ جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی اور لوگوں کی تعلیم کا ذریعہ رہیں گی۔ جب تک کہ تعلیم حاصل کرنے والے رہیں گے"

قدوائی "معجزہ محمد صلعم" میں لکھتا ہے "یہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنھوں نے علوم اور تہذیب کی اس وسیع عمارت کا بنیادی پتھر رکھا جو اس وقت سے لے کر دنیا کی زینت کا باعث رہا ہے۔ مسلمانوں کو حکم تھا۔ کہ علم بڑھانے کے لیئے دعائیں لگے رہیں قل رب زدنی علما اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ فرمایا تھا کہ الحکمۃ ضالۃ المومن اخذھا حیث وجدھا۔ حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کا حق ہے۔ اسے وہ اپنی ہی گم شدہ چیز سمجھے۔ اور جہاں پائے وہیں سے لے لے۔ یہ وہ بیج تھے جو آخر کار بڑے بڑے درخت بن کر اُن کی شاخیں بغداد اور مصر اور سسلی اور ہسپانیہ اور ہندوستان میں پہنچیں اور جن کے پھل آج تک یورپ کھا رہا ہے"

دُنیا کا آخری نبی

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے وُہ لوگ گذرے جن کی طرف بڑے بڑے دعوے منسوب کیے گئے ہیں۔ کوئی خدا کا اوتار ہے تو کوئی خدا کا بیٹا اور خدائی میں حصہ دار ہے اور دنیا کی حالت بھی اُس وقت ایسی ہے کہ وُہ ایسی باتوں کو ماننے کے لیے جلد تیار ہو جاتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو پرلے درجہ کی بُت پرست اور توہم پرست ہے۔ جو بوجہ علوم سے ناآشنا محض ہونے کے ایک ایک پتھر کو اپنا خدا سمجھتی ہے اور ہوا کے ہر ایک جھونکے میں جنات کا کچھ تصرف اُسے نظر آتا ہے۔ ایسی قوم کو ایک شخص جو اپنے پیچھے دوسروں کو نکال سکتا ہے۔ جو کچھ چاہتا منوا لیتا۔ اور بالخصوص جب اس کے سامنے وُہ قومیں بھی موجود ہوں جو ایک عاجز انسان کو اپنا خدا مان رہی ہوں۔ تو ایک مفسُوبہ باز کے لیے تو راہ بالکل کھلی تھی۔ مگر کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ وُہ عین اس کے خلاف ایک راہ چلتا ہے۔ اس کی وحی میں کھول کر اعلان کر دیا جاتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الہ واحد۔ کہدو کہ میں صرف تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے۔ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ وہ جو اصول لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے دو ہی باتیں منواتا ہے۔ اور بس اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) اس کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔ کھلے طور پر خدا کا بندہ اپنے آپ کو منوانا اور یہ اعلان کرنا کہ میں بھی بشر ہوں جس طرح تم بشر ہو۔ یہ خود ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک عظیم الشان شہادت ہے۔ نہ وہ صرف اپنے آپ کو انسان سے بڑھ کر ہی کچھ نہیں بناتا۔ بلکہ اس بات کا اقرار اپنے پیروؤں سے لیتا ہے۔ کہ وہ اسے انسان سے بڑھ کر کچھ نہ مانیں گے۔ اور ایک ہی لفظ سے ان تمام غلطیوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے جن کا ارتکاب

ایک برگزیدہ انسان کے بعد اُس کے پیرو غلو اور افراط محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر وہ بھی یہ رستہ کھلا چھوڑ جاتا۔ کہ اُس کے پیرو غلو کر کے اُسے کچھ کا کچھ بنا لیں تو بیشک اُس کے بعد ایک نبی کی ضرورت ہوتی۔ لیکن چونکہ اُس نے دُنیا کا آخری نبی ہونا تھا۔ اس لیئے اس قسم کی تمام غلطیوں سے جو ایک شخص کی ساری تعلیم کو ہی سراسر باطل کر دیں۔ اس نے اپنے پیرووُں کو ہمیشہ کے لیئے بچا دیا۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ دُنیا میں کسی نبی نے دُنیا کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ کبھی نہیں کیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہ نہیں کہا۔ بلکہ صاف الفاظ میں ایک ایسے معلم کی اپنے بعد آنے کی ضرورت بتائی کہ جو سب صداقتوں کی تعلیم دے گا۔ ساری دُنیا کی مذہبی تاریخ میں آخری نبی ہونیکا دعوےٰ بھی ایک نرالا دعوےٰ ہے جو ہزارہا انبیاء میں سے جو مختلف قوموں اور مختلف مُلکوں میں آئے۔ کسی نبی نے نہیں کیا۔ بعد میں تو کیا کوئی کرے گا۔ خود آپ کا یہ دعوےٰ ہے۔ ایک انسان کو حیرت میں ڈالنے کے لیئے کافی ہے۔ کہ اُمّی انسان جو ایک ایسے ملک میں رہنے والا ہے۔ جس کو دُنیا کے کسی دُوسرے مُلک سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر اس مُلک میں اپنی بھی کوئی تاریخ نہیں۔ دُوسرے کسی ملک کے تاریخی حالات سے کیا واقفیت ہوگی۔ وہاں وہ ایک ایسی بات کا دعوےٰ کرتا ہے جس کی نظیر بھی پہلے کوئی نہیں پائی جاتی۔ ایک طرف اپنے آپ کو معمولی بشر قرار دینا۔ دوسرے انسانوں سے اپنے آپ کو نہ بڑھانا۔ اور دُوسری طرف ایک عظیم الشان دعوےٰ۔ کہ میں ہی دُنیا کا آخری نبی ہوں۔ کس قدر حیرت میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ اُس کے دعوےٰ کو واقعات نے بھی سچا کر دکھایا۔ کیونکہ آپ کے بعد دُنیا کی تاریخ میں کوئی شخص ایسا پیدا ابھی نہیں ہوتا۔ جو نبوّت کا دعوےٰ کرے۔ اور اس دعوےٰ نبوّت کو کوئی قوم مان بھی لے۔ مصلح بے شک بہت لوگ ہونے کا دعوےٰ کرتے رہے بعض کے دعوے اس بعد کے زمانہ میں بھی خدائی تک پہنچتے رہے۔ مگر آپ کے بعد نبی ہونے کا دعوےٰ کسی شخص نے نہیں کیا۔ تو اگر ایک طرف آپ کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ حیرت میں ڈالتا ہے تو دُوسری طرف یہ امر بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ کہ آپ سے پہلے کس طرح مختلف

قوموں اور ملکوں میں نبی پر نبی آتے رہتے ہیں۔ مگر آپ کے بعد کوئی شخص مُدعی نبوت پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص دعوے نبوت کرتا ہے تو وُہ سرسبز نہیں ہوتا۔ غرض کوئی قوم ایسی نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کو مانتی ہو۔ گو آپ سے پہلے انبیاء کے آنے کو ساری قومیں مانتی ہیں۔

منجملہ ان امور کے جو آپ کے دُنیا کا آخری نبی ہونے پر شاہد ہیں۔ چار باتیں ہیں جن کا ذکر میں یہاں کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ چاروں ایسے امتیازی نشان ہیں۔ کہ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کے اور کسی نبی میں نہیں پائے جاتے۔ اور یہی چاروں باتیں آپ کو دُنیا کا آخری نبی ہونے کا حقدار ٹھہراتی ہیں۔ تاکہ سب قومیں آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا اظہار کرنے والی ہوں۔ اور وہ چار باتیں یہ ہیں اوّل۔ آپ کا کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا۔ دوئم۔ آپ کا کل انبیاء سابقہ پر ایمان لانا فرض قرار دینا۔ سوم۔ آپ کے ذریعہ سے ہدایت کی تکمیل ہو جانا۔ چہارم۔ آپ کی کتاب کا دستبرد انسانی سے محفوظ رہنا۔ اب ان چاروں کو میں اسی ترتیب سے بیان کرتا ہوں۔

ساری قوموں کی طرف بعثت

انبیاء کی بعثت کی چونکہ اصل غرض صرف مخلوق کو ہدائیت کا پہنچانا تھا۔ اور یہ ہدائیت مختلف نبی اپنی اپنی قوم کی استعداد کے مُطابق لوگوں کو پہنچاتے رہے۔ آخر وُہ وقت آیا جب نفوس انسانی مختلف انبیاء کی تعلیم سے اس قابل ہو چکے تھے۔ کہ اب وُہ آخری اور جامع تعلیم پائیں اور اپنے انتہائی کمال کو پہنچیں۔ اس لیئے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اس ہدائیت کو دُنیا تک پہنچایا۔ اور اُس کا امتیازی نشان یہ رکھدیا۔ کہ آپ کی تعلیم ساری دُنیا کے لیئے ہو۔ تاکہ یہ ایک شہادت ہو اس بات کی۔ کہ آپ کے آنے سے نبوت میں ایک انقلاب عظیم آگیا ہے۔ اور وُہ کامل تعلیم آگئی ہے جس سے سارے انسان جہاں کہیں ہوں کمال انسانی کو آخری حد تک جو اس دُنیا میں نفس انسانی حاصل کر سکتا ہے کرلیں۔ کیونکہ جو تعلیم صرف ایک ہی قوم کی ضروریات کو پُورا کرتی ہے۔ وُہ

انسان کی فطرت کی ساری شاخوں کو غذا نہیں دے سکتی۔ مختلف قوموں میں مختلف قوائے انسانی کا نشوونما رخاص طور پر ہوا۔ اور اُنہی نشوونما کی ضرورت کے مطابق اُن میں متفرق طور پر نبی آتے رہے۔ یہ متفرق طور پر آنا خود ہی اس بات کی شہادت تھی۔ کہ اُن کی تعلیم ساری نسل انسانی کے لیئے نہیں۔ اور اس لیئے ابھی وُہ تعلیم اپنے حقیقی کمال کو نہیں پہنچی۔ پس جب وُہ کامل تعلیم نازل ہوئی تو اُس کے ساتھ ہی قوم اور رنگ اور ملک کی حد بندیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ اسی لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو حکم ہُوا کہ کہدو یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اور پھر فرمایا گیا انا ارسلناک کافۃ للناس۔ ہم نے تمام لوگوں کے لیئے تم کو بھیجا ہے۔ اور فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ ہم نے تم کو صرف اسی لیئے بھیجا ہے۔ کہ تا تم ساری دُنیا کے لیئے۔ ساری قوموں کے لیئے رحمت بنجاؤ۔ اسی طرح فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا۔ تاکہ وہ سارے عالموں کے لیئے ڈرانے والا ہو۔ غرض اس طرح یہ سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ ساری قومی تفریقوں کو مٹایا تاکہ یہ بیّن ضمیمہ ہو اس بات کا کہ وُہ کامل تعلیم آگئی جو انسان کو اپنے حقیقی کمال تک پہنچا سکتی ہے۔

آنحضرت سے پہلے کوئی نبی ساری دُنیا کیطرف نہیں آیا

غرض یہ ختم نبوّت کا سب سے پہلا امتیاز تھا۔ کہ آپ کا پیغام کل دُنیا کی طرف تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے نبی اپنی اپنی قوم کی طرف آتے رہے۔ اور کسی نے سب قوموں کی طرف ہونیکا اعلان نہیں کیا۔ حضرت مسیح کی طرف اُن کے پیرو اس بات کو منسُوب کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا۔ کہ تم ساری دُنیا میں جاؤ۔ مگر اوّل تو وُہ حصہ جس میں یہ ذکر ہے الحاقی ثابت ہوا ہے۔ دوسرے اُس کی تردید صراحت کے ساتھ خود حضرت مسیح کے اقوال میں موجود ہے۔ کیونکہ ایک سامری عورت کو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ فرزندوں کی روٹی کتّوں کے آگے ڈالی جائے۔ اور ایسا ہی ان کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں

کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیئے بھیجا گیا ہوں۔ اور انہی الفاظ کی صداقت کی تائید قرآن کریم بھی فرماتا ہے ورسولا الی بنی اسرائیل۔ یعنی بنی اسرائیل کی طرف آپ رسول مبعوث ہوئے تھے۔ اور درحقیقت حضرت مسیحؑ کل دُنیا کی طرف ہونیکا دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے۔ جب آپ نے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ میں ساری تعلیم تم کو نہیں دے سکتا کیونکہ بُہت باتیں ہیں جن کی تم برداشت نہیں کر سکتے۔ اور مکمل تعلیم وُہ دیگا جو میرے بعد آئے گا۔ پس یہ صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کل دُنیا کی طرف آنیکا کبھی دعوےٰ نہیں کیا۔ ہاں ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں نے آپ کے پیغام کی عزت نہ کی تو آپ کے بعض پیروؤں نے دُوسری قوموں کی طرف رُخ کیا۔ اور پھر شائید اپنی اس کارروائی کی تصدیق کے لیئے کوئی بات حضرت مسیح کی طرف منسُوب کر دی ہو۔ اور آپ کے سوائے تو کوئی نبی ایسا گذرا ہی نہیں جس کی طرف ایسا دعوےٰ منسُوب کیا گیا ہو۔ لہذا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ایک نبی ہیں جو کل دُنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور یہ بھی ختم نبوت پر شہادت ہے۔ کیونکہ جب ایک کامل تعلیم والا نبی کل دُنیا کی طرف مبعوث ہو گیا تو اب کسی دُوسرے کے لیئے یہ گنجائیش نہیں کہ وہ رسالت کے لیئے کھڑا ہو۔

پہلی کتابوں پر ایمان

جس طرح یہ سچ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے یہ ضروری قرار دیا ہو۔ کہ تم دُنیا کے سارے پہلے نبیوں پر ایمان لاؤ۔ یہ درحقیقت ختم نبوت کا دُوسرا امتیاز ہے۔ قرآن کریم کے شرُوع میں ہی ہر مومن کے لیئے یہ ضروری قرار دیا ہے والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا۔ اور اس پر جو تم سے پہلے اوتارا گیا۔ اب اس ما انزل من قبلک میں اس تمام وحی نبوت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہو چکی اور دوسری طرف ولکل قوم ھاد

کہکر یہ بتا دیا۔ کہ ہدائیت لانے والے ہر قوم میں آ چکے ہیں۔ اِس طرح پر جس قدر کل قوموں میں ہدائیتیں نازل ہو چکی تھیں۔ ان سب پر ایمان ضروری قرار دیا۔ اس سے دو طرح پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی تعلیم جامع تھی اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ اوّل اس طرح کہ اگر آپ کی تعلیم جامع نہ ہوتی اور سارے انبیار کی کتب قیمہ کو اپنے اندر رکھنے والی نہ ہوتی تو کیا ضرورت تھی کہ پہلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا گویا پہلے رسولوں کی متفرق قوموں میں اور یہی اس بات کی شہادت تھی۔ کہ سب سے آخر ایک ہی رسول کل قوموں کی طرف آنے والا ہے۔ جس کی قبولیت کے لیئے سب رسول اپنی اپنی قوموں کو تیار کرنے آئے تھے۔ دوسرے اس طرح کہ صاف الفاظ میں من قبلك کا لفظ فرمایا یعنی ایمان لانا صرف اس وحی پر ضروری قرار دیا جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہُوا کہ آپ کے بعد کوئی وحی ایسی نازل ہونیوالی نہ تھی جس پر ایمان لانا اصول اسلام میں داخل ہو۔ اور اس طرح پر آپ کے آخری نبی ہونے پر یہ ایک قطعی شہادت ہے۔

تکمیل ہدائیت

دُنیا کی کوئی کتاب نہیں جس نے یہ دعوےٰ کیا ہو۔ کہ میں نے ہدائیت کو مکمل کر دیا۔ بلکہ ان کتابوں کی ہدایت کو تکمیل تک نہ پہنچانے کے اشارات کئی جگہ پائے جاتے ہیں اور حضرت مسیح کی کلام میں تو صاف اور کھلا اقرار موجود ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے تکمیل ہدائیت کا مُدعی ہو سکتا۔ تو وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی ہو سکتے۔ کیونکہ آپ کے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے درمیان چھ سو سال کی تاریخ کسی نبی کے آنے کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس طرح پر آنحضرت سے پہلے نبی حضرت مسیح ہی ہیں۔ پس اگر کوئی شخص تکمیل ہدائیت کا مُدعی ہو سکتا تو وہ حضرت مسیح ہو سکتے تھے اور جو شخص تکمیل ہدائیت کا مدعی ہو۔ اس کے بعد بے شک نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور وہی آخری نبی دنیا کا قرار پانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے وجود میں اصل غرض پوری ہو جاتی ہے نبیوں کی دُنیا میں آنے کی ضرور [illegible] ہدائیت پا کر لوگوں تک

پُہنچا دیں اور یہ ہدایت جیسا کہ دنیا کی مختلف قوموں کی ضرورت تقاضا کرتی تھی۔ ہر قوم کی حالت اور زمانہ کے مطابق نازل ہوتی رہی۔ مگر کامل طور پر کسی ایک نبی پر وہ نازل نہ ہوئی اور جب تک ہدایت کامل نہ ہو جائے اس وقت تک نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا۔ پس خاتم النبیین یا دُنیا کا آخری نبی ہونے کا دعوےٰ اسی نبی کو سزاوار ہے جو تکمیل ہدائت کر دے۔ اور ایسے جامع اصول ہدائت کے بیان کر دے۔ کہ اس کے بعد پھر اور اصول کی ضرورت دُنیا کو نہ رہے اور دُنیا کی ہر ایک قوم اُن سے فائدہ اُٹھا سکے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی چونکہ حضرت مسیح ہی ہیں۔ اس لیئے حضرت مسیح اگر یہ دعوےٰ کرتے۔ کہ اُنھوں نے ہدایت کی تکمیل کر دی تو پھر جو کچھ جی چاہتا اُنکے پیرو اُن کو بناتے۔ البتہ ایک بات کے وہ ضرور حقدار ہو جاتے۔ کہ پھر وہی دُنیا کے آخری نبی ٹھہرتے۔ اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پھر نبی نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ تکمیل ہدائت کے ساتھ تو نبوت کی ضرورت ہی اُٹھ جاتی۔ مگر کیا شان خداوندی ہے۔ کہ حضرت مسیح کے مُونھ سے وُہ کلمات نکلوا دیئے ہیں۔ جو ہمیشہ کے لیئے اس ضرورت کو بآواز بلند پکار کر بیان کریں گے۔ کہ مسیح کے بعد دُنیا کو ایک اور نبی کی ضرورت تھی۔ اور جب تک وُہ نہ آتا سارا سلسلہ نبوت ہی باطل ٹھہرتا۔ کیونکہ اصل غرض یعنی تکمیل ہدائیت جس کے بغیر نسل انسانی اپنے اصلی کمال کو حاصل نہ کر سکتی تھی پوری ہی نہ ہوتی۔ اور وُہ الفاظ یہ ہیں کہ "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں۔ پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے" اگر صرف اس قدر الفاظ بھی حضرت مسیح کے ہوتے تو بھی یہ لفظ دُنیا کو مجبور کرتے کہ وُہ ابھی ایک اور نبی کی راہ تکتے رہیں۔ کیونکہ مسیح مقر ہیں کہ وُہ تکمیل ہدائت نہیں کر گئے۔ لیکن مسیح نے نہ صرف اپنے متعلق ہی اعتراف کیا۔ بلکہ اس عظیم الشان ضرورت کو بھی کھول کر بیان کر دیا۔ کیونکہ ساتھ ہی وہ فرماتے ہیں "لیکن جب وُہ یعنی رُوح حق آوے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتاوے گی" دیکھو اس پاک دل انسان نے کس صفائی سے بیان کر دیا۔ کہ ابھی ایک اور کی ضرورت ہے جو سچائی کی ساری راہیں بتاوے یعنی تکمیل ہدائت کرے پس صرف حضر

مسیح جو ایک ہی شخص دُنیا کی تاریخ میں ہیں۔ جو تکمیل ہدائیت کا دعوے کر سکتے تھے یہ اعتراف موجود ہے کہ آپ تکمیل ہدائیت نہیں کر سکے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہ تکمیل ہدائیت کرنیوالی ایک رُوح حق کا آنا ضروری ہے۔ وہ رُوح حق جب آئے تو اُس نے پکار کر کہدیا جاء الحق۔ سو وہ رُوح حق آگئی جس کی دُنیا کو انتظار تھی۔ جس کے بغیر انسان کی پیدائش ہی عبث ٹھیرتی کیونکہ انسان اپنے اعلےٰ سے اعلےٰ کمال کو نہ پا سکتا۔ اور جیسا کہ چاہیئے تھا اس رُوح حق نے اپنا پیغام پُورے طور پر دُنیا کو پُہنچا کر آخر یہ اعلان کر دیا جو دُنیا کی تاریخ میں ایک ہی اعلان ہے اور ایک ہی رہے گا۔ جس کے مقابل نہ کبھی کسی نے آواز اُٹھائی نہ کوئی اُٹھا سکے گا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ آج کے دن (ہاں دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا دن تھا) میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر پُورا کر دیا۔ شریعت بھی کامل ہو گئی۔ اور ہدائیت بھی تمام و کمال آگئی۔ اگر دُنیا کی تاریخ میں کوئی عید کا دن کہلا سکتا ہے تو وہ یہی دن تھا۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس دن کو خوب جانتے تھے۔ کہ یہ دُنیا کی تاریخ میں ایک ہی یادگار کا دن ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اسی آئیت کی تفسیر میں ہے۔ قالت الیھود لعمر انکم تقرؤن ایۃ لو نزلت فینا لاتخذ ناھا عیدا فقال عمر انی لاعلم حیث انزلت واین انزلت واین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین انزلت یوم عرفۃ وانا واللہ بعرفۃ قال سفیان واشک کان یوم الجمعۃ ام لا الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کہا۔ تم لوگ ایک آئیت پڑھتے ہو۔ اگر وہ ہمارے بارہ میں نازل ہوتی تو ہم اُسے عید بنا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں وُہ کس طرح نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اور جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہاں تھے۔ یہ عرفہ کا دن تھا۔ اور خدا کی قسم ہے مَیں عرفہ میں تھا سفیان (اس حدیث کا دوسرا راوی) کہتا ہے۔ مجھے شک ہے یہ جمعہ کا دن تھا یا نہیں وہ آئیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے۔ یہ بے شک عید کا دن تھا۔ اور کیا عجیب اتفاق ہے کہ اس کا نزول ایک ایسے موقعہ پر ہوتا ہے۔ جب ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجتہ الوداع میں مصروف تھے۔ اور اس عظیم الشان میدان میں تھے جو عرفات کا میدان کہلاتا ہے

اس کے بعد ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ مشہور خطبہ پڑھا۔ جس کے آخر پر تین دفعہ فرمایا
الا ھل بلغتکم اچھی طرح سن لو۔ کیا میں نے تم کو پیغام پہنچا دیا اور وہ میدان اللھم نعم کی آواز سے
گونج اٹھتا تھا۔ مسلمانوں کا تو واقعی یہ عید کا دن تھا۔ اور ایسا عید کا دن کہ نہ پہلے کبھی ہُوا نہ
پھر کبھی ہوگا۔ کیونکہ وہ انسان جو دس سال پیشتر انہی وادیوں میں تنہا پھرتا تھا۔ اور کوئی اسکی
آواز پر کان نہ دھرتا تھا۔ وُہ جو تنہا اور بے یار و مددگار تھا۔ وُہ جسے گھر سے نکالا گیا تھا۔ وُہ جسکے
پیچھے خون کی پیاسی تلواریں نیاموں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ آج وہی انسان ہے جو سارے
ملک عرب کا بادشاہ ہے اور لاکھوں انسان اس کے ساتھ اسی میدان میں رج کے لئے جمع ہیں
لاکھوں انسان کعبہ کا حج کریں گے اور میدان عرفات میں جائیں گے۔ مگر وہ مقدس چہرہ۔ وُہ
رُوحانیت کا آفتاب گو ان کی رُوحوں پر اپنی کرنیں ڈالے گا۔ مگر اس خوشی کو وہ کہاں سے
لائیں گے۔ جس سے اُس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل بھرے ہوئے تھے۔ جن کے اندر
خدا کا وُہ پیارا موجود تھا جس کے اوپر اس الیوم اکملت لکم دینکم کی وحی نے اُتر کر ان لاکھوں
انسانوں کے دلوں کو ایک اور ہی سرور سے بھر دیا۔ سو مسلمانوں کے لیئے تو یہ ضرور عید کا دن
تھا۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو یہ نسل انسانی کے لیئے عید کا دن تھا۔ اگر ساری نسل انسانی کبھی کوئی
حقیقی عید منائے گی تو وُہ یہی عید ہو گی جس دن دین کے کمال کو پہنچ جانے کا۔ ہدائیت
کی نعمت کے پُورا ہو جانے کا اعلان دُنیا میں ہو گیا۔ اور انسان کو خدا کی طرف سے یہ مبارکباد
دی گئی۔ کہ اب تمہارے کمال حاصل کرنے کا وقت آگیا۔ اور تمہارے دُنیا میں پیدا کیئے
جانے کی غرض پُوری ہو گئی۔ کیونکہ یہی وہ کمال تھا۔ جس تک خداتعالیٰ تم کو پہنچانا چاہتا تھا
مگر تم اپنی کوشش سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لیے رب العالمین نے تمہاری
دستگیری فرمائی اور اما یأتینکم منی ھدی کا تم کو وعدہ دیا۔ اور آج اس وعدہ کے ایفاء
کو اپنے کمال کو پہنچایا۔ اور لولاک لما خلقت الافلاک کے کلمہ کو پورا کر دکھایا۔

حفاظت ہدایت

گو دنیا کی تاریخ میں اکملت لکم دینکم کا نظارہ ایک ہی نظارہ تھا۔ مگر یہ نظارہ دل خوش کن

نہ ہوتا۔ اگر اس کے ساتھ یہ تسلی نہ ہوتی۔ کہ اس کمال کو اب کبھی زوال نہیں آئے گا۔ دُنیا کی تاریخ میں بڑی بڑی ہدایتیں آئیں۔ نسل انسانی کے فایدہ کے لیئے بہت کچھ خدا نے بھیجا۔ مگر انسان کے ہاتھوں نے اسے بسا اوقات بگاڑا۔ جس قدر مقدس کتابیں دُنیا کی تاریخ میں نظر آتی ہیں وہ سب کی سب بلا استثنا، تحریف کا شکار ہوئیں۔ اُن کتابوں کا کیا ذکر ہے جنکی تاریخ پر ہزاروں سال گذر گئے۔ وُہ جو قرآن کریم کے نزُول سے چھ سو سال پہلے کی تھی۔ اس کی بھی وُہ حالت ہوئی۔ کہ اصل کتاب کا پتہ ہی نہ تھا۔ مسیح کی انجیل کی جگہ چار (بزعم پیروان مسیح مستند) انجیلوں نے لے لی۔ اصل تعلیم کہاں محفوظ رہتی۔ ایک عاجز بندے کو جو خدائے ذوالجلال کی قدوسیت کے سامنے شرمندہ ہو کر نیک کہلانے سے بھی انکار کرتا تھا۔ اس ذوالجلال کے پہلو بہ پہلو بٹھایا گیا۔ بلکہ خدا بیٹے کو خدا باپ سے بہتر اوصاف کا مجموعہ بڑی طاقتوں کا مالک قرار دیا گیا۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ پہلی کتابوں کا کیا حال ہُوا ہوگا۔

پس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو جب وہ بار بار یحرفون الکلم عنی مواضعہ خدا کی کلام میں پڑھتے۔ کیسا درد ہوتا۔ کہ کہیں اس مکمل ہدایت نامہ کا بھی دُنیا کے لوگوں کے ہاتھوں وہی حال نہ ہو جو پہلی کتابوں کا حال ہوا۔ اگر خدا کی طرف سے بار بار یہ وعدہ نہ مل چکا ہوتا۔ انہ لقراٰن کریم فی کتاب مکنون۔ بل ھو قراٰن مجید فی لوح محفوظ اور بالآخر جب خدا کا وعدہ کھلے الفاظ میں مل گیا۔ کہ پہلی کتابوں کی طرح قرآن کی حفاظت کا کام ہم نے انسانی ہاتھوں میں نہیں چھوڑا۔ کیونکہ گو پہلی کتابیں بھی خدا کا کلام ہی تھا۔ مگر اُن کی ضرورت دُنیا کو ایک وقت کے لیئے تھی۔ پر اسے مکمل ہدائیت نامہ کی ضرورت ہمیشہ کے لیئے ہے۔ اور اس کے ایک حرف کے اِدھر اُدھر ہونے سے نسل انسانی کو ایک ناقابل تلافی نقصان ہمیشہ کے لیئے پُہنچے گا۔ کیونکہ اب آخری نبی کے بعد کوئی دُوسرا نبی نہیں آسکتا۔ جو اس قسم کی غلطی کو دُور کردے۔ اس لیئے خدا نے فرمایا۔ کہ اُس کی حفاظت کا انتظام ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ہم نے ہی تو اس ذکر کو (جو نسل انسانی کے حقیقی شرف و عزّت کا باعث ہے۔ جیسا کہ ذکر کے معنے سے ظاہر ہے) اُتارا اور ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کریں گے۔ سو اس وعدہ خداوندی نے ختم نبوت کی دوسری

وجہ کو بتا دیا۔

ایک چیز پہلے ہی اپنے کمال کو نہ پہنچے تو وہ ناقص ہے اور کمال کی محتاج رہے گی۔ ایک چیز کمال کو پہنچ جائے۔ مگر اس میں نقص پیدا ہونے کا خطرہ باقی ہو تو وہ پھر کمال کی محتاج ہو جائے گی۔ اس لیئے جب تک یہ دونوں صورتیں اکٹھی نہ ہوتیں ختم نبوت کا منشا پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ مانا کہ ہدایت کی تکمیل ہوگئی۔ لیکن اگر اس تکمیل کے بعد پھر اس میں کچھ نقص پیدا ہو جائے اگر پہلی کتابوں کی طرح تحریف اس کامل ہدایت نامہ میں بھی راہ پا جائے۔ تو ختم نبوت کا دعوے صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ پھر اس ناقص کو خواہ وہ نقص پیچھے ہی پیدا ہوا ہو پورا کرنے کی احتیاج باقی رہتی۔ اور جب نبوت کی ضرورت باقی ہوتی تو ختم نبوت کا دعوے باوجود تکمیل ہدایت کے باطل ٹھیرتا مگر وہ خدا جس نے شروع سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نبوت کو اپنے کمال تک پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ (اور اسی لیئے آپ خلق میں سب سے پہلے نبی تھے۔ کیونکہ اگر آپ نہ ہوتے تو دوسرے نبی بھی نہ ہوتے) اور پھر اس کمال پر قایم رکھنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تاکہ اس انسان کامل کے بعد سب اسی کی شاگردی میں زانو تہ کریں۔ اس نے نہ چاہا کہ ایک پہلو سے ختم نبوت کرکے دوسرے پہلو کو یوں ہی چھوڑ دے اور نبوت کی ضرورت ویسے کی ویسی باقی رہ جائے۔ بلکہ اس نے ختم نبوت کو خوب پختہ کیا۔ اور اس میں کسی قسم کے نقصان کا احتمال باقی نہ چھوڑا اور ایک طرف تکمیل ہدایت کرکے اور دوسری طرف اس مکمل ہدایت کی حفاظت کا قسمی وعدہ دے کر اور اس کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے کر اور ہر طرح سے ختم نبوت کی دیوار کو پختہ کرکے نبوت کے دروازہ کو بند کر دیا۔ کیونکہ جس حکمت کے لیئے اس دروازہ کو کھولا گیا تھا وہ ضرورت اب باقی نہ رہی تھی۔ اور فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ۔ کس طرح ممکن تھا۔ کہ ایک طرف تکمیل ہدایت کے کام کو اس قدر مضبوط کرکے اور دوسری طرف مکمل ہدایت نامہ کی حفاظت کا انتظام اتنا مضبوط کرکے اب لغو طور پر نبوت کے دروازہ کو کھلا چھوڑتا +

ایک "اسلام کی سرگذشت"

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

میرے ایک دوست نے مجھے ایک نسخہ "اسلام کی سرگذشت" مصنفہ ٹی۔ آر۔ ڈبلیولنٹ کا بھیجا ہے۔ جس پر متفرق مقامات پر حاشیہ پر پنسل کے بہت سے نشانات کیئے ہوئے ہیں۔ غالباً میرا دوست اس بات کا خواہشمند ہے۔ کہ ان امور میں سے بعض کے متعلق میں اسے اپنی رائے سے آگاہ کروں۔ ان سب پر بحث کرنے کے لیئے ایک علٰحدہ کتاب بکار ہے۔

یہ کتاب نوجوانوں کی ہدائت اور تربیت کے لئے لکھی گئی ہے۔ اور ایٹن کالج کے ہیڈ ماسٹر کی طرف سے اس کے ساتھ ایک دیباچہ بھی ہے۔ شائد اس تمہید نویس کو اسلام کی سرگذشت کا کچھ علم ہو یا نہ ہو۔ اس کے مضمون سے اس طرف پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ لیکن چونکہ وہ ایک خاص پوزیشن رکھتا ہے۔ اس لیئے جو لوگ اس کے ماتحت ہیں۔ وہ ایک ایسی تصنیف کو جس پر اس کی سفارش ہے۔ اسی مضمون کی کسی دُوسری کتاب پر ضرور ترجیح دیں گے۔ یہ کتاب ان پر اپنا اثر ڈالے گی۔ اور جیسے اس میں اچھے یا بُرے صحیح یا غلط خیالات ہیں۔ ایسا ہی اچھا یا بُرا۔ مفید یا مضر اس کا اثر بھی ہوگا۔ اور یہ اثر ایک ایسے وقت میں ہوگا۔ جب ہر قسم کے خیالات صحیح ہوں یا غلط۔ طبیعت آسانی سے جذب کر لیتی ہے۔ اور جب ایک معلم دل پر جس طرح کے نقش و نگار چاہے بنا دے۔ بڑے ہو کر غلط خیالات کو یکمرتبہ رد کر دینا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ اثر اور وہ رنگ جو نوجوانی کے ایام میں ڈالا جائے وُہ طبیعت پر پورا قابو پا لیتا ہے اور دیرپا اور گراں ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے

"اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہماری تمدنی ضروریات میں سے ایک نہائت ہی اہم ضرورت یہ ہے کہ نہ صرف نوجوانوں کے لیئے مفید اور صحیح لٹریچر مہیا کیا جائے۔ بلکہ اُنکو اُس کے پڑھنے کے لیئے بھی ترغیب دیجائے" اور پھر لکھتا ہے۔

"ہمیں خود اپنے اندر یا اپنے بچوں کے اندر ان امور کے متعلق جہالت نہیں رہنے دینی چاہیئے۔ جو کروڑہا نفوس انسانی کے خیالات۔ امیدوں اور کوششوں کی آماجگاہ ہیں"

یہ نصیحت بہت اچھی ہے۔ مگر جن وجوہ سے پادری صاحب یہاں ہمیں بچنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ وہی امور ہیں جن کا ارتکاب عیسائیت یعنی کلیسیا اور اس کے بڑے بڑے ذمہ دار افسر اور وکلا، صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اُس نے نہ صرف جہالت کو روا رکھا۔ بلکہ علوم کی ترویج کی مخالفت میں جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ اور لوگوں میں اس قسم کے خیالات اور تعلیم کا چرچا جنکا اظہار ہیڈ ماسٹر دیشن کالج نے کیا ہے اس وقت شروع ہوا۔ جب سائنس اور رشنلزم نے پادریوں کی حکومت کی غلامی کی ہزار سالہ زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا۔

پھر ہیڈ ماسٹر مذکور فرماتے ہیں "لیکن پہلا قدم یہ ہے کہ صحیح طرز کی کتاب لکھی جائے" جہاں تک اس تجویز کا ذہنی پہلو ہے مجھے بھی اس کے ساتھ اتفاق ہے۔ لیکن میرے اندر کوئی متنبہ کرنے والا مجھے متنبہ کرتا ہے۔ ایک ایسی زبان میں جو الفاظ کی بنی ہوئی نہیں کہ پادری صاحب اور میں باوجود اس ذہنی اتفاق کے کبھی بھی اس بات پر متفق نہیں ہوسکیں گے کہ کون کون سی کتابیں اس تعریف کے ماتحت آتی ہیں۔ بعض کتابیں ہونگی جن کی میں سفارش کروں گا۔ مگر پادری صاحب کے نزدیک وہ محض ردّی کا ذخیرہ ہوگا۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ اسے طاق نسیان میں چھوڑی جائیں جہاں اُن کو کوئی چھوئے بھی نہیں۔ اور کسی صورت میں ان کا پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ ایسا ہی بعض کی سفارش وہ کریں گے جو میری رائے میں اس قابل نہ ہونگی کہ انسان اپنے وقت کو اُن پر ضائع کرے۔ میری رائے میں آجکل بہت کچھ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کے دلوں کے سامنے رکھنے کے لیئے ان دلوں کے جو نئے خیالات کے تاثرات قبول کرنے کے لیئے بالکل تیار ہیں۔ ہمارا ذخیرہ کتب بہت اصلاح کا محتاج ہے۔ نئی ترتیب کو چاہتا ہے۔ بہت کچھ دوبارہ لکھا جانا ضروری ہے اور بہت کچھ کاٹ دینا مناسب ہے۔ پھر اسی تمہید میں لکھا ہے۔

"اس کتاب کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر انسان فطرت انسانی کو بلندی کی طرف لے جانے میں ناکامیاب ہوا ہے تو اس کی وجہ وہ مہلک اصول ہیں جو آج انگلستان میں کام کر رہے ہیں۔ اور جو گہرے طور پر عیسائیت اور اخلاق کے بعض عامہ خیالات میں جاگزین ہیں۔"

یہ بہت خوب اعتراف ہے۔ کیا پادری سٹلٹن صاحب کے خیالات عیسائیت کے متعلق عامہ خیالات سے الگ ہیں؟ کیا یہ عامہ خیالات سچے نہیں ہیں؟ کیا وُہ عیسائیت نہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جیساکہ پادری صاحب کا اعتراف ظاہر کرتا ہے۔ تو کیا اس فقرہ کے لکھنے والیکا پہلا فرض یہ نہیں کہ وُہ اپنے خیالات کو ان مہلک اصولوں کی جگہ پھیلائے۔ اور ہر دلعزیز بنائے اور پھر اس بات کا کیا ثبوت ہوگا۔ کہ اس کے جو خیالات عیسائیت کے متعلق ہیں وہ صحیح عیسائیت ہے۔ یا یہ کہ وہ ان خیالات کی نسبت جن کی وہ تردید کرتے ہیں زیادہ درست ہیں۔ وُہ سوال کرتے ہیں

"جب مغرب کی بڑی روحانی طاقتیں مشرق کی روحانی طاقتوں کے سامنے آئیں گی تو اس وقت کیا ہوگا"؟

اس کا جواب میں تو یہی دونگا۔ کہ اگر ان مہلک اصولوں کو جو گہرے طور پر عیسائیت کے متعلق بعض عامہ اور ہر دلعزیز خیالات میں جاگزین ہیں ایٹن کے ہیڈ ماسٹر اور اُس کے سکول کی کوششوں نے جڑ سے کاٹ کر نہ پھینک دیا۔ تو مغرب کی روحانی طاقتوں کا بڑی ہوں یا چھوٹی برا حشر نظر آتا ہے۔ اور آخر کار کیا مغرب اور مشرق کی روحانی طاقتیں ایسی مختلف ہیں۔ کیا زمین کے مختلف حصوں میں وُہ طاقت بھی مختلف ہے۔ جو ہماری زندگیوں کو ایک خاص صورت دیتی ہے۔ خواہ ہم خود ان کو کیسی ہی بے سمجھی سے تراشا کریں۔ میرے علم ویقین میں انسانیت ایک ہی شے ہے۔ نسل انسانی ایک ہے۔ نہ علیحدہ علیحدہ افراد کا مجموعہ جو ایک دُوسرے سے الگ اور بے تعلق ہوں نہ ہی ایسے مجموعوں کے مجموعہ کا نام انسانیت ہے۔ جس کتاب کی تمہید پادری صاحب نے لکھی ہے۔ اب اُس کے خیالات کو دیکھیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خط وخال کا نقشہ کھینچتے ہوئے اُس کا مصنف لکھتا ہے۔

"ایک بہت بڑی ڈاڑھی اور مونچھیں جو اپنے نیچے ایک جو اس سے جلد متاثر ہونے والے مُونھ کو چھپائے ہوئے تھیں"

اب اوّل تو میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ جو اس سے جلد متاثر ہونے والا مُونھ کس قسم کا ہوتا ہے۔ دُوسرے مجھے یہ سمجھ نہیں آتا۔ کہ کسی کی ڈاڑھی اور مونچھوں نے اس کے مُونھ کو چھپایا ہوا ہو۔ تو دوسرا شخص کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ مُونھ

جو اس سے جلد متأثر ہونے والا ہے یا کس قسم کا ہے۔ بغیر زیادہ اس پر کچھ لکھنے کے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو شخص اس طرح پر لکھ سکتا ہے وہ نوجوان کے لیئے رہنما نہیں ہو سکتا پھر صفحہ ۴۹ پر ہے۔

" ان میں یہ صفت تھی۔ کہ تھوڑی واقفیت سے اعتبار حاصل کر لیتے تھے "

اس کے ساتھ ہی ان فقرات اور الفاظ پر بھی ایک نظر دوڑاؤ جو اس کتاب کے مصنف نے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنی کتاب میں متفرق مقامات پر لکھے ہیں۔ " کینہ ہموم " " کھلا دھوکا خوردہ ہوتا " " سخت شہوانی گناہ " " ظلم " " توڑی ہوئی قسمیں " " بزدلی " " لٹیرا پن " اور دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ ہی یوں بھی فرماتے جاتے ہیں۔ کہ آپ " آخر تک بچوں سے محبت کرنے والے " تھے۔ آپ کی زندگی میں " اخلاقی سرگرمی " " کرا اخلاص " " اعلے اخلاقی تعلیم " " نرمی " " وفاداری " " جرأت " اور " تقدس " پایا جاتا تھا یقیناً نہایت ہی عجیب وغریب اوصاف کا مجموعہ ہے۔ جو خدا نے ایک ہی انسان کی طبیعت میں جمع کر دیا اور جسے تیرہ سو سال بعد پادری تھیوڈور لنٹ نے لڑکوں کی تادیب اور تربیت کے لیئے دریافت کر لیا! پھر وہ لکھتا ہے۔

" اگرچہ یہ کہا جاتا ہے۔ کہ نو مرید پہلی دفعہ آپ کے سامنے سے جب واپس آتے تو نہ صرف کچھ مرعوب اور افسردہ ہو کر ہی آتے۔ بلکہ کسی قدر نفرت کا احساس بھی ساتھ لاتے " صفحہ ۴۹

مارگولیتھ نے بھی یہی سُرنگائی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

" ہر ایک نو مسلم ہونے والا جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے لایا جاتا تو کچھ نفرت کا اظہار کرتا۔ سوائے ابوبکر کے اسکو بعد میں آنحضرت نے خود بھی تسلیم کیا۔ مگر انھوں نے یہ نہیں بتایا۔ کہ وہ کیا چیز تھی۔ جس کو نو وارد ناپسند کرتے تھے "

لیکن چند سطور آگے چل کر خود مارگولیتھ اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہے جب وہ اس بات کا ذکر کرتا ہے۔ کہ نو مسلموں سے غالباً وفاداری کی حلف (بیعت) لی جاتی تھی۔ اور بعض قبیح امور کے ترک کرنے کو کہا جاتا تھا۔ پہلے نو مسلم زیادہ تر کلام الٰہی کے وعظ سے مسلمان کیئے جاتے تھے۔ اور اُن کو قرآن شریف کی ابتدائی نازل شدہ سورتیں سنائی جاتی تھیں۔ اور کئے

معنے سمجھائے جاتے تھے۔ ارقم کے گھر میں ان کو نہ صرف اسلام کی تعلیم سے ہی واقف کیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کا عملی حصہ بھی سکھایا جاتا تھا۔ ان کو نماز سکھائی جاتی تھی۔ اور نہ صرف ان کو ان فرائض سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ جو دوسرے انسانوں کے متعلق یا اپنے بھائیوں کے متعلق تھے۔ بلکہ ان سے بھی جو اللہ تعالےٰ کے حقوق کے متعلق تھے۔ بت پرستی کو چھوڑنے کے ساتھ بہت سے دیگر امور کو بھی ترک کرنا ضروری ہوتا تھا۔ جن کا تعلق بتوں کی پوجا سے تھا اور بہت سی ایسی باتیں ہوتی تھیں۔ جن کے ترک کرنے کے لیئے انھیں خاص طور پر ہدائیت کرنی پڑتی ہوگی۔ اور جن کو وہ خود بخود نہ چھوڑتے ہونگے۔ پس اگر ایک قوم جس نے ایک دراز عرصہ تک ایک قسم کے خیالات میں پرورش پائی ہو۔ اور انہی خیالات کی بنا پر ان کی بہت سی رسوم اور بہت سے افعال کا مدار ہو۔ جن کے خون کے اندر وہ باتیں رچ گئی ہوں۔ ان سے جب وہ باتیں چھڑوائی جاتی ہوں گی۔ تو ایک ظاہر بات ہے کہ پرانی باتوں کو کسی قدر مشکلات کے ساتھ ہی انسان ترک کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ باتیں انکے روزمرہ کے افعال میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی طبیعت کا جزو بن چکی تھیں۔ اور پھر انکے اردگرد ان کے تمام رشتہ دار دوست ابھی وہی باتیں کرتے تھے۔ تو نہ صرف ان عادات کو ہی یکمرتبہ ترک کرنا۔ بلکہ دوسروں کے اندر رہ کر ان سے الگ ہونا یہ کوئی چھوٹا سا کام نہ تھا۔ اور بغیر طبیعت پر جبر کیئے کس طرح وہ اس مقصد کو حاصل کرسکتے تھے۔ اور پھر جب دوسرے لوگ ان پر ہنسی کرنے یا دوسروں کی مخالفت یا استہزا کا خیال آتا ہوگا۔ تو قدرتی بات ہے کہ یہ بوجھ بہت گراں نظر آئے۔ پرانے خیالات اور پرانے عادات کو ترک کرنا جب انکی غلطی اور نقصان معلوم ہوجائے۔ ساتویں صدی کے عربوں کے لیئے ایسا ہی دشوار تھا۔ جیسا آج بیسویں صدی کے مہذب یوروپین لوگوں کے لیئے ان کا ترک کرنا دشوار ہے۔ حالانکہ انکی غلطی اور نقصان کا اعتراف بھی موجود ہے۔ پس پرانی عادات کو ترک کرنا اور ان کی بجائے نئی عادات کا اختیار کرنا ابتداء میں طبیعت پر ایک جبر چاہتا ہے۔ اور طبیعت کے ان تقاضوں کے جو اس حالت میں قدرتی معلوم ہوتے ہیں۔ مخالفت میں اگر ابتداء میں کوئی گھبراہٹ ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب ہے تو یہ کہ اسلام کے اندر جو لوگ داخل ہوتے تھے وہ

کس خوشی کے ساتھ اور کیسی شرح صدر کے ساتھ پرانی عادات کو جنھوں نے اُن کے جسموں کے ساتھ پرورش پائی تھی ترک کر دیتے تھے۔ اور صحیح روایات سے ایک بھی ایسے واقعہ کا پتہ نہیں لگتا۔ کہ کسی شخص نے ان امور کے ترک کرنے میں اظہار تنفر کیا ہو جس نے اسلام کو قبول کیا اپنی خوشی سے قبول کیا۔ اور شرح صدر سے ہر ایک قسم کی مشکلات اور خطرات کے مقابلہ کے لیئے طیار ہو گیا۔

ہاں اگر ہم بالمقابل یہ فرض کر لیں کہ سب یا زیادہ حصہ نومسلموں کا ابتدا میں اسلام کو اسی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جس نگاہ سے خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے۔ تو یہ بھی ایک احمقانہ خیال ہوگا۔ ہاں جس حالت میں وہ پہلے اسلام میں آئے۔ پھر اسلام کے اندر رہ کر جو اُن کی حالت بعد میں ہو گئی۔ اس پہلی اور پچھلی حالت کی شرح صدر کا بھی کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا اسلام کی خوبیاں دن بدن اُن لوگوں کو اپنا زیادہ سے زیادہ گرویدہ بناتی چلی گئیں۔ ایک عظیم الشان صداقت پہلے جب اپنی روشنی دل پر ڈالتی ہے تو وہ ایک ناگہانی چمک ہوتی ہے وہ ایک کرن ہوتی ہے۔ جو آسمان سے آکر دل کو منور کرتی ہے۔ مگر صداقت کی حقیقی روشنی آہستہ آہستہ ہی دل کو منور کرتی ہے۔ اور آخر انسان کی رُوح پر آفتاب صداقت اپنی پوری تیزی کے ساتھ چمک اُٹھتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی جست میں ایک انسان کئی منزلوں کو طے کر جائے۔ مگر اصلی حرکت وہی ہے۔ جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر تدریجاً انسان کو پہنچاتی ہے۔

آگے چل کر پادری لنٹ صاحب لکھتے ہیں۔

"قریش نے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور دس ہزار فوج کے ساتھ اس کا محاصرہ کر لیا" ص۸۴

اور اگلے ہی صفحہ پر فرماتے ہیں۔

"اب ہم اپنے ہیرو کے پیچھے چلتے ہیں۔ جبکہ با ترتیب اور قواعددان دس ہزار آدمی کی فوج کے ساتھ اُس نے مکہ پر چڑھائی کی۔ ایسی فوج عربوں نے کبھی نہ دیکھی تھی" ص۸۵

جب قریش دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرتے ہیں۔ تو اس میں کوئی امر حیرت انگیز پادری صاحب کو نظر نہیں آتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دس ہزار

کی فوج ایک ایسا حیرتناک امر ہے کہ عربوں نے کبھی اسکا نظارہ بھی پہلے نہ دیکھا تھا نتیجہ یہ نکالنا مقصود ہے۔ کہ چونکہ اتنی عظیم الشان فوج عربوں کے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اسلیئے بیچارے مرعوب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ بھی پادری صاحبان کی منطق۔ یہ ناواجب "نکتہ چینی" نہیں۔ مصنف کتاب کے اسلام پر نکتہ چینی اکثر حالات میں اسی قسم کی ہے۔ بلکہ اکثر اوقات واقعات کو ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو پڑھنے والا اسلامی تاریخ سے ناواقف ہو وہ لازماً غلط نتیجہ پر پہنچے گا۔ چنانچہ صفحہ ۷۸ پر پادری صاحب لکھتے ہیں

"ایک ہی سال کے اندر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ایک ایسی فوج کو لے کر جو کسی عرب کے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ یعنی دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے ساتھ شمال کی طرف شام کے حدود کی طرف کوچ کیا۔ اور شمال کے عیسائی اور نیم عیسائی قوم کو مسخر کیا اور اسلام کی آگ کو حدود کے پار تک پہنچایا"

اب یہ اس کتاب میں ایک واقعہ کے متعلق مکمل بیان ہے جسکا کوئی حصہ ترک نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی شخص کو پہلے سے مزید علم اصل واقعات کا نہیں تو وہ پادری لنٹ کی تحریر سے صرف یہی نتیجہ نکالے گا۔ اور اسی نتیجہ پر لوگوں کو پہنچانا پادری صاحب کا منشاء ہے۔ کہ فتح مکہ کے بعد جس قدر جلدی ممکن ہوا۔ پیغمبر خدا نے ایک جرار فوج جمع کی اور بغیر کسی وجہ کے صرف فتح اور لوٹ کی غرض سے شام کی حدود تک پہنچ گئے۔ تاکہ ان قوموں کو آگ اور تلوار سے مسخر کریں۔ اب یہ نتیجہ اصل واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ مدینہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ رومی سلطنت کے لشکر سرحد عرب پر جمع ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی رومی سلطنت کی افواج کے ساتھ موتہ کے مقام پر مٹھ بھیڑ ہو چکی تھی۔ جہاں غالباً ان کو خطرناک شکست ہوتی۔ اگر خالد بن ولید کی جفاکشی جرأت اور تدبیر نے احسن طریق پر مقاومت کا پہلو اختیار نہ کیا ہوتا۔ اور اپنی فوج کو اس آزمائش سے گو فتح کے ساتھ نہیں مگر عزت اور امن کے ساتھ باہر نہ نکال لیا ہوتا۔ اس لیئے شام کی سرحد پر افواج کے جمع ہونے کی خبر کو لاپروائی سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی دانشمند جرنیل خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ

فیصلہ کیا۔ کہ آپ کو اپنی افواج دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے میدان جنگ میں لیجانی چاہئیں۔ تاکہ عرب حملہ سے بچا رہے اور مدینہ خطرہ میں نہ رہے۔ یہ سچ ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم تبوک پر پہنچے تو دشمن کی افواج مقابلہ کے لیئے نہیں آئیں۔ خواہ اس کی یہ وجہ ہو کہ پہلے ہی اُنھوں نے کسی بڑے اعلےٰ پیمانہ پر تیاری نہیں کی تھی۔ اور خواہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج کی خبر سُن کر اُن کے حوصلے پست ہوگئے ہوں۔ اور اُنھوں نے عرب پر حملہ آور ہوکر خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اور اِسلیئے افواج کو منتشر کردیا ہو۔ وہاں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی۔ حالانکہ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم چاہتے تو ان کے حملہ کے لیئے ملک کھُلا پڑا تھا۔ آپ چاہتے تو بغیر کسی روک کے ملک کو لُوٹ سکتے۔ اور تباہ کرسکتے تھے۔ کیا پادری صاحب اس قدر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ کہ جس صورت میں نبی کریم ایک حملہ کے مقابلہ کی پُوری تیاری کے لیئے نکل چکے تھے۔ تو اگر ان کی غرض خود جنگ کرنا نہ ہوتا نہ مدافعت تو کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ سرحد شام پر دشمن کی کوئی فوج جمع نہ تھی۔ مگر آپ نے اس کے مُلک پر حملہ نہیں کیا۔ صرف جو چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سردار تھے۔ اور جن کے علاقے اس راستے پر تھے۔ جو عرب سے شام کو جاتا تھا ان کے ساتھ آپ نے معاہدات کیئے اور واپس آگئے۔ اس موقعہ پر دوُمہ اور ایلہ کے شہزادوں سے جو معاہدات کیئے گئے وہ اس قسم کے تھے۔ جیسے دُوسری جگہ پر مخالف اقوام سے معاہدات کیئے گئے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک معاہدہ کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک معاہدہ صلح کا جو اللہ اور اُس کے رسول اور نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یوحنا روبہ کے بیٹے اور ایلہ کے لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اُن کے لیئے جو اپنے گھروں میں رہیں اور اُن کے لیئے جو باہر سفر کریں۔ خواہ خشکی پر اور خواہ سمندر کے راستے۔ اور ان سب کے لیئے جو اُن کے ساتھ ہوں خواہ وہ شام کے رہنے والے ہوں یا یمن کے یا ساحل کے اللہ اور اللہ کے رسول محمد صلعم کی طرف سے ضمانت ہے۔ جو کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریگا اُس کا مال اُسکو فائدہ نہیں دیگا بلکہ جو کوئی اس سے اسے لے لیگا وہ اسی کا حق ہوگا۔ نہ یہ جائز ہوگا۔ کہ ایلہ کے لوگوں کو

ان چشموں سے روکا جائے جو ان کا مرجع رہے ہیں۔ نہ ہی کسی راستے سے روکنا جائز ہوگا جس پر وہ چلنا چاہیں۔ خواہ وہ تری کا راستہ ہو یا خشکی کا۔ یہ جہیم اور شرجیل کی تحریر ہے۔ جو رسُول اللہ کے حکم سے دی گئی"

دوسرے معاہدات میں بھی یہی فیاضی کی رُوح پائی جاتی ہے۔ اور وُہ بانی اسلام کی وسعت قلبی اور مہربانی کی شاندار مثالیں ہیں۔ اگر آپ چاہتے تو ان لوگوں کو ایک اشارہ کے ساتھ کچل سکتے اور تباہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان قوموں کی آپ کے لشکر کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔ مگر آپ نے نہائت آسان شرائط پر خود اُن کو ایسے صلحنامے لکھ دیئے۔ کہ آئندہ کوئی مسلمان اُن کے حقوق میں دست اندازی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ کچھ خراج کی رقم ہر ایک کے ذمہ ڈالی گئی۔ مگر یہ تو انصاف کی بات تھی۔ اگر آپ اُن کو اپنا باجگذار نہ بناتے اور اُن کی حفاظت کے ذمہ دار نہ ہو جاتے تو وہ رومی سلطنت کے ساتھ مل جاتے۔ یہ خراج ہمیشہ ہلکا ہوتا تھا۔ مارگولیتھ اس کے خلاف لکھتا ہے۔ مگر وہ اور کہہ بھی کیا سکتا ہے اس کی تردید کے لیئے یہ امر کافی ہے۔ کہ کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوُا۔ کہ جو خراج ان سے لیا جاتا ہے وُہ عام اوسط سے بہت کم ہے۔ لیکن آپ نے اُسے بڑھایا نہیں۔ اور یہ محض اس وجہ سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے ساتھ معاہدات کر چکے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خراج جب لگایا گیا اُس وقت بھی ہلکا سمجھا جاتا تھا +

(باقی آئندہ)

اِسلامی نماز کا فلسفہ

(از قدوائی)

بہت سے لوگوں کو جو اسلامی نماز سے ناآشنا ہیں اُس کی مختلف ہیئتیں اور مختلف اوقات عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اور بہتوں کے نزدیک شاید یہ بے معنے ہوں۔ مگر وہ سب اپنے اندر ایک سچا فلسفہ رکھتی ہیں۔

اسلام فطرت انسانی کا مذہب ہے۔ اور اس لیئے فطرت انسانی کا صحیح نقشہ اسکے ہر ایک حکم میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا خدا جو خالق فطرت ہے اس نے فطرت انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیئے یہ مذہب دیا ہے۔ اور جو کچھ فطرت کے لیئے ضروری تھا وہ سب اس کے اندر مہیا کر دیا ہے۔ اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ یہ جسم اور روح دونو کا فکر کرتا ہے۔ اسلام کی اس دعا پر غور کرو جس میں یہ سکھایا۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ ابتدا ر کی بھلائی سے دُعا شروع کی اور انجام کی بھلائی پر ختم کی۔ اور اس طرح پر کسی بھلائی کو باقی نہیں چھوڑا۔ یہی دُعا ایک سچے مسلم کی زندگی کا صحیح نقشہ ہے۔ اور یہی اصول سب اسلامی دُعاؤں کے نیچے ہے۔ نماز یا دُعا رکی غرض کیا ہے۔ وُہ بھی خود ہی قرآن کریم نے بتا دیا ہے واقم الصلوٰة ان الصّلوٰة تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ نماز کو قائم کرو کیونکہ نماز ہر ایک قسم کی بیحیائی اور ہر ایک قسم کے ناپسندیدہ امر سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر یقیناً بہت بڑا (فرض) ہے۔

اِس غرض کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ وہی نماز کا طریقہ ہے جو خود اسلام نے سکھایا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ٹھیک اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آج ہم نماز پڑھتے ہیں۔ ان تیرہ سو سالوں نے ایک بال برابر فرق نہ اس طرز عبادت میں

اللہ نے اس کے معنے میں کیا ہے۔ وہی جسم ہے اور وہی رُوح ہے۔ ساری دنیا پر ہر روز مقررہ وقت پر سارے مُسلمان ایک ہی آواز میں ایک ہی خدا۔ رحمٰن۔ رحیم۔ رب العالمین کے حضور اپنی عاجزانہ التجاؤں کو پیش کرتے ہیں۔ طول بلد اور عرض بلد کا فرق۔ آب و ہوا کا فرق۔ رنگ و قومیت کا فرق مخلوق کے ایک ہی خالق کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ سپید رنگ کے لوگ اور سیاہ رنگ کے لوگ افریقی ایشیائی یوروپین سارے کے سارے مسلمان اپنی مسجدوں میں ایک ہی زبان بولتے ہیں اور اپنے رب اور اپنے خالق کے حضور ایک ہی قسم کی خواہشات اور ایک ہی قسم کی التجاؤں کو لیکر جاتے ہیں۔

اسلامی نماز کا ظاہری لباس تین مختلف عنوانوں کے نیچے آتا ہے۔ اوّل اوقات نماز۔ دوئم نماز کی تیاری۔ سوئم نماز کی مختلف ہیئات اور حرکات۔ پہلے ہم اس بات پر غور کریں گے۔ کہ نماز کے اوقات کے تعین میں کیا حکمت ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالےٰ کے حضور جب چاہے جس جگہ چاہے اور جس زبان میں چاہے اپنی التجا لے جاسکتا ہے۔ مگر اسلامی نماز میں پانچ اوقات خاص طور پر مقرر کردیئے گئے ہیں۔ اوّل فجر یا سورج نکلنے سے پہلے۔ دوئم ظہر یا دوپہر کے بعد۔ سوئم عصر یا تیسرے پہر۔ چوتھے مغرب یا سُورج ڈوبنے پر۔ پانچویں عشاء یا سونے سے پہلے۔

دُنیا کے اکثر ممالک میں لوگ پانچ وقت جسم کی پرورش کے لیئے غذا کی ضرورت محسُوس کرتے ہیں اور اس لیئے قریباً تمام مہذّب اقوام نے کھانے یا ناشتہ کے پانچ اوقات مقرر کردیئے ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف زبانی وعظ کرتا ہے۔ بلکہ جو کچھ یہ کہتا ہے اسپر عمل کرنیکا طریق بھی بتاتا ہے۔ یہودی اور عیسائی مذہب دونوں نے یہ مسئلہ سکھایا۔ کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ بلکہ ہر اس لفظ سے جو خداوند کے مُونھ سے نکلتا ہے۔ اُنھوں نے یہ وعظ تو کیا اور خوب کیا۔ مگر انکا وعظ بے سود رہا۔ کیونکہ اُنھوں نے عملی طور پر کوئی طریق نہ بتایا۔ کہ کس طرح لوگ خدا کی کلام سے جیا کریں اور صرف روٹی کو ہی اپنی زندگی کا سارا سامان نہ سمجھ لیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ان لوگوں کو یہ ضرورت محسُوس ہوتی ہے کہ نظام جسمانی کو قایم رکھنے کے لیئے پانچ دفعہ ہر روز کافی خوراک معدہ کے اندر پہنچائیں۔ رُوحانی زندگی کے لیئے ہفتہ میں صرف ایک بار ان کو گرجاؤں یا معبدوں میں جانیکی ضرورت محسُوس ہوتی ہے لیکن اسلام نے نماز کے لیئے ہر روز خاص اوقات مقرر کردیئے ہیں تاکہ لوگ اس بات کو سیکھیں کہ جسطرح جسم کا فکر ضروری ہے اسی طرح رُوح کا فکر ضروری ہے۔ اور اگر جسم اس بات کا محتاج ہے کہ ہر روز

۔ ایک ہی جیسے الفاظ میں۔ ایک ہی جیسی ہیئت میں۔ ایک ہی قسم کے حرکات کے ساتھ خلوص دل سے۔

مقررہ اوقات پر اُسکی خبرگیری کا انتظام کیا جائے تو رُوح بھی محتاج ہے۔ پس ہر مسلمان عملاً دن میں پانچ مرتبہ خدا کی کلام سے زندگانی حاصل کرتا ہے۔ جسم کی فکر تو انسان نے خود اپنے لیئے کی۔ مگر اُسکی رُوح کا فکر اس کے خالق نے کیا۔ اور اسے بتایا کہ جس طرح جسم کی قیام کے لیئے پانچمرتبہ خوراک کا پہنچانا ضروری ہے۔ رُوح کی پرورش کے لیئے بھی پانچمرتبہ اس غذا کا پہنچانا ضروری ہے جو خدا کی کلام سے ملتی ہے۔ مگر ان اوقات میں اور اس قاعدہ مقررکردہ میں بھی ایک حکمت ہے۔ اور جیسا کہ اسلام کے کل قوانین فطرت انسانی کے تقاضا کو پُورا کرنے والے ہیں۔ ایسا ہی نماز کے اوقات بھی فطرت انسانی کے تقاضا کے مُطابق ہیں۔

ہم میں سے جن لوگوں کو شہروں سے باہر زندگی کا کوئی حصہ بسر کرنیکا موقعہ ملا ہو اور جنھوں نے کبھی قدرت کے نظاروں کو دیکھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ صبح کی روشنی کے ساتھ پرندگانا شروع کرتے ہیں۔ حیوانات میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور درخت اور پھول بھی زندگی اور انبساط کا نظارہ دکھلانے لگتے ہیں اور اُن کی بند کونپلیں کھلنے لگتی ہیں۔ اس سے صاف معلُوم ہوتا ہے۔ کہ ساری قدرت اسوقت ایک خاص حالت میں ہوتی ہے رات کے پُورے آرام کے بعد قدرتی طور پر ہر چیز نئے دن کے کام اور نئے دن کے فرائض کے لیئے طیار ہوتی ہے۔ اور زبان حال سے ساری مخلوقات اپنے خالق کے اس انعام کے شکریہ میں جو رات کے آرام کی صورت میں اسے عطا کیا گیا ہے اسکی حمد کے گیت گاتی ہے۔ اور دوسری طرف اس شکرگذاری کی حالت کے ساتھ ایک عاجزانہ التجا کی حالت بھی کل مخلوقات کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ نئے دن کے کام اور طاقت کے لیئے وہ اپنے مولا کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہے۔ کہ تیری ہی طاقت سے ہم اس قابل ہوسکتے ہیں کہ نئے دن کے کام کو انجام تک پہنچائیں۔ پس جب ساری مخلوق کے اندر اسوقت شکرگذاری حمد انبساط التجا استعانت کی حالت پیدا ہوتی ہے تو انسان کے اندر جو اس ساری مخلوقات کا خلاصہ اور ساری کائنات میں اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر ہے۔ کیوں یہ حالت پیدا نہ ہونی چاہیئے کیوں وُہ بھی اپنے خواب اور آرام کے بستر سے نہ اُٹھے اور اپنے آپ کو صاف کرکے اپنے مولا کے حضور حاضر ہو۔ تاکہ اس نیند اور آرام کا شکریہ ادا کرے جو اس کو رات کو اس کے مالک نے عطا فرمایا ہے۔ کیوں وُہ نہ اُٹھے اور اپنے مولا سے اس کام کے سرانجام دینے میں جو پھر اُسکے سامنے آگیا ہے مدد مانگے فطرت انسانی کے اسی تقاضا کو پُورا کرنے کے لیئے اسلام نے فجر کی نماز رکھی ہے۔

علاوہ اس رُوحانی تڑپ کے جو فطرتاً صبح کے وقت طبیعت کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ

سویرے اُٹھنا صحت کے لیئے بھی مفید ہے۔ جب سورج نکلنے سے پہلے ہمارے لیئے نماز کا وقت مقرر ہے۔ اور مؤذن کی آواز الصلوٰۃ خیر من النوم نیند سے نماز اچھی ہے۔ ہمارے کان میں پڑتی ہے۔ تو ہم زیادہ دیر تک سوتے رہنے کی مرض سے بچ جاتے ہیں۔ اور پھر سارا دن کام کے لیئے بھی ہمیں ملجاتا ہے۔ ہماری نماز ہمارے جسم کے لیئے بھی مفید ہوتی ہے۔ اور اسطرح پر رُوحانی فائدہ کے ساتھ جسمانی فائدہ بھی بیشتر آتا ہے۔ یہ فجر کی نماز کے فوائد ہیں۔ اور یہ حکمت ہے کہ کیوں یہ وقت نماز کے لیئے مقرر کیا گیا ہے۔ ہمیں ہماری رُوح کو ہی عین ضرورت کے وقت غذا نہیں ملتی بلکہ جسم کو اور جسمانی صحت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

اسکے بعد ظہر کی نماز آتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آدھا دن کام کر چکنے کے بعد جس میں ہمنے اپنا پورا زور لگایا ہے۔ ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کچھ آرام اور کچھ غذا ملجائے۔ رات کے آرام نے ہمارے جسم میں کچھ زائد قوت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے ہم ان میں اپنے قوائے کو کام پر لگا سکتے ہیں اور اسطرح پر اپنا نصف کام بغیر تکان کے کر سکتے ہیں۔ لیکن جب دوپہر ہوتی ہے تو پھر ہمیں کچھ غذا کی حاجت معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی قدر آرام کے لیئے بھی طبعی تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ یہی حالت ہماری رُوحانی ضروریات کی ہے ہم اسبات کو محسوس کرتے ہیں کہ پھر اپنے مولا کے حضور حاضر ہو کر اسکا شکریہ ادا کریں کہ اُس نے ہمیں اس قدر کام کرنیکی توفیق اور طاقت دی۔ نصف دن کا کام ختم ہونے پر فطرت انسانی ایک گونہ اطمینان محسوس کرتی ہے۔ اور اپنے مالک کا شکریہ ادا کرنے کی امنگ دل میں پیدا ہوتی ہے۔ پس ایک مسلمان پھر کام کو چھوڑتا وضو کرتا اور اپنے مولا کے حضور حاضر ہو کر اُسکی حمد کرتا اور پھر نئے سرے کام پر لگنے کے لیئے اسکی مدد چاہتا ہے۔

اسکے بعد جسمانی نظام خوراک میں تیسرے پہر کی چائے کا وقت آتا ہے۔ انسان کچھ تازہ غذا کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جو مسلمان نہیں وہ صرف اپنے جسم کی غذا کی حاجت کو محسوس کرتا ہے مگر مسلمان پر درود اور رحمتیں اور برکتیں ہوں اس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کسطرح اُس نے فطرت انسانی کے تمام تقاضوں کو سمجھا اور کیسے موزون اوقات خداوند کے کلام سے رُوحانی زندگی کے حاصل کرنیکے لیئے مقرر کیئے۔ عصر کی مختصر نماز سے ہمارے قلب پر وہی تازگی کی رُوحانی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ جیسے جسم پر ایک چاء کے پیالہ سے۔

اسکے بعد سورج غروب ہوتا ہے جسے مغرب کا وقت کہا جاتا ہے۔ نظارہ قدرت میں۔ یہ بھی ایک عجیب انقلاب کا وقت ہے۔ چرند پرند بلکہ خود درخت تک۔ گویا اسوقت دن کی محنت کو ختم کرنیکے لیئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن قبل اسکے کہ وہ اپنے کام کو چھوڑیں۔ انہیں پھر ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ اپنے مالک خالق کے حضور

ایک اور دن اپنی نعمتوں سے متمتع کرنیکے لیئے شکریہ ادا کریں۔ پس ساری مخلوقات کے اندر پھر ایک دُعا اور ایک التجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تو کیا انسان ہی ایسا ناشکر گذار ہو۔ کہ ساری مخلوقات پر ایک گونہ حاکم ہونیکے باوجود وہ اس شکریہ میں شامل نہ ہو جسکی ضرورت باقی مخلوقات محسوس کرتی ہے۔ حالانکہ اسپر بہت زیادہ حق ہے کیونکہ سب کچھ اُسکے لیئے مسخر کیا گیا ہے کسقدر چیزیں آج کی زندگی میں اُسکی صحت اور اُسکی راحت کو بڑھانیوالی ہوئی ہیں کسقدر چیزوں نے اسے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیئے معاش کے حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ تو کیا اسقدر نعمتوں کے باوجود کہ اور کوئی مخلوق اس قدر نعمائے الٰہی سے متمتع نہیں ہوتی۔ فطرت انسانی کا تقاضا نہیں کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے حضور سجدہ میں گر جائے اور تھوڑی دیر کے لیئے آستانہ ربوبیت پر سر رکھ کر اُسکا شکر گذار ہو کیونکہ یہ سب سامان سب نعمتیں محض خدا کے فضل نے ہی اسے دی ہیں۔ ورنہ وہ خود کیا حقیقت رکھتا ہے کسقدر کمزور اور عاجز ہے جس کی اپنی زندگی بھی اُسکے اختیار میں نہیں ہے بلکہ صرف تھوڑی سی ہوا کے اندر جانے اور باہر آنے پر ہی سارا دار و مدار ہے۔ ہاں وہ خود اس وسیع مخلوقات میں ایک ذرہ بمقدار سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔ کیا وہ شکر گذار نہو کہ کس طرح ساری مخلوقات سے فایدہ اُٹھانیکے سامان اسکے ہاتھ میں دیدیئے گئے ہیں

پھر اس کے اوپر ایک اور وقت آتا ہے۔ انکا کام بھی ختم ہو چکا۔ رات کے آرام کے لیئے وہ از سر نو تازہ غذا سے خوب تر و تازہ ہو چکا ہے۔ اور کام کے بعد آرام بھی کر چکا ہے۔ اور اب اسبات کی تیاری میں ہے کہ بستر پر لیٹے اور راحت بخش نیند سے اپنے دن کے سارے تکان کو دُور کرے۔ لیکن کیا جب وہ اس جھوٹی موت کی تیاری کرتا ہے تو کیا یہ اس پر حق نہیں کہ اپنے دن کے کام اور دن کی خوشیوں کا ان اچھے اور بُرے کاموں کا جو اُسنے دن بھر میں کیئے ہیں ایک دفعہ محاسبہ کرے اور دیکھے کہ اس دن کی زندگی میں کونسا مفید کام اُسنے کیا۔ بیشک ایسے وقت میں ایک زبردست تحریک فطرت انسانی کے اندر پیدا ہوتی ہے کہ خدا کے حضور بھی حاضر ہو اور اُسکی مناجات کرے اور سونے سے پہلے۔ ہاں اس نیند کیحالت میں جانے سے پہلے جو موت سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ ایک صحیح فطرت انسانی کے اندر یہ ضرور خواہش پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بستر خواب پر جانے سے پہلے دعا کا رواج اور قوموں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن ایک مسلمان جسکے جذبات میں فطرت کا صحیح نقشہ موجود ہے۔ وہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُسکے حضور اپنی التجا پیش کرنیسے کسطرح غافل ہو سکتا ہے۔ یہی عشاء کی نماز ہے جسکے بعد قلب کے اندر ایک ایسا سکون پیدا ہوتا ہے۔ کہ انسان کے خواب کو بہت بڑھ کر راحت بخش بنا دیتا ہے +

(باقی آئندہ)

ایک ضروری التماس

جو کچھ کام تبلیغ اسلام کا اس رسالہ کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کیلئے ہم اس ذات پاک کے شکر گذار ہیں اور ہماری شکر گذاری یہی ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو پہلے سے بھی بڑھائیں۔ خدا کا یہ حکم تھا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ایک گروہ تم میں ہمیشہ ایسا موجود رہے کہ وہ اس خیر عظیم کی طرف جو اسلام کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوئی ہے۔ لوگوں کو بلاتے رہیں۔ مگر کیا مسلمان سلطنتیں اور کیا مسلمان امراء اور کیا متوسط درجے کے لوگ۔ کیا علماء اور کیا سجادہ نشین اس زمانہ میں اس فرض کی طرف سے غافل ہیں اور بہت سے تو ایسے ہیں کہ بجائے اس کے کہ کسی دوسرے کی تبلیغ کے کام میں معاون ہوں وکیں پیدا کرنیکے درپئے ہو جاتے ہیں۔ خیر یہ تو خدا کا کام ہے ہو کر رہے گا۔ یہ وعدہ تیرہ سو سال پیشتر کا ہے کہ میں اس دین کو کل دینوں پر غالب کروں گا۔ ہاں جس قدر اس وعدہ الٰہی کو حاصل کرنے کے لیئے زیادہ زور لگایا گیا۔ اس قدر اسکے ایفاء کا بھی نمایاں ظہور ہوتا رہا اس زمانہ میں چونکہ اسطرف سے بالکل لاپروائی ہو رہی ہے۔ اس لیئے ہم ان احباب کیخدمت میں جو رسالہ ہذا کے خریدار ہیں جنکو یہ علم ہے کہ یہ رسالہ کیا کام کر رہا ہے جیپر ایک سرسری نظر ہم پچھلے نمبر میں کر بھی چکے ہیں۔ یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کو اس فرض کیطرف متوجہ کرنیکی کوشش کریں۔ اس عظیم الشان کام کے مقابل جو ابھی ہم نے کرنا ہے۔ یہ ہماری کوشش ایسی ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرۂ آب۔ اور گو ہم بہت سے احباب کے مشکور ہیں۔ کہ انھوں نے رسالہ ہذا کے ناظرین کا دائرہ وسیع کرنیکی کوشش کی ہے۔ تاہم پھر انکی خدمت میں بھی یہ عرض کرتے ہیں کہ معمولی عیسائی مشنری رسالوں کی اشاعت ہزاروں سے نکلکر لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسلام کا یہ ایک ہی تبلیغی رسالہ ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی طرف سے دین اسلام کی دعوت کا ایک ہی ذریعہ جس نے توحید کا پیغام تثلیث کے مرکز میں پہنچایا ہے۔ مگر اسکی طرف بھی مسلمانوں کی توجہ نہیں الا ماشاء اللہ اسلیئے ہمارے ناظرین جواب اس دعوت میں ہمارے شریک ہو چکے ہیں وہ دوسروں کو بھی اسمیں شریک کرنیکی کوشش کریں

اسلام کی اشاعت کے لیئے ہمارے بزرگوں نے کیا کیا کوششیں کیں - ان کے بالمقابل ہماری کوشش کیا ہے - تھوڑے سے مال سے ہم اس ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں - جو گھروں اور مالوں اور جایدادوں کو چھوڑ کر اور جانوں کو خدا کی راہ میں دے کر پہلوں نے پایا - اس چھوٹی سی قربانی کے لیئے بھی جو درحقیقت قربانی کے نام کے مستحق بھی نہیں - جو شخص تیار نہیں ہوتا وہ اسلام کی اس خدمت سے پہلوتہی کرکے اسلام کا کچھ نہیں بگاڑتا - بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے -

پس ہم مکرر اپنے ناظرین کیخدمت میں التماس کرتے ہیں - کہ وہ اپنی اپنی جگہ اپنے آپ کو اس کار خیر میں شریک اور معاون سمجھیں - سال حال کے لیئے اگلے ماہ کا پرچہ وی پی ہوگا - اسے وصول کرکے دفتر کو شکور ہیکا موقعہ دیں - مگر صرف اسی قدر سے وہ اس اعانت کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتے بلکہ اصل بات یہی ہے - کہ اس کثیر حصہ کو جو اب تک اس طرف سے بالکل غافل پڑا ہے - جگانا اور اس کام میں شریک کرنا ضروری ہے - اسوقت اگر ہمکو یہ خوشی ہے کہ ایک سال میں پچاس اشخاص ادب میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں تو یقین جاننا چاہیئے کہ اس سے دس گنی کوشش ہزارہا انسانوں کو اس سلسلۂ اخوت میں لا سکتی ہے - انگلستان کی ایک بستی میں ہمارا کام ہے - صرف ایک رسالہ ہمارا انگریزی زبان میں ہے[۱] - وُہ بھی ایک ڈیڑھ ہزار کی مفت اشاعت تک محدود - اسی کی مفت اشاعت اگر دس ہزار تک پہنچ جائے - اور اس کے ساتھ ہی دُوسرا اسلامی لٹریچر بھی ہم مفت نہیں تو ارزاں قیمت پر دے سکیں - اور کام کا دایرہ کچھ وسیع ہو کر چند اور مقامات میں جو ہمارے ذہن میں ہیں کام کی توسیع ہو جائے تو ایک ایک نومسلم کی جگہ دس کی خوشخبری ہمارے کانوں تک پہنچے اور ادھر سے کوشش پر پُورا زور دے کر ہم الذین جاھد وافینا کے مصداق اپنے آپ کو بناویں اور نصرت کے جاذب بنیں تو ادھر سے رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کا نظارہ بھی دیکھنے کے مستحق ہو جائیں گے مگر یہ ایک انسان کی نہیں قوم کی کوششوں پر منحصر ہے - ایک وقت تھا کہ یہ کام ابتدائی حالت میں تھا اور یہ وہم گذر سکتا تھا - کہ خدا جانے ہم اعانت کریں تو وُہ صحیح موقعہ پر بھی ہے یا نہیں - مگر اب اس بیج کو خدا نے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے بار آور کرکے - اور ایک کمزور کوشش کو اپنی نصرتوں سے مالا مال کرکے کم از کم مسلمانوں پر حجت پوری کر دی ہے - اب جو شخص اس مشن کی نصرت سے ہاتھ پیچھے ہٹاتا ہے اور بخل سے کام لیتا ہے - وُہ خدا کے نزدیک بھی جوابدہ ہے - وما علینا الا البلاغ +

[۱] فروری ۱۹۱۶ء سے ۲ اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ھے ہر کسی انگریز کے نام مفت جاری ہو سکتا ہے -

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ

حضرت مولنا مولوی محمد علی صاحب ایم - اے - ایل ایل بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دُنیا بخوبی واقف ہے - آپ نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے - جو لندن میں زیر طبع ہے - اردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو - کہ آپ نے قرآن کریم کی تفسیری نوٹوں کو اردو میں بھی شایع کرنا شروع کر دیا ہے - جس کے دو حصہ شایع ہو چکے ہیں - پہلے حصہ میں صرف پارہ اوّل کے نوٹ ہیں - اور دوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شایع ہوا ہے - سورہ بقرہ ختم کر دیگئی ہے - حصہ اوّل کے متعلق ہندوستان کے ممتاز ترین اخبارات زمیندار اور وطن کی رائیں حسب ذیل ہیں:-

زمیندار ۱۵ - اپریل ۱۹۱۵ء " جناب مولوی محمد علی صاحب ایم - اے اُن عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا - وہ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں - اور ہر آیت کی تفسیر میں حقایق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں - حال میں اس درس مقدس کے بعض اہم اقتباسات اُنھوں نے خود ہی قلمبند کر کے شایع فرمائے ہیں - جن میں اکثر آیات جزو اوّل اور کسی قدر آیات جزو ثانی کی تفسیر ہے - اور اس خوبی کی تفسیر ہے - کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے "

وطن ۱۳ - اپریل ۱۹۱۵ء " مولوی صاحب موصوف نے قرآن شریف کے پہلے پارہ کے تفسیری نوٹ لکھہ کر شایع کیے ہیں - ہمارے پاس بھی ایک کاپی بغرض ریویو اُنھوں نے بھیجی ہے ... کاغذ لکھائی چھپائی سب موزون اور قابل تعریف ہے - اِس وقت تک کثرت مشاغل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقع نہیں مِلسکا - لیکن جستہ جستہ مختلف مقامات کو ہمنے دیکھا ہے اور اِس بات کا یقین ہو گیا ہے - کہ یہ نہائیت مفید کتاب ہے ... اِس کی قدر مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیئے جیسی کہ مولوی صاحب کے علم و فضل سے توقع تھی اُنھوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کو جو وہ قرآن شریف پر کیا کرتے ہیں پیش نظر رکھہ کر یہ نوٹ لکھتے ہیں ... ہماری خواہش ہے کہ مولوی صاحب موصوف اسیطرح پورے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شایع کر سکیں .... ہم اپنی طرف سے اِس کتاب کی پچاس جلدیں خرید کر مساجد کے اُن اماموں کو جو کم استطاعت ہیں - فائدہ عام کے لیئے مُفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں "

النبوۃ فی الاسلام

مصنفہ جناب مولوی محمد علی صاحب ... ختم نبوت ... دین اسلام کی ... خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ... [illegible]

مینجر اشاعت اسلام - عزیز منزل - احمدیہ بلڈنگس - نو لکھا - لاہور

نکات القرآن حصہ دوم قیمت (۶ /) ✢ قرآن کریم کے تفسیری نوٹ حصہ اوّل (۶ /)

نوٹ :- حصہ سوم اللہ تعالےٰ کے فضل سے زیر طبع ہے -

(ف)

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی تیار کردہ

کافوری جنتری — سنہ ۱۹۱۶ء

سنہ ۱۹۱۶ء کی کافوری جنتری نہایت خوبصورت اعلے درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپی ہے اور بلا قیمت بلا محصولڈاک قدر دانوں کے پاس بھیجی جاتی ہے اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے شریف لکھے پڑھے اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجئے جنتری بواپسی ڈاک آپ کی خدمت میں بلا قیمت بھیجی جائیگی

تندرستی کی گفتگو

یوں تو اپنی صحت کو درست رکھنے کیلئے امیر سے غریب تک فکر میں رہتے ہیں اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق کوشش بھی ویسا ہی کرتے ہیں دولتمند گھی دودھ میوہ وغیرہ وغیرہ کھاتے ہیں۔ اور قیمتی دوا کی تلاش کرتے ہیں غریب کم خرچ ترکاری۔ روٹی اور چھلکے کھو جینیں رہتے ہیں۔ اس جاڑے کے موسم میں ایسے مقویات کا کھانا بھی نہایت مفید ہے کیونکہ اس موسم میں ہر چیز مریض کے موافق ہوتی ہے۔ اس فکر اور دقت کو دور کرنیکی نہایت ہی آسان ترکیب ہے جس میں نہ تو زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ مقدور طاقت سے باہر خرچ ہے وہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی مقوی باہ کی گولیاں ہیں۔ آپ بھی آزمائش کر کے دیکھئے یہ بھوک کو بڑھاتی ہیں اور خون کو پیدا کرتی ہیں۔ جوانی میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے یا جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت ہو جاتی ہے یہ سب شکایتیں دور کر کے نیا خون اور نیا جوش پیدا کرتی ہیں ۔

لال شربت لال شربت لال شربت

اگر

آپ بچے لڑکے اور لڑکیوں کو تندرست رکھنا چاہتے ہیں تو لال شربت پلاویں کھانسی بخار [illegible] سوکھا بیماری کو دور کرنا چاہتے ہیں تو لال شربت پلاویں پیدائش کے وقت سے جوان ہونے تک یکساں فائدہ کرتی ہے بچے میں شیریں اور [illegible] ہونیکی وجہ سے خواہش سے پیتے ہیں [illegible] بچے کو استعمال کرا کے آزمائش کر لیجئے قیمت ۱۲ آنہ فی شیشی محصولڈاک ۴

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مروارید ثلاثہ

یہ ہر سہ کتب مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو ضمن خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں۔ جو بتفصیل ذیل درج ہیں:-

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل (معروف بہ زندہ و کامل الہام) قیمت۔ (۱۰/ر)

اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کیگئی ہے۔

(۲) ام الالسنہ (معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان)۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/ر)

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۳) اسوہ حسنہ۔ (معروف بہ زندہ و کامل نبی)۔ قیمت صرف چار آنے (۴/ر)

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا، چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے +

نوٹ:- محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا +

پتہ

مینیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس

نولکھا۔ لاہور

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل المعروف بہ۔ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو۔ قیمت (۱۰ر)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبیّن کل زبانوں کی ماں ہے۔ اُردو۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی"۔ اردو۔ قیمت صرف چار آنے..... (۴ر)

احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲ر)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے... (۴ر)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن۔ اُردو۔ قیمت دو آنے...... (۲ر)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اُردو فی کتاب قیمت (۱ر)

مسلم مشنری کے ولائتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱ر) اور ۳ عدد انگریزی قیمت (۳ر)

مسلم ائی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ۔ (۱ر)

اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں سنہ ۱۹۱۳-۱۹۱۴ انگریزی قیمت جلد سنہ ۱۹۱۳ء (صہ) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (صہ) +

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کی سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغائت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء ... (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مرتبہ حضرت مولوی محمد علیؒ صاحب ایم۔اے۔ اردو (۶ر)

نکات القرآن حصہ دوم ... " ... " " (۶ر)

عصمت انبیاء " ... " ... " " ... " (۸ر)

غلامی " ... " ... " ... " (۴ر)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت (۱۲ر)

التوحید جس میں لا الٰہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ایم۔ایس (۱ر)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اُس سے بچنے کی آسان راہ } " (۱ر)

Miracle of Mohd. مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر۔ انگریزی (۱۲ر)

اسلام اینڈ سوشیلزم " " " (۱۴ر)

پیغام صلح انگریزی و اُردو فی رسالہ قیمت (۱ر)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ قیمت ایکروپیہ (عہ)

حدوث مادہ " " " " ...... (۴ر)

جلد اوّل سنہ ۱۹۱۵ رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے (سے)

پتہ: منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ نمبر ۱-۲-۳ یہ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصًا تقسیم فرماکر ثواب دارین حاصل کریں

مکمل جلد ۳ سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا۔ انگریزی مجریہ لندن۔ قیمت صرف پانچروپیہ (صہ) رعایتی

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

سالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ و مولوی صدر الدین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

نمبر (۲)	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء

(۱) شذرات ... ۴۹ (۲) اسلام کی ایک سرگذشت ... ۶۹
(۳) توحید الٰہی کا کمال صرف اسلام میں ہے از بشارت احمد صاحب ۵۰ (۴) ... اسلامی
جنگوں کی ابتداء (۵) غرض البقرہ رکوع ۲۴ ... ۸۰ (۶) سال نو ... مسلم
(۷) ... عہدنامے کی عمر ۹۵

... لاہور سنہ ۱۹۱۶ء ... فروری ... خلیفہ ... صاحب ...

قیمت سالانہ تین روپے (۳)

وی پی وصول کنندگان اصحاب امور ذیل پر توجّہ فرمائیں

بعض وقت ہم کو وہ کوپن زر وصول شدہ وی۔پی کے ساتھ ڈاک خانہ سے محفوظ حالت میں نہیں ملتا۔ کہ جس پر وصول کنندہ کا نام اور پتہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ روپیہ تو ہمیں وصول ہو جاتا ہے۔ لیکن کوپن کے مذکورہ بالا نقص کے باعث ہمیں خریدار کا پتہ نہیں چلتا۔ اور دفتر سے آئیندہ رسالہ جاری نہیں ہو سکتا۔ ایسی شکایات کثرت سے آتی ہیں۔ اسمیں ہمارا قصور نہیں۔ اس نقص کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی صاحب وی۔پی وصول کریں۔ یا تو اُسی وقت ایک کارڈ سے ہمیں اطلاع بخشیں کہ انھوں نے وی پی وصول کر لیا۔ اور اپنا پتہ اور اسم گرامی خوشخط لکھدیں۔ یا اس وقت دُوسرے ماہ رسالہ نہ پہنچے تو فی الفور ہمیں اطلاع دیں کہ وہ قیمت تو دے چکے ہیں۔ لیکن رسالہ نہیں پہنچتا۔ عین عنایت ہوگی ٭

منیجر

اشاعت اسلام (عزیز منزل) احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

تصاویر نو مسلمانانِ لندن

ہم نے متعدّد تصویریں نو مسلموں کی وُوکنگ آفس لندن سے منگوائی ہیں۔ قیمت فی تصویر صرف ایک آنہ (۱ر) ہے

نوٹ:۔ محصولڈاک وخرچہ وی پی بذمہ خریدار۔ درجن کے خریدار کو ۲ر رعائت

مینجر اشاعت اسلام لاہور

ماہ دسمبر کے نومسلموں کی فہرست ذیل ہمارے ووکنگ کے دفتر سے موصول ہوئی ہے:-

۱- مس اسٹنڈ ...... اسلامی نام سعیدہ - مع ایک فرزند کے +

۲- مسز فریڈرک ..... " صدیقہ } مع ایک لڑکی اور دو لڑکوں کے +

۳- مسٹر فریڈرک ...... " فرید }

۴- مس سمتھ .... " عائشہ

۵- مس راڈمین ..... " صافیہ

گویا کل نو کا اضافہ ہؤا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک +

ان نومسلمین میں سے ایک خاتون بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ جن کا نام سب سے آخر پر ہے۔ وہ ووکنگ کے ایک امیر خاندان کی لڑکی ہیں۔ اور اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی

ان کی تعلیم و تربیت نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے۔ مس راڈبین کے والدین بھی اسلام کو بہت محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور خدا چاہے تو بیٹی کا اسلام لانا اُن کے لیئے بھی موجب ہدایت ہو۔ اس نوجوان خاتون کے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ لکھتے ہیں۔

"یہاں پر شکریہ کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں مکرمی ملک فیروز خان و مکرمی ملک سُلطان خان صاحبان کا ذکر کروں جو گذشتہ موسم سرما میں تعطیلات کے موقعہ پر چند ماہ کے لیئے اس خاندان میں آکر ٹھیرے۔ اور اُن کے اسلامی اخلاص کا نتیجہ یہ ہوُا کہ اس خاندان سے میرا بھی تعارف ہو گیا۔ وُہ مسجد میں آنے لگے اور مجھے بھی چند مرتبہ اُن کے ہاں جانے کا اتفاق ہوُا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ان دونوں نوجوانوں پر جو اس وقت کیمبرج اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں بڑے فضل کریگا۔ کیونکہ اُنھوں نے اعلےٰ اسلامی اخلاق کا نمونہ دکھا کر اس گھر کو گرویدہ کر لیا"۔

اگر ہم ایک نظر اسلام کی گذشتہ تاریخ پر ڈالیں اور یہ دیکھنا چاہیں کہ وُہ کون سے اسباب تھے۔ جنھوں نے دُنیا کو اسلام کا گرویدہ کر دیا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ وہ صرف اعلےٰ اسلامی اخلاق تھے۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی مُعجزات نے ہی عرب کو فتح کیا۔ اور ان لوگوں کو جو اپنا سرکسی انسان کے سامنے جھکانا پسند نہیں کرتے تھے آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ قرآن کریم اور احادیث کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کثرت سے مخلوق صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاق نے قوموں کی قوموں کو ان کا گرویدہ کر کے اسلام کے حلقہ بگوش بنا دیا۔ پھر اولیاء اللہ کے اخلاق فاضلہ نے ہی لاکھوں کی تعداد میں غیر مُسلموں کو اسلام کے شیدا بنایا۔ غرض اصل فتح اخلاق فاضلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر مُسلمانوں نے جب سے قرآن کو چھوڑا اخلاق فاضلہ سے بھی عاری ہوگئے۔ ورنہ جس قدر مُسلمان آج تک انگلستان اور دیگر ممالک میں جاتے رہے ہیں۔ اگر وہ اسلامی اخلاق دکھاتے تو آج اسلام کے متعلق یورپ میں عُلماء و فضلاء کی وہ رائے نہ ہوتی جو ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج تک مُسلمانوں نے اس بات کو سمجھا ہی نہیں کہ اُن کو اللہ تعالےٰ نے انسانیت کے اعلےٰ سے اعلےٰ مرتبہ پر کھڑا کیا ہے۔ اس لیئے وُہ بجائے اسکے کہ

دُوسروں کے معلّم بنتے اور اعلےٰ اسلامی اخلاق ان کو سکھاتے۔ خود معمولی باتوں میں دوسروں کی کاسہ لیسی اختیار کرتے ہیں۔ اور اس لیئے دُوسروں کی نظر میں ذلیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہزاروں مُسلمان جو ہر سال دیگر ممالک میں جاتے ہیں اسلام کے واعظ بن سکتے ہیں۔ اگر وُہ اپنے نفس پر قابُو رکھ سکتے ہوں اور اپنے عمدہ اخلاق سے دُوسروں کو متاثر کر سکیں +

گذشتہ ماہ کے قابل ذکر اُموریں سے مسجد ووکنگ میں ایک نکاح کا ہونا ہے۔ جسکو دیکھنے والا ایک بڑا بھاری مجمع مسلموں اور غیر مسلموں کا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد کے دروازہ سے لے کر پھاٹک تک جگہ خالی نہ رہی۔ اس عظیم الشان مجمع کی جو دعوت برنگ خطبہ نکاح مولوی صدرالدین صاحب نے قرآن و حدیث کے پاک ارشادات سنا کر کی۔ اسمیں سے چند باتیں بطور اختصار ذیل میں درج ہیں۔ اسلام نے کسقدر فضل کیا ہے اس نازک مخلوق پر جس پر ابھی تک مہذب دنیا میں بھی ظلم اور تعدّی روا رکھی جاتی ہے عیسائی ممالک میں جو عورت کی قدر نہ کی گئی اور اسکو گرجا کے مقدس مقام کے نزدیک نہ آنے دیا گیا۔ اور شادی کے پاک تعلق کو ناپاک سمجھا گیا۔ اس کی وجہ وُہ عقیدہ ہے جو بیعنوا تا ہے کہ گناہ عورت کے ذریعہ سے اس دُنیا میں آیا۔ اور ایک دانے کے چھُونے کی غلطی کو خدا تعالےٰ نے جس کو "وہ محبت ہی محبت ہے" کے الفاظ سے پکارا جاتا ہے معاف نہ کیا۔ جب تک مسیح کی قربانی اور اُس کے خون نے اس کے غصّے کی آگ کو فرو نہ کیا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر اس پاک رسم شادی کو جو نیکی اور طہارت کا منبع ہے۔ اور جس پاک تعلق کے نہ ہونے سے انسان بدکرداری میں پڑ جاتا ہے۔ عیسائی ممالک میں لوگوں نے راہبوں کی زندگی کو مقدس زندگی خیال کیا اور اس کے بدنتایج کو بھگت کر اس کی ایک فرقے نے اصلاح بھی کر لی۔ انجیل نے طلاق جیسے ضروری مسئلہ کو ناجائز قرار دیا۔ اجازت بھی دی تو صرف زنا کے ارتکاب پر اس سے جو ظلم عورتوں پر ہوا ہے وُہ یورپ سی مہذب دُنیا میں کوئی آکر دیکھے یا اُن کے اخبارات میں طلاق کے متعلق فیصلہ جات کا مطالعہ کرے دل کانپ جاتا ہے۔ کہ کس طرح میاں یا بیوی ایک دُوسرے پر زناکاری کا الزام لگاتے اور اُس کی شہادت مہیّا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ ربی۔ پھر رسول کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے جو رحمۃ للعالمین تھے دیکھا کہ عورتوں کو کوئی حق ورثہ حاصل نہیں ہے۔ حق ورثہ کیا اس مخلوق کے لیئے جائز رکھتے جبکہ

مذاہب نے فرقہ نساء پر سخت سے سخت الزام لگا دیئے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تھا۔ نہ انجیل نے کوئی ایسے قانون دیئے۔ اور نہ ہی اس وقت کی مہذب و روشن دماغ دنیا نے ان بیچاریوں کے لیئے کوئی حقوق قائم کیئے۔ پر قربان جائے جان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر جو حضورؐ نے اس نازک و بیکس حصۂ مخلوق کے لیئے ظاہر فرمائے پہلے اس بُنیاد کو لیا اور اُن آیات کو جو مسنون خطبہ میں پڑھی ہیں حضور بھی شادی کے خطبہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس میں صاف فرمایا کہ خلق منہا زوجہا۔ کہ مرد عورت کا جوڑا اسی قسم سے اسی نوع سے مخلوق کیا جیسا کہ لفظ منہا ظاہر کرتا ہے۔ جب دونوں ایک نوعیت رکھتے ہیں تو بھی ایک کو گنہگار قرار دینا یا ادنی مخلوق تصور کرنا غیر معقول بات ہے۔ دونوں خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں دونوں ضروری ہیں۔ دونوں ایک نوع سے ہیں۔ اس کے حضورؐ دونوں کا رتبہ برابر ہے۔ جیسا کہ دُوسری جگہ فرمایا من عمل صالحاً من ذکرٍ او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ۔ مرد ہو یا عورت عمل صالح سے خدا تعالےٰ کے حضور سے انعام پا سکتا ہے۔ نہ مرد کو اس کی خصوصیت ہے نہ ہی عورت اس کے دربار سے راندہ شدہ ہے۔ اسی طرح سے دیگر آیات ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے حضورؐ میں عورت مرد یکساں مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ اُن کے حقوق میں کمی جائز نہیں ٹھیراتا تو انسان کیوں ایسا کرنا جائز سمجھیں۔ انسان کو حکم دیا ولھن مثل الذی علیھن۔ عورتوں کے حقوق ہیں ویسے ہی جیسے کہ مردوں کے حقوق ان کے ذمہ ہیں۔ عورتوں کا لفظ پہلے رکھ کر اس پر زور دیا ہے اور اس زور کی حمایت کے معنے ہی یہی ہیں کہ عورتوں پر ظلم ہو رہا تھا۔ اور پھر فرمایا مردوں کے لیئے عورتیں لباس کا کام دیتی ہیں۔ ان کے بغیر وہ بدکار ہو کر اپنی برہنگی اپنی بدخلقی اور کج روی کو دُنیا پر ظاہر کر دیتے ہیں پس یہ مخلوق جس کے بغیر انسان روحانی اخلاقی اور تمدنی دُنیا میں برہنہ رہجاتا ہے کس قدر قدر کے قابل ہے فرمایا ھن لباس لکم الخ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو۔ یہاں بھی برابری حقوق کو مدنظر رکھا ہے۔ اور ھن لباس لکم کو پہلے رکھ کر پھر حمایت فرمائی ہے کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ پھر فرمایا جعل بینکم مودت و رحمۃ ہم نے تمہارے جذبات میں ایک دُوسرے کے لیئے مودۃ اور رحمت پیدا کر دی ہے۔ ان پاک جذبات کا نتیجہ شادی ہے۔ پس شادی پاک ہے۔ ان جذبات کو مدنظر رکھو۔ عورتوں کے ساتھ برتاؤ جتنا بھی ہو اسمیں مودۃ

اور رحمت کا رنگ پایا جائے اور پھر فرمایا ولا تنسوا الفضل بینکم آپس میں سلوک و احسان اور افضال کے طریق کو مت فراموش کرو اور پھر فرمایا عاشروا ھن بالمعروف عورتوں کے ساتھ سلوک نیکی و معروف پر مبنی ہو۔

ہماری سرکار حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسی نرمی و محبت اور احسان کے سلوک کیئے کہ سب کی سب حضورؐ کی مدح سرا ہیں۔ جس برتن سے اُن کی بیوی پانی پیتی اسی برتن سے اُسی جگہ مونھ رکھ کر حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتے۔ حضرت صفیہؓ جب اونٹ پر چڑھنے لگیں تو حضورؐ نے اپنا زانو پیش کیا۔ کہ اس پر قدم رکھ کر چڑھیں اور اپنی چادر کو تہ کرکے ان کے نیچے رکھا تاکہ ان کو آرام حاصل ہو۔ حضرت عائشہ کا ایک معمولی سا ہار ایک مہم میں گم ہو گیا تو کوچ کا حکم منسوخ فرمادیا تاکہ اس ہار کی تلاش کی جاوے۔ جب کبھی حضورؐ بکری ذبح کرتے تو اس میں سے گوشت کے ٹکڑے حضور خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بطور تحفہ بھیجتے تھے حضرت فاطمۃ الزہراؓ جب اپنے سسرال سے تشریف لاتیں تو حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُنکا استقبال کرتے اور بڑا اکرام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ غنیمت کا مال تقسیم کر رہے تھے تو حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں۔ حضورؐ کے پاس رپورٹ ہوئی۔ فرمایا اماں صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ سفید چادر بچھادی۔ اور ادب اور تعظیم کے ساتھ اس کو بٹھایا۔ غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ پر بہت ہی بڑا افضل کیا۔ نہ صرف لڑکیوں کا زندہ گاڑنا دور فرمایا۔ ان کو وراثت کا حقدار کیا۔ نہ صرف اُن کے حقوق کا تصفیہ کیا نہ صرف عورتوں کا اکرام اور صلہ رحمی کا لحاظ رکھا بلکہ فرمایا بہشت والدہ کے قدموں کے نیچے ہے اور بہت افسوس اُس شخص پر جس نے ماں یا باپ کو بڑھاپے میں پایا۔ اور جنت نہ حاصل کی۔ یعنی تواضع و خاطر سے۔

اس نمبر میں ناظرین ایک لمبا مضمون توحید پر پائیں گے جسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ توحید کا کمال اسلام میں ہی ہے۔ درحقیقت توحید کے مسئلہ کو پورے طور پر سمجھ کر ہی انسان حقیقی رنگ میں مسلم کہلا سکتا ہی۔ اس مضمون سے ایک مسلمان نہ صرف یہی سبق سیکھتا ہے کہ اسلام کی توحید کے مقابل دوسرے مذاہب میں توحید کی تعلیم کیسی ناقص ہی بلکہ اسمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کی عملی زندگی پر توحید کی تعلیم کا جو مدار نجات ہے۔ کیا اثر ہونا چاہیئے۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے حفاظت قرآن کا سلسلہ مضامین ہم ابھی

شروع نہیں کرسکے۔ مگر امید ہے انشاء اللہ جلد ہم اس وعدہ کو پورا کرنے کے قابل ہو جائینگے +

اِسلام کی ایک سرگذشت

نمبر ۲

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بتسلسل گذشتہ نمبر

لنٹ کہتا ہے :-

" کوئی واقعات ایسے نہیں جن سے ثابت ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بڑی دور اندیشی رکھنے والا انسان تھا۔ یا یہ کہ اُن کو دور کوئی صاف رہنمائی کرنے والا ستارہ نظر آتا ہو جس کی طرف وہ قدم اُٹھا رہا ہو "

مارگولیتھ لکھتا ہے :-

" یہ فرض کرکے کہ وہ اپنی اصلاح کی تجویز پر سالہا سال سے غور کر رہے تھے " ....

" یہ ان کی عادت تھی۔ کہ وہ اپنی تجویزوں کو اس وقت پیش کرتے تھے۔ جب وہ پختہ ہو جاتی تھیں۔ جو کام اُنھوں نے خود کرنا ہو وہ بہت سالوں سے اُن کے دل میں موجود ہوتا تھا "

" ہم زیادہ آسانی سے اس عقلمندی کی قدر اور تعریف کرسکیں گے جس کے ساتھ اُنھوں نے اپنا راستہ بنایا۔ اگر ہم صفائی سے اس مقصد کو مدنظر رکھیں جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو ایک طرف لے جا رہے تھے "

یہ عیسائی کس طرح ایک دوسرے کو جھوٹا بناتے ہیں۔ جب وہ نوجوان جو بچپن میں لنٹ کے خیالات سے متأثر ہو چکے ہونگے۔ کبھی آئندہ پروفیسر مارگولیتھ کے بیانات کو پڑھینگے تو پھر " رونا اور چلاّنا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا " پھر اس کے بعد دماغ میں یہ کشمکش پیدا ہوگی

کہ دو فاضل مصنفوں میں سے کس کی بات کو سچا مانیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ عقلمندی سے کام لے کر وہ اس صحیح نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ دونوں قابل اعتبار نہیں۔ اور خود تحقیقات کریں گے۔ تب اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نہ تو جیسا ایک عیسائی مصنف نے اُن کو بتایا تھا۔ ایسے جاہل تھے۔ کہ صفائی سے کسی معاملہ پر رائے قایم نہ کر سکتے ہوں۔ اور دُور اندیشی کے مادہ سے عاری ہوں۔ اور نہ وہ جیسا کہ دوسرا مصنف لکھتا ہے اس قسم کے منافقانہ چالبازیوں کے مرتکب تھے۔ کہ صرف اپنے اہل ملک پر ظاہری حکومت حاصل کرنے کے لیئے جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہوں نہ وُہ نعوذ باللہ من ذالک ایسے فقرے تھے۔ کہ شرُوع سے عرب کی حکومت اور بادشاہت انکا مطمع نظر ہو۔ بلکہ وُہ معلوم کرلیں گے کہ آپ شرُوع سے ایک پُر جوش مُصلح تھے۔ جن کے مدعا اور مقصد میں کوئی روک حایل ہوکر آپ کو اس سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ اور وہ مُدعا یا مقصد یہ تھا۔ کہ اپنی قوم کو بُت پرستی کی ذلت اور غلامی سے باہر نکالیں تمدن اور اخلاق میں اُن کو ترقی دیں۔ اور اُن کو خدائے واحد کی پرستش پر قایم کریں۔ وُہ معلوم کرلیں گے۔ کہ یہی وُہ مقاصد تھے۔ جو اُن کی زندگی میں غالب اثر رکھتے تھے اور آپ کے سب کام اُنہی اغراض سے وابستہ اور اُنہی کو مقدم کرنے والے تھے۔ یہی آپکے تمام خیالات کا مرکز تھے اور انہی کی تکمیل آپ کی ساری طاقتوں اور خواہشات کا منشا تھا۔ آپ انہی خیالات کے اندر ایسے مستغرق تھے۔ کہ تاج اور تخت اور ظاہری حکومت کو خیال میں لانے کے لیئے بھی آپ کے پاس وقت نہ تھا۔ بلکہ اُس وقت بھی تاج و تخت کی طرف آپ کی نگاہ نہیں گئی جب آپ کے للّٰہی جذبہ کے سامنے بُت پرستی کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں اور آپ کی ہمت بلند نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جب نہ صرف مذہب پر ہی ایک انقلاب عظیم آیا۔ بلکہ ہر ایک قسم کی ترقی نے قدم جمایا۔ اور ایک ایسی طاقت کا ظہور ہوُا۔ جس نے نسل انسانی کی آیندہ بہتری اور بہبودی پر ایک کامل اور قوی ترین اثر پیدا کر دکھایا +

کتاب کے اس حصّہ میں جہاں اسلامی طاقت کے پھیلنے اور عربوں کی سلطنت کے عروج اور زوال پر بحث ہے۔ تاریخی علم کی کمی اور تمدنی اصول سے ناواقفی نمایاں ہے۔ اس سارے حصّہ کے متعلق ہمارے ناظرین ذیل کے دو تین اقتباسات سے صحیح رائے قایم کرسکتے ہیں +

"مگر کثرت سے صوبجات میں عیسائیوں کو سول عہدوں پہ مقرر کرنے کی ممانعت تھی"
"مگر یہ شاذ و نادر ہوتا تھا کہ ارد گرد کے مسلمان عیسائیوں کو آرام سے رہنے دیں۔ دُکھ دینے والی اور ذلیل کرنے والی شرائط ان پہ عاید کی جاتی تھیں"
"ہسپانیہ کے عیسائی گرجاؤں اور راہب خانوں کے خزانے ایک ایسا ابتلا ثابت ہوئے جس سے مسلمان بچ نہیں سکے اور اس قسم کی مثالیں ابتدائی صدیوں میں بھی عام طور پہ پائی جاتی ہیں۔ کہ عیسائیوں کو اُن کے مذہب کی وجہ سے ایذا دی جاتی تھی۔ بلکہ جان سے بھی مارا جاتا تھا"
منقولہ بالا بیانات اس نیم دروغ اور نیم راستی کی مثالیں ہیں جن کا اثر خطرناک مگر جنکی تردید بھی سخت مشکل ہوتی ہے جس کو ٹنی سن نے بھی منظوم کیا ہے۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے طول طویل زمانہ میں کچھ ایسے بھی مگر بہت تھوڑے بادشاہ گذرے ہیں جنھوں نے مذہب اسلام کی بردباری کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ اور انھوں نے نہ صرف غیر مسلموں پہ بلکہ مسلموں پر بھی زیادتیاں کیں۔ مگر ان کی مطلق العنانی اور خود اختیاری کو سب سے بڑھ کر برا کہنے والے خود مسلمان علماء تھے لیکن ایک تاریخ کا طالب العلم کبھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ ظلم و تعدی اور مذہبی تعصب و عناد کی مثالیں اسلام کی تاریخ میں بہ نسبت کسی دوسرے مذہب یا دوسری قوم کی تاریخ کے بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اور کہ یہ عیسائی مذہب کی تاریخ ہے جو اس تاریکی دھبہ میں سب سے اوّل نمبر پہ ہے یعنی جس قدر مذہب کیخاطر یا عیسائیت قبول کرنیکی خاطر لوگوں کو عیسائی مذہب کے پیروؤں نے تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ اور دُکھ دیئے ہیں اور زندہ جلایا ہے اس قدر اور کسی مذہب نے ان افعال شنیعہ کا ارتکاب نہیں کیا ہسپانیہ کا محکمہ تحقیقات مذہبی اور صلیبی جنگوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کی جو خونریزی عیسائیوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہے وہ اسلامی تاریخ میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ اگر ہم پاگل مسلمان بادشاہوں نے جیسے متوکل (۸۴۷ - ۸۶۱) اور حاکم (۹۹۶ - ۱۰۲۱) غیر مسلموں پر ظلم روا رکھے تو انھوں نے مسلموں پر کم ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ مثالیں ایک لمبی مذہبی بردباری کی تاریخ میں استثنا ہیں نہ کہ عام قاعدہ۔ جیسا کہ عیسائی مصنف اپنے قارئین کو یقین دلانیکی کوشش کرتے ہیں۔ یہ باتیں اسلام یا اسکے کسی اصول کیوجہ سے نہ تھیں بلکہ محض بادشاہوں کی دماغی خراب حالت انکی اصل وجہ تھی اور اسلیئے مسلمان علماء نے کبھی ان باتوں کی تائید نہیں کی بلکہ ان دونوں بادشاہوں کے عہد حکومت میں بہت سے فاضلوں نے انکے احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا کیونکہ انکے احکام قرآن کریم کے احکام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف تھے۔

توحید الٰہی کا کمال صرف اسلام میں ہے

(از جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن کامل پور)

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ فاما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفواً احد۔ کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے +

واضح ہو کہ احد اسے کہتے ہیں جس میں دوئی کا کوئی بھی احتمال نہ ہو۔ نہ بلحاظ ذات کے نہ صفات کے نہ افعال کے اور نہ بلحاظ مستحق تعظیم و عبادت ہونے کے۔ پس فرمایا۔ کہ اللہ ایک اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا۔ اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرکت کے لیئے جو امور ہو سکتے ہیں وُہ یہی چار ہیں:-

۱- اوّل یہ کہ کسی چیز کی احتیاج ہو۔ مثلاً دیکھنے کے لیئے آنکھ یا روشنی کا محتاج ہو یا سننے کیلیئے کان یا ہوا کی حاجت ہو۔ یا پیدا کرنے کے لئے مادہ اور رُوح کی ضرورت ہو یا قیام کے لیئے کسی تخت کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں گویا خدا کی خدائی جب ہی چل سکتی ہے جب وہ تمام چیزیں جن کی اُسے حاجت ہے خدا کے ساتھ ساتھ موجود ہوں اور اس صورت میں وہ چیزیں خدا کے ساتھ شریک ٹھیریں گی۔ کیونکہ بغیر اُن کے خدا کی ہستی لاشئے اور بیکار محض ہے۔ پس اِسی لیئے فرمایا۔ کہ خدا بے احتیاج ہے۔ یعنے دیکھنے کے لیئے اُسے کسی چیز کی احتیاج نہیں نہ روشنی کی نہ آنکھ کی۔ بلکہ دیکھنا اس کی صفت ازلی ہے۔ اسی طرح سُننے کے لیئے نہ ہوا کی حاجت ہے نہ کان کی۔ بلکہ سُننا اُس کی صفت ازلی ہے۔ پیدا کرنے کے لیئے نہ مادہ و رُوح کی ضرورت ہے نہ ہاتھ اور کسی آواز کی۔ بلکہ پیدا کرنا اُس کی صفت ازلی ہے۔ اِسی طرح قیام اُس کی صفت ازلی ہے اور اُسے کسی تخت کی حاجت نہیں۔ پس توحید کے لیئے یہ ضروری ہے

کہ اُسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہو۔

۲۔ دوسرا امر جس سے شرکت پیدا ہؤا کرتی ہے۔ وہ کسی کو جننا ہے۔ جب کوئی خدا سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو۔ اور وہ خدا ہوگا اور شریک ہوگا۔ پس اس لیئے فرمایا کہ اُس نے کسی کو نہیں جنا۔ یعنے اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اسی لیئے کوئی اس کا شریک نہیں۔ گویا توحید کے لیئے یہ ضروری ہؤا کہ اس کے کوئی بیٹا نہ ہو۔

۳۔ تیسرا امر جس سے شرکت پیدا ہؤا کرتی ہے وہ کسی سے جنا جانا ہے۔ جب خدا کسی سے پیدا ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ اس کا باپ یا ماں ہو۔ اور وہ خدا بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہوگا۔ اور اسطرح شرکت لازم آئے گی۔ پس توحید کے لیئے ضروری ہؤا کہ خدا کسی سے جنا نہ گیا ہو۔

۴۔ چوتھا امر جس سے شرکت پیدا ہؤا کرتی ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ کوئی ہمسر ہو۔ جب کوئی خدا سے ہمسر ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ شریک ہو۔ پس فرمایا۔ کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ کیونکہ یہ توحید کے لیئے ضروری تھا۔

اس سورۃ شریف میں خدا کو احد فرما کر پھر شرکت کے لیئے جو چار امُور ہو سکتے ہیں یعنے احتیاج[۱] کسی کو جننا[۲]۔ کسی سے جنا جانا[۳]۔ ہم سری[۴]۔ ان سب سے خدا کی ذات اور صفات کو مبرا بتلایا ہے تا توحید حقیقی اور کامل حاصل ہو۔ کیونکہ اگر خدا کی صفات کے متعلق ان چار باتوں میں سے ایک کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو شرک لازم آجائے گا۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ پس اگر خدا ایک ہے۔ اور اُس کی ذات صفات افعال اور عبادت و تعظیم میں دوئی کا خیال شرک ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بے احتیاج۔ نہ کسی کو اُس نے جنا۔ اور نہ کسی سے وُہ جنا گیا اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ انہی صفات کے معاملہ میں آکر آریہ سماج نے ٹھوکر کھائی اور خدا کو مادہ اور رُوح کا محتاج گردان کر اُن کو بھی خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا۔ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا اور خدا کی ماں تسلیم کر کے شرک کی بُنیاد ڈالی۔ مجُوسیوں نے ایزد کا اہرمن کو ہمسر قرار دے کر توحید کی جگہ تثنیہ بنا لیا۔ اس لیئے توحید کے لیئے ضروری ہے کہ خدا میں یہ چار صفات ضرور بالضرور تسلیم کی جائیں۔ کہ وُہ بے احتیاج ہے۔ نہ کسی نے اُس کو جنا۔ نہ کسی سے وُہ جنا گیا۔ نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ اور یہی اس سورت کا منشاء ہے۔ خدا کو احد پیش کر کے آریہ سماج عیسویت اور مجوسیت کو رد کر دیا۔

اب احد کے متعلق مزید تشریح کے لیئے ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہاں تو توحید کو ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ ھو اللہ احد۔ لیکن سورۂ حشر میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الذی لا الہ الا ھو میں احد کی ہی مزید تشریح مدنظر ہے۔ یعنے اللہ تعالے وہ ذات یگانہ ہے بلحاظ اپنی ذات۔ صفات۔ افعال اور مستحق تعظیم وعبادت ہونے کے جس کے سوا کوئی معبود محبوب۔ مقصود و مطلوب۔ اور مطاع حقیقی نہیں۔ پس اسلام نے جو اپنی تعلیم کا نچوڑ لا الہ الا اللہ کو رکھا ہے تو دراصل یہ مذکورہ بالا مفہوم کو ہی اپنے پیرو کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے تا توحید کے کمال کو ایک مسلم حاصل کر سکے اور اپنے معبود و محبوب و مقصود و مطلوب و مطاع حقیقی خدا کے ساتھ نہ اُس کی ذات میں شریک ٹھیراوے اور نہ اس کی صفات میں۔ نہ اسکے افعال میں شریک ٹھیراوے۔ اور نہ اس کی تعظیم و عبادت میں ان چاروں مراتب توحید کو میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ توحید کامل کو تشریح کے لئے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) ذات میں توحید۔ (۲) صفات میں توحید۔ (۳) افعال میں توحید (۴) تعظیم و عبادت میں توحید۔ مذاہب باطلہ میں شرک ان ہی چار باتوں میں پایا جاتا ہے اس کی تفصیل مفصلہ ذیل ہے:۔

(۱) **ذات میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسکے بالمقابل بعض مذاہب باطلہ ذات میں شریک ٹھیراتے ہیں۔ مثلاً مجوس کہ وہ دو خدا مانتے ہیں۔ ایک نیکی کا خدا جسے وہ ایزد کہتے ہیں اور ایک بدی کا خدا جسے وہ اہرمن کہتے ہیں۔ عیسائی کہ وُہ تین خدا مانتے ہیں۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے نہ کسی کے سمجھ میں آیا نہ کبھی سمجھ میں آوے۔ کسی مشن کالج کا ذکر ہے۔ کہ بائیبل کے گھنٹے کے بعد ریاضی کا گھنٹہ تھا۔ بلیک بورڈ پر ایک ذہین لڑکا سوال حل کر رہا تھا۔ ایک رقم کو تین سے ضرب دینی تھی۔ اُس نے ضرب دے کر نیچے وہی رقم لکھدی جو اوپر لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اسے سہ چند نہیں کیا۔ بلکہ من وعن وہی رقم لکھدی۔ اس پر ریاضی کا پروفیسر ناراض ہوا۔ کہ تم کیسے احمق ہو کہ ضرب تین سے دیتے ہو۔ اور نیچے وہی رقم لکھدیتے ہو۔ اُس

لڑکے نے فوراً جواب دیا۔ کہ میں ابھی بائبل کے گھنٹے میں یہ پڑھتے چلا آرہا ہوں کہ تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے۔ پس جب ایک اور تین برابر ہیں تو میں نے بجائے تین کے ایک سے ضرب دیدی۔ اس پر وہ پروفیسر شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا " بائبل کا بات بائبل کے گھنٹے میں۔ اور ریاضی کا بات ریاضی کے گھنٹے میں " یعنی ریاضی کے مسلمہ معقول مسئلوں پر تثلیث فی التوحید ٹھیر نہیں سکتی۔ اسی طرح آریہ سماج نے بھی خدا کے ساتھ مادہ اور رُوح دو شریک فی الذات مانے ہیں۔ جو خدا کی طرح قائم بالذات اور ازلی ابدی ہیں اور اسطرح وہ بھی تثلیث کے پیرو ہیں نہ کہ توحید کے۔ سناتن دھرم تو علاوہ تین بڑے دیوتاؤں برہما۔ وشنو اور شیو کے تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے ماننے والے ہیں۔ اسلام ہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہکر دُنیا کو بتلاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔

(۲) **صفت میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ مثلاً خالق۔ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے ھل من خالق غیر اللہ۔ خدا کے سوا کون خالق ہے پس سوائے خدا کے کسی کو کسی چیز کا خالق ماننا شرک فی الصفات ہے۔ پھر قرآن کریم میں آیا ہے ربی الذی یحیی ویمیت۔ میرا رب وہ ہے۔ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے عالم الغیب والشھادۃ خدا غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ پس کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ مردے زندہ کیا کرتا تھا یا علم غیب رکھتا تھا۔ گویا صفات الٰہیہ میں شریک ٹھیرانا ہے یا حی وقیوم اور الاٰن کما کان جو خدا کی صفت ہے کہ اُس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اس صفت کو کسی دُوسرے کی طرف منسوب کرنا شرک فی الصفات ہے۔ اسلام نے لا الٰہ الا اللہ کہہ کر یہ فیصلہ کردیا۔ کہ الوہیت کی صفات رکھنے والا کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ وساوس گذریں کہ خدا کی بعض صفات میں ہم بھی شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ اگر دیکھتا ہے تو ہم بھی دیکھتے ہیں۔ اور وہ اگر سنتا ہے تو ہم بھی سنتے ہیں وہ اگر رحم کرتا ہے تو ہم بھی رحم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور نیز یہ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدیتا ہے۔ سو اسکا جواب مفصلہ ذیل ہے :-

یہ سچ ہے کہ خدا بھی دیکھتا ہے اور انسان بھی۔ خدا بھی سنتا ہے اور انسان بھی۔ اور خدا

بھی بولتا ہے۔ اور انسان بھی۔ علیٰ ہذالقیاس صفات الٰہیہ میں سے ہر ایک کا پرتو انسان اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر باوجود اس کے خدائی صفات سے اُسے کوئی نسبت نہیں۔ الوہیت اور بشریت کے درمیان لیس کمثلہٖ شیءٌ کی دیوار کھڑی ہے۔ یعنے کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ انسان کے دیکھنے اور سُننے کی خدا کے دیکھنے اور سننے سے کوئی مماثلت نہیں ہوسکتی۔ انسان کے دیکھنے کیلئے آنکھ اور روشنی کی ضرورت ہے۔ پھر جسے دیکھتا ہے اُس کا حدِ نگاہ کے اندر ہونا ضروری ہے۔ پھر درمیان میں حجاب بھی کوئی نہ ہو۔ پھر قوت بصارت ایک حد کے اندر محدود۔ مگر بالمقابل اسکے خدا کا دیکھنا کچھ اور ہی رنگت رکھتا ہے۔ نہ وہاں آنکھ کی ضرورت نہ روشنی کی حاجت۔ کوئی چیز کتنی ہی محجوب کیوں نہ ہو قریب ہو یا بعید۔ پوشیدہ ہو یا ظاہر وہاں سب کچھ یکساں ہے۔ جسے ہم حاضر و ناظر سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس بصیر انسان بھی ہے اور خدا بھی۔ مگر دونوں میں مماثلت قطعاً کوئی نہیں۔* ایک کو کان اور ہوا کی ضرورت۔ حد شنوائی کے اندر آواز کا ہونا ضروری۔ دوسرے کو کسی کان اور ہوا کی ضرورت نہیں۔ کوئی کہیں بھی ہو وہ اس کی آواز سنتا ہے پس جو کوئی انسان کو خدا کی طرح سمیع سمجھ کر پکارتا ہے وہ مشرک فی الصفات ہے۔ اسی طرح خلق کرنا کچھ تھوڑا بہت انسان بھی کیا کرتا ہے جسے ہم بنانے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ایک حد کے اندر یعنے ہاتھ پاؤں ہوں اوزار ہوں۔ مادہ ہو۔ تو وہ کچھ جوڑ جاڑ لیتا ہے۔ مگر خدا کا خلق کچھ اور ہی رنگت ہے۔ وہاں نہ ہاتھ پاؤں کی ضرورت نہ اوزار کی ضرورت نہ مادہ و رُوح کی ضرورت نہ خلق کی کوئی حد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے خالق کل شیءٍ۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ یخلق مایشاء۔ جو چاہا پیدا کرلیا۔ اب دونوں کے خلق کو دیکھو تو کوئی مماثلت نہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں جو فرق ہے۔ اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ ہر ایک مانتا ہے اور جانتا ہے۔ خدا بھی پرندے بناتا ہے اور انسان بھی مصنوعی پرندے بناتا ہے جو کھلونوں کی دوکانوں پر بکتے ہیں ان دونوں خلق میں کوئی مماثلت نہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان مورت۔ ایک کچھ اور ہے دُوسرا کچھ اور ہے مگر اب کوئی کہے کہ نہیں انسان بھی ایسے ہی جاندار پرندے جیسے خدا نے بنائے ہیں بنا سکتا ہے تو یہ مماثلت ہو جائے گی اور شرک فی الصفات ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے:۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہٖ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیءٍ وھو الواحد القہار۔

* نزدیک جانے کے۔ مثلاً کسی انسان کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی ہو۔ خدا کی طرح دیکھنے والا یعنے حاضر و ناظر مانا جائے تو یہ شرک ہو جائے گا۔ اسی طرح سنتا انسان بھی ہے اور خدا بھی۔ مگر دونوں میں مماثلت کوئی نہیں۔

کیا یہ لوگ خدا کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں۔ جنھوں نے پیدا کی مخلوق خدا کے پیدا کرنے کی مانند۔ پھر ان لوگوں پر دونوں مخلوق بوجہ مشابہت کے مشتبہ ہوگئی ہے۔ کہدے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ اکیلا اور غالب ہے۔ جب خدا اور انسان کے خلق میں مماثلت ہوجائے اور مخلوق میں بوجہ مشابہت کے امتیاز نہ باقی رہے تو پھر توحید کہاں رہی صاف شرک ہوگیا۔ پس انسان جو صفات رکھتا ہے۔ وہ گو صفات الٰہیہ کا پرتو ہوں مگر صفات الٰہیہ سے اس کو کوئی نسبت اور مماثلت نہیں۔ صفات الٰہیہ کے ساتھ کسی دوسرے کی صفات کو مماثلت دینا یعنے کسی صفت کو اُسی رنگ میں غیر اللہ میں ماننا جس رنگ میں کہ وہ خدا میں موجود ہے۔ شرک فی الصفات ہے۔

دوسرا وسوسہ یہ تھا۔ کہ خدا اپنی مرضی سے کسی کو اپنی صفت دیدے۔ یہ خیال جیسا کچھ لغو ہے وہ ظاہر ہے۔ مطلب یہ کہ خدا اپنی خدائی کو کسی وقت دوسرے کو دیدے اور اپنا شریک آپ پیدا کرلے۔ حالانکہ احد صفت کسی شریک کو دوامی یا عارضی کسی طور پر بھی قبول نہیں کرتی۔ وہ توحید جس کے لیئے خدا اپنے تمام نبیوں کو بھیجتا رہا ہے۔ وہ اس طرح گویا خدا کبھی خود بھی مٹا دیا کرتا ہے۔ اسلام جو خدا کی صفات کو ازلی و ابدی مانتا ہے ایسے خیال کو رد کردیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واللہ فضل بعضکم علی بعضٍ فی الرزق فما الذین فضلوا برآدی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواءٌ افبنعمۃ اللہ یجحدون۔ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔ تو جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کو لوٹا کر اپنے نوکروں غلاموں کو نہیں دیدیا کرتے کہ سب روزی میں برابر ہوجائیں۔ پس کیا خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہو۔ یعنے جب تم نہیں پسند کرتے کہ وہ چیزیں جن سے تمہاری فضیلت ہے۔ (حالانکہ وُہ فضیلت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے کوئی تمہاری ذاتی نہیں) اپنے غلاموں کو دے کر اُن کو اپنے ساتھ مماثلت پیدا کرنے کا موقع دو۔ تو پھر خدا کے لیئے یہ کیوں روا رکھتے ہو۔ کہ وہ اپنی صفات کو جن سے الوہیت کی نشان نظر آتی ہے بندے کو دے کر اسے اپنے ساتھ مثیل بنادے اور اس طرح اپنی الوہیت میں غیر کو شریک ٹھیرادے۔ اور الوہیت اور عبودیت کی حد فاصل کو توڑدے خدا کی نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ دیکھو تمام نعمتیں خدا سے آتی ہیں۔ بندہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں پہنچانے والا ہوتا ہے۔ دینے والا وہ آپ ہی ہوا کرتا ہے ✦

(۳) **افعال میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا کے فعلوں میں بھی کوئی شریک نہیں
اس جگہ دھوکا یہ لگا کرتا ہے۔ کہ انسان اسباب کو خدا کے فعلوں میں شریک سمجھتا ہے مثلاً قرآن
کریم میں ہے واذا مرضت فهو یشفین اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔
ھو یطعمنی و یسقین وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ ایک شخص دھوکا کھاتا ہے کہ شفا میں تو دوا
اور طبیب کا بھی ہاتھ درمیان میں ہوتا ہے اور کھلانے اور پلانے میں تو افسر جس کی ملازمت
کی جائے یا تجارت یا صنعت و حرفت اور خود انسان کی محنت سب کا پاؤں درمیان میں
ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ در اصل یہ اسباب ہیں شفا کے اور رزق کے جن کا اصلی مسبب خدا
تعالےٰ ہوتا ہے۔ یعنی اسی فاعل حقیقی کے افعال ہیں اور اسی کی مشیت کے ماتحت چلتے ہیں۔
کسی کامیابی کی صورت دیکھنے کے لیئے ان تمام اسباب کا جمع کرنا اور ان سے خاطر خواہ نتیجہ نکالنا
یہ سب خدا کے افعال ہیں۔ جن میں کوئی شریک نہیں۔ مثنوی مولینا روم کی ایک مثال سے یہ مسئلہ
خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔ ایک دفعہ کوئی شخص لکھ رہا تھا۔ کاغذ پر کچھ چیونٹیاں تھیں اُن میں آپس
میں قیل و قال شروع ہوگئی ایک نے کہا دیکھو قلم کیا اچھا لکھ رہی ہے۔ دوسری نے کہا قلم نہیں
لکھ رہی ہے۔ بلکہ انگلیاں لکھ رہی ہیں۔ تیسری نے کہا انگلیاں نہیں بلکہ ہاتھ لکھ رہا ہے چوتھی
نے کہا ہاتھ نہیں بلکہ کلائی لکھ رہی ہے۔ پانچویں نے کہا کلائی نہیں بلکہ دماغ لکھ رہا ہے جسکے
ارادہ کے ماتحت یہ تمام لکھنے کے سامان جمع ہوئے اور لکھنا شروع کیا گیا۔ پس خدا کے ارادہ
کے ماتحت اسباب جمع ہوتے اور اُن سے نتیجہ نکلنا اور کل کارروائیاں ہوتی ہیں اور وہ افعال
الٰہیہ کہلاتے ہیں اور اُن میں کسی کی شرکت نہیں ہوتی جنجیں تم شریک سمجھتے ہو وہ در اصل کلائی
اور ہاتھ اور قلم کی طرح اوزار ہیں جو محض مشیت الٰہی کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ پس خدا کے
ساتھ کسی اور کو شافی اور رزاق سمجھنا شرک ہے۔ توحید فی الافعال سے اسباب پرستی کی جڑ تا
کٹ جاتی ہے۔ انسان کو ایک حد تک بیشک وسعت اور مقدرت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی
مشیت الٰہی کے ماتحت دیگئی ہے۔ اور جتنی وسعت دی گئی ہے اتنا ہی وہ مکلف ہے جیسا
کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها سے ظاہر ہے۔ پس اپنی وسعت کے مطابق اسباب سے
کام لینا عین منشائے الٰہی ہے۔ اور اس کے فضل کے دروازے کو کھٹکھٹانا ہے۔ اسباب سے

کام لینا در اصل خدا کے فضل کو تلاش کرنا ہے کہ کس راہ سے آتا ہے۔ اِن اسباب کو فاعل حقیقی سمجھنا اور اُن پر بھروسہ کرنا شرک فی الافعال ہے۔ اسباب سے کام لو۔ مگر بھروسہ خدا پر کرو۔ اور فاعل حقیقی خدا کو ہی سمجھو۔ اسی لیئے اسلام نے لا الہ الا اللہ میں یہ سمجھایا۔ کہ کوئی ذات تصرف کامل اور تام رکھنے والی نہیں۔ سوائے اللہ کے (الٰہ کے معنے متصرف کامل کے بھی ہیں)۔ اسی طرح کسی چیز کو خدا کے سوا نفع اور نقصان دینے والی اپنی ذات میں سمجھنا یہ بھی شرک فی الافعال ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ فلا تخشوھم واخشونی پس کسی سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ کیونکہ منبع تمام فیوض کا میں ہوں اور ہر ایک نقصان جو پہنچتا ہے وہ میرے اذن کے بغیر نہیں پہنچتا پس خدا کے مقابلہ میں قوم۔ برادری۔ بیوی۔ دنیوی عزت و وجاحت۔ اولاد۔ مال۔ خواہشات نفسانی کو مقدم کرنا یہ تمام شرک فی الافعال کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں نفع و نقصان دینے والی خدا کے سوا۔ یہ چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ خدا تعالے فرماتا ہے۔ وان یمسسك اللہ بضر فلا کاشف له الا ھو وان یردك بخیر فلا راد لفضله۔ اور اگر اللہ تجھی کوئی نقصان پہنچائے تو اُسی کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اُس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ اسی طرح حرام اور حلال ٹھیرانا یہ خدا کا فعل ہے۔ چنانچہ جو اپنی مرضی سے حرام حلال ٹھیراتا ہے وہ اپنے تئیں خدا کے فعلوں میں شریک ٹھیراتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جب یہ آیت یہود کی نسبت نازل ہوئی۔ کہ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللہ۔ کہ اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے سوا رب پکڑتے ہیں۔ تو یہود نے کہا ہم تو رب نہیں مانتے۔ اس پر رسول کریم صلعم نے فرمایا کیا تم اپنے علماء اور مشائخ کے حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کی تقلید نہیں کرتے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا یہی رب پکڑنا ہے کیونکہ کسی چیز کا حلال کرنا یا حرام کرنا یہ خدا کا فعل ہے۔ اور علماء اور مشائخ کے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کردینے پر اس کی تقلید کرنا یہی شرک ہے +

(۴) **تعظیم و عبادت میں توحید**۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت اور تعظیم میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نہ نفس کو اور نہ مخلوق کو غیر اللہ میں دو ہی چیزیں ہیں مخلوق اور نفس پس خدا کی عبادت اور تعظیم میں ان دونو میں سے کوئی بھی شریک نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا ولا یشرك

بعبادۃ ربہ احداً یعنے خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ پھر فرمایا افرئیت۔ من اتخذ الٰھہٗ ھونہ واضلہ اللہ علی علم الخ یعنے کیا دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے اپنے نفس اور اُسکی خواہشات کو معبود بنایا اور خدا نے باوجود اُس کے علم کے اُسے گمراہ قرار دیا الخ۔ یہاں صاف بتایا خواہ کتنا ہی عالم ہو۔ اگر نفس اور اُس کی خواہشات کو معبود بناتا ہے وہ گمراہ ہے۔ پس مخلوق اور نفس کو ہرگز خدا کے ساتھ معبود نہ بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔ کہدے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور میں اسی بات کے لیئے حکم کیا گیا ہوں اور میں سب سے بڑھ کر کامل اور سب سے پہلے خود فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ اس میں چار باتیں بتائی ہیں:-

(ا) میری نماز اور دعا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میرا کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں جو لا الٰہ الا اللہ کا مقصد ہے۔ یعنے میں سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کسی سے دُعا مانگتا ہوں اور نہ مدد چاہتا ہوں۔ اس سے تمام بتوں اور دیوی دیوتاوں کی پوجاؤں اور درختوں اور خانقاہوں اور قبروں اور تعزیوں اور ولیوں اور نبیوں سے استمداد اور دُعا کا خاتمہ ہو گیا۔ اور نیز ریاکاری جڑ سے اُکھڑ گئی۔ کیونکہ ریا میں خدا کے ساتھ دوسرے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ اُس وقت عبادت کا مقصد محض خدا نہیں ہوتا بلکہ کسی دُوسرے انسان کو دکھانا بھی منظور ہوتا ہے اور اس طرح یہ شرک فی العبادۃ ہوتا ہے۔

(ب) میری عبادتیں اور قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ اِس سے تمام نذر و نیاز بھینٹ اور قربانیوں کا جو بتوں یا دیوتاؤں یا پیروں یا ولیوں یا شہدا کے نام پر دیجاتی یا خانقاہوں اور قبروں اور بتوں اور درختوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ خاتمہ ہو گیا۔ غرضکہ غیر اللہ کے نام کی تمام نیازیں حلوے مالیدے گھنگھنیاں سب پر جھاڑو پھر گیا۔ اور قربانی کے اندر جہاں خدا کے سامنے تمام غیر اللہ کی نفی کر دی۔ وہاں اپنے نفس پر بھی چھری پھیر دی۔ کیونکہ قربانی تو جبھی کامل ہو سکتی ہے۔ جب سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ قربانی جب تک محبت نہ ہو نہیں ہو سکتی۔ اور جس قدر محبت زیادہ ہو گی اُتنا ہی قربانی کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔ دُنیا میں محبت کے مختلف مراتب ہیں

ادنیٰ محبت کو اعلےٰ پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مال سے بھی محبت ہوتی ہے۔ جان سے بھی۔ عزت سے بھی مگر محبت کے مراتب کے مطابق قربانیاں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ مال جان پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اور جان عزت پر۔ قرآن کریم میں فرمایا امنوا اشد حبا للہ یعنے مومن کی سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ محبت تو دنیا میں فطرتی طور پر علیٰ قدر مراتب سب سے ہوتی ہے۔ یہ منع نہیں مگر سب سے زیادہ شدید محبت اللہ ہی سے ہونی چاہیئے۔ تاکہ وقت پر جو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کے لیئے انسان دوسری تمام چیزوں کو جو اس سے ادنےٰ درجہ محبت کا رکھتی ہیں قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ پس فرمایا کہ میری تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں یعنے محبت الٰہی میں اسقدر مٹا ہوا ہوں۔ کہ سب کچھ ہی اُس کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ کیا مخلوق اور کیا نفس سب کچھ قربان ہے۔ مخلوق کی قربانی میں جہاں مال و دولت عزت۔ قوم برادری وطن۔ اہل و عیال حکومت۔ سلطنت سب کچھ قربان ہو گئے۔ وہاں نفس کی قربانی میں اپنی جان اور تمام خواہشات نفسانی اور سب سے بڑھ کر کبر پر چھری پھر گئی۔ کیونکہ کبر بھی نفس کی پرستش ہوا کرتی ہے۔ پس اس بات سے کہ تمام قربانیاں اللہ کے لیئے ہیں۔ یہ نتیجہ نکلا۔ کہ سب سے بڑھ کر محبوب اللہ ہے جو لا الہ الا اللہ کا مقصود ہے +

(ج) میرا جینا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنے میں تو خدا کے لیئے جیتا ہوں۔ یعنے میری تمام زندگی کا مقصود و مطلوب نہ مال ہے نہ اولاد۔ نہ حکومت ہے نہ سلطنت۔ نہ عزت ہے نہ وجاہت۔ نہ عیش ہے نہ لذت۔ بلکہ صرف خدا اور یہی لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے۔

(د) اور میرا مرنا اللہ کے لیئے ہے۔ یعنی میں خدا کی فرمانبرداری میں یہاں تک مٹا ہوا ہوں کہ اسکی اطاعت کے لیئے جان تک دینے میں دریغ نہیں اور اسی پہ میرا خاتمہ ہوگا۔ اور میں اپنی تمام خواہشوں کو اور تمام ارادوں کو اُس کے لیئے فنا کر چکا ہوں اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق ہوں۔ اور خدا کے ہاتھ میں بیجان کی طرح ہوں۔ پس میرا مطاع سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اور اس کی فرمانبرداری کو یہاں تک کمال پر پہنچا چکا ہوں۔ اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشات کو اُسکی فرمانبرداری کے لیئے یہاں تک کھو چکا ہوں۔ کہ گویا میں اُس کے لیئے مر گیا ہوں۔ اور میں مثل ایک بے جان آلہ کے خدا کے ہاتھ میں ہوں جس طرح چاہے کام لے اور یہی لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ لا الہ الا اللہ جو توحید کا لب لباب ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے

کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرف کامل یا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع نہیں سوا اللہ کے۔ مگر یاد رہے جب تک عقیدہ اور ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں کیا اس بات کو صرف مان لینے سے کہ روٹی سے پیٹ بھرتا ہے یا پانی سے پیاس بجھتی ہے۔ کسی کا پیٹ بھر جایا کرتا ہے یا پیاس بجھ جایا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں تو پس توحید کے محض مان لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جب تک اُس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ چنانچہ اسی لیئے قرآن کریم میں لاشریک لہ وبذالک امرت کے ساتھ وانا اول المسلمین فرمایا۔ یعنے خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اور اسی کے لینے میں حکم دیا گیا اور مامور کیا گیا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے خود کامل طور پر فرمانبرداری کرنے والا ہوں۔ یعنے توحید پر میرا پورا پورا عملدرآمد ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنے عمل سے یہ سب کچھ ثابت کیا۔ خود بھی محض خدا کی عبادت کی اور اُسی کی عبادت کو دُنیا میں اپنے نمونہ سے قایم کیا۔ اور تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کر دیا اور خدا کے لیئے وہ قربانی کی جس کی مثل دُنیا نہیں پیش کر سکتی۔ خدا کی محبت میں وطن خویش و اقارب سب کچھ چھوڑا۔ کفار مکہ مال و دولت عزت سلطنت۔ خوبصورت بی بیاں سب ہی کچھ تو پیش کرتے تھے۔ تا آپ توحید کی تبلیغ سے باز آجایں مگر آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ اور خدا کی خاطر سب پر چھری پھیر دی۔ ہر قسم کے دُکھ اور تکلیفیں اور سختیاں محض خدا کی خاطر برداشت کیں۔ اور جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اور دُنیا کو دکھا دیا۔ کہ اس طرح خدا کو محبوب بنایا کرتے ہیں۔ پھر آپ کی تمام زندگی کا مقصود و مطلوب دیکھ لو۔ خدا ہی تھا۔ سوا رخدا کے نام کی تسبیح و تقدیس اور اسی کی بڑائی ظاہر کرنے کے آپ کو کوئی کام نہ تھا۔ جس پر آج تک اذان پانچ وقت شہادت دیتی ہے۔ پھر آپ خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری میں یہاں تک فنا ہوئے ہوئے تھے۔ کہ ماینطق عن الھوٰے ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا خطاب بارگاہ احدیت سے مل گیا۔ یعنے آپ کا قول و فعل سب کا سب خدا ہی کے ارادہ اور منشا کے ماتحت اور مطابق تھا۔ پس صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ گویا لا الہ الا اللہ کی عملی صورت ہے۔ جو لا الہ الا اللہ کو مان کر اس پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ اسطرح عمل کرے۔ جس طرح پر آنحضرت صلعم نے عمل کیا یعنے عمل سے خدا ہی کو اپنا معبود و محبوب و مطلوب و مقصود و مطاع بناوے جس طرح آپ نے بنایا۔ چنانچہ آپ کی نسبت خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ اور بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ کسی بات پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہ ہو عمل ٹھیک ٹھیک ہونا ناممکن ہوا کرتا ہے۔ آنکھ بنانا علم جراحی کی کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر جب تک کسی کو بناتے ہوئے نہ دیکھے آنکھ بنانی نہیں آتی۔ اسی طرح تمام کاموں کا حال ہے نمونہ کے بغیر کسی کام کا ٹھیک ٹھیک کر لینا ناممکن امر ہے۔ اس لیئے توحید پر عمل کرنے کے لیئے نمونہ اللہ تعالےٰ نے رسُول کو پیش کیا۔ کہ آپ توحید کا کامل ومکمل علمی نمونہ ہیں۔ اور ایسا نمونہ جو خدا کو نہائت محبوب ہے چنانچہ فرمایا کہ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ میرے نمونہ پر چلو۔ خدا کے محبُوب بن جاؤ گے۔ پس رسُول کو بہترین اور محبُوب ترین نمونہ بنا کر پھر نمونہ کو آپ کی ذات سے مخصوص کرنے کے لیئے قرآن کریم میں محمد رسول اللّٰہ فرمایا۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ وہ رسُول جس کا نمونہ ہمیں پسند اور پیارا ہے وہ محمد ہے صلعم۔ پس توحید کی پوری تعریف یوں ہوئی۔ کہ کوئی خدا یا کسی صفت الوہیت سے موصوف یا متصرف کامل یا معبود ومحبوب و مطلوب ومقصود ومطاع نہیں سوا اللہ کے۔ کیا بلحاظ عقیدہ کے اور کیا بلحاظ عمل کے جس کے لیئے بہترین ومحبُوب ترین نمونہ محمد رسُول اللہ صلعم ہے۔ اس کا عربی زبان میں ترجمہ یوں ہوا۔ کہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (صلے اللہ علیہ وسلم)

توحید پر دلائل۔ دو قسم ہیں۔ ایک عقلی دوسرے الہامی۔ (۱) عقلی دلیل۔ یہ صدہا ہیں۔ مگر اختصار کے لیئے ان میں سے میں ایک پر یہاں اکتفا کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تمام کارخانہ عالم کو دیکھ کر یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کا بنانے والا اور تمام نظام کو ایسی ترتیب اور عمدگی کے ساتھ چلانے والا اور تمام قوانین قدرت کا مقنن ایک ہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا۔ اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو آسمانوں اور زمین میں فساد لازم آتا اور دونو تباہ ہو گئے ہوتے۔ اس تمام کائنات کا صحیح نظام اور ایک ہی قسم کے قوانین کے اندر مقید ہونا خواہ حجم اور مکان میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ ثابت کرتا ہے۔ کہ ایک ہی مقنن اور ایک ہی حکمران اور ایک ہی بنانے والا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ ہونے میں اختلاف قوانین ہوتا۔ اور قوانین کے اختلاف سے نظام عالم کبھی

برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کی تفصیل تو ایک کتاب چاہتی ہے۔ مگر میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی پادری نے بھی لکھا تھا۔ کہ قیامت میں ایسی قوموں سے جہاں تبلیغ نہیں پہنچی۔ اگر کوئی سوال ہوگا تو وہ توحید کے متعلق ہوگا۔ کیونکہ قوانین قدرت اور نظام عالم توحید ہی کی تائید کرتا ہے۔ پس ہمیں تثلیث کی بہت تبلیغ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عقل اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ قومیں جن تک یہ نہیں پہنچا بازپرس کے نیچے نہیں آسکتیں۔ یہ ہے پادری صاحب کی اقبالی ڈگری۔ جو انھوں نے توحید کو اپنے ہاتھ سے دی۔ اور ثابت کیا کہ توحید نظام عالم سے ثابت اور عین عقل کے مطابق الہامی دلیل۔ دنیا کے تمام نبی خواہ وہ کسی ملک یا کسی زمانہ میں ہوئے توحید کا ہی وعظ کرتے رہے۔ اور یہی اُن کا مقصد رسالت رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے۔ مگر ان سب میں محمد رسول اللہ صلعم ایسا عظیم الشان نبی اور رسول آیا جس نے نہ صرف اپنے الہام اور وعظ سے ثابت کیا۔ کہ توحید حق ہے۔ بلکہ آپ کی زندگی اور سوانح عمری ہمیشہ کے لیئے توحید پر دلیل قائم کر گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی۔ اُس وقت دنیا شرک میں مستغرق تھی جیسا ظھر الفساد فی البر و البحر سے ظاہر ہے کہ خشکی و تری سب بگڑ چکی تھی۔ اور ہر طرف معبودان باطلہ کی پرستش ہو رہی تھی۔ کہیں لات و منات عزیٰ و ہبل کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں کہیں قبیلہ قبیلہ کے بت جدا تھے۔ کہیں مسیح کی پرستش ہو رہی تھی تو کہیں علماء اور مشایخ کو معبود بنایا ہوا تھا۔ کہیں عناصر پرستی تھی تو کہیں اسباب پرستی۔ کہیں دنیا پرستی تھی تو کہیں نفس پرستی۔ غرض کہ کوئی چیز نہ تھی جو شریک خدا نہ ٹھیرائی گئی ہو۔ کواکب عناصر۔ بُت ٹھاکر۔ دیوی دیوتا۔ فرشتے۔ اولیاء۔ انبیاء۔ علماء۔ مشایخ۔ دُنیا و اسباب دنیوی مال۔ اولاد۔ قوم۔ جماعت جتھا۔ قوت۔ حکومت۔ سلطنت۔ نفس و خواہشات نفسانی وغیرہ یہ تمام بُت تھے۔ جن کی پرستش ہو رہی۔ آپ نے اُن تمام بتوں کو دور کرنا چاہا اور ایک خدا کی پرستش کا وعظ کیا۔ اس پر ان بتوں کے پجاریوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ پہلے تو انھوں نے لالچ دے کر چاہا۔ کہ آپ کو تبلیغ حق سے روک دیں۔ مگر جب اس میں اُنھیں کامیابی مطلق نہ ہوئی تو پھر مخالفت کرنی شروع کی اور چاہا کہ اپنے بتوں کے زور سے آپ کو نیست و نابود

کردیں۔ کسی نے بتوں کے آگے دُعائیں کیں۔ کسی نے ناک رگڑی۔ کسی نے چلے کھینچے۔ کسی نے ٹونے ٹوٹکے اور جادو سے کام لیا۔ کسی نے علماء و مشائخ کو آگے کیا۔ بہتوں نے قوت و دولت وجاہت وحکومت کے بتوں سے استمداد چاہی۔ اور اس طرح اپنے تمام بتوں سمیت رسول اللہ صلعم کے مقابل اکھاڑہ جمایا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔ کہدے۔ اے وہ جو انکار کر رہے ہو جن کی تم عبادت کر رہے ہو اُنکی میں عبادت نہیں کرتا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جنکی تم عبادت کر رہے ہو ان کی میں ہرگز عبادت نہیں کرنے لگا۔ اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے اس کی تم عبادت نہیں کرنے لگے۔ پس اب انجام کو دیکھو کہ ہم دونوں کو کیا بدلہ ملتا ہے کیونکہ تمہیں اپنے کیئے کا بدلہ ملے گا اور مجھے اپنے کیئے کا بدلہ۔ دیکھو کہ کون کامیاب ہوتا ہے کس کا معبود سچا قادر ثابت ہوتا ہے اور کس کے معبود جھوٹے اور عاجز ثابت ہوتے ہیں گویا پرستاروں کی فوج لڑے گی اور معبودوں میں سے جو سچا اور قادر اور مالک الملک ہے اُسی کی فتح ہوگی اور اسی کی قدرت کا ظہور ہوگا۔ پھر اس لڑائی کا انجام بتلایا۔ کہ قل جاء الحق وزھق الباطل انا الباطل کان زھوقا۔ کہدے حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بے شک باطل بھاگنے والا تھا۔ صاف فرمادیا کہ حق آگیا اور اب باطل بھاگ جائیگا حق کی پرستش ہوگی اور معبودان باطلہ مٹائے جائیں گے۔ اب کیا ہوتا ہے؟ سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ رسول کرصلعم کو اور آپ کے صحابہ کو دکھ دیا جاتا ہے ستایا جاتا ہے۔ وطن سے نکالا جاتا ہے۔ قتل کی تدبیریں ہوتی ہیں۔ اور دنیاں میں جس قدر تدبیریں قتل کی ہوسکتی ہیں وہ سب کی سب رسول کریم صلعم کے قتل کرنے کے لیئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ تنہائی میں قتل کر دینا۔ سوتے میں قتل کر دینا۔ سجدے میں قتل کر دینا۔ دھوکا دے کر قتل کر دینا۔ بلوہ کر کے قتل کر دینا جنگ میں قتل کر دینا۔ گلا گھونٹ کر قتل کر دینا۔ زہر دے کر قتل کر دینا یہ تمام صورتیں قتل کی آپ کے ساتھ برتی گئیں۔ مگر آپ کو اللہ تعالےٰ نے واللہ یعصمک من الناس کے وعدے کے مطابق محفوظ رکھا۔ مخالفوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس پر بھی صبر نہ آیا تو مدینہ

جہاں آپ تشریف رکھتے تھے اس پر چڑھائی کر دی۔ پھر جنگوں کی نازک حالت کا نقشہ اس سے ذہن میں آسکتا ہے کہ قریش دشمن۔ عرب کے تمام قبائل دشمن۔ قیصر و کسرے دشمن۔ اور دیگر تمام حکمران جو ارد گرد تھے سب کے سب دشمن۔ خاص شہر کے اندر یہود و نصاریٰ دشمن۔ اوس و خزاج کے قبائل دشمن۔ مٹھی بھر مسلمان اور اندر باہر سارا زمانہ دشمن۔ یہ نازک حالت اور معدودے چند مسلمان۔ اور پھر تحدی یہ کہ اعملوا علےٰ مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون اپنی جگہ اپنے مقدور بھر پورا زور لگا لو۔ میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں پس عنقریب پتہ لگ جائیگا۔ پھر فرمایا انی اشہد اللہ واشہدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعاً ثم لا تنظرون۔ میں خدا کو گواہ ٹھیراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو بے شک میں بیزار ہوں اُن سے جنھیں تم خدا کے سوا شریک ٹھیراتے ہو۔ پس میرے مقابل میں تم اور تمہارے معبود سب کے سب مل کر تدبیریں کرلو اور زور لگالو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ پھر فرمایا قل لو کان معہ الٰھۃ کما یقولون اذا لا تبغوا الیٰ ذی العرش سبیلا کہدے اگر خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ جیساکہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تب تو میرے مخالفوں کے لیئے کامیاب ہونے کے لیئے راہ آسان ہے۔ کیونکہ پھر ان کے معبودانِ باطلہ خدا کے پاس پہنچ کر فیصلہ اپنے پرستاروں کے حق میں کروالیں گے۔ غرضکہ ان تحدیوں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور حق اور باطل میں عجب گھمسان کا رن پڑا۔ باطل نے اپنی تمام قوت لگادی کہ حق کا مقابلہ کرے۔ مگر وہ تو ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔ کہ حق غالب ہو اور باطل پاش پاش ہو پس وہ دیکھو خدا کا پہلوان سر پر کامیابی کا تاج رکھے آتا ہے۔ فتح و ظفر قدموں پر لوٹ رہی ہیں نصرت و تائیدات الٰہیہ جلو میں ہیں۔ اقبال پیچھے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ افضال الٰہیہ پھول برساتے آتے ہیں۔ ہاں وہ آتا ہے اور خدا کا گھر بتوں سے پاک کرتا ہے نہ صرف کعبہ۔ بلکہ ہر ایک کعبۂ دل جس کی نسبت حدیث قدسی وارد ہے۔ کہ میں آسمان و زمین میں نہیں سماتا۔ مگر مومن کے دلمیں سماجاتا ہوں۔ بتوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ تمام بُت توڑے جاتے ہیں۔ اور ایک خدا کی تعظیم و عبادت قایم کی جاتی ہے۔ یہی ہے وہ خدا کا پہلوان جس کا ترانہ داؤد نے اپنی زبور میں گایا ہے

پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل	بر میاں بستہ زِ شوکت خنجرے
تیر او تیزی بہر میداں نمود	تیغِ او ہر جا نمودہ جوہرے

کرد ثابت بر جہاں عجزِ بتاں	وانمودہ زور آں یک قادرے
تا نماند بے خبر از زورِ حق	بت شنا و بت پرست و بت گرے

الغرض حضرت نبی کریم صلعم نے تمام معبودانِ باطلہ اوران کے پرستاروں کا مقابلہ کرکے اور کامیاب ہو کے لمن الملك الیوم - للہ الواحد القهار کا نقشہ دُنیا کے سامنے پیش کردیا۔ یعنے مظفر و منصور ہو کر اُس دن دنیا پر ثابت کردیا۔ کہ دیکھو آج خداوند کی بادشاہت ظاہر ہوئی جو اکیلا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہی بادشاہت ہے جس کے نزدیک آنے کی مسیح نے منادی کی اور فاران سے جلوہ گر ہونے کی موسیٰ نے بشارت دی۔ پس رسول کریم صلعم کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا قلع قمع کرکے توحید پر ہمیشہ کے لیئے دلیل قایم کردی اس لیئے لا الہ الا اللہ اگر توحید کا دعوےٰ ہے۔ تو اس کے ساتھ محمد رسول اللہ توحید پر دلیل قطعی ہے۔

حفاظت توحید کے ذرائع - (۱) کلمہ طیبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ میں اگر توحید ہے تو اشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ۔ توحید کی حفاظت کے لیئے ساتھ موجود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم - بے شک ہم نے انسان کو عمدہ سے عمدہ پیمانہ پر پیدا کیا ہے۔ پھر فرمایا وفضلکم علی العلمین۔ اُس نے تمام دُنیا جہان اور عالمون پر تمہیں فضیلت دی ہے۔ آدم کی فرمانبرداری کے لیئے فرشتوں کو حکم دے کر فرشتوں پر بھی فضیلت صاف طور پر بیان فرمادی۔ اس کے بعد انسانوں میں نبیوں کے گروہ کو خاص طور پر ممتاز فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحًا وال ابراھیم وال عمران علی العلمین۔ بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو دُنیا جہانوں پر فضیلت دی۔ ان برگزیدوں اور رسولوں میں پھر بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ یعنے ان رسولوں میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان رسولوں میں پھر جناب محمد رسول اللہ صلعم کو سب پر فضیلت دی۔ چنانچہ خاتم النبیین فرما کر یہ بتلایا کہ تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہو گئے اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک وسیع ہے۔ اور نبوت کے گویا آپ ایسے حقیقی وارث ہوئے کہ اب جسے بھی اس کمال سے حصہ لینا ہو اُس کو آپ کی غلامی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور

آپ کی غلامی سے الگ ہوکے اس میں سے حصّہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور آپ کی شریعت کا حلقہ کسی کے کان سے نہیں نکل سکتا ؎

ختم شد بر ذات پاکش ہر کمال — لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
آں خداوندش بداو آں شرعِ دیں — کاں نگردد تا ابد متغیّرے

پس نبیوں میں سب پر فضیلت ہونے کی وجہ سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ آپ کُل مخلوقات میں سب سے افضل اور برتر ہیں۔ پھر جب آپ کو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عبدنا فرما کر دُنیا کو بتلایا کہ باوجود خیر خلق ہونے کے یہ ہمارا بندہ ہی ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں تو اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ پھر کوئی اور خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔ جب بہترین خلائق خدائی میں شریک نہ ہو سکا اور بندہ ہی رہا تو کسی اور کا ذکر ہی کیا ہے۔ اسی وجہ سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ لازم طور پر رکھا جس سے ہمیشہ قلب پر یہ اثر ہوتا رہے۔ کہ جب محمدؐ جو بہترین خلائق ہے بندہ ہے تو کسی اور مخلوق کو کب شرکت خدائی میں ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح دنیا کے لوگوں کا یہ قاعدہ بھی توڑا گیا جو وہ اکثر بانیٔ مذہب کو ہی خدا بنا لیا کرتے تھے۔ مثلاً کرشن اور رامچندر اور بدھ اور مسیح وغیرہ کو خدائی کے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس لیئے ہمیشہ کے لیئے بانیٔ اسلام کو عبدہٗ ورسولہ کے لقب سے یاد کرتے رہنا ضروری قرار دیا گیا۔ تا یہ شرک کبھی راہ نہ پاوے۔ کیونکہ جب پہلے لوگ مثلاً مسیح وغیرہ جن کی رسالت کچھ زیادہ نمایاں بھی نہ تھی۔ خدا بن گئے۔ تو آنحضرت صلعم کی نسبت جن کی رسالت نے تمام معبودان باطلہ کا خاتمہ کر دیا اور اُن کے مقابلے میں بیّن طور پر مظفّر و منصُور ہوئی۔ الوہیت کے خیالات کا راہ پا جانا بالکل فطرتی امر تھا۔ پس عبدہٗ ورسولہ کا کلمہ آپ کے نام کے ساتھ لگانا اور اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ کو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ بطور اُس کے ایک جزو کے رکھنا حفاظت توحید کے لیئے تھا۔ تاکہ انسان توحید پر قائم رہے۔ اور کبھی شرک میں مبتلا نہو سکے۔

(۲) قرآن کریم بھی حفاظت توحید کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ قرآن کی نسبت فرمایا یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ تمہارے لیئے اللہ کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو۔ وُہ کیا ہے جسے کھول کر بیان کرتا ہے وہ توحید ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ۔ انما الٰھکم الٰہ واحد کہدے۔ بے شک میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ میری طرف وحی کیجاتی ہے کہ بے شک تمہارا

خدا ایک ہی خدا ہے۔ پھر خود قرآن کریم کے صحیح و سالم اور محفوظ رہنے کے لیئے یہ تسلّی دی کہ میں خود اس کا محافظ ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون بے شک ہمنے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جس کی واقعات زمانہ بڑی زور سے شہادت دے رہے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ قرآن کریم کا مقصد توحید کا کھول کھول کر بیان کرنا ہے تا انسان گمراہ نہ ہو اور توحید سے نہ بھٹک جائے۔ اور قرآن ہر زمانہ میں محفوظ ہے اس لیئے توحید بھی اس کے ذریعہ محفوظ ہے +

(۳) خلفا بھی حفاظت توحید کے لیئے آتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفٰسقون۔ یعنے وعدہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیئے۔ کہ ضرور وُہ اُن کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسے خلیفے بنائے اُن لوگوں کو جو ان سے پہلے ہوئے۔ اور ضرور ضرور مضبُوط کرے گا اُن کے دین کو جس کو اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا اور خوف کو جو اُن کے لاحق حال ہوگا۔ ضرور ضرور امن سے بدل دیگا۔ اور وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائینگے اور جو کوئی اِس کے بعد ناشکری کرے گا۔ وہ بھی خود عہد کو توڑنے والا ہے۔ صاف فرمایا کہ خلافت کا مقصد تمکین دین اور جس قسم کا خوف دین کے لاحق حال ہو اُس کو امن سے بدلنا ہے۔ اور تمکین دین اور امن کا مقصد توحید بتلایا۔ تا خدا کی عبادت میں کوئی شریک نہ ٹھیرایا جاوے +

اشاعت توحید۔ اس کے مختلف ذرائع ہیں :۔

(۱) رسالت۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون۔ وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچّا دین دے کر بھیجا تا کہ اُسے کل دینوں پر غالب کرکے دکھائے۔ اور اگرچہ مشرکوں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔ ظاہر ہے کہ مشرکوں کو توحید کی اشاعت ہی بری لگا کرتی ہے۔ اور توحید کا غلبہ اُنھیں ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کے اصوُل کے خلاف ہوتا ہے۔ مزید برآں دین کی یوں

تشریح کی کہ رضیت لکم الاسلام دیناً یعنے تمہارے لیئے دین اسلام پسند کیا۔ پھر اسلام کی تشریح یوُں فرمائی کہ بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن۔ مسلمان وہ ہے جس نے اپنا مُونھہ خدا کی کامل فرمانبرداری میں رکھدیا اور عمل سے بھی ثابت کیا۔ پھر خدا کی نسبت فرمایا۔ کہ قل ھو اللہ احد۔ کہدے وہ اللہ ایک ہے۔ اس طرح رسالت کا مقصد توحید ہوُا۔ کیونکہ دین حق توحید ہی ثابت ہوُا۔ جو رُسل لاتے ہیں۔

(۲) قرآن۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم۔ اور اگر ہم نازل فرماتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو اے مخاطب تو دیکھتا۔ کہ وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ پڑا ہوتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیئے بیان کرتے تاکہ وہ ذرا سوچیں۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اسی طرح توحید کی تعلیم سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خود بھی قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد (کہدے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے) فرماکر بتلادیا کہ قرآن کا مقصد توحید ہے۔ مگر قرآن تب ہی مفید مطلب ہو سکتا تھا جب اس کی ہر زمانہ میں حفاظت ہوتی رہتی۔ اس کے لیئے یوُں تسلی دی کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور واقعات زمانہ نے شہادت دی کہ قرآن جیسی محفوظ کتاب دُنیا میں کوئی نہیں۔ جب وہ محفوظ ہے تو فرمایا فاقرؤا ما تیسر من القرآن قرآن سے جو میسر ہو پڑھاکرو۔ تا توحید کی اشاعت ہوتی رہے۔

(۳) خلافت۔ آیت استخلاف سے ابھی میں نے ثابت کیا ہے۔ کہ خلافت کا مطلب بھی توحید ہی ہے۔ یعنے توحید کی حفاظت واشاعت کی جائے۔ جیسے کہ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً سے ظاہر ہے۔ یعنے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں خدا کی عبادت ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جاوے۔ دُوسرے یہ کہ رسالت کا فرض منصبی جو لیظھرہ علی الدین کلہ میں بتلایا گیا ہے یعنے توحید اور اسلام کو کل دُنیا کے دینوں پر غالب کرکے دکھانا۔ اس کا تکمیل پہنچانا

خلفاء کا فرض ہے *

(۴) جماعت - قرآن کریم فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٓئک ھم المفلحون - اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلاوے اور نیک کام کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے روکے اور یہ لوگ کامیاب ہونگے - اب خیر کیا ہے - اس کے سمجھنے کے لیئے قرآن کریم کو ہی لو - فرماتا ہے ما یود الذین کفروا من اھل الکتٰب ولا المشرکین - ان ینزل علیکم من خیر من ربکم - واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم - اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ انکار کرنے والے ہیں وُہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر نازل ہو - اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیئے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضلوں والا ہے - سیاق سباق اور تمام مفسرین کے اتفاق رائے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں خیر سے مراد وحی ہے پس یدعون الی الخیر کا مطلب یہ ہوُا کہ اس قرآن کی وحی کی طرف لوگوں کو بلائیں - قرآن کی وحی کی نسبت میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ وُہ توحید ہے جیسا کہ اوحی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد سے ظاہر ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے - تمہارا خدا ایک خدا ہے - پس مطلب یہ ہوُا کہ توحید کی طرف دعوت کرنے کے لیئے تم میں ہمیشہ ایک گروہ قائم رہنا چاہیئے - جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرے ۔

(۵) اذان - قرآن کریم فرماتا ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذواھا ھزواً ولعباً ذالک بانھم قوم لا یعقلون - اور جب تم نماز کی طرف اذان کے ذریعہ بُلاتے ہو تو بعض لوگ اسے حقیر اور بے حقیقت سمجھتے ہیں - یہ اس لیئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں - پس یہاں یہ بتلایا کہ اذان کو حقیر یا بے حقیقت سمجھنا بے عقلی ہے - بلکہ اس کے اندر بڑی گہری حقیقت موجود ہے اور یہ بڑی قابل قدر چیز ہے - کیونکہ دراصل اس کے ذریعہ اشاعت توحید مقصود ہے - پانچ وقت مسلمانوں پر فرض کیا - کہ وہ بلند سے بلند مقام پر چڑھ کر خدا کی توحید کی منادی کریں تاکہ کسی وقت تو کوئی سعید رُوح فائدہ اُٹھالے - اذان کے لفظوں کو اللہ سے شروع کیا - اور اللہ ہی پر ختم کیا - اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان محمداً رسول اللہ اشھد ان محمداً رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح

حیّ علی الفلاح الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله - اللہ سب سے بڑا ہے - اللہ سب سے بڑا ہے - اللہ سب سے بڑا ہے - اللہ سب سے بڑا ہے - میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے - میں گواہی دیتا ہوں کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے - میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے - میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کا رسول ہے (یہ حفاظت توحید کیلئے ہے) نماز کی طرف دوڑو - نماز کی طرف دوڑو (جو خالص خدا کی عبادت ہے) فلاح و نجات کیطرف دوڑو - فلاح و نجات کی طرف دوڑو (کیونکہ نماز جو خالص خدا کی عبادت ہے فلاح و نجات کی کنجی ہے) اللہ سب سے بڑا ہے - اللہ سب سے بڑا ہے - کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے - اب بتلاؤ اس سے بڑھ کر اور توحید کی منادی کیا ہو سکتی ہے - اور یہ روز پانچ وقت مسلمانوں پر فرض ہے -

توحید کی علت غائی

توحید کی علت غائی نجات ہے - جس کے معنے ہیں لامحدود ترقی - جس کو اجر غیر ممنون سے قرآن نے تعبیر کیا ہے یعنے ایسا اجر جو کبھی ختم نہیں ہوتا - انسان کو احسن تقویم پر پیدا کر کے پھر اُسے توحید پر چلا کر گویا ابدی ترقی کی راہ اس پر کھول دی ہے - اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ کائنات عالم میں جو بھی چیز پیدا کی گئی ہے - ظاہر ہو یا باطنی قرآن کریم نے اسے ایک نعمت قرار دیا ہے جو انسان کی ترقیات ظاہری و باطنی کے لیئے مسخر کی گئی ہے - چنانچہ فرماتا ہے الم تروا ان الله سخر لكم ما فی السموات و ما فی الارض و اسبغ علیکم نعمه ظاهرةً و باطنة ط کیا تم لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے - سب کو اللہ نے تمہارا فرمانبردار بنایا ہے - اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کی ہیں - اس آیت کریمہ میں صاف طور پر بتلایا ہے - کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب ظاہری یا باطنی رنگ میں تمہارے لیئے ایک نعمت ہے اور سب کی سب تمہاری فرمانبردار ہیں - پس ان نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ ان سے کما حقہ فائدہ اٹھاؤ اور ترقیات کرتے چلے جاؤ - ان کو اپنا خادم سمجھو - معبود نہ سمجھو - کیونکہ جو شخص ان کو معبود سمجھتا ہے - وہ اُن سے خدمت نہیں لے سکتا - اور اس لیئے ترقی بھی نہیں کر سکتا - اور جو شخص ان کو اپنا خادم

سمجھ کر ان سے کام لیتا ہے۔ وہ ترقی کے آسمان پر تارا بن کر چمکتا ہے۔ چنانچہ ایک آتش پرست یا پانی کو معبود بنانے والا ان سے کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ مگر ان کو خادم سمجھ کر ان سے کام لینے والا ان سے ریل دوڑا سکتا۔ اور طرح طرح کی کلیں چلا سکتا اور نفع اٹھا سکتا ہے۔ ایک دریا کا پرستار اس سے کوئی نفع نہیں اٹھاتا۔ ہاں اس کو خادم سمجھنے والا اس سے نہریں نکالتا اور زراعت کو سیراب کرتا ہے۔ اس کی آبشاروں سے بجلی نکالتا اور ریل چلاتا گویا تمام ترقیات کی جڑ کل کائنات کو اپنا خادم سمجھنا ہے۔ اور یہی وہ گر اور اصل ہے۔ جو قرآن کریم نے توحید کے اندر انسان کے ذہن نشین کرایا ہے۔ تا انسان کل کائنات پر بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکمران ہو۔ اور اس پر ابدی ترقیات کے دروازے کھولے جائیں۔ لیکن یہیں تک نہیں انسانوں میں بھی مختلف استعداد اور قابلیتوں کے افراد ہوتے ہیں۔ تو کیا ایک انسان اپنے سے بڑے انسان کے آگے عبادت کے لیئے سر جھکا دے۔ ہرگز نہیں خلقکم من نفس واحدۃ فرما کر بتلا دیا۔ کہ تم سب ایک جنس سے پیدا ہو۔ اس لیئے انسان انسان سب برابر۔ تمام انسانوں میں سے محمد رسول اللہ کو خاتم النبیین اور اسوہ حسنہ فرما کر آپ کی ذات بابرکات کو تمام کمالات انسانی کا جامع۔ اور آپ کے نمونہ کو بہترین نمونہ قرار دیکر اور تمام نوع انسان پر فضیلت اور شرف عطا فرما کر پھر بشر مثلکم اور عبدنا کہکر بتلا دیا۔ کہ وہ بھی معبود نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بلحاظ بشریت و عبودیت کے وہ تمہارے مانند ہی ہیں۔ پس اس مثلکم میں غضب کی تاثیر ہے۔ کیونکہ جب وہ شخص جو بہترین خلائق ہے۔ اور کمالات انسانی کے انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوا ہے۔ ایک انسان ہی ہے۔ تو پھر دوسرے انسانوں کو بھی ترغیب ہوتی ہے۔ کہ ہم بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق انسانی کمالات سے حصہ لیں چنانچہ اسی لیئے قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ پس قرآن نے یہ سکھلایا۔ کہ اپنے سے بڑھکر باکمال انسانوں کو جب دیکھو۔ تو ان کے آگے پرستش کے لیئے سر نہ جھکاؤ۔ بلکہ ان کو نمونہ سمجھ کر ان کے نقش قدم پر چل کر تم بھی ان کمالات سے حصہ لو۔ جو شخص کسی باکمال کے آگے عبادت کے لیئے سر جھکاتا ہے۔ وہ گویا اس کمال سے اپنے محروم رہنے پر مُہر لگاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کمال کو انسانی

حیثیت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اور جو اُس باکمال کی اتباع کرتا ہے۔ وُہ اپنے لیئے اس کمال کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ پس قرآن کریم نے توحید کے ماتحت جہاں ایک طرف تمام کائنات پر انسان کی بحیثیت خلیفۃ اللہ کے حکومت قائم کی۔ وہاں دوسری طرف اپنے سے بڑھ کر باکمال انسانوں کی جن میں سب سے بڑھ کر انبیاء کا گروہ قرار دیا۔ اور اُن میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلعم کا مرتبہ رکھا۔ صرف اتباع کو ضروری قرار دیا تا انسان ترقی کے معراج پر گام زن ہو۔ گویا تمام کائنات ماتحت اور خادم۔ اور تمام انسان برابر۔ انسانوں میں جو کمالات میں اعلےٰ مقام رکھتا ہے ادنےٰ کو اس کے نمونہ کی اتباع کرنی چاہیئے۔ حصُول کمالات کے لیئے۔ نہ کہ پرستش اور بس۔ یہ ہے وہ ترقی کی راہ جو لا متناہی ہے۔ اور جو صرف توحید۔ ہاں صرف توحید کے ذریعہ ہی انسان پا سکتا ہے۔ توحید کے جس پہلو کو کسی قوم نے چھوڑا ہے۔ وہیں سے وہ تنزل کی قعر میں جا گری ہے۔ مثال کے طور پر یُورپ کو لو۔ یُورپ کی قوموں نے ظاہری نعمتوں کے متعلق توحید سے کام لیا۔ یعنے کل کائنات ظاہری کو اپنا خادم سمجھا۔ اور علوم ظاہر کے ہر ایک باکمال کو اپنے جیسا انسان سمجھ کر اُس کے نقش قدم پر چلے۔ اس لیئے دنیا میں ترقی کے معراج پر پُہنچ گئے۔ لیکن باطنی نعمتوں میں توحید سے کام نہ لیا۔ اور ایک انسان کے کمال کو دیکھ کر اُسے خدا مان لیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ باطنی ترقیات سے محرُوم رہ گئے۔ اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ دین کی آنکھ کانی ہو کر خدا پرستی سے مادہ پرستی کے گڑھے میں جا گرے۔ پس ظاہری اور باطنی ترقیات کی جڑ توحید ہے اور توحید کا کمال اسلام میں ہے۔ جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں۔ اس لیئے یہی ایک مذہب ہے جو انسان کے لیئے ابدی نجات اور لا انتہا ترقیات کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور باقی سب دعوے ہی ہے۔ وآخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

خاکسار

بشارت احمد عفی اللہ عنہ

اسلامی جنگوں کی ابتداء

اور غرض

(البقرۃ - رکوع ۲۴)

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا - قرآن کریم کی ترتیب میں یہ سب سے پہلی آیت ہے - جس میں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے - اور ربیع اور ابن زید کا قول ہے کہ بلحاظ نزول بھی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت دی گئی - مگر سورت الحج میں بھی چونکہ یہ اجازت نازل ہو چکی - اور الحج کا نزول مکہ میں ہوا - اس لیئے قتال کی اجازت پر سب سے پہلی وحی سورت الحج کی یہ آیت ہے - اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - لیکن اس آیت میں محض اجازت ہے - اور آیت زیر بحث میں حکم کا رنگ ہے - اس سے بھی معلوم ہوتا ہے - کہ قتال کے بارے میں پہلی وحی سورت الحج کی وہ آیت ہے جو اوپر لکھی گئی ہے - اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث جنگ کے شروع ہو جانے پر دلالت کرتی ہے - اس آیت میں تین شرطیں جنگ کرنے پر لگائی گئی ہیں - اوّل - یہ کہ قتال فی سبیل اللہ ہو - دوسرے یہ کہ صرف ان لوگوں سے جنگ ہو جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں - تیسرے یہ کہ جنگ میں زیادتی نہ ہو +

سب سے پہلے فی سبیل اللہ کا لفظ قابل غور ہے - معترضین خصوصاً عیسائیوں نے فی سبیل اللہ کے معنے لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے ہیں - مگر یہ صرف ان کے اپنے دماغوں کی اختراع ہے - قرآن کریم میں الفاظ فی سبیل اللہ ان معنوں میں ہرگز نہیں آئے - صدقات کے ذکر میں اس سورت کے اخیر پر بار بار فی سبیل اللہ فرمایا - تو کیا اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے - کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرنے کے لیئے اپنے مالوں کو خرچ کرو - اوّل تو

خود ان الفاظ سے ہی کہ تم اُن سے جنگ کرو۔ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی سبیل اللہ کے معنے وُہ نہیں جو عیسائی معترض کہتے ہیں۔ یہاں تو جنگ کی ابتداء دشمن کی طرف سے ہے۔ مسلمانوں کو بڑے بڑے دکھ اور مصیبتیں پُہنچائی گئیں۔ اُن پر اُنھوں نے صبر کیا۔ اور آخر جب دشمن تلوار سے بالکل اُن کو نیست و نابود کرنے پر تل گیا۔ اور خود اسلام کی زندگی معرض خطر میں آگئی۔ تو تب فی سبیل اللہ جنگ کرنیکا حکم ہؤا۔ جس سے معلوم ہؤا کہ فی سبیل اللہ سے مراد حفاظت اسلام ہے۔ بلکہ جب تک محض مسلمانوں پر ظلم تھے۔ اور گو مسلمان مارے جاتے تھے۔ مگر ایسی حالت نہ تھی۔ کہ خود اسلام کو نیست و نابود کرنے کا دشمن نے عزم کرلیا ہو۔ اس وقت تک جنگ کا حکم نہیں دیا گویا درحقیقت یہ جنگ حفاظت مال و املاک یا حفاظت ملک یا حفاظت جان یا حفاظت قوم کے لیئے بھی نہ تھے۔ بلکہ محض اس لیئے کہ اللہ تعالےٰ کا نام دُنیا سے نہ مٹایا جائے۔ اسی لیئے اس کو فی سبیل اللہ لڑنا کہا۔ دفاعی جنگ اس کا نام نہیں رکھا۔ ہاں ایک جگہ کمزور ایمان والوں کو سمجھانے کے لیئے کہا۔ تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا (آل عمران ۶۶) یعنی آؤ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کے نام کو مٹائے جانے سے بچانے کے لیئے جنگ کرو۔ اور اگر یوں نہیں سمجھتے تو کم از کم یوں ہی سمجھ لو۔ کہ دفاع کے لیئے تو یہ جنگ کرنا اب امر مجبوری ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ بدر کے دن جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعائیں کر رہے تھے تو آپ کے مُونھ سے یہی الفاظ نکلے اللھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدا۔ اے خدا اگر تو نے ان مُٹھی بھر مسلمانوں کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین میں تیری عبادت کبھی نہ ہوگی۔ اس سے بھی فی سبیل اللہ کے معنوں پر روشنی پڑتی ہے پس اسلامی جنگوں یعنی ان جنگوں کی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں۔ یہ ایک خصوصیت ہے۔ کہ وہ نہ تو ملک اور قوم کے لیئے اور نہ ہی مال اور سلطنت کے لیئے تھیں بلکہ محض اس غرض کے لیئے کہ تا کفار اسلام کا نام و نشان دنیا سے نہ مٹا دیں +

دوسری شرط جو لگائی گئی وہ یہ ہے۔ کہ تم صرف ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ کرتی ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف یہ بتا دیا۔ کہ ابتداء پھر بھی کسی صورت میں تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ دشمن جنگ میں ابتداء کرے۔ تو پھر تم بھی کرو۔ تو دُوسری طرف یہ بھی واضح کر دیا

کہ ہر ایک متنفس دشمن نہیں۔ اسی بناء پر اسلام کی جنگوں میں یہ حکم تھا کہ کسی بوڑھے یا بچے یا عورت کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر چونکہ اس وقت ان تین قسموں کو چھوڑ کر باقی ساری قوم دراصل جنگ میں شامل ہوتی تھی۔ اور سب لوگ جو ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں جنگ میں شامل ہوتے تھے۔ فوج معمولی آبادی سے علیحدہ نہ ہوتی تھی۔ اس لیئے آج ہم اسی بناء پر اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ اس زمانہ میں الذین یقاتلونکم میں صرف افواج شامل ہونگی اور عام ملکی آبادی مستثنےٰ رہے گی۔ چنانچہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ماتحت راہبوں کو خواہ وہ ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہوں مستثنےٰ کردیا۔ کیونکہ اُن کا کام جنگ کرنا نہ تھا +

تیسری شرط یہ ہے۔ کہ جنگ کے اندر ضرورت جنگ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جنگ کی اصل غرض تو دشمن کو کمزور کرنا ہے۔ پس جب وہ حاصل ہو جائے۔ تو خواہ مخواہ جان و مال کا اتلاف جائز نہیں اسی لیئے یہ بھی حکم تھا۔ کہ دشمن کے مکانات کو ان کے کھیتوں کو خواہ مخواہ تباہ نہ کیا جائے +

ان تینوں شرطوں نے اگر ایک طرف اسلامی جنگوں کو معمولی ملکی جنگوں سے الگ کردیا تو دوسری طرف اس سے پہلے جس قسم کے مذہبی جنگ ہوتے تھے۔ اُن کی سختی کو بھی بالکل دُور کردیا یہودیوں کے مذہبی جنگوں کے مقابلہ میں اسلام کے یہ مذہبی جنگ نرمی رحمت ہی رحمت تھے۔ کیوں کہ یہودیوں کے جنگوں میں دشمن کے بچے عورتیں بوڑھے تہ تیغ کردیئے جاتے تھے۔ اور ایک متنفس بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ بلکہ مویشیوں تک فنا کردیئے جاتے۔ اور کھیتوں اور باغوں اور گھروں کے مال و اسباب بلکہ خود مکانات کو آگ کے سپرد کیا جاتا۔ سو یہودیوں کے جنگ دشمن کے قطعی استیصال کے لیئے اور اس کو دُنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیئے ہوتے تھے۔ مگر اسلام کے جنگ صرف اس دشمن کی حد اعتدال کے اندر سزا کے لیئے تھے۔ جس نے اسلام کی بیخ کنی اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیئے کمر باندھ لی تھی۔ افسوس ہے کہ اس تہذیب کے زمانے میں بھی یورپ کے ملکی جنگ یہودیوں کے مذہبی جنگوں سے زیادہ قریب ہیں۔ گو قوانین بین الاقوام میں اسلامی جنگوں کے اعتدال کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ ہاں اُن قوانین پر جنگ کے وقت میں جو انتہائی جوش و غضب کا وقت ہوتا ہے۔ عمل کرکے دکھانا ہر ایک شخص کا کام نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے اُس اعتدال کا کمال عین جنگوں کے اندر دکھایا ہے۔ اور یہی

وجہ ہے۔ کہ جنگون کے احکام کے اندر بار بار تقوے اور اعتدال اور انصاف اور عفو اور درگذر کی تعلیم دی جاتی تھی +

واقتلوھم حیث ثقفتموھم۔ اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کر دو۔ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ جہان کوئی غیر مسلم ملے اُسے قتل کر دینا چاہیئے۔ سراسر حماقت ہے۔ ہر ایک غیر مسلم سے تو جنگ کرنے کا بھی حکم نہیں۔ بلکہ جیساکہ پچھلی آیت اور اس کے نوٹ سے ظاہر ہے۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے۔ جو پہلے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اقتلوھم میں ھم کی ضمیر الذین یقاتلونکم کی طرف جاتی ہے۔ اس آیت میں غیر مسلموں کا تو نام نہیں نہ اس سے پہلی آیت میں ہے۔ بلکہ شروع رکوع سے کفار یا غیر مسلموں کا تو ذکر تک نہیں آیا پس اقتلوھم میں ھم سے مراد کفار نہیں۔ بلکہ وہی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہے۔ یعنی الذین یقاتلونکم یا وہ لوگ جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ یا جنگ کرنے میں ابتدا کر چکے ہیں۔ پس انہی کو جہاں پائے جائیں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ جب ایک دشمن مسلمانوں کے استیصال کے لیئے کمربستہ ہو رہا تھا۔ تو کیا اب اس کے بالمقابل یہ کہا جاتا۔ کہ وہ تو جہاں تم کو پائے گا قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر تم کو اس کے قتل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ آخر جب دشمن سے جنگ چھڑ چکی ہے تو اب وہ دشمن خواہ کہیں ہو ضروری ہے۔ کہ اسکو قتل کیا جائے +

واخرجوھم من حیث اخرجوکم۔ جہاں سے اُنھوں نے تم کو نکالا وہاں سے تم ان کو نکال دو۔ اس میں گویا یہ بتایا ہے۔ کہ جنگ کب تک جاری رہے۔ اسمیں جنگ کا جاری رہنا قصاص کی حد تک جائز رکھا ہے۔ وہ جگہ جہاں سے ان لوگوں نے جو اب مسلمانوں سے جنگ کر رہے تھے نکالا تھا مکہ تھی۔ اور گو ان کی طرف سے جنگ کی ابتدا کیئے بغیر اسلام نے جنگ کا حکم نہیں دیا۔ مگر اب جب جنگ شروع ہو گئی تو یہ بالکل حق تھا۔ کہ جہاں سے مسلمان بجبر نکلے گئے تھے وہ جگہ واپس لیلی جائے۔ اس میں جنگوں کے اندر آخری کامیابی کی پیش گوئی بھی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن اسلامی جنگوں کی غرض دشمن کو نیست و نابود کرنا یا مسلمان کرنا نہ تھی۔ بلکہ صرف اپنے جائز حقوق کو قائم کرنا اور ان چیزوں اور حقوق کو واپس لینا تھا۔

جن سے وہ ظلم سے اور ناحق محروم کیئے گئے تھے +

والفتنۃ اشد من القتل۔ فتنۃ کے معنوں میں لکھا ہے۔ اصلہا عرض الذھب علی النار لاستخلاصہ من الغش۔ یعنی اصل اسکا سونے کا آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ اس غرض کے لیے کہ تا کھوٹ اور میل بالکل الگ ہو جائے۔ اور فتنہ اور فتن کے الفاظ قرآن کریم میں ان اذیتوں کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔ جو کفار کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچتی تھیں۔ جیسا کہ آیت ان الذین فتنوا المومنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی فرمایا ومن الناس من یقول امنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ۔ یہاں اس ایذا کا نام جو اللہ کی راہ میں دیجائے فتنۃ رکھا ہے۔ ایسا ہی ایک جگہ فرمایا ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ یعنی کفار کی طرف سے ایذا پہنچنے کا خطرہ ہو۔ اور یہاں تو خود اخرجوھم من حیث اخرجوکم کہہ کر ظاہر کر دیا ہے کہ یہاں فتنہ سے مراد مسلمانوں کا اُن کے گھروں سے نکالا جانا ہے۔ یعنی یہ حکم کہ جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھو جب تک ان کفار سے مسلمانوں کے وُہ حقوق ملجائیں۔ جن سے انھیں بجبر محروم کیا گیا ہے۔ اسی لیئے ہے کہ بلا قصور وطن سے بیوطن کر دینا اور مال و املاک کا چھین لینا قتل سے بھی بڑھ کر ہے +

ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام۔ حتیٰ یقاتلوکم فیہ۔ مسجد حرام کی حدود میں جنگ کرنا عرب کے اندر جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ تم بھی اس پاک گھر کی حرمت کا پورا لحاظ رکھو۔ حتےٰ کہ اس کی حدود کے قریب بھی جنگ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وُہ ان حدُود کے اندر جنگ کی ابتدار کریں +

فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم۔ انتھوا کے معنے ہیں رُک جائیں۔ باز آجائیں۔ یعنی اگر مسلمانوں کو دُکھ دینے سے رُک جائیں۔ جس کا ذکر لفظ فتنہ میں کیا ہے۔ تو تم معاف کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔ وہ خطا کاروں سے عفو اور رحم کا معاملہ کرتا ہے۔ اور اصل غرض تو فتنہ کو روکنا ہے +

وقتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ اسی آیۃ کے معنوں پر اس ساری

بحث کا آخری دارومدار رکھا گیا ہے۔ جو اسلامی جنگوں کی انتہائی غرض سمجھی گئی ہے۔ لفظی معنے تو ان الفاظ کے صرف اس قدر ہیں۔ کہ تم ان سے جنگ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ان الفاظ سے کیا مطلب ہے۔ معترضین اسلام کا یہ خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت تک جنگ کرتے رہو۔ جب تک کفر اور شرک باقی نہ رہے۔ اور سب لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس بات کی شہادت کہ یہ معنے درست نہیں۔ اسی قدر کافی ہے کہ سب سے پہلے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کیا۔ کیونکہ آپ نے تو متعدد موقعوں پر کفّار کے ساتھ صلح کی۔ اور بالخصوص صلح حدیبیہ کا واقعہ تو ہر ایک شخص کو معلوم ہے۔ جس میں آپ نے ایسی شرائط کے ساتھ جو مسلمانوں کے لیئے بظاہر مفید نہ تھیں۔ کفار مکہ کے ساتھ صلح کی۔ اگر اللہ تعالےٰ کا حکم یہ ہوتا۔ کہ جب تک سب مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک جنگ کرتے جاؤ۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیوں بار بار کفّار سے صلح کرتے ہیں۔ جن متواتر عہدناموں کو کفّار توڑ ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ینقضون عھدھم فی کل مرۃ سے ظاہر ہے اور کیوں آپ کو قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا۔ فان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ کہ اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ اس طرح یہ نہ صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی قرآن کے خلاف نہیں ٹھیرتا۔ بلکہ خود قرآن کا ایک حکم دوسرے کے مخالف ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک جگہ تو گویا یہ حکم دیتا ہے۔ کہ لڑائی بند نہ کرو جب تک سارے کافر مسلمان نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ معترضین کا خیال ہے۔ اور دوسری جگہ یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو صلح کر لو۔ پس ان معنوں کے جو معترضین پیش کرتے ہیں غلط ہونے پر یہ قطعی اور کافی شہادت ہے *

اب سوال یہ ہے کہ پھر ان الفاظ کے کیا معنے ہونگے۔ سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ لفظ فتنہ کے کیا معنے مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ اس لفظ کے اصلی معنے اور پھر قرآن کریم کی آیات سے بعض شہادتیں کہ اس پاک کتاب میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دیئے جا چکے ہیں۔ جہاں یہ دکھایا گیا ہے کہ کفّار کی طرف سے جو ایذا مسلمانوں کو پہنچائی جاتی تھی۔ انکو گھروں سے نکالا جاتا تھا۔ اُن کو مار ڈالا جاتا تھا۔ اسی کا نام قرآن کریم نے فتنہ رکھا ہے

صحیح بخاری میں یہی معنے لفظ فتنہ کے کیئے ہیں۔ جہاں حضرت ابن عمرؓ کی ذیل کی روائیت موجود ہے۔ کان الاسلام قلیلا فکان الرجل یفتن فی دینہ اما قتلوہ واما یعذبوہ حتیٰ کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ مسلمان تھوڑے تھے۔ سو ایک شخص کو اس کے دین کی وجہ سے دکھ دیا جاتا تھا (یفتن) یا اسے قتل کر دیتے یا ویسے دکھ پہنچاتے۔ یہاں تک کہ اسلام بڑھ گیا سو پھر فتنہ یعنی دکھ دیا جانا باقی نہ رہا۔ اس روایت سے نہ صرف لفظ فتنہ کے معنے ہی صاف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ سارے فقرہ لا تکون فتنہ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں +

اسی طرح یہ دکھایا جا چکا ہے کہ یکون الدین للہ کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔ کہ کل لوگ مسلمان ہو جائیں۔ بلکہ درحقیقت ان الفاظ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر لا تکون فتنہ میں ہے۔ کیونکہ جب دین کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے گا۔ تو پھر دین محض اللہ کے لئے ہوگا۔ اور دین کا اللہ کے لیئے ہونا یہی ہے کہ اس میں جبر باقی نہ رہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین علاوہ ازیں بخاری کی ایک روائیت سے ان الفاظ کے معنے خوب واضح ہوتے ہیں عن ابن عمر اتاہ رجلان فی فتنہ ابن الزبیر۔ فقالا ان الناس صنعوا وانت ابن عمر و صاحب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فما یمنعک ان تخرج۔ فقال یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی۔ فقال الم یقل اللہ۔ فقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ۔ فقال قاتلنا حتیٰ لم تکن فتنۃ وکان الدین للہ وانتم تریدون ان تقاتلوا حتیٰ تکون فتنۃ ویکون الدین لغیر اللہ۔ یعنی ابن زبیرؓ کے فتنہ میں دو شخص حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ کیوں نہیں نکلتے۔ آپ نے جواب دیا مجھے یہ بات روکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنہ۔ آپ نے جواب دیا۔ ہم نے جنگ کیا۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا۔ اور دین اللہ کے لیئے ہو گیا۔ اور تم چاہتے ہو کہ جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ ہو جائے۔ اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ اب اس روایت سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فتنہ کے لفظ کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ وہ فتنہ سے مراد کفر و شرک نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ظلم اور فساد

اور دکھ دینا یہی معنے فتنہ کے ان کے نزدیک تھے۔ انہی معنوں میں حضرت ابن عمرؓ نے فتنہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور انہی معنوں میں دونوں سائلوں نے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے آخری الفاظ میں کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو کہ ایک فتنہ کھڑا ہو جائے اور دین غیر اللہ کے لیئے ہو جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے لیئے یا غیر اللہ کے لیئے دین کے ہونے کے کیا معنے ہیں گویا درحقیقت فتنہ کا ہونا دین کا غیر اللہ کے لیئے ہونا ہے اور فتنہ باقی نہ رہنا ہی دین کا اللہ کے لیئے ہونا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ منشا نہ تھا کہ تم اب اس لیئے جنگ کرتے ہو۔ کہ خدائے واحد کی پرستش کو مٹا کر یا دین اسلام کا خاتمہ کر کے پھر کفر اور شرک کو پھیلاؤ۔ بلکہ مطلب یہ تھا۔ کہ جب ایک فتنہ برپا ہوگا۔ تو پھر لوگوں کی دین کے معاملہ میں وہ آزادی نہ رہے گی جو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہو +

انہی معنوں کی تائید میں قرآن کریم کی سورت حج کی وہ آیت ہے جس میں جنگ کی اجازت دے کر جنگ کی اصل غرض کو بیان کیا ہے ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا۔ یعنی اگر اب ان لوگوں کی شرارتوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے دفعیہ نہ کر دیا جائے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ راہبوں کے خلوت خانے اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے برباد ہو جائیں تو گویا درحقیقت اسلامی جنگوں کی غرض یہ تھی۔ کہ مذہبی خلوت خانوں کو گرجوں کو ہر مذہب کی عبادتگاہوں کو مسجدوں کو بچایا جائے۔ یا بالفاظ دیگر سب مذاہب کی حفاظت کیجائے اور اسی غرض کو بالفاظ دیگر یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ویکون الدین للّٰہ۔ دین اللہ کے لیئے ہو جائے۔ زید و بکر کا جبر اس میں کوئی نہ رہے +

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظّٰلمین۔ یعنی اگر یہ اب بھی فتنہ سے رک جائیں مسلمانوں کو دکھ دینا چھوڑ دیں۔ دین کے معاملہ میں جبر نہ کریں تو پھر ہم بھی سزا ان سے اٹھا لیں گے۔ کیونکہ سزا تو ظالموں کے لیئے ہے۔ اگر یہ ظلم ترک کر دیں تو سزا بھی موقوف کر دیجائیگی یہ اسی کے ہم معنے ہے۔ جو آیت مذکورہ بالا میں فرمایا فان انتھوا فان اللّٰہ غفور رحیم۔ اگر یہ رک جائیں تو اللہ تعالےٰ بھی عفو اور رحم کا معاملہ ان سے کرنے کے لیئے تیار ہے۔ یہی وجہ تھی

کہ جب کبھی کفار ان شرائط پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کرنے پر راضی ہوتے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو دکھ نہیں دیں گے۔ ان پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فی الفور صلح کر لیتے تھے۔ اسی کے مطابق قرآن کریم کی یہ آیت ہے فان جنحوا للسلم فاجنح لھا جب یہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کر لو۔ کیونکہ اصل غرض تو فتنہ کا دور کرنا تھا۔ اور جب ذرا صلح ہوتی تھی تو کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہونے لگ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار کو فکر پڑ جاتی تھی۔ اور وہ پھر معاہدات توڑ کر اسلام کی ترقی کو تلوار کے ذریعہ سے روکنا چاہتے تھے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ان الفاظ میں الذین ینقضون عھدھم فی کل مرۃ ✣

الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمت قصاص۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ میں اور تمام حرمت والی اشیاء میں قصاص ہوگا۔ عرب میں چار مہینے حرمت والے تھے۔ جن میں تمام قومی جنگیں رک جاتی تھیں۔ تجارتیں کھل جاتی تھیں۔ اور لوگ امن و امان سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص سخت سے سخت دشمن کو کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ جب اسلامی جنگوں کے احکام نازل ہوئے تو حرمت والے مہینوں میں جنگوں کے حکم کا ذکر ہونا بھی ضروری تھا۔ اسلام چونکہ ہر ایک پہلو میں رحمت ہی رحمت تھا۔ اس لیے ان مہینوں کی حرمت کو اسی طرح برقرار رکھا۔ ہاں چونکہ کفار نے تو مسلمانوں کے دکھ دینے میں حرمت والی چیزوں کی بھی پرواہ نہ کی تھی۔ یہاں تک کہ خود مسجد حرام میں مسلمانوں کو دکھ دیئے گئے اسلیئے فرمایا کہ اگر یہ کافر حرمت والے مہینوں میں جنگ کریں تو قصاص کے رنگ میں مسلمان بھی مجبور ہونگے۔ کہ ان مہینوں کے اندر جنگ کریں۔ اور یہی صورت باقی حرمت والی چیزوں میں ہوگی یعنی یہی شھر الحرام والا حکم بلد الحرام اور حالتِ احرام کے لیئے ہوگا۔ یہی حرمات ہیں۔ یعنی نہ حرمت والے مقام کے اندر جنگ ہوگی نہ حالتِ احرام میں جنگ ہوگی۔ حرمت والے مہینے چار ہیں۔ یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم۔ رجب ✣

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا بمثل ما اعتدی علیکم۔ جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسا ہی جواب اس کی زیادتی کا تم اس کو دو اعتداء

کے معنے لغت میں مجاوزۃ الحق کے ہیں۔ یعنی حق سے یا حد سے تجاوز کرنا۔ لیکن ان الفاظ کے معنے ہم یُوں نہیں کر سکتے کہ جو تم پر زیادتی کرے۔ تم بھی اس پر ویسی زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ کیونکہ زیادتی کرنے والے کو درحقیقت سزا دیجاتی ہے یا اس کی زیادتی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ وہ فعل خود زیادتی نہیں بلکہ عین حق ہے۔ پس زیادتی کرنے والے کا مقابلہ کرنا اپنے حق سے تجاوز نہیں ہے۔ اس لیئے فاعتدوا علیہ کے معنے یوں نہیں کیئے جائیں گے کہ تم اس پر زیادتی کرو۔ بلکہ ترجمہ یُوں ہوگا کہ تم اس کی زیادتی کا مقابلہ کرو یا جواب دو۔ یہی معنے مفسّرین اور اہل لُغت نے کیئے ہیں۔ چنانچہ مفردات میں ہے۔ ای قابلوہ بحسب اعتدائہ یعنی اس کی زیادتی کے مُطابق اس کا مقابلہ کرو +

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بخاری میں اس کے متعلق نزلت فی النفقۃ۔ یعنے یہ آیت خرچ کرنے کے بارے میں اُتری اور خود سیاق وسباق عبارت چاہتا ہے۔ کہ اس آیت میں خرچ کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ اور چونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ قرآن کریم میں جہاد پر بولا گیا ہے۔ اِس لیئے ظاہر اور صاف معنے اس آیت کے یہی ہیں۔ کہ چونکہ تم کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے لیئے اموال کی ضرورت ہے۔ اس لیئے اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کروگے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوگے۔ جب دشمن اس بات پر تلا ہوا تھا۔ کہ وُہ مسلمانوں کا نام ونشان دُنیا سے مٹادے تو اب اس کے بالمقابل تیاری نہ کرنا اور روپیہ اور مال صرف کرنے سے بچنا۔ درحقیقت خود ہلاکت کو اپنے اُوپر لانا تھا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔ کہ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ ہمارے پاس زاد نہیں۔ فامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ینفقوا فی سبیل اللہ وان یتصدقوا وان لا یکفوا ایدیھم عن الصدقہ ولو بشق تمرۃ تحمل فی سبیل اللہ فیھلکم افنزلت ھذہ الآیۃ علی وفق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس شخص کی عرض پر رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور صدقہ کریں۔ اور اپنے ہاتھوں کو صدقہ

سے نہ روکیں۔ خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی ہو جو اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرینگے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی کے مطابق آیت نازل ہوئی۔ احسان کا حکم جو اس کے بعد ہے اسی معنی کا مؤید ہے +

آج بھی مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ اُن کے مذہب پر کس قدر حملے ہو رہے ہیں۔ اور اگر وُہ اپنے اموال کو اشاعت اسلام کے لیئے اللہ کی راہ میں نہ لگا دیں گے۔ تو وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہونگے۔ اور درحقیقت ہلاکت تو صاف نظر آتی ہے۔ کاش اب بھی مسلمان اپنی ذاتی مصائب کو دین کی مصیبت عظمےٰ کے سامنے ہیچ سمجھیں اور اپنے آرام اور آسائش کو خدا کے دین کے لیئے قربان کر دیں +

سَالِ نو اور برٹش نو مُسلم

جیسا کہ ہم پہلے بھی اپنے ناظرین کو اطلاع دے چکے ہیں۔ ووکنگ مشن کا سب سے کامیاب کام ان ان نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی اشاعت کا سچا جوش پیدا کر دینا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے دایرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لیکن صرف تعداد کی ترقی ہمارے لیئے خوشی کا موجب نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک کہ ان نومسلموں کے اندر سچا اسلامی جوش بھی پیدا نہ ہوتا سو خدا کا احسان ہے کہ ایک طرف اگر ہم یہ فرحت بخش خبر اپنے ناظرین کو پہنچانے کے قابل ہیں۔ کہ اس تحریک کی بدولت ایک سو سے زائد انگریز مرد اور عورتیں اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔ تو دوسری طرف اس خبر کی اشاعت خود ہمارے لیئے خوشی اور تقویت کا موجب ہے۔ کہ ان نومسلموں کے دلوں میں اسلام کی خدمت اور اشاعت میں حصہ لینے کا شوق اور جوش ہے۔ اسلام مذہب ہی ایسا ہے کہ کوئی شخص اگر خالی الذہن ہو کر اس کی خوبیوں پر نظر ڈالے تو اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہی یہ نہ صرف فطرت انسانی کے سارے تقاضوں کو ہی پورا کرتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے تمدنی اخلاقی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا سامان بھی اس کے اندر موجود ہے۔ پھر یہ کس قدر خوشی پہنچانے والی بات ہے کہ اسلام کی بدولت مشرق و مغرب میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو رہا ہے جو ان دونوں کو ایک کر نے

والا ہے۔ اسلام ہر قسم کی قومی تنگ خیالیوں کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ کیونکہ اسکا سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ خدا ایک قوم کا خدا نہیں۔ بلکہ دُنیا کی ساری قوموں کا ایک ہی خدا ہے۔ اور سب قومیں ایک ہی کنبہ ہیں۔ کیسے پیارے یہ الفاظ ہیں۔ جنھوں نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر مشرق و مغرب کے اتحاد کی بنیاد رکھدی۔ رب المشارق والمغارب۔ مشرقی سرزمینوں اور مشرقی قوموں کا بھی وہی رب ہے اور مغربی سرزمینوں اور مغربی قوموں کا بھی وہی رب ہے۔ اسی لیئے کل دُنیا کو مخاطب کر کے فرمایا یایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی وجعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات) اے لوگو جو اس دُنیا میں رہتے ہو ہمنے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تمکو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سب سے متقی ہے۔ کیا اتحاد کا پاک اصُول باندھا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ گو یا تم سب ایک ہی کُنبے اور ایک ہی برادری ہو۔ پھر یہ بھی سچ ہے۔ کہ قومیں اور قبیلے الگ الگ بھی ہوئے۔ مگر یہ اسلیئے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر اُن سے محبت کرو اور ہمدردی کرو۔ نہ اس لیئے۔ کہ ایک دوسرے کو بیگانہ اور اجنبی قرار دے کر بغض و نفرت باہم بڑھاؤ۔ پھر فرمایا کہ دُنیا میں تم ایک دُوسرے سے بڑا اور زیادہ عزت والا بننا چاہتے ہو۔ سو یاد رکھو کہ انسان کی حقیقی عزت نیکی میں ہے۔ اور نیکی یہی ہے۔ کہ خدا کے حقوق کو بھی ادا کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ بھی ہمدردی کرے۔ پس حقیقی بڑائی نہ قومیت اور قبیلہ سے حاصل ہوتی ہے نہ مال و دولت سے نہ عہدہ و مرتبہ سے بلکہ اس مالک حقیقی کے نزدیک تم سب ایک ہی ہو۔ اور تم میں بڑا وہی ہے جو اپنے فرائض کو شناخت کرتا اور اُن کو پورا کرتا ہے۔ اس سے بڑھکر محبت اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے اُوپر شفقت پیدا کرنے کا اور کیا اصول ہو سکتا ہے۔ اسلام ہی ایک مذہب ہے جس میں انسان کو انسان کے ساتھ اور قوم کو قوم کے ساتھ اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی صحیح راہ بتائی گئی ہے۔ اور یہی ایک مذہب ہے جو دُنیا میں حقیقی صلح کی بُنیاد رکھتا ہے۔ اور جنگوں اور جھگڑوں کو کم کرتا ہے۔

پھر ایک اور خوبی اسلام کی یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو کوئی اصول عقل انسانی کے خلاف نہیں سکھاتا۔ بلکہ اس کے تمام اصول ایسے ہیں۔ کہ وہ معقولیت کی بنا پر پورے اُترتے ہیں۔ پس جقدر معقولیت دُنیا میں ترقی کرے گی۔ جس قدر انسان اس بات کو سیکھیں گے۔ کہ بجائے جذبات کے

عقل کی بنیاد پر انسان کی اصلی ترقی کا دارومدار ہے۔ اسی قدر وہ اسلام کے قریب آئیں گے +
ہم اپنے نو مسلم بھائیوں اور بہینوں سے یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ جہاں وہ اپنے وعظ سے اسلام کی خوبیوں کو دُوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وُہ اپنے پاک چال چلن اور اپنی وسیع ہمدردی اور بنی نوع کی خدمت کے نمونہ سے بھی دُوسروں کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اور ان نو مسلموں کے ساتھ اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُنیا میں قائم کیا جانے کی اصل غرض ہی اسی کو بتایا ہے۔ کہ وُہ دوسروں کو اپنے قول سے اور فعل سے اپنے وعظ سے اور نمونہ سے بھلائی کی طرف بلائیں۔ اور سب سے بڑی بھلائی تو اسلام ہی ہے فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ولو اٰمن اھل الکتاب لکان خیرا لھم (اٰل عمران) تم سب قوموں سے بہتر قوم ہو جنکو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اچھی باتوں کو کرنے کا حکم دیتے ہو۔ اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو اُن کے لیئے بہتر ہوتا؛

دُوسروں کو نیکی کی طرف بلانا صرف مذہب کے واعظین کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک مسلم کا فرض اوّل یہی ہے۔ ہر ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ وہ ایک سچے مسلم کی زندگی بسر کرے۔ اور اُسکے قول اور فعل میں اسلامی رُوح کام کر رہی ہو۔ اس سے وہ لوگ جو اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہیں خود کھینچے چلے آئیں گے۔ سب سے بڑی ذیانتی۔ ہمارے لیے صراط مستقیم دکھانا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور قرآن پر ایمان رکھنے کا دعوے کرتے ہیں۔ مگر مسلم کے فرائض سے غافل اور قرآن کی تعلیم سے کوسوں دُور پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام ایک مسلمان سے کیا چاہتا ہے۔ عمل کرنے کا مرتبہ تو بعد میں ہے۔

ذیل میں ہم یحییٰ الشہ پارکنسن صاحب کے ایک مضمون کا جو جنوری ۱۹۱۶ء کے پرچہ اسلامک ریویو میں نکلا ہے ایک حصہ دیتے ہیں۔ اس مضمون کی ابتدا میں فاضل مضمون نویس نے عیسائیوں کے تیوہار کرسمس کے ابتداء پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر پر اپنے نو مسلم بھائیوں کو جو برطانیہ کلان میں ہیں کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ اور اسلامک ریویو کے متعلق بھی اُن کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے ہم بھی اپنے ناظرین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اسلامک ریویو کے متعلق اپنے فرائض کو ادا کرینگے

کوشش کریں۔ کتنا بڑا عظیم الشان کام۔ یورپ۔ امریکہ اور کل انگریزی خوان دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنا۔ مسلمانوں میں اس قسم کے کام کی کتنی اور مثالیں ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ مگر باوجود کام کی عظمت کو تسلیم کرنے کے اور باوجود اس اعتراف کے۔ کہ ہمارے ہاتھ میں یہی ایک ذریعہ ہے جس سے اسلام کی تعلیم کو ہم دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہماری کوششیں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں تبلیغ کا احساس ہی نہیں۔ لیکن اسلام کی تبلیغ کا احساس پیدا کرنا اگر ضروری ہے۔ تو اسکے لیئے خود مسلمانوں کے اندر اس رسالہ کی اشاعت کا بڑھانا لازمی ہے۔ ہمارے وہ احباب جو اس رسالہ کو اسلام کے حقیقی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اُن پر فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں میں اس کی اشاعت کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ ایک ایک مشنری سوسائٹی بعض وقت کئی کئی لاکھ رسالے نکالتی ہے۔ مگر یہاں کل دنیائے اسلامی میں ایک ہی رسالہ اور اسکی اشاعت دس ہزار تک بھی نہ پہنچے۔ ہماری غفلت کا کافی ثبوت ہے۔

پارکنسن صاحب اپنے مضمون محولہ کے آخر میں لکھتے ہیں :۔

"موجودہ نمبر کے ساتھ اسلامک ریویو کی ایک نئی جلد شروع ہوتی ہے۔ اور ایک اور سال کے لیئے تبلیغ کے میدان میں اُس نے قدم اُٹھایا ہے۔ ابتدا سے ہی اس رسالہ کی غرض یہ رہی۔ کہ اسلام کے اصول کو برطانیہ کے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے۔ اور یہی غرض اس کی آج بھی ہے۔ کیا اُس نے گذشتہ میں اپنے فرائض کو ادا کیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود اس کے پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔ میرے یقین میں مضمون نویسوں نے اپنی قابلیت کے بہترین جوہر اس میں دکھائے ہیں۔ اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خاص ترقی اس کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ نتائج ہر طرف بین ہیں۔ نکتہ چینی میں کمی ہو رہی ہے۔ اور روزانہ اخبارات اب اسے اس عداوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ جیسا پہلے دیکھتے تھے۔ برٹش مسلم سوسائٹی۔ کیا بلحاظ تعداد کے اور کیا بلحاظ قوت اور جوش کے ترقی کر رہی ہے۔ لیکن میں اپنے قارئین کو اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ کہ کل ترقی کا اندازہ محض ان اعداد کے شمار سے ہو سکتا ہے۔ جنہیں نومسلموں کی تعداد بیان کی جا سکتی ہے۔ اس رسالہ کے ساتھ ہمدردی اور اس میں دلچسپی لیسے مقامات میں اور ایسی طرح پیدا ہو چکی ہے۔ جو ہمارے ابھی علم میں بھی نہیں۔ بیج جا بجا گر گیا ہے

مگر پختگی کی حالت کو پہنچنے کے لیے یہ ابھی بہت سا وقت لیگا۔ اور جب اس کا وقت آئیگا تو معلوم ہوگا۔ کہ حقیقت میں یہ رسالہ کس قدر کام کر چکا ہے۔ ابھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ کس حد تک اور کہاں کہاں ہمارا اثر پہنچ چکا ہے۔ ریویو ابھی بچہ ہے۔ اور اس کا اثر اس کی عمر میں ترقی کے ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور اس لیئے اس کے کام کی شوکت بھی رفتہ رفتہ ہی بڑھے گی۔

ہاں اس نئے سال کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہمارے مضمون نگار اور قارئین رسالہ اپنے ارادوں اور ہمتوں میں ایک تازگی کی روح پیدا کریں۔ جو ہماری اور اس رسالہ کی شان کے لائق ہو۔ کسی کام میں اگر کمزوری یا غفلت دکھائی جائے۔ تو مستقل اور دیرپا اثر اس کا پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ جس کام کو ہاتھ ڈالا جائے اس میں ہر وقت نئی گرمی نیا جوش۔ نئی ہمت اور اُسکی کامیابی پر نیا ایمان پیدا ہوتے رہنا ضروری ہے۔ اور یہی بڑھتی ہوئی ہمت اور بڑھتا ہوا ایمان اُسکی کامیابی کی اصل جڑھ ہوتا ہے۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو وہ ہمیں اس قابل بنا سکتی ہیں کہ ہم بڑھتی ہوئی کوشش کیساتھ اس منزل کے طے کرنے میں قدم اُٹھائیں اور مقصود حقیقی کے عُمدہ سے عُمدہ گوہر ہمارے ہاتھ میں آئیں۔

پس برادران اُٹھو اور کام میں لگ جاؤ۔ ہم ایک ایسے عالم میں ہیں۔ کہ جس میں زندگی کے ساتھ حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہماری زندگی کی قیمت اور قدر نہ صرف ہمارے افعال سے بڑھ سکتی ہے۔ ہمارے کام ایسے ایثار اور بے نفسی کے کام ہونے چاہئیں۔ کہ ہم دُوسروں کے لیئے رہنمائی کا کام دے سکیں۔

یاد رکھو کہ کام کرنا ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہی حیات ہے۔ اور سستی اور کاہلی انسان کی اخلاقی موت ہے۔ جس چیز کے متعلق تم کو یقین ہے۔ کہ وہ صداقت ہے۔ اس کا ساتھ مضبوط ہو کر دو ہاں یہ اچھی طرح سے غور کر لو۔ کہ جس چیز کو تم نے لیا ہے وُہ صداقت ہی ہے۔ تمام چیزوں کا اچھی طرح معائینہ کرلو۔ اور خوب تحقیق کرلو۔ لیکن تحقیقات کے بعد جب ایک نتیجہ پر پہنچ جاؤ تو پھر کام میں سستی نہ آنے دو۔

تنقید ہی صحیح علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر جس طرح تم دُوسروں کے افعال اور خیالات پر تنقید کی نظر دوڑاتے ہو۔ اپنے افعال اور خیالات کو بھی تنقید کے ماتحت لاؤ۔ اپنے خیالات کی دوسروں سے بھی تنقید چاہو۔ اور اس سے کوئی خوف مت کرو۔ جب ایک شخص حق پر ہو تو

بڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو شخص زیادہ علم حاصل کرتا ہے۔ وہ کاموں کو زیادہ سرانجام دینے کے زیادہ قوت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ علم سے ہی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ علم ہی ایک قوم کو دوسری پر فوقیت دیتا ہے۔ علم ہی تہذیب کی بُنیاد رکھتا اور افراد اور قوموں اور نظاموں کے ٹھیک سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اخلاق و عادات کے بنانے میں یہ سب سے اہم جزو ہے۔ اور اسلیئے قومی اور تمدنی زندگی کی یہ بُنیاد ہے۔ صرف اِسی طرح پر ہی ایک شخص ان اعلےٰ صفات کو حاصل کرسکتا ہے۔ جن تک خداداد عقل کے ذریعہ سے انسان کا پُہنچنا ممکن ہے۔ مضبُوط رہو اور کوئی خوف مت کرو وللآخرۃ خیرلک من الاولےٰ ارشاد خداوندی ہے۔ مُستقبل ماضی سے بہتر ہے

ثم السلام علیکم"

نئے عہدنامہ کی عمر

پادری آر جی گرڈسٹون کرائسٹ چرچ کا آنریری پادری لکھتا ہے:۔

"یہ کس قدر قدیم ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اہم مضامین کے مطالعہ میں اس چیز سے شروع کروں جو سب سے آخر ہے۔ اسلیئے میں نئے عہد نامہ سے شروع کرتا ہوں اور میں پوچھتا ہوں کہ وہ یونانی نسخہ جسکا ترجمہ ہمارے پاس ہے کسقدر قدیم ہے۔ اس کی پہلی طبع شدہ ایڈیشن ۱۵۱۶ء میں چھپی تھی۔ لیکن یہ ہمکو گذشتہ زمانہ میں بہت دُور تک نہیں پُہنچاتی۔ یہ ایراسمس کا کام تھا۔ اسکا سب سے پُرانا مروج قلمی نسخہ ہمیں جہاں تک قریب قریب اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۳۵۰ء تک لے جاتا ہے۔ مگر اب بھی تین سو سال کا عرصہ رہجاتا ہے۔ جو ہمیں کتاب کی پیدائیش تک پُہنچائے یعنی نئے عہدنامے کے نبیوں اور رسولوں کے زمانہ تک اس لمبے عرصہ پر سے کس طرح گذر سکتے ہیں یعنی وُہ وقت جو ۳۵۰ء اور ۵۰ء کے جب آخری مصنف اس کتاب کا مرچکا ہوگا۔ درمیان گذرا۔ یہ زمانہ ہماری اغراض کے لیئے اس طرح پورا ہوسکتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی مصنفین میں جو ۳۵۰ء سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور جنکو اصل کتابوں کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہوگا نقل کردہ فقرے ملتے ہیں۔ جو ان کتابوں سے لیئے گئے ہونگے۔ جو اب تباہ ہوچکی ہیں ۳۰۳ء میں رومی شہنشاہ ڈریوکلی شن نے حکم دیا۔ کہ ہر ایک نسخہ آسمانی نوشتہ کا ضائع کردیا جائے۔ اور اس طرح پر

اکثر نسخہ جات تباہ ہوگئے۔ مگر مصالحِ الٰہی نے کچھ کتابیں ایسی بچا دیں۔ جن میں ان پُرانے نسخوں سے عبارتیں نقل کی ہوئی تھیں۔ مشہور لارڈ ہیلیسنر نے ایک دفعہ کھانے کے میز پر یہ سوال کیا فرض کرو۔ کہ انجیل کے مروجہ نسخوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے تو کیا یہ ممکن ہوگا۔ کہ ابتدائی عیسائی تصانیف میں سے حوالجات کو اکٹھا کرکے نیا عہدنامہ بنا لیا جائے۔ اُس نے اس خیال پر کام کرنا شروع کیا۔ اور چونکہ علمی خیالات کا آدمی تھا۔ اور اس کے لیئے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس موجود تھیں۔ اِس لیئے دو یا تین ماہ کے عرصہ میں وہ اس بات کے اندر کامیاب ہوگیا۔ کہ ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کی تحریروں میں سے ایسے منقولہ فقرے اکٹھے کرسکے جن میں ہر ایک درس نئے عہدنامہ کے مل جاتی تھی۔ سوائے قریبًا آٹھ آیتوں کے

پس تمہارے لیئے پہلی تین صدیوں کی عیسائی تحریروں میں ایسا سامان موجود ہے کہ سارا نیا عہدنامہ وہاں سے مِلسکتا ہے۔ بشرطیکہ ترتیب قایم کرنیکا کوئی ذریعہ تمہارے ہاتھ میں ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ وہ طریق ہے جس سے ہمکو نئے عہدنامہ کی عمر اور اُسکی صحت کا پتہ ملتا ہے۔ ہم اس زمانہ سے پہلے اس کی طبع کے زمانہ تک پُہنچتے ہیں۔ پھر موجودہ قدیم نسخہ کے زمانہ تک پہنچتے ہیں وہاں سے ابتدائی بزرگوں کی تحریروں تک پہنچتے ہیں۔ اور اس طرح آخری قدم پہلی صدی میں رکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ کتاب ہمارے پاس آئی۔

غالبًا ہمارے ناظرین پادری صاحب کی اس تحریر سے بُہت سے مفید سبق حاصل کرسکیں گے اور انجیل کی قدامت اور اسکے قابل اعتبار ہونیکا بھی صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ اور جس کتاب کی یہ حالت ہو کہ ساڑھے تین سو سال تک اسکے کسی نسخے کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اسکے متعلق یہ کہنا کہ قرآن نے اسکو محرف مبدل کہنے میں ایک ایسا الزام دیا ہے جو ثابت نہیں ہوسکتا۔ پرلے درجہ کی خوش فہمی ہے۔ اوّل مشکل تو یہ کہ انجیل کو نی متی کی روایت کے مطابق تو کوئی مرقس کی اور کوئی یوحنا کے اور اصل لکھنے والونکا پتہ نہیں کہ کون تھے پھر آجتک بڑے بڑے محقق حیران ہیں کہ اسکے لکھے جانیکا صحیح زمانہ کسطرح مقرر کریں کوئی پہلی صدی کے اندر اندر انکا لکھا جانا مانتا ہے تو کوئی اسکے بھی پیچھے۔ پھر پہلے ساڑھے تین سو سال کا نسخہ بھی ندارد پھر اگر ازسر نو انجیل کو بنانیکی ضرورت پڑے تو اسکے جمع کرنیکی طرز بھی کیسی نرالی ہے کیا یہ کتاب اس کامل اور پاک کتاب کا کوئی مقابلہ کرسکتی ہے جسکی نہ صرف حضرت عثمان کے لکھے ہوئے نسخے آجتک موجود ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر زمانہ میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے سینوں میں اسطرح محفوظ رہی ہے کہ اگر ایک بھی نسخہ اسکا کسی زمانہ میں نہ ملے تو وہ ایسی ہی محفوظ ہے جیسے کروڑوں نسخوں کی موجودگی میں خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے حفاظت کاملہ کے سامان کسی مقدس کتاب کو سوائے قرآن کریم کے عطا نہیں فرمائے۔ خدا کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کتابوں کی ہمیشہ کیلیئے ضرورت نہ تھی اس لیئے انکی حفاظت کو اپنے ذمہ نہ لیا۔ مگر قرآن کی چونکہ قیامت تک ضرورت تھی اور اسکے بعد کوئی کتاب نازل ہونیوالی نہ تھی [illegible] لحافظون ٥ +

اجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ بڑی عجلت سے اسکا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جائیگا مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا + منیجر رسالہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی "	عہ	؏	للعہ	ہیر
نصف "	؏	صہ	لعہ	۱۵ روپے
پورا "	للعہ	۱۰ روپے	۱۸ روپے	۳۰ روپے

نوٹ :۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہوسکتے ہیں +

النبوۃ فی الاسلام

حضرت مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ کی تازہ تصنیف جس میں نبوۃ ورسالت کی غرض وغائیت اور اس کے امتیازی نشانات۔ ختم نبوۃ۔ محدثیت ومجددیت مبشرات۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کے دعوے مسیحیت۔ آپکی کتابوں میں اصطلاحات نبوت اور آپ کی خصوصیت کے متعلق نہایت لطیف پیرایہ میں سیر کی بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کا آنا قرآن شریف۔ احادیث صحیحہ اقوال ائمہ اور نیز کتب مسیح موعود سے بکلی ممتنع ہے +

اخبار وطن کی اس کتاب کے متعلق رائے "جمہور اسلام کو اس سے اسی قدر دلچسپی ہوسکتی ہے۔ جو مختلف جماعتوں اور فرقوں کے باہمی مناظرات سے اُسے بالعموم ہونی چاہیئے ...... اس میں صرف مرزا صاحب کی متدعویہ نبوت پر ہی بحث نہیں کی گئی۔ بلکہ قرآن کریم۔ احادیث شریف۔ اقوال ائمہ اور آخر میں مرزا صاحب کی کتب سے بتایا گیا ہے۔ کہ نبوت ورسالت کی اصل غرض وغائیت کیا ہے۔ نبوۃ ورسالت کے کونسے امتیازی نشانات ہیں۔ پھر ختم نبوت کی حقیقت کو بتا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور آپکو افضل الانبیاء اور اسلام کو کامل ومکمل مذہب ثابت کیا گیا ہے"

۵۶۰ صفحہ کی کتاب قیمت بجلد ایک روپیہ (عہ) + مجلد صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ۸)

پتہ

منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ

حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم-اے- ایل ایل-بی کے وجود باجود سے علمی و مذہبی دنیا بخوبی واقف ہے آپنے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے- جو لندن میں زیر طبع ہے- اردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمان احباب کو مبارک ہو کہ آپ نے قرآن کریم کے تفسیری نوٹوں کو اردو میں بھی شایع کرنا شروع کر دیا ہے- جس کے دو حصہ شائع ہو چکے ہیں پہلے حصہ میں صرف پارہ اوّل کے نوٹ ہیں- اور دوسرے میں جو نکات القرآن کے نام سے شائع ہؤا ہے- سورہ بقرہ ختم کر دی گئی ہے- حصہ اوّل کے متعلق ہندوستان کے ممتاز ترین اخبارات زمیندار اور وطن کی رائیں حسب ذیل ہیں:- (**زمیندار** ۱۵-اپریل ۱۹۱۵ء) جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے اُن عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جنکی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا- وُہ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں- اور ہر آیت کی تفسیر میں حقایق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں حال میں اس درس مقدس کے بعض اہم اقتباسات اُنھوں نے خود ہی قلمبند کر کے شائع فرمائے ہیں- جن میں اکثر آیات جزو اوّل اور کسی قدر آیات جزو ثانی کی تفسیر ہے- اور اس خوبی کی تفسیر ہے- کہ شاید اُردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے"

(**وطن** ۱۳-اپریل ۱۹۱۵ء) "مولوی صاحب موصوف نے قرآن شریف کے پہلے پارہ کے تفسیری نوٹ لکھکر شائع کئے ہیں- ہمارے پاس بھی ایک کاپی بغرض ریویو اُنھوں نے بھیجی ہے ... کاغذ لکھائی چھپائی سب موزون اور قابل تعریف ہے- اسوقت تک کثرت مشاغل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقعہ نہیں ملسکا- لیکن جستہ جستہ مختلف مقامات کو ہمنے دیکھا ہے اور اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ نہایت مفید کتاب ہے ... اس کی قدر مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہیئے- جیسی کہ مولویصاحب کے علم و فضل سے توقع تھی اُنھوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کو جو وہ قرآن شریف پر کیا کرتے ہیں پیش نظر رکھکر یہ نوٹ لکھے ہیں ... ہماری خواہش ہے کہ مولوی صاحب موصوف اسی طرح پورے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شائع کر سکیں ... ہم اپنی طرف سے اس کتاب کی پچاس جلدیں خرید کر مساجد کے اُن اماموں کو جو کم استطاعت ہیں- فائدہ عام کے لئے مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں"

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ حصہ اوّل (۶/)- نکات القرآن حصہ دوم قیمت (۶/)

نوٹ:- حصہ سوم خدا تعالےٰ کے فضل سے زیر طبع ہے +

المشتہر منیجر رسالہ اشاعت اسلام- عزیز منزل- احمدیہ بلڈنگس- نولکھا- لاہور

جلد اوّل ...... بابت ماہ نومبر ۱۹۱۵ء ...... نمبر (۱۲)

اشاعتِ اسلام

صفحہ (۴۸۹) کے سطر اوّل

میں "ایک کپتان رابرٹسن صاحب مرحوم کا خاندان ہے"

غلط لکھا گیا ہوا ہے۔

اصل یہ ہے:- کہ ایک مسٹر رابرٹسن صاحب کا خاندان ہے

یہ شخص زندہ ہے۔ اور سوداگر پیشہ ہیں +

نوٹ:- سب احباب اصلاح فرمالیں - نہائت تاکید -

150 And from whatsoever place *you come* forth, turn *your* face towards the sacred Mosque, and wherever you are turn your faces towards it, so that people shall have no plea against you, except such of them as are unjust. so do not fear them, and fear Me, and that I may complete My favour on you and that you may walk on the right course,[192]

١٥٠ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

Ar. *thou comest.* Ar *thy*

151 Even as We have sent among you an Apostle from among you who recites to you Our communications and purifies you and teaches you the Book and the wisdom and teaches you that which you did not know [193]

١٥١ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

152 Therefore remember Me, I will *remember you*, and be thankful to Me and do not be ungrateful to Me [194]

١٥٢ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

Or, *make you eminent*

SECTION 19

Hard Trials necessary to establish that Centre

153, 154 To gain the object patience must be shown and sacrifice of life made 155-157 The faithful exhorted to remain unshaken under trials 158 An example of how patience is rewarded 159-162. Fate of those who conceal the truth 163 The grand object is to establish Divine Unity

153 O you who believe! seek assistance through patience and prayer, surely Allah is with the patient [195]

١٥٣ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

192 By completing of favour is meant the fulfilment of all those promises of blessings which were made regarding the descendants of Ishmael Had the Prophet's *qiblah* been other than the Ka'ba, it would have been an argument against him, for in that case the prophecy would have remained unfulfilled in one part But when the prophecy and the promises made to Abraham were fulfilled in their entirety, none but the unjust could now object.

193 The connection with the previous verse is clear *That I may complete My favour on you, even as We have sent among you an Apostle* The reference is to Abraham's prayer in v 129, in fulfilment of which the Holy Prophet was raised, because it was to Abraham that the injunction was given that the Sacred House dedicated to Allah's worship at Mecca should be purified, so that it might be the centre to which all His true and faithful devotees should turn Compare the words of v 129 regarding the functions of the promised prophet, which are exactly the same as those mentioned here

194 Man's remembrance of Allah is to walk humbly in His ways, and Allah's remembrance of man is to pour His blessings upon him (IJ). But as the word *zikr* also means *eminence* (LL), the meaning may therefore be, *therefore remember Me* or *glorify Me, I will make you eminent*

195 The sacred mosque at Mecca was in the possession of the idolaters, but by making

154 And do not speak of those who are slain in Allah's way[196] as dead; nay, (they are) alive, but you do not perceive.[197]

155 And We will most certainly try you with somewhat of fear and hunger and loss of property and lives and fruits, and give good news to the patient,

156 Who, when a misfortune befalls them, say: Surely we are Allah's, and to Him we shall surely return.[198]

157 Those are they on whom are blessings and mercy from their Lord, and those are the followers of the right course.

it the *qiblah* of the Muslims, promise was no doubt given that it would soon be theirs, purified of idol worship. But to attain this great object they must seek Divine assistance which would be granted them if they endured trials with manliness and prayed to Allah.

196 The sacrifice of life which must be undergone in the cause of truth is hinted at in this passage. The words في سبيل الله frequently occurring in the Holy Qur-án signify literally *in the way of Allah* or *in the cause of Allah*. As opposed to this occur the words في سبيل الطاغوت i.e. *in the way* or *cause of the devil*, regarding the fighting of the enemies of Islam (4 : 76). The two expressions therefore signify only *in the cause of truth* and *in the cause of falsehood* respectively. Whether the cause of the Muslims was really the cause of truth, right, and justice, and whether they were compelled to fight to defend the truth or had undertaken wars to compel the unbelievers to accept Islam, is quite a different question, which has been discussed in various places. Here I may only point out that the Qur-án has over and over again asserted that the Muslims were compelled to take up the sword in the cause of truth and justice and in self-defence when they had no other alternative, and Sale's comment that the words *fi-sabil-illah* always " meant war undertaken against unbelievers for the propagation of the Muhammadan faith " is a prejudiced statement opposed to the Qur-án itself, which says that " there is no compulsion in religion " (v. 257).

197 That those who sacrifice their lives in the cause of truth never die is a truth which is generally recognized. As truth lives and falsehood must die, so those who make the triumph of truth the object of their lives do not die, even if they are slain in the cause of truth. It may be added, however, that the words *maut* and *hayat* apply respectively to *grief* or *sorrow* and *freedom from grief or sorrow* (Rgh), and therefore those who have fulfilled the object of their lives shall *never grieve*, this being the oft-recurring description of the state of salvation as given in the Holy Qur-án. Or, those who have sacrificed their lives in the cause of truth gain the life eternal, while the dead are really those who are dead in ignorance.

198 This is the true expression of a Muslim's resignation under trials. *We come from Allah, and Allah is our goal.* Therefore no trial or misfortune can disturb the course of our life, which has a much higher goal before it than mere comfort. These words are uttered by a Muslim when any misfortune befalls him. Come what may, the contentment of his mind is never disturbed.

دیگر مختلف تصنیفات	تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری
قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔اے۔اردو ..... (۲ر	(۱) براہین نیترہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔اردو قیمت (۱۰ر
نکات القرآن حصہ دوم " ... " ... (۲ر	(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔اردو قیمت بارہ آنے۔ (۱۲ر
عصمت انبیاء ...... " ... " ... (۸ر	(۳) اسوہ حسنہ۔الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو۔قیمت صرف چار آنے ..... (۴ر
غلامی ...... " ... " ... (۴ر	(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲ر
ولیسٹرن اوکینگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ انگریزی قیمت بارہ آنے ... (۱۲ر	مسلم پریئیر انگریزی قیمت چار آنے .... (۴ر
التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ایم۔ایس (۱ر	صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدرآباد دکن۔اردو۔قیمت دو آنے ..... (۲ر
طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ۔قیمت ایک آنہ ... (۱ر	بنگال کی بجو انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱ر
Miracle of Mohd	مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱ر
مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر۔انگریزی (۲ر	اور تین عدد انگریزی قیمت ...... (۳ر
اسلام اینڈ سوشلزم " " " (۴ر	مسلم ایٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔کرزن او نار
پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ... (۱ر	اردو۔فی کتاب قیمت .... (۱ر
النبوۃ فی الاسلام۔نبوت کی اصل غرض و غایت۔مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے قیمت .. (عہ	اسلامک ریویو مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳ء ۱۹۱۴ء انگریزی قیمت جلد ۱۹۱۳ء (ضہ جلد ۱۹۱۴ء ... (ضہ
حدوث مادہ " " " .. (۴ر	رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء (عہ
جلد اول ۱۹۱۴ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے	

پتہ

مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔احمدیہ بلڈنگس۔نولکھا۔

نوٹ:۔ ... ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں ...

مکمل جلد ۱۹۱۵ء رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا۔انگریزی مجلد

[illegible]

حصہ اوّل المعروف بہ -

قرآن ایک خاتم ناطق اور عالمگیر الہام

مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو - لنڈن

قیمت صرف (۱۰ر)

یہ کتاب بالخصوص مغربی تعلیم و تہذیب سے مستفیض اصحاب کی خاطر لکھی گئی ہے اور ان طالبات
تعلیم کے لئے ... اس میں کافی ... کیا گیا ہے کہ جن کے سوا تعلیم یافتہ اصحاب کی تعلیم مذہبی کو طور
... کے لئے طیار نہیں ہوتے - یہ کتاب انشاء اللہ ان ... مذہبی کو مضبوط کرے
... میں بدل دے گی - جو اس وقت مسلم تعلیم یافتہ ... میں پیدا ہو رہے ہیں - یوں تو
... مذہب ... اپنی کتاب کو عالمگیر الہام قرار دے کر دوسری کتب کو ... باطل ظاہر کرتے ہیں
لیکن ... قرآن ... کتب مقدسہ کو ... الہامی کتاب تسلیم کر کے ان سب کے مقابل
قرآن ... ناطق ... عالمگیر ... کتاب ... کے لیے لکھی گئی ہے - ... ترکا ...
... علی العموم سامنے رکھا ہے - اس کتاب میں معتقدات ... کو دلیل ہیں
... بلکہ ... دلائل عقلیہ سے جو قرآن شریف نے ... کیا گیا ہے - مثلاً جن تعلیمات اور
... کتب نے بطور دعوے یا حکم منوانا ... قرآن کا ان کے ثبوت میں دلائل عقلیہ پیش کرنا
دکھایا گیا ہے - اس کتاب میں یہ ایک خاص بات نئی بحث لائی گئی ہے - کہ مذہب یا الہام کی اصلی غرض
... تعلیم صرف تہذیب و تمدن انسانی ہے اور ایک عالمگیر الہام کے لیئے ضروری ہے - کہ اسکی تعلیمات
مختلف طبقات انسانی کے مختلف مدارج تہذیب کے موزوں حال ہو - اس امر کا لحاظ قرآن کریم کے سواء
کسی اور کتاب نے نہیں کیا - خود تہذیب و تمدن اُن کی حقیقت و ماہیت اُن کے بنیادی اصول انکے
حصول کے ذرائع اور قوانین پر ایک محقق اور حکیمانہ بحث کی گئی ہے - اور دکھلایا گیا ہے کہ موجودہ تہذیب
تمدن کے ... کس طرح ... تک قرآنی تعلیم کے زیر اثر ہیں - الغرض اس کتاب کی خوبی فہرست مضامین
سے معلوم ہو سکتی ہے - جو اگست کے رسالہ اشاعت اسلام میں دیجا دے گی - اس کتاب سے کوئی مسلم گھر خالی
نہیں ہونا چاہیئے

المشتہر

مینجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل - احمدیہ بلڈنگس نولکھا - لاہور

LITHO

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ایل ایل۔بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے۔بی۔ٹی)

نمبر (۳)	بابت ماہ مارچ ۱۹۱۶ء	جلد (۳)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ فروری ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات (ایڈیٹر) ۹۷ + (۲) علقمہ کی موت کی کیفیت ۹۹ + (۳) رحمۃ للعالمین ۱۰۱ (۴) اسلامی دستور العمل ۱۰۹ + (۵) اسلامی نماز کا فلسفہ ۱۱۲ + (۶) رشتہ داروں کے حقوق ایک مسلم پر ۱۱۶ + (۷) عربوں کا احسان تہذیب پر ۱۲۲ + (۸) ایک پرانے انگریز بادشاہ کا توحید الہی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ۱۳۱ + (۹) انبیائے بنی اسرائیل پر آنحضرت کی فضیلت ۱۴۴ +

[illegible] ماہ مارچ ۱۹۱۶ء کو خلیفہ [illegible] الدین صاحب [illegible]

قیمت سالانہ تین روپے

جنوری کا مہینہ انگلستان میں سخت سردی کا مہینہ ہے۔ اور باہر چلنا پھرنا یا زیادہ میل ملاقات بھی نہیں ہوسکتی۔ مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ کی طبیعت بھی اس ماہ میں زیادہ علیل رہی۔ بایں ایک نئی روح اسلام میں داخل ہوئی جس کی رپورٹ حسب ذیل مولوی صاحب کے ۱۹ جنوری کے خط میں ہے:-

"مس میری کو چند ماہ سے اسلام سے دلچسپی تھی۔ اس عرصہ میں وہ نہ صرف اسلامک ریویو اور دیگر رسالہ جات کا مطالعہ کرتی رہیں۔ بلکہ دو دفعہ لنڈن سے سفر کرکے ووکنگ تشریف لائیں۔ تاکہ مزید حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ آخرش اللہ تعالیٰ نے اس سعید روح کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ نصیب کی اور اُنھوں نے لنڈن میں نماز جمعہ کے وقت اسلامی مجمع میں اسلام اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ اس خاتون پر اپنی برکات نازل فرمائے۔ اس کو صراط مستقیم دکھانے میں ہماری ایک بہن امینہ نے جو ان کی ہمسائی ہیں بڑی سعی کی۔ اور اس کا بڑا ثواب انہی کے حصہ میں لکھا جائے گا۔ اُنھوں نے اس نومسلم کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور اس کی پاکیزگی کی خصوصیت سے مداح ہیں۔ ان کا نام عفیفہ رکھا گیا

جو ان کے انگریزی نام مریم کا ترجمہ بھی ہے۔"

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ موجودہ جنگ نے ہر قسم کے کاروبار کو بہت سا نقصان بھی پہنچایا ہے۔ مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ بابرکت ہی کریگا۔ اور اس میں بہت ملکوں اور قوموں کی بہتری ہوگی۔ سردست ہماری اسلامی مشن کے کام کی مزید توسیع میں بھی کسی قدر رکاوٹ ہی واقع ہوگئی۔ اور ہماری گورنمنٹ اور اس کے حلیفوں کی پوری طاقت بھی اس وقت جنگ میں فتح حاصل کرنے پر ہی صرف ہو رہی ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ انگریزی پبلک کی توجہ بھی زیادہ تر اسی طرف ہو۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو بیج اس وقت اندر ہی اندر بو یا جا رہا ہے یہ ضائع نہیں جائے گا۔ اور وقت پر اللہ تعالیٰ اس کو بارآور کرے گا۔

مولوی صدر الدین صاحب ولایت سے اطلاع دیتے ہیں کہ ترجمۃ القرآن انگریزی (جو درحقیقت ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر ہے) کا مسودہ مطبع میں چلا گیا ہے۔ پروفوں کی صحت اور بلاکوں کی تیاری میں غالباً چھ ماہ کا عرصہ اور لگ جائے گا۔ کاغذ کی قیمت جنگ کی وجہ سے بہت بڑھ گئی ہے۔ جس سے خرچ پر بہت اثر پڑے گا۔ اور غالباً جلد بندی کی قیمت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ ہو جائے گا۔ اندریں حالات قیمت پہلے اندازہ سے بہت بڑھ جائے گی۔ جس کا صحیح اندازہ اب طبع پر ہی ہو سکے گا۔ جو صاحب خریدنا چاہیں وہ صرف اپنے ناموں کا اندراج کرادیں۔ اور یہ بھی اطلاع دیدیں کہ معمولی ایڈیشن خریدیں گے یا لائبریری ایڈیشن۔

علقمہ کی موت کی کیفیت

"جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان تشریف رکھتے تھے تو علقمہ کا ذکر چل پڑا جو اُس وقت سخت بیمار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ علقمہ کا کیا حال ہے۔ عرض کیا گیا کہ حالت خراب ہے اس پر آپ نے اُن کی حالت دریافت کرنے کے لیئے ایک آدمی روانہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد وُہ واپس آیا اور عرض کی کہ علقمہ کی حالت تو نہائت زار ہے۔ اور ایسی نزع کی حالت میں نہ تو وہ دُعا کرنے کے قابل ہے نہ خدا کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔ اس امر کے سننے سے آپ کو نہایت تاسف ہؤا۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا علقمہ کی ماں زندہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ زندہ ہے۔ آپ نے ایک خادم کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اور علقمہ کی ماں سے کہو کہ محمد (صلعم) نے تم کو سلام کہا ہے اور بلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بہت بوڑھی اور ضعیف ہوں تو پھر میں خود اُن کے پاس جاؤں گا +

جب رسول اللہ صلعم کا یہ پیغام اس ضعیفہ کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگیں کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کا رسول بلائے اور میں نہ جاؤں۔ میں فوراً حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور بیٹھنے اور کچھ دیر دم لینے کے لئے فرمایا۔ جب وہ کچھ دیر دم لے چکیں تو آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے لڑکے کا کیا حال ہے۔ عرض کی کہ بہت بیمار ہے موت کے دروازہ پر ہے مگر موت آ نہیں چکتی۔ اور نزع کی ایسی سخت تکلیف ہے کہ سنگ دل دشمن بھی اس کی اس حالت کو دیکھ کر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ زبان سے دُعا و استغفار نکل سکتی ہے نہ خدا کی طرف دھیان لگا سکتا ہے +

اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ تمہارے لڑکے سے ایسا کونسا خطرناک جرم سرزد ہؤا ہے جسکی وجہ سے وہ خدا کے رحم سے اس طرح مہجور پڑا ہؤا ہے۔ حالانکہ خدا کا رحم تو ماں کے رحم سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ اور اُسکی شفقت و محبت اس ماں کی محبّت و شفقت سے جس نے تم کو جنا ہے۔ بدرجہا

بڑھ چڑھ کر ہے +

بڑی بی بولیں کہ میرا لڑکا نہایت نیک پرہیزگار متقی پارسا راستباز اور دیانتدار ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے۔ رات کا زیادہ حصّہ اپنے خالق کے آستانہ پر کھڑا رہتا اور اُس کے قدموں پر نہایت عاجزی سے سر کو رگڑتا اور دُعائیں کرتا ہے۔ رمضان کے پُورے روزے رکھتا۔ اس کے علاوہ نفس کشی کے لیئے دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھتا ہے۔ جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو سخاوت سے کام لیتا ہے۔ غریبوں کو دیتا محتاجوں کی مدد کرتا۔ مسافروں کی مہمان نوازی کرتا یتیموں کو پالتا ہے۔ نہائیت متواضع حلیم اور منکسر المزاج ہے۔ تکبر شیخی و نمود پاس تک نہیں پھٹکیں ہمسایہ کے مال پر کبھی طمع نہیں کی۔ بلکہ ہمسایوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آتا ہے۔ قصّہ کوتاہ یہ کہ میرا لڑکا قرآن کریم کے تمام احکام کا پورا پورا فرمانبردار ہے"

تب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کیا ہے جس کی وجہ سے وہ باوجود اپنے تمام اعمال صالحہ اور نیکیوں کے خدا کی رحمت سے مجبُور ہو رہا ہے۔

اس پر علقمہ کی ماں نے عرض کیا کہ ہاں یہ سچ ہے میرا لڑکا اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لیئے اکثر میری مخالفت کرتا اور میری ناراضگی کی پروا نہ کرتا تھا"

یہ سُن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگاؤ۔ جب یہ ہو چکا تو آپ نے فرمایا کہ علقمہ کو لاؤ اور اس الاؤ پر رکھ کر اسے آگ لگا دو جب علقمہ کی ماں نے یہ سُنا تو وہ رونے اور چلانے لگی اور کہنے لگی حضور میرے لڑکے نے آپ کا ایسا کونسا قصُور کیا ہے جو آپ اسکو زندہ جلانے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نیک بخت تیری نافرمانی کر کے تیرا لڑکا سزا کا مستوجب ہو چکا ہے۔ اور وہ جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔ دُنیا کی یہ ناچیز آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کوئی شئے نہیں پس میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تو اس کا قصُور معاف نہ کرے گی تو جو سزا اُس کو مرنے کے بعد ملنی ہے۔ تو اُس کا کچھ حصّہ دُنیا میں دیکھ لے اور سمجھ لے۔ کیونکہ خدا کی رحمت اس لڑکے پر کبھی نازل نہیں ہوتی جو اپنی ماں کو ناراض کرتا اور اُس کے دل کو دکھاتا ہے +

علقمہ کی ماں بولی کہ میں اپنے لڑکے کے قصُور کو معاف کرتی ہوں اور خدا کے حضور بھی التجا کرتی ہوں۔ کہ وہ بھی اس کے قصُور کو معاف کرے اور اُس پر رحم فرما دے +

جب علقمہ کی ماں اپنے بیٹے کا قصور معاف کر چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بمعہ صحابہ کے علقمہ کو دیکھنے کو تشریف لے گئے اور اُس کو بالکل آرام و سکون میں پایا۔ علقمہ نے اپنی ماں سے معافی مانگی اور خدا کے حضور دُعائیں کرتا ہوں وفات پا گیا۔ علقمہ کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ خود آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ نے کیا۔ اس کو دفن کر چکنے کے بعد حضور علیہ السلام نے ماؤں کی ناراضگی سے لوگوں کو ڈرایا اور فرمایا کہ دُنیا میں ماں سے بڑھ کر کوئی تم پر حق نہیں رکھتا۔ اُس نے تمھیں پیٹ میں رکھا۔ پالا پوسا۔ بڑا کیا۔ تربیت کی اور تمہارے لیئے اپنے تئیں فراموش کر دیا۔ پس جب تم بڑے ہو تو سب سے پہلے تمھیں اپنی ماں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ علقمہ کی حالت تمہارے لیئے مقام عبرت ہے۔ کیا وہ متقی صالح فیاض اور حلیم نہ تھا۔ لیکن ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا جرم تمام نیکیوں کے مقابلہ میں وزندار ثابت ہوا۔ اور اگر اس کی ماں اسے معاف نہ کر دیتی تو وہ آخرت میں سزا کا مستوجب ہو چکا تھا۔ پس میرے عزیزو اس کو یاد رکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ کہ وہ اپنے ماں باپ کے بڑھاپے میں ان کی پرورش کریں۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آویں اور کبھی اُن سے سخت کلامی نہ کریں۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارا کوئی نیک عمل خدا کی درگاہ میں مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت تمہاری ماں کے قدموں کے تلے ہے۔ (راقمہ مسز خدیو جنگ صاحبہ۔ حیدر آباد دکن۔ ہندوستان)

رحمۃ للعالمین

ما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین

(اور ہم نے تمکو نہیں بھیجا۔ مگر سارے جہان کیلیئے رحمت)

(از قدوائی)

۱۹۱۳ء میں جب مجھے پہلی مرتبہ مقام خلافت کی زیارت کا اتفاق ہوا تو میرے ہم مذہب بھائیوں نے دلی جوش کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ اور سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ ارکان نے مجھے بار شرف یابی بخشا۔ چنانچہ شیخ الاسلام اور قاضی عسکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ پھر کلستی

محمود آفندی اُس وقت قاضی عسکر تھے۔ اب یہی سنتا ہوں کہ وہ وفات پاگئے ہیں۔ وہ ایک بڑے فاضل شخص تھے۔ اور گو میں نے ان کو ایک طرف سے کھلے لباس میں اور سر پر عمامہ رکھے ہوئے پایا۔ مگر وہ آج کی یورپ کی دُنیا سے بخوبی واقف تھے۔ اور نپولین تک کے بعض جنگی اصُول پر تنقید کرنے کے لیئے تیار رہتے۔ گو آپ عمر رسیدہ تھے۔ مگر بناوٹ میں مضبوط اور تندرست اور توانا نظر آتے تھے۔ اور تمام بڑے بڑے اسلامی مذہبی پیشواؤں اور فاضلوں کی طرح ایک سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اُن کا مکان بہت ہی صاف تھا۔ اور ایسا ہی اُن کی نشست گاہ۔ مگر اُن کا سامان حد درجہ کا سادہ تھا۔ ایک پھُوس کی صاف چٹائی پر دو پلنگ بچھے تھے۔ دیواروں پر کسی قسم کی آرائش نہ تھی صرف ایک تصویر کی چوکھٹ تھی۔ اور اُس اکیلی چوکھٹ میں جو کہ سارے کمرے بلکہ سارے مکان کی زینت کا باعث ہو رہی تھی کیا تھا۔ وہی قرآن کی آیت جس کو مینے عنوان میں نقل کیا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین +

کیا ایک بشر کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی عزت کا خطاب ہو سکتا ہے۔ کیا اس سے بڑا اور اعلےٰ مقصد کوئی انسان اپنے آگے رکھ سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سارے جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کر کے دکھائے۔ ہاں اُس خدا نے جو انسانوں کی فطرتوں اور ان کی استعدادوں سے واقف ہے۔ وہ جو مخلوق کے لیئے سراپا رحمت اور محبّت ہے۔ اسی نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس خطاب کا مستحق سمجھا۔ اُسی نے آنحضرتؐ کے سامنے یہ مقصد عالی رکھا۔ کہ وُہ اپنے آپ کو نہ صرف اس جہان کے لیئے بلکہ کل جہانوں کے لیئے رحمت ثابت کریں +

وہ محبّت جو مسُلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ جن کو وہ خدا کا محبُوب اور نبیوں کا خاتم یقین کرتے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ آپ کو اس دُنیا میں ظاہر ہوئے تیرہ صدیاں گذر چکیں۔ دُنیا نے بے شمار تغیرات اور انقلابات دیکھے۔ اور اس کے وقت سے بُہت آدمی ہاں بُہت بڑے بڑے انسان دُنیا میں ہوئے اور گذر گئے۔ جیسا کہ اس وقت سے پہلے بھی ہوئے اور گذر گئے۔ اس کے وہ مخلص اور وفادار صحابہ بھی جنھوں نے اس کے لیئے اپنی جائدادوں کو چھوڑ دیا ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف مصائب اور تکالیف اس کو پہنچائی جا رہی تھیں۔ جنھوں نے اُس کی حفاظت کے لیئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ جو اپنے بچوّں اور اپنے

وہاں سے بڑھ کر آپ سے محبت کرتے تھے وہ بھی سب گذر گئے۔ حضرت موسےٰ کے پیروؤں نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ تم خود ہی جا کر جنگ کرو۔ حضرت عیسےٰ کے پیروؤں نے خود حضرت عیسےٰ کو پکڑوا دیا۔ اور چند روپیوں کے عوض اپنے آقا کو بیچ ڈالا۔ مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ مقدس انسان تھے جنھوں نے پہلے دن سے جب وہ آپ پر ایمان لائے آخر دن تک صدق اور وفاداری کا وہ کامل نمونہ دکھایا۔ جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ وہ ہجرت کا واقعہ جو دُنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ جہاں سے اسلامی سنہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں صرف ایک رفیق ابوبکرؓ آپ کے ساتھ تھا۔ اور اس ایک رفیق کے ساتھ آپ مکہ سے نکلے جبکہ کل کے کل لوگ آپ کے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوئے تھے اور اپنے کارندے اس غرض کے لیئے متعین کر چکے ہوئے تھے۔ اور جب ایک رفیق نے اس تنہائی کی خطرناک گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا تو آپ کا ایک دوسرا رفیق علیؓ آپ کے بستر میں لیٹ گیا۔ اور آنحضرت کی چادر کو اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ تاکہ قاتلوں کی وُہ تیز اور خونخوار تلواریں جو انھوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے تیار کی تھیں آ اس کے جسم پر اپنا کام کریں +

آب نہ علیؓ ہے اور نہ ابوبکرؓ اور وہ سیکڑوں اور ہزاروں وفادار صحابہ جنھوں نے علیؓ اور ابوبکرؓ کی طرح اپنے آپ کو دشمنوں کے نیزوں اور تلواروں کے سامنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیئے ڈھال بنا دیا وہ بھی سب گذر گئے۔ اب اسلام عرب کے بیابان تک محدود نہیں۔ نسل انسانی کی قریباً ایک چوتھائی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہے۔ دُنیا نے بھی اس وقت سے بہت ترقی کی ہے اور بہت بڑھ گئی ہے۔ پرانی دُنیا کے ساتھ ایک نئی دُنیا اور نمودار ہو گئی ہے سائنس کی ترقیات اس زمانے سے لے کر آج کہیں کی کہیں پہنچ گئیں ہیں۔ ہمارے زندگی کے سامان ترقی کر گئے ہیں۔ اور خیالات نے بھی بہت ترقی کی ہے۔ مگر ایک بھی مسلمان ایسا نہیں جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی محبت نہ ہو جو اُن مسلمانوں کو تھی جنھوں نے اس مقدس انسان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا تو اُس کے زمانے کے بعد آئے۔ چین میں تلاش کرو یا اسٹریلیا میں یورپ میں یا ایشیا میں۔ نئی دنیا میں یا پرانی میں۔ ایسے مسلمان کا وجود نہ پاؤگے لارڈ ہیڈلے اسی طرح اس سے محبت کرتا ہے جس طرح ہارون رشید کرتا تھا۔ ہارون رشید اسی طرح

ایسے ہی محبت کرتا تھا جیسے آپ کے وفادار صحابی۔ نہ زمانہ اس محبت میں جو کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے کسی طرح کم نہیں کر سکا۔ ملکی حدبندیاں بھی اس محبت کو کم نہیں کرتیں۔ عیسےٰ اور موسےٰ کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشرق کے رہنے والے تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ مشرق اور مغرب مل نہیں سکتے۔ لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جیسے مغرب کا مسلمان ویسے ہی مشرق کا مسلمان۔ اس لاتبدیل وفاداری اور محبت اس بے نظیر اخلاص کی جس پر نہ ملکوں کی حدبندیوں کا اثر ہے نہ زمانہ اپنا کوئی اثر دکھاتا ہے۔ کیا وجہ ہے صرف یہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کل جہان کے لیئے رحمت ثابت کر دکھایا تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قریبًا سب کے سب نبیوں اور بڑے آدمیوں کی عزت اُن کے ہمعصروں میں کم ہوئی ہے۔ اور بعد کی آنے والی نسلوں میں زیادہ حضرت مسیح کی زندگی کے مطالعہ سے اسکا خوب ثبوت ملتا ہے۔ جتنے جتنے لوگ اس کے زمانہ کے قریب تھے اسی قدر کم اُنھوں نے اسکی عزت کی۔ اسی لیئے انھیں خود بھی یہ شکائیت کرنی پڑی کہ نبی کی عزت اپنے وطن اور اپنے گھر میں نہیں ہوتی۔ آخر تک وہ اپنی قوم کی ایذاؤں کا شکار رہا۔ اوروں کو چھوڑو اس کے اپنے حواری جو سب سے بہتر اس کے حالات سے واقف تھے اور گھر بار بھی چھوڑ چکے تھے وہ بھی اسکی خاطر نہ صرف تکلیف اُٹھانے سے ہی گریز کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ اُنھیں میں سے ایک کا کام تھا کہ اُسے دشمن کے ہاتھ پکڑوا دیا۔ خود پطرس نے اُس کا انکار کیا۔ حضرت مسیح کی وفات پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ جب اس کی سادہ اور نیک زندگی کے اردگرد کہانیاں جمع کر کے اُسے ایک راز کی صورت بنا دیا گیا۔ جب مشرکوں کے اعتقادات لے کر یسوع کے نام کے ساتھ اُن کو وابستہ کر دیا گیا تو انسان مسیح جو لوگوں میں کسی بڑی محبت کا جذبہ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ اور مسیح نبی اللہ جو اپنے مقصد کی تکمیل نہ کر سکا۔ اور جسے کہنا پڑا کہ تسلی دہندہ نسل انسانی کی ہدائیت کے لیئے اور خدا کی بادشاہت میں داخل کرنے کے لیئے آئے گا۔ اُس انسان اور نبی کی بجائے ایک فرضی خدا کا بیٹا بنا یا گیا۔

مسیح موسےٰ کی طرح ایک اسرائیلی نبی تھے۔ اور ان کے مشن کا دائرہ بھی اسی طرح محدود تھا مگر ان سب تغیرات کے ساتھ اُس کے مشن کو بھی عمومیت کا رنگ دیا گیا۔ لیکن ایک عام مذہب

ہونے کے لیئے عیسائیت کس قدر ناموزون تھی۔ اس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے۔ جبتک لوگ صرف اس انسان کے بنائے ہوئے مذہب کی پیروی کو ضروری سمجھتے رہے۔ اُس وقت تک وہ کسی اعلےٰ حالت پر نہیں پہنچ سکے۔ بلکہ اخلاق میں تمدن میں۔ ملکی رنگ میں اور علمی رنگ میں ایک گری ہوئی حالت میں رہے۔ خود ان کے مذہب کی بنیاد ایک غیر معقول بات پر تھی وہ یقین کرتے تھے۔ کہ گناہ کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کہ عورت سخت مجرم ہے۔ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ کہ خدا کے ہاں بھی بیٹا ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا اس قسم کی بہت سی غیر معقول باتوں پر اُن کے مذہب کی بنیاد تھی۔ ایساہی مذہب کی تمدنی بنیاد بھی کسی عمدہ اصول پر نہ تھی۔ مجردانہ زندگی کو اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس طرح پر ماں اور باپ کا مرتبہ نظروں میں گرایا گیا۔ ذہانت کُند ہو گئی۔ علمی تحقیق کے محرکات کم کیئے گئے۔ توہم پرستیاں پھیلائی گئیں مسیح کی نبوت کی بنیاد ایسی کہانیوں پر رکھی گئی۔ جن میں عجوبہ باتوں اور معجزات کا ذکر ہو۔ جب تک عیسائی لوگ کلیسیا کی حکومت کے ماتحت رہے وہ ایک تاریکی کی حالت میں رہے اور تہذیب کے ادنے مقام سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ عقل وفکر سے کام لینے کے زمانہ کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب کلیسیا کا ستارہ غروب ہو گیا۔ آج یورپ اور عیسائیت اپنی تہذیب پر فخر کرتے ہیں لیکن مشرقی نکتہ خیال سے وہ مقام انسان کے نفس کی تہذیب اور تکمیل انسانی کا اعلےٰ مقام نہیں اور آج اس جنگ میں جو بعض خطرناک امور کا اظہار بعض عیسائی اقوام سے ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تہذیب کا اثر حقیقت میں یورپ کے دلوں پر کچھ نہ تھا۔ گو وہ ترقی کی حالت جس پر موجودہ تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بھی کلیسیا کے ساتھ خطرناک جھگڑوں کے بعد حاصل ہوئی ہے اور آج عیسائی مذہب کے بنیادی سربستہ راز پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں سے فہیم لوگ کثرت سے نکل گئے ہیں۔ یورپ آج اپنی ترقی پر فخر کرسکتا ہے۔ وہ یہ فخر کرسکتا ہے کہ اس کی حکومت بہت سے براعظموں پر ہے۔ لیکن ان باتوں کے لیئے وہ عیسائیت یا کلیسیا کا ممنون احسان نہیں

اب تاریخ اسلام پر نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا۔ کہ جتنے جتنے مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے نزدیک تھے۔ اور جس قدر زیادہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اُسی قدر زیادہ اُنھوں نے ہر پہلو سے ترقی کی یعنی اخلاقی پہلو۔ تمدنی پہلو۔ ملکی پہلو

اور علمی پہلو کے لحاظ سے　ان کا تنزل شروع نہیں ہوا۔ جب تک کہ وہ اسلام سے دور نہیں جا پڑے۔ ایک وقت وہ دُنیا کی سب سے زیادہ مہذب تعلیم یافتہ قوم تھے۔ درمیانی زمانوں میں صرف وہی اکیلے علم کی مشعل کو روشن کرنے والے تھے۔ جب یورپ پر ایک سخت ظلمت محیط تھی جسقدر زیادہ انھوں نے اسلام سے محبت کی اسی قدر تہذیب میں بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں عرب کی آبادی گویا کامل انسانوں کا ہی مجموعہ تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع خدا کی سلطنت کو زمین پر لائے۔ اس طرح پر کہ آپ نے ایک ایسا نمونہ قائم کیا۔ جو بہترین اور کامل ترین نمونہ اپنے وقت کے لوگوں کے لیئے اور ان لوگوں کے لیئے ہوا جو اُن کے پیچھے آنے والے تھے مسلمانوں کی کامیابی کا حقیقی راز جبتک کہ وہ مسلمان رہے سوائے اسکے کچھ نہیں تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل سے کامل اور اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ تھے۔ اسکے بالمقابل یورپ کے دانا ہمیشہ چلاتے رہے ہیں۔ اور ابتک چلاتے رہے ہیں کہ اس دُنیا کی ترقی اُن زنجیروں اور روکوں کو کاٹ دینے پر منحصر ہے جو عیسائیت نے قوائے عقلی کے نشو و نما پر ڈال رکھی ہیں۔ مگر اسلام کے دانشمند فرزند آج بھی اپنے ہم مذہبوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیئے بہترین نمونہ سمجھیں اور ایسی ہی زندگی کو اختیار کریں۔ جیسا کہ زمانۂ نبوت میں مسلمانوں کی تھی۔ کیوں اس لیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دُنیا کے لیئے رحمت ثابت کیا۔

نہ زمانہ ماضی میں دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوا اور نہ آج دُنیا میں موجود ہے۔ جس کی زندگی کے اندرونی اور خانگی پہلوؤں کی نہایت باریک تفصیلات پبلک کے سامنے کھول کر رکھی گئی ہیں اور نہ صرف اپنے ہمعصروں اور ہموطنوں کے سامنے بلکہ ہر زمانے ہر ملک کے کروڑ در کروڑ انسانوں کے سامنے اور جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نسل انسانی کے لیئے نمونہ بننے کے قابل ثابت ہوا ہو۔ وہ روایات جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں ہم کو پہنچی ہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور اُن میں سے ایک ایک اور وہ سب کی سب اس انسان۔ ہاں فخر نوع انسان کی عزت کو ہمارے دلوں میں بڑھاتی ہیں۔ پس وہی لفظ کے حقیقی معنے کی رُو سے جہانوں کے لئے رحمت ثابت ہوا ✤

قریباً تمام مذاہب حتیٰ کہ بدھ اور یسوع کے پیروؤں نے اپنے نبیوں کو خدا بنا دیا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہی کہا انما انا بشر مثلکم۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں باایں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی محبت انسانوں کے دلوں میں اس خالص بشر سے بڑھ کر ہو کیوں اس لیئے کہ یہ بشر جہانوں کے لئے رحمت ثابت ہوا۔

پھر تمام نبیوں نے اپنے نبوّت کے دعوے کی بنیاد معجزات پر رکھی اور حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت بڑھ کر تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیروؤں نے بھی روحانی طاقت کے بڑے بڑے معجزات دکھلائے ہیں۔ لیکن آپ نے اعلان یہی کیا کہ میرا دعوےٰ نبوت کی بنا میری تعلیم کا کمال ہے۔ نہ معجزات کا دکھانا۔ لیکن جن لوگوں کے بڑے بڑے معجزات مشہور کیئے جاتے ہیں ان میں سے کون ہے جس نے نسل انسانی کے دلوں میں اتنی محبت پیدا کی ہو جتنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ آپ کی تعلیم اپنے اندر کمال رکھتی تھی۔ اور آپ کا وجود واقعی جہانوں کے لیئے رحمت تھا۔

لوگ آج اُن باتوں پر ہنستے ہیں جن کو مختلف قوموں نے معجزات کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ موسےٰ اور مسیح کے معجزات کو بھی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ معجزہ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ کہ سارے جزیرہ نمائے عرب کی کایا ایک قلیل عرصہ میں پلٹ دی اور ذلیل سے ذلیل حالت سے نکال کر اعلےٰ سے اعلے حالت پر پہنچا دیا۔ اس کا آج کوئی متشکک بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک مشہور متعصب عیسائی مصنف سر ولیم میور نے اس انقلاب کا اقرار جو درحقیقت دُنیا کے اعظم ترین معجزات میں سے ہے۔ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ایک ایسے وقت سے جس کا پتہ تاریخ بھی نہیں دیتی۔ مکہ اور سارا جزیرہ نما روحانی موت کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہودی عیسائی یا فلسفیانہ تحقیقات کے چھوٹے چھوٹے اور عارضی اثرات عرب کے دلوں پر ایسے ہی تھے جیساکہ ایک جھیل کے ساکن پانی کی سطح پر کوئی ہلکی سی لہر نمودار ہو جائے۔ نیچے سب سکون اور بے حرکتی کی حالت میں رہے۔ لوگ توہم پرستی میں ظلم اور بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا۔ کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو اپنی زوجیت میں لے لیتا جو باقی جائداد کے ساتھ مال کی طرح بطور ورثہ اُس کو پہنچ جاتی۔ تکبر اور

افلاس نے اُن کے درمیان دختر کشی کی رسم کو جاری کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہندوؤں میں کر دیا اُنکا مذہب ایک بڑی موٹی بت پرستی تھی اور اُن کا ایمان بعض نہ دیکھی ہوئی ہستیوں کا توہم آمیز خوف تھا۔ جن ہستیوں کی خوشی کو وہ حاصل کرنا چاہتے اور جن کی ناراضگی کو دُور کرنا چاہتے تھے اور ایک حاکم کل باری تعالےٰ کی ہستی پر فی الواقع اُن کا کوئی ایمان نہیں تھا۔

زندگی بعد الموت اور نیک اور بد کی جزا، اعتقادات افعال کے محرکات ہونے کے رنگ میں عملاً مفقود تھے۔ تیرہ سال ہجری سے پہلے مکہ اس ذلت کی حالت میں مردہ پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ سالوں نے کیسا زندگی کا انقلاب پیدا کیا۔ کئی سو انسانوں کا ایک گروہ ایسا تھا۔ کہ اُس نے بُت پرستی کو ترک کر دیا۔ اس کی جگہ ایک خدا کی عبادت اختیار کی اور اس ہدایت کے لیئے اپنے آپ کو کامل طور پر فرمانبردار بنا دیا۔ جس کو وہ خدا کی طرف سے وحی یقین کرتے تھے۔ وہ بار بار اور جوش کے ساتھ قادر مطلق سے دعائیں کرتے تھے۔ معافی کے لیئے اسی کے رحم کیطرف نظر اُٹھاتے اور یہ کوشش کرتے کہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ سخاوت پرہیزگاری اور انصاف کی پیروی اختیار کریں۔ وہ اب خدا تعالےٰ کی کامل طاقت اور اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں میں اسی کی ربوبیت کے احساس کے نیچے زندگی بسر کرتے تھے۔ قدرت کے تمام عطیات میں زندگی کے تمام رشتوں میں اپنے انفرادی اور قومی کاموں کے ہر ایک پہلو میں وہ خدا کے ہاتھ کو کام کرتا ہوا دیکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ نئی زندگی جس میں وہ خوش تھے اُسے وہ خاص فضل کا نشان سمجھتے تھے اور اپنے اندھے ہموطنوں کے کفر کو خدا کی طرف سے سخت دلی کی مہر یقین کرتے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اس زندگی کے پہنچانے والے تھے۔ اور خدا کے نیچے اُن کی امیدوں کا سرچشمہ تھے۔ اور آپ کے سامنے وہ بلا عذر سر تسلیم خم کرتے تھے۔"

صرف عرب ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور نمونہ کے اثر کے نیچے آئی ہے۔ آپ نے ایک ہمیشہ تک رہنے والا اثر نسل انسانی کے ہر ایک ملک کے لوگوں کی زندگی پر اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر چھوڑا ہے۔ آپ نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جو کبھی پہلے انکو حاصل نہ ہوئے تھے۔ اور آج تک بھی یورپین اور عیسائی ممالک میں حاصل نہیں ہوئے آپنے اُن کو اس الزام سے بری ٹھیرایا۔ کہ وہی نسل انسانی کی گناہ کا موجب ہیں۔ آپ نے والدین کیلیئے

ادب کی تعلیم دی۔ آپ نے غلاموں اور مزدوروں کی حیثیت کو وہاں تک پہنچایا۔ کہ آج یورپ کے جمہوری ممالک میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔ آپ نے ساری نسل انسانی کو ہر ایک قوم اور رنگ اور خیالات کے پردوں اور عورتوں کو خواہ وہ دُنیا کے کسی حصے میں ہوں ایک ہی زنجیر میں منسلک کیا۔ اُس زنجیر میں جس کو حبل اللہ کہکر آپ نے یہ بتا دیا۔ کہ آپ سارے انسانوں کے لیئے ایک ہی سلسلۂ اخوت قایم کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں آج امریکہ جیسے جمہوری خیالات کے عیسائی ملک میں کالی قوموں کے لیئے ایک مار پیٹ کا قانون بھی موجود ہے۔ جہاں آج یورپ کی تہذیب میں یورپین اور غیر یورپین کے لیئے علحدہ علحدہ حقوق تجویز کئے جاتے ہیں۔ اور اُسکی تعلیمی درسگاہوں میں بھی رنگ کا سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ جہاں سارے عیسائی ممالک کی نجات کا انحصار صرف ایک مسیح کے خون پر رکھتے ہیں اور اعمال ہیچ ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ صدیاں بیشتر نہ صرف ہر ایک قوم اور ملک سفید و سیاہ کو یکساں ملکی اور تمدنی حقوق عطا فرمائے۔ بلکہ نجات کے دائرہ کو بھی وسیع کر کے ہمیشگی کے جہنم سے آخر سب ہی قوموں کو باہر نکالا۔ اور کسی کے نیک اعمال کو محض ردّی کی طرح نہیں ٹھیرایا۔ بلکہ ہر ایک نیک کام کا نیک پھل بتایا۔ خدا کی بے شمار برکتیں اور رحمتیں اس فخر نوع انسان پر نازل ہوں جو تمام دُنیا کے لئے رحمت ثابت ہؤا۔ اور جس کے لیئے خدا نے فرمایا ”وما ارسلناك الا رحمة للعٰلمین“۔

اسلامی دستور العمل

از لارڈ ہیڈلے

حمد باری تعالیٰ۔ شکر گذاری۔ دُعائے استقامت و ہدایت۔ اسلامی عبادت کے لب لباب اور جزو اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں ظاہری رسم و رواج کا نام تک نہیں ہوتا۔ اور میرے نزدیک مذہب کی سچائی کی سب سے بہترین شہادت مساجد کی بیحد سادگی میں پائی جاتی ہے۔ جہاں کوئی شئے خیالات کو قطعاً پراگندہ نہیں کرسکتی۔ اور اُس خالق حقیقی کے قرب

حاصل کرنے کے لیئے کسی بیرونی امداد کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ نماز کے بارہ ارکان سے جس قدر عجز وانکسار اور اطاعت اللہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے باطنی اور روحانی فضل کا کھلا کھلا اور آشکارا نشان ہویدا ہوتا ہے۔ اور اسی فضل کی برکت سے ہم میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ کہ اس زندگی کے ہر شعبہ۔ ہر موقع اور ہر حالت میں ہم اُس مالک حقیقی کی حمد و شکر گذاری کریں۔ اور اُس سے امداد کے خواہاں ہوں۔

ہاں اگر ہمارے دِل میں خدا تعالےٰ کی سچی محبت اور تڑپ ہے تو ہم خواہ کسی حالت میں ہوں۔ لیٹے۔ کھڑے۔ بیٹھے۔ رکوع یا سجود میں ہماری دُعائیں ضرور سُنی جائیں گی۔ اور ہم قبولیت کے درجہ کو بلاشبہ حاصل کریں گے۔

میرے خیال میں مساجد کی پنجوقتہ نماز کے علاوہ گھروں میں بھی عبادت اور دعاؤں کی بُنیاد ڈالنی چاہیئے۔ جہاں کہ دن میں دو مرتبہ اہل خانہ اکٹھا ہو کر عبادت میں شریک ہو سکیں۔ اس طرح ذاتی طور سے حمد و صلوٰۃ کا سلسلہ ضرور جاری ہونا چاہیئے۔ اور یہ فعل ازخود تہ دل سے سرزد ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کسی قسم کے جبر یا ارادہ کا دخل نہو۔ ہر ایک انسان کی رُوحانی زندگی کا یہ خاصہ ہونا چاہیئے۔ کہ صبح اُٹھتے ہی اُس کے مُونھ سے الحمد للہ کی صدا یکلخت نکل پڑے۔ اور پھر ان الفاظ کا سرور تمام دن باقی رہے۔

میرے خیال میں خانگی عبادت اس طرح شروع کرنی چاہیئے۔ کہ اوّل قرآن مجید کی کوئی سورت یا چند آیات تلاوت کی جائیں۔ بعدہٗ مشہور و معروف اسلامی دُعا پڑھی جائے۔ الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ اس کے بعد اور دعائیں کی جائیں اور اختتامی دُعاء کے قبل شکریہ اور استقلال و استقامت کی دُعا کیجاوے جو اس طرح ہو "اے میرے پیارے خدا تو بہت ہی قریب اور نزدیک تر ہے۔ تو ہر جگہ تاریک رات اور چمکتے ہوئے دن میں صراط مستقیم پر چلانے اور رہنمائی کے لیئے موجود ہے" بعدازاں سب سے آخری اور اختتامی دُعا یوں ہو سکتی ہے۔ کہ "اے خداوند خدا چونکہ بغیر تیرے ہم تجھے خوش کرنے کے

قابل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اپنے فضل و کرم سے یہ بخش کہ تیری روح القدس ہر امر میں ہمارے دلوں پر حکومت اور ہماری رہنمائی کرے"۔

مؤخر الذکر دُعاء عیسائی مذہب کی دُعاء ہے جس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے" اصل دُعا نہایت اچھی دُعاء ہے اور ایک مسلمان بھی مانگ سکتا ہے اسکا خاتمہ موردِ اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بالکل غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ ہم اپنی التجا اپنے خالق اور اپنے مالک کے حضور پیش کرتے ہیں۔ جو کہ سب سے اعلےٰ اور سب سے اوّل ہے۔ جب ہم اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں تو اسکی کیا ضرورت ہے کہ کسی اور کا نام اس کے درمیان لیا جاوے۔ جب ہم اپنے خالق کے پاس جاتے ہیں۔ اور اُس کا قرب تلاش کرتے ہیں تو ہم کسی مخلوق کا نام کیوں لیں۔ ہاں جب کبھی برگزیدہ نبیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یعنی حضرت موسےٰ۔ جناب مسیحؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا نام آتا ہے تو ہم ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ بزرگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مقدس پیغام اور ہدایات لے کر نازل ہوئے۔ اس جگہ اسلام ہی کا منوّر چہرہ چمکتا ہے۔ کیونکہ اسلام یہ بتلاتا ہے کہ ایک بندہ یا مخلوق اپنے خالق کا قرب بغیر کسی دُنیوی شفاعت یا دستگیری کے حاصل کر سکتا ہے جس وقت ہم اپنے مقدس نبی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ درود پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہم حضرت مسیحؑ اور دیگر انبیاء سابقین کو عزت اور تعظیم و تکریم سے یاد کرتے ہیں۔ اسلام انسانی کمزوریوں اور الہام الٰہی کی ضرورت کو اس قدر سمجھتا اور پہچانتا ہے۔ کہ وہ اُن میں بالکل امتیاز یا علیحدگی نہیں کر سکتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم سب سے آخری اور جلیل القدر نبی ہیں اور آپؐ کی ستودہ عملی زندگی اور حمیدہ خصائل کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی مرضی زمین پر ظاہر ہوئی اور ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اگر ہم اُن اعلےٰ اور ارفع نمونوں پر چلنے کی کوشش کریں جو آنحضرت صلعم نے ہمارے لئے چھوڑے ہیں۔ تو ہم بالضرور خدائے مطلق کی مرضی پوری کریں گے۔ ہمیں اپنی دعاؤں کے اخیر میں یہ کبھی کہنے کا وہم بھی نہیں گذرتا کہ "ہمارے خداوند محمدؐ کے وسیلے سے" کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جس وقت کوئی شخص خدا تعالےٰ کے حضور عرض گذرانتا ہے۔ خدا اُس کی سُنتا ہے۔ یہ بات کس قدر سنجیدہ ہے

کہ قادر مطلق کا قرب صرف ایک شفیع یا ربانی کے ہی ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام۔ جناب مسیح ناصری اور آنحضرت صلعم نے اپنا اپنا پیغام پہنچا دیا۔ لیکن خدا تعالےٰ ہی اپنے بندوں کی سنتا اور اُن کو تسلی بخشتا ہے +

اسلامی نماز کا فلسفہ

نمبر (۲)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ نماز کے مقررہ اوقات بذات خود اپنے اندر ایک خاص فلسفہ رکھتے ہیں۔ یہ اوقات معینہ نماز کے لیئے نہایت ہی موزون اور مناسب ہیں۔ اور انسان کی سرشتِ عبودیت کے لیئے ایک قسم کا معیار اور محک ہیں۔ علاوہ بریں انسان کی اپنی چال چلن درست کرنے میں پوری امداد کرتے اور اس امر کی تعلیم دیتے ہیں۔ کہ ہر موقع اور ہر آن صبح اور شام دن اور رات انسان اپنے فرائض کو مدنظر رکھے۔ اپنے وقت کا موازنہ کرے۔ اور اپنے ہر ایک کام میں پابندی وقت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اور اپنے فریضہ کی ادائیگی کے لیئے ہر وقت چست و ہوشیار رہے +

ایک مسلم کتنا ہی دلچسپ اور خوش گوار کام میں مشغول ہو۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے۔ اور بخلاف گرجے کے گھنٹے کی بے معنی اور کرخت آواز یا صدائے ناقوس کے مؤذن کی بلند اور دلکش اذان کی آواز اللہ عزّ وجل کی حمد و ستائش کرتی ہوئی گونجتی ہے اور ایک سچّے مسلم کو حی علی الصلواۃ اور حی علی الفلاح یاد دلاتی ہے۔ اس وقت سب کے سب اپنا فرض منصبی سمجھ کر نماز کے لیئے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نماز کو تمام مشاغل اور دلچسپیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور مؤذن اذان دیتے وقت اپنے کانوں کو اس لیئے بند کر لیتا ہے۔ کہ اپنے بھائیوں کو نماز کی طرف بلاتے وقت کوئی دوسری آواز مثلاً ریل گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ یا ہوائی جہاز کی سنسناہٹ اُس کے اس کار منصبی میں خلل انداز

اور باعث انتشار نہ ہو۔ اور جب وہ موذن کی پکار اور اس فریضہ کی آواز سنتے ہیں جو اُن کو قادر مطلق خدا کون و مکان کے فرمانروا یوم حساب کے مصنف اعلیٰ بادشاہوں کے شاہنشاہ۔ قدوس اور پاک جل شانہٗ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو پکارتی ہے تو کیا انکو زیبا ہے کہ اس معبود حقیقی کے رُوبرو میلے اور گندے ہاتھ مُنہ لیکر حاضر ہوں۔ حالانکہ جب وہ دنیا کے ایک معمولی افسر یا حاکم کے سامنے جاتے ہیں تو اپنے جسم اور لباس کی صفائی کا بہت ہی خیال رکھتے ہیں۔ شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جسمانی طہارت قدرتاً روحانی پاکیزگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ دیگر مذہبی معلموں نے بھی طہارت کا درجہ خدا پرستی کے بعد رکھا ہے۔ لیکن اُنھوں نے اور اصولوں کی طرح اس کو بھی صرف چند ہدایات پر اکتفا کر دیا اور ان کو عملی صورت میں لانے کا کوئی طریقہ قطعاً اختیار نہیں کیا لیکن آنحضرت صلعم نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح قواعد مرتب کیئے ہیں اُسی طرح اُن کو عملی صورت میں بھی برت کر ہمارے لیئے نمونہ پیش کیا ہے۔ مُسلمانوں کے نزدیک طہارت جسمانی اور روحانی مذہبی فریضہ میں داخل ہے۔ چنانچہ غسل کے لیئے بھی خاص ارکان مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ایک ٹب میں محض غوطہ لگا لینے سے کوئی شخص پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر ارکان کو بھی خاص طور پر مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ تاکہ جسم واقعی پاک اور صاف رہے۔ غسل کے ساتھ لباس کی پاکیزگی اور تندرستی اور سائنس کے رُو سے بھی صفائی کا معقول لحاظ رکھا گیا ہے

العرض جب مُسلمان نماز کے واسطے جاتے ہیں تو پہلے وضو کر لیتے ہے۔ یعنی جسم کے وہ جو حصے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اچھی طرح دھوئے جاتے ہیں۔ بند اور گندے پانی میں نہیں بلکہ صاف شفاف اور بہتے ہوئے پانی میں۔

اس طرح مسلمان پاک صاف دل تازہ اور مطہر جسم کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں جب مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے یا قرآن پاک کو چھُونے کے لیئے جسمانی طہارت لازمی ہے تو ایک مسلمان اپنے دل میں فطرتاً یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس خالق حقیقی کے حضور میں حاضر ہونے کے لیئے صفائی قلب اور پاکیزگیٔ دل کی کس قدر ضرورت ہے۔ مسلمان اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سوائے خدا تعالےٰ کے کسی اور سے مدد نہیں طلب کر سکتے۔ پس ہر حالت میں خواہ وہ

پاک ہوں یا نہ ہوں۔ اُسی ایک معبود کے آگے سر جھکانا ہے۔ یعنی اُن کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُس کے سامنے جسمانی طہارت کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے۔ اور اپنے دلی خیالات کا اظہار صفائی کی حالت میں کرنا چاہیئے۔ الغرض وضو سے جس طرح ظاہری صفائی ملحوظ ہے۔ اُسی طرح اس کے اندر ایک باطنی پاکیزگی بھی متصور ہے۔ مسلمان جب وضو کے وقت اپنا ہاتھ دھوتا ہے تو اُس سے صرف یہ مراد نہیں کہ وہ ہاتھوں کے گرد یا الائش سے پاک کرتا ہے۔ بلکہ اُن ناپاک امور سے جن کا اُس نے ارتکاب کیا ہو اپنے ہاتھوں کو پاک صاف کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنا چہرہ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں دھوتا ہے۔ تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان اعضاء کو جو کسی افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے ہوں پاک کرتا ہے۔

مثلاً اگر کسی نے اپنی زبان کو غیبت کر کے پلید کر لیا ہو یا اُس کے کان دوسری کی بدگوئی سن کر ناپاک ہو گئے ہوں تو اُسے چاہیئے کہ ان اعضاء کو اس قسم کی نجاست سے پاک کرنے کے بعد خدا تعالےٰ کے حضور نماز میں کھڑا ہو۔ اور پھر جب وضو کے وقت اپنی تر انگلیوں سے سر پر مسح کرتا ہے تو اس سے اس کی یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کا دماغ ہر قسم کے بُرے خیالات سے منزہ اور صاف ہو جائے۔ قبل ازیں کہ وہ اپنے خالق حقیقی سے باتیں شروع کرے۔

الغرض ارکان وضو سے صرف جسمانی ہی طہارت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دماغی اور روحانی پاکیزگی بھی مقصود ہے۔ وضو کرنے کا یہ مقصد ہے کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ جسمانی صفائی اور روحانی پاکیزگی ایک دوسرے کے ہم پہلو ہیں اور روح اُسی حالت میں اپنے خالق کے ساتھ ہمنوا ہو سکتی ہے جبکہ جسم نہایت پاک اور مطہر ہو۔ چنانچہ اسلامی جماعت میں قواعد وضو یا طہارت کی وجہ سے بہت سی ناپاکیوں میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اور ایسے لوگوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ جو نماز میں پاک و صاف دل کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور خدائے حی قیوم سمیع و علیم کے حضور اپنی غلطیوں اور گناہوں سے سچی توبہ کر کے اور بھی زیادہ پاکی کے طالب اور جویاں ہوتے ہیں۔ پس وہ ظاہری اور باطنی معنوں میں فی الحقیقت پاک و صاف ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے قبل وضو کرنے سے نماز کی اہمیت اور پاکیزگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور مرد و عورت اپنے فریضہ کو اُس خالق رب العالمین حی و قیوم خدا کے حضور نہایت خلوص کیساتھ

ادا کرتے ہیں۔ پس جس طرح اسلام کے اندر اور بھی ارکان و قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ اسی طرح نماز کے قبل وضو بھی ضروری اور لابدی شئے ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا..... ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون..... یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ ۶-۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب نماز کے لیئے تیار ہو تو اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور سروں پر مسح کر لو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور اگر حالت جنب میں ہو تو غسل کر لیا کرو..... اللہ تعالےٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر کرو..... اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ خدا کے لیئے کھڑے ہوجانے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات کا مجرم نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقوٰے سے بہت قریب ہے۔ اور اللہ کا تقوٰے کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ صرف ظاہری صفائی یا پاکی مکتفی نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ متذکرہ بالا آخری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیرونی صفائی حفظان صحت کے لحاظ سے تو ایک اچھی چیز ہے لیکن تقوٰے اور انصاف انسان کو راستبازی کو قریب لاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ دلوں کے راز سے بخوبی واقف ہے۔ پس اگر ہم دو ہزار مرتبہ وضو کریں اور اس کے حضور ناپاک دل اور نجاست آلود خیالات لیکر حاضر ہوں تو ہماری نماز کبھی قبول نہ ہوگی اور ہماری دعائیں ہرگز سنی نہ جائیں گی۔ اس لیئے ہم کو چاہیئے کہ اس قدوس خدا کے دربار میں عجز و انکسار اور خلوص اور صفائی قلب کے ساتھ حاضر ہوں۔

حضرت نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو صفائی قلب اور دل کو نخوت و تکبر اور منافقت سے پاک کرنے کے واسطے بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے دلوں کو ہر کسی قسم کی گندی الائشوں اور کمزوریوں سے منزہ کرو۔ اور اپنے دماغ کو ہر قسم کے حاسدانہ خیالات سے جو خدا کی طرف سے

توجہ کو پھیرنے والے ہوں پاک کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسمانی طہارت نہایت ضروری ہے۔لیکن دماغی اور روحانی طہارت اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ قرآن شریف کا مقصد صرف تمہارا تزکیہ نفس ہے +

رشتہ داروں کے حقوق ایک مسلم پر

ہدیۃ الزوجین

(ایک ہندوستانی فرمانروا کی قلم سے۔)

ہدیۃ الزوجین یعنی پہلا حصہ اس کتاب کا جس میں مسلمانوں کے اس حصۂ زندگی پر بحث ہوگی جو خانہ داری کے نام سے موسوم ہے ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کی قلم سے نکلا ہے۔ ذیشان اور عالی مرتبہ مصنفہ کے نام سے ہندوستان کا ہر فرد بشر واقف ہے۔ یہ ایک نہائیت ہی دلچسپ کتاب ہے اور موجودہ زمانہ کی ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرنے والی ہے۔ اس میں مفصل ہدایات میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے متعلق دی گئی ہیں۔ اور یہ نہایت ہی خوشی کا مقام ہے کہ ہز ہائینس باوجود ان کثیر اور اہم ذمہ داریوں کے جو ہندوستان کی ایک بڑی ریاست کے بار انتظام نے اُن کے ذمہ ڈالی ہوئی ہے۔ اور جن کو وہ احسن طریق پر پورا فرمارہی ہیں۔ اپنی علمی قابلیت سے بھی مخلوق کو فائیدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ اور اس طرح پر آپ کی توجہ نہ صرف اپنی رعایا کی بہبودی پر ہی منعطف ہے۔ بلکہ اہل اسلام کے ہر ایک قسم کے فوائید آپ کے مدنظر ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کی علمی فضیلت سے ہندوستان کا لٹریچر فائیدہ اُٹھاتا رہتا ہے۔ مگر آپ کی موجود تصنیف ان سب میں بڑھ کر قیمتی تحفہ ہے۔ ہر ایک شخص جو مسلمانوں کی خانگی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اِس کتاب سے صحیح علم حاصل کرسکتا ہے۔ اصل کتاب اُردو میں ہے۔ لیکن اس کا انگریزی ترجمہ ہز ہائینس کے ان بہنوں کے لیئے جنھوں نے مغرب میں اسلام کو قبول کیا ہے۔ بہت مفید اور بابرکت ہوگا۔

ہم مندرجہ ذیل ہدایات اس کتاب کے آخری باب سے نقل کرتے ہیں جس میں ان ذمہ داریوں کا ذکر ہے جو اسلام کے ماتحت ایک شخص کے ذمہ اپنے رشتہ داروں کے لیئے عائد ہوتی ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کے لیئے ان سے بہت سی باتوں پر نئی روشنی پڑیگی۔ وہ حالت جو ہم بعض دوسرے ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مائیں افلاس کی حالت میں زندگی بسر کررہی ہیں اور بیٹے اپنے تعیشات میں منہمک ہیں۔ اسلام میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ خانہ داری کا جو مغربی مفہوم ہے اس کے لحاظ سے وہ ذمہ داریاں جو ایک مسلم پر عاید ہوتی ہیں بہت وسیع ہیں۔ اور باوجود اُن کی وسعت کے وہ صرف لفظی یا نام کی ذمہ داریاں ہی نہیں۔ بلکہ عملاً اپنی آسائش کو قربان کرکے دوسروں کی آسائش کو مدنظر رکھنا اسلام کی اصلی تعلیم ہے۔ عالی مرتبہ مصنفہ نے اس مضمون کو ایسی صفائی سے لکھا ہے۔ کہ ہم آپ کے اصل الفاظ پر کچھ بڑھانا نہیں چاہتے +

ذوی القربےٰ

گھر کے تمام تعلقات صرف میاں بیوی سے ہی وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان تعلقات کے سلسلہ میں وہ اقربا اور اعزا بھی شامل ہیں۔ جن کی خدمت اور خبرگیری مرد یا عورت کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔

اولاد بالعموم دونوں کی متاع مشترکہ ہے۔ جس کی قدرتی محبت دونوں کے دلمیں ہوتی ہے اور اس کے متعلق والدین کے جو فرائض ہیں وہ اس قدر صاف ہیں۔ کہ محتاج بیان نہیں لیکن بعض خاندانوں میں سوتیلی اولاد سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ایسی اولاد پہلی بی بی سے ہے تو موجودہ بی بی کو اگرچہ اس کے ساتھ قدرتاً الفت نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس کا فرض ہے کہ وہ حقوق العباد اور خاوند کی خوشی کے خیال سے اُس کے ساتھ محبت کرے۔ کیونکہ خداوند کریم نے اس کو باپ کی دولت وثروت میں حصہ دار اور مستحق بنایا ہے۔ اسی طرح اگر عورت کے پہلے خاوند سے کوئی اولاد ہے اور وہ قابل پرورش ہے۔ تو اگرچہ وہ موجودہ خاوند کی دولت و آمدنی میں کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔ لیکن عورت کی خوشی اور استحسان کے خیال سے اس کی پرورش کرنی چاہیئے۔ اِس کے علاوہ عورت کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مہر اور نان ونفقہ

سے ایسی اولاد کی پرورش کرے +

اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام نے اسی محبت و شفقت کے ساتھ جو اپنی صلبی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسی اولاد کی پرورش کی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل مسلمانوں کے لیئے ایک سُنّت اور صحابہ کرام کا ہر ایک کام ایک نمونۂ عمل ہے +

اب ذرا غور سے دیکھو کہ مندرجۂ بالا قسم کی اولاد کے ساتھ عورت و مرد کی نیتیں گھر میں کس قسم کی مسرت پیدا کرتی ہیں۔ اور زوجین میں کس طرح محبت بڑھنے کا باعث ہوتی ہیں +

تعلقات عزیزداری میں والدین اور ذوی القربے کا خیال رکھنا۔ ان کی خبر گیری کرنا اور ان کی خدمت بجالانا بھی فرائض میں داخل ہے۔ والدین جو ہزاروں تکلیفیں اُٹھاکر اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ اس بات کا حق رکھتے ہیں۔ کہ اولاد اُن کی خدمت بجالائے۔ اور جب وہ اپنی دولت اور کمائی کا بڑا حصہ اولاد کی پرورش میں صرف کرتے ہیں۔ تو ان کا استحقاق ہے۔ کہ وہ اولاد کی کمائی اور دولت سے بھی فائدہ اُٹھائیں :۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ مَالاً وَّاِنَّ وَالِدِيْ يَحْتَاجُ اِلٰى مَالِيْ قَالَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ (ابو داؤد و ابن ماجۃ)

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ میرے پاس مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا حاجتمند ہے؟ فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک ہیں۔ (ازاں بعد حاضرین کیطرف روئے سخن کرکے فرمایا) کہ تمہاری اولاد تمہاری پاک اور حلال کمائی ہے (تو تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے بے دغدغہ کھاؤ۔

والدین کی اطاعت۔ فرمانبرداری اور خدمت جس درجہ اولاد پر فرض ہے اور اعزاو اقربا کے ساتھ جیسے حسن سلوک اور مودّت و محبت کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے بخوبی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ خداوند کریم کے نزدیک والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اس درجہ وسیع ہے۔ کہ جہاں اس نے اپنی عبادت کرنے شرک و فسق سے بچنے اور نماز و زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہیں والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا	اور اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں"
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط	اور ہمنے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنیکا حکم دیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جس (کے شریک خدا ہونے) کی تیرے پاس کوئی معقول دلیل ہے ہی نہیں تو (اس بات میں) ان کا کہا نہ ماننا"
وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○	اور اپنے والدین کے خدمت گذار (بھی) تھے اور سخت گیر (اور) خودسر نہ تھے"
وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○	اور مجھکو حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں اور نیز مجھکو اپنی ماں کا خدمتگذار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بدراہ نہیں کیا"

یہی نہیں کہ احسان کی ہدایت کی گئی ہو۔ بلکہ ادب اور نرمی سے بات کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝	اور (اے پیغمبر) تمھارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ (لوگو!) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب) اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ انکو جھڑکنا۔ اور اُن سے دیکھ) کہنا (سنا ہو تو) ادب کے ساتھ کہنا (سننا)۔

ان کے ساتھ خاکساری کرنے۔ اور اُن کے لیئے دُعائے مغفرت اور رحمت کے مانگنے کی ان الفاظ میں ہدایت کی گئی ہے :-

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝	اور (اے شخص) محبت سے خاکساری کا پہلوان کے (یعنی ماں باپ کے) آگے جھکائے رکھنا اور (انکے حق میں) دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جسطرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے (اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں) اسطرح تو بھی ان پر (اپنا) رحم کیجیو۔

والدین کے بعد زیادہ تر جو قریبی عزیز ہوتے ہیں ان کی تفصیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ ان کی نسبت صرف ذیل کی ایک ہی حدیث کو پڑھ لینا چاہیئے " حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس بات کا حقدار کون ہے۔ کہ جس کے ساتھ میں سلوک کروں فرمایا تیری ماں۔ عرض کیا۔ پھر کون فرمایا تری ماں۔ عرض کیا پھر کون فرمایا تیری ماں۔ اُس نے عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیرا باپ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں (یعنی اپنی ماں سے سلوک کر) پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔ پھر جو تجھ سے زیادہ قریب کا رشتہ رکھتا ہو۔"

اسی طرح ایک اور حدیث بھی ترمذی شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت نے تین دفعہ ماں کے ساتھ۔ اور پھر باپ کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد۔ پھر جو زیادہ قریب ہو اُس کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے +

ترمذی شریف میں ایک حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں تو کیا میرے لیئے توبہ ہے۔ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیری خالہ موجود ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا "اس کے ساتھ سلوک کر"

اب اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ خالہ کے ساتھ سلوک کرنے کی اس لیئے ہدایت کی گئی کہ وہ خوش ہو کر گناہ کے بخشے جانے کی خدا سے دعا کرے اور اس کے ساتھ جو ماں کی طرح ہے صلہ رحمی کرنا کفارۂ گناہ کا موجب ہوگا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی تمام خوبیاں ایک ایک کرکے رخصت ہوتی جاتی ہیں۔ اور انکی جگہ خرابیاں آتی جاتی ہیں۔ یہی حالت رشتہ داری کے تعلقات کی بھی ہے۔ اگر ایک بھائی دولتمند یا آسودہ حال ہے۔ اور دوسرے بھائی غریب ہیں۔ یا کسی کے والدین غیر مستطیع ہیں۔ تو اول تو خود اس آسودہ حال شخص کو ہی ان کی پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر اگر بیوی بھی بدمزاج یا سسرال والوں سے متنفر ہو تو ان لوگوں کی زندگی جن کے حفظ حقوق کے متعلق اس طرح کے احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ نہایت بے کسی اور ذلت کی زندگی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دونوں یعنی شوہر اور بیوی نہ دنیا کا لحاظ کرتے ہیں نہ آخرت کے اُس عذاب سے ڈرتے ہیں جو ان اعمال کے باعث اس عالم میں ان پر نازل ہوگا +

والدین اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور مودّت و محبّت وہ حقوق ہیں جو خداوند کریم نے اولاد پر اور دوسرے اعزہ پر مقرّر کیئے ہیں۔ ان حقوق کے ادا نہ کرنے کی بابت خواہ دُنیاوی قوانین میں کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن جو لوگ حشر و نشر پر ایمان اور روز محشر کی باز پرس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ ضرور سمجھتے ہیں کہ اس کا اس دنیا میں نہ سہی اس دنیا میں چارہ کار ہے اگر بیوی کے اثر سے اس کا خاوند ان حقوق کو ادا کرنے سے مجبور رہو تو آخرت میں اس کا بار ان دونوں پر پڑے گا۔ البتہ اگر بیوی اپنی ملک و جائداد میں سے اپنے اعزہ کے حقوق ادا کرنے چاہیئے اور خاوند مانع ہو تو چونکہ خاوند کی اطاعت سب پر مقدم ہے۔ اس لیئے عورت تو گنہگار نہ ہوگی۔ مگر خاوند معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ پس اس معاشرتی زندگی

میں گھر کی مسرت و برکت اور خداوند کریم کی رحمت کا بہت بڑا انحصار والدین اور اعزہ کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی ہے +

عموماً ساسیں جب اپنے بیٹے کا گھر بار کرتی ہیں تو وہ اس بات کو فراموش کر جاتی ہیں کہ وہ بھی کبھی "بہو" تھیں اور بہوئیں کبھی اس بات کو خیال میں نہیں لاتیں کہ ایک دن وہ بھی ساس بنیں گی۔ پس یہی فراموشی اور بے خیالی ساس بہوؤں کے فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ جو عورتیں عقلمند ہوتی ہیں وہ سمدھیانے سسرال اور میکے کے جھگڑوں کو پاس نہیں آنے دیتیں اور کوئی بات ایسی نہیں کرتیں۔ کہ نزاع برپا ہو۔ نزاعات کے برپا نہ ہونے اور انسداد کا سب سے بہتر ذریعہ یہی ہے۔ کہ گھر کے ہر شخص کو ایک دوسرے کے مرتبہ اور حق کا خیال رکھنا چاہیئے اور اُن حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے جو خداوند کریم نے مقرر کیئے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○	یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں تو اُن سے آگے مت بڑھو اور جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھ جائیں تو یہی لوگ بر سر ناحق ہیں۔"

عربوں کا احسان تہذیب پر

(از ایس۔ ایچ۔ لیڈر مصنف دیزرت گیٹوے۔ ویلڈ مسٹریز آف ایجپٹ وغیرہ)

اورینٹ لٹریری سرکل میں اس مضمون پر کہ عربوں کا تہذیب پر کیا احسان ہے۔ بولنے کی جرأت کرتے ہوئے۔ مجھے اس وجہ سے کچھ دقت ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرے سامعین کچھ مشرقی دُنیا کے رہنے والے ہیں اور کچھ مغربی دُنیا کے۔ میری دونوں سے درخواست ہے کہ میرا مضمون سُننے میں وہ وسعت حوصلہ کو کام میں لائیں۔ بعض تاریخی امور کو بیان کرنے میں میں ڈرتا ہوں۔ کہ مشرقی طالب علموں کے نزدیک میں واضح باتوں کو دھرانے والا ہونگا میں جانتا ہوں کہ مشرقی لوگوں کو تاریخ سے کس قدر محبت ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کا تعلق اسلام سے ہو۔ اور اس لیئے مجھے یقین ہے۔ کہ جو کچھ میں کہوں گا اُس میں اسلام کے پیروؤں

کے لیئے بہت نئی باتیں نہ ہونگی۔ لیکن اس گہری دلچسپی اور ہمدردی کی وجہ سے جو مجھے اپنے مشرقی دوستوں کی آرزوؤں سے ہے بالخصوص جو شمالی افریقہ اور مصر کے رہنے والے ہیں میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ایک مغربی دل پر کیا خیالات اس امر کے متعلق پیدا ہوتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم کا گذرا ہوا شان وشوکت کا زمانہ ان کی موجودہ تمناؤں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل بعض اپنے انگریز سامعین کے لیئے میں ان خیالات کی دوبارہ تحریک کرنے والا ہونگا۔ جو وہ بھول چکے ہیں اور اُن تاریخی واقعات کی کسی قدر ناخوش آئند یاد دہانی کرنے والا ہونگا۔ جن کو مغربی لوگوں کی دلجمعی نے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ میں بعض لوگوں کی خود پسندی کو یہ کہکر کچھ صدمہ ہی پہنچاؤں گا کہ مغرب بھی ان لوگوں کا ممنون احسان ہے جن کا کچھ دھندلا سا علم ہمیں صرف اسی قدر ہے کہ وہ عربوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن بااین ہمہ میں اُن کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ میری طبیعت کا ناجائز میلان نہ ایک طرف ہے اور نہ دوسری طرف۔ مشرق اور مغرب دونوں تاریخی صداقت کے محتاج ہیں۔ اور وہ دونوں اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ ایکدوسرے سے جو کچھ کوئی حاصل کر سکتا ہے کرے۔ وہ باہمی سمجھوتا جسکے ہم سب اس قدر خواہشمند ہیں اس وقت شروع ہوگا۔ جب مغرب اس بات کے ماننے کے لیئے تیار ہو کہ مشرق کے پاس خزانے ہیں جو اس کے اپنے خزانوں سے کسی طرح کم نہیں اور جو نسل انسانی کی عامہ بہبودی میں کام دے سکتے ہیں۔

آج رات میں آپ کو وہ زمانہ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جب مشرق نے تہذیب کی مشعل کو بلند کر رکھا تھا۔ حالانکہ مغرب اُس وقت تاریکی کے زمانوں میں ٹامک ٹوئیے مار رہا تھا۔ مصر کے اُن طالب علموں کے لیئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا قبطی جو آج یہاں ہیں۔ یہ کہانی بالخصوص مسرت پیدا کرنے والی ہے۔ کیونکہ اگر عرب دُنیا میں نئے جوش اور ولولے لائے اور اُن کے ساتھ مفتوحہ ملکوں کو زندگی کی حرکت دی تو یہ بھی اُن کے کمالات میں سے تھا۔ کہ جہاں کہیں اُنھوں نے تعلیم اور فنون اور دستکاریوں کو پایا۔ ان کو تباہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کو ترقی دی۔ ایران میں بالخصوص یہ حالت تھی۔ مصر میں ہم بہت سے آثار قدیمی قبطی لوگوں کی محنت کے پاتے ہیں۔ جو تہذیب کی

اُس شاندار ترقی میں معاون ہوئے۔ جس نے مضبوط عرب حکومت کے ماتحت پرورش پائی۔ اگر میں ہندوستان کا ذکر نہیں کرتا تو یہ اس لیئے کہ مجھے ابھی تک کوئی ذاتی علم اس دلچسپ ملک کا نہیں ہے ✤

آپ میں سے بہت سے لوگ ابتدائی عرب کی تاریخ سے ایسے اچھے واقف ہیں کہ مجھے آپکو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ صرف چلتے چلتے اس طاقت کے حیرت انگیز نشوونما کا ذکر کروں گا جس نے حضرت محمدؐ کے ظہور سے ایک سو سال کے اندر اندر اپنے آپ کو مشرق میں دلی سے لے کر ہسپانیہ میں غرناطہ تک کا مالک بنا دیا۔ جس نے ایک سلطنت اس سے بہت زیادہ طاقتور بنائی۔ جس کو رومیوں نے آٹھ سو سال میں بنایا تھا ✤

میں آپ کو مختصر طور پر ایک انگریز کے نکتہ خیال سے وہ حالات بتانا چاہتا ہوں جن کے ماتحت تہذیب کی اس مشعل نے جو عربوں نے یونانیوں کے کمزور ہاتھوں سے لے لی۔ یورپ پر اسکے تاریکی کے زمانہ میں اپنی روشنی ڈالی۔ ہمارے آقا یسوع کی زندگی میں جس کا نام ہم سب خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ایک بڑی روشنی دنیا پر نمودار ہوئی بدقسمتی سے جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا عقائد اور عملیات کے فروعی امور پر احمقانہ جھگڑے پیدا ہوکر وہ روشنی دن بدن تاریک ہوتی چلی گئی خدا کی توحید جس کے متعلق جوش وخروش سے جھگڑے ہورہے تھے ۔ بالکل بھلادی گئی۔ وہ لوگ یسوعؑ کے متعلق ہر ایک سوال پر غور کرتے سوائے ان امور کے جو ان کو اس کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کی طرف لیجانے والے ہوں۔ اس کمزوری اور فساد کی حالت میں عرب کے بیابان سے ایک توانا قوم ایک مرتبہ اُٹھ نکلی۔ وہ لوگ جو اب تک گمنامی کی حالت میں رہے تھے ۔ غیر معمولی طاقت کی وجہ ایسے اُٹھائے گئے۔ کہ ایک مرتبہ ہی وہ ایک عظمت کے مقام پر پہنچ گئے۔ ان کی تلوار کی فتوحات کا جیسا کہ میں نے کہدیا ہے مجھے بہت تھوڑا ذکر کرنا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں کہوں کہ یہ تہلکہ ڈالنے والا انقلاب مغرب میں بعض لوگوں کو ایسا معلوم ہؤا۔ کہ علم کو نابود کردیگا۔ اور دنیا میں وحشیانہ حالت کو عروج دیگا۔ اور میں اس بات کے تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہوں۔ کہ جہالت اور غلط بیانی کی وجہ سے مغرب کے بہت سے لوگ اب بھی ان فتوحات کو اسی رنگ میں سمجھتے ہیں۔ یہ

ناانصافی ہے۔ اور جہالت مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جہاں ہو انصاف سے روکتی ہے۔

جن باتوں کا میں اختصار کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ علمی اور اخلاقی فوائد ہیں جس کا ایک دیرپا اور مستقل اثر کل عالم پر ہوا اور جن کے لئے بلاشبہہ تہذیب عربوں کے غلبہ کے زیر احسان ہے فتح کے پہلے حملے میں اس نئی طاقت نے ایران سے مجوسی۔ آتش پرستی کو نابود کردیا جو اگر نہ رُک جاتی تو سارے مشرق میں پھیل جاتی۔

اس کے بعد اس نے مصر اور ہندوستان کے بعض حصوں میں جوگ کی تو ہم پرستیوں کو دور کیا اور رومیوں کے مناظرانہ علم الہیٰ کو جو صرف نام کے عیسائی تھے۔ حالانکہ عملی رنگ میں بت پرستوں سے بدتر تھے۔ مٹا دیا۔ اور بعدہٗ عربوں کی اس طاقتور ترقی میں قسطنطنیہ کے دربار کا کمزور انتظام گرے ہوئے اخلاق اور ذلیل انتظام سلطنت فنا ہو گیا۔

ان کے مخالف بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ عرب کے ان جفاکش جوشیلوں کی جنگی طاقت کے ساتھ ایسی صفات ملی ہوئی تھیں جنھوں نے دُنیا کو از سر نو زندگی بخشی۔ بعض وہ نیکیاں جن کو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان قوموں کے درمیان جن کو انھوں نے فتح کیا متروک یا نابود ہو گئیں۔ ہمارے لئے منشیات سے پرہیز کفایت شعاری اور زندگی کی وہ سادگی قابل غور ہے جو ابتدائی زمانہ کے بلند مرتبہ خلفائے اسلام نے دکھائیں۔ اور جن کو نہ دولت اور نہ عزت کا خیال کبھی کم کر سکا۔ وہ استقامت قابل غور ہے۔ جس کو کسی قسم کی مشکلات نہ دبا سکیں اور نہ کم کر سکیں۔ وہ فیاضی قابل غور ہے۔ جس کو آجکل کے لوگ اس سے دُور پڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے باور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ تقوٰے قابل غور ہے کہ جس کے اندر سچا جوش نظر آتا ہے اور عملی زندگی کی وہ سعی قابل غور ہے جو ایک ایمان رکھنے والا اثر دل پر ڈالتی ہے۔ کہ انکی فتوحات اپنی سرعت اور کثرت کی وجہ سے معجزانہ رنگ رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جب عرب تنہائی کے ایک بالکل تاریک کونے سے باہر نکلے تو وہ سب صفات ان کے اندر موجود معلوم ہوتی تھیں۔ جن کی ضرورت اس وقت دنیا کے جگانے اور دُنیا کی ترقی کے لیئے تھی۔ اگر دُنیا کی نجات کو نہ بھی مانا جائے۔

ایک لمحہ کے لیئے ہم ان اصولوں پر غور کرتے ہیں۔ جنھوں نے ان لوگوں کو اٹھایا ہوگا۔ جبکہ

ایک قوم کو فتح کرنے کے بعد وہ اس کے انتظام اور ترقی دینے میں مشغول ہوئے۔ ہمارے لیئے صرف قرآن اور حضرت محمد کے چند اقوال کو دیکھنا کافی ہے۔ قرآن میں ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جس شخص کو دانائی اور حکمت دیگئی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔ اور حضرت محمد فرماتے ہیں عزت دولت سے نہیں بلکہ علم سے ہے۔ ایک اور حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون کی طرح قیمتی ہے۔

ایسا ہی پیغمبر نے فرمایا۔ کہ ایک عالم ہزار جاہل ماننے والوں سے شیطان پر زیادہ بھاری ہے یہ بھی آپ کا خیال پایا جاتا ہے کہ عبادت کی نسبت علم مرتبہ کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ ایک عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے۔ جیسا کہ پورا چاند ستاروں پر اور آپ نے فرمایا۔ کہ علم کی تلاش میں لگجاؤ خواہ وہ چین میں ملے۔ ہمارے یہاں مغرب میں ایک ضرب المثل ہے۔ کہ قلم تلوار سے بڑھکر طاقتور ہے۔ اس کی صداقت جیسی صفائی سے عرب کی تاریخ میں ملتی ہے اور کہیں نہیں ملتی۔ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت اس پر شاہد ہے۔ گو مسلمانوں کی ملکی طاقت کم ہوگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کو اُن کے علمی خزانوں کے فوائد سے محروم نہیں کرسکتی۔

پہلے علم ادب کو لو۔ علم ادب جو ابتداء میں مشرق سے ہی یورپ میں آیا۔ دوسری مرتبہ پھر عربوں کی ذہانت ہی اُسے یورپ میں لانے والی ہوئی جو درحقیقت پرانے اور نئے علم ادب میں ایک زنجیر کا کام دیتے ہیں۔ مغرب میں علم ادب بالکل نابود ہوچکا تھا اور جاہلانہ وحشیانہ رنگ کا دور تھا۔ جب عربوں کی سلطنت عروج کی حالت پر تھی۔ لاطینی۔ کلیسیا ہر ایک قسم کے اچھے علوم سے محض ناآشنا تھی۔ جو کچھ استناد اور بعد [illegible] سے منقول ہو کر حاصل کی۔ فلسفہ میں یا طب میں یا علم ہندسہ میں۔ وہ اس کے بعد بھی جب عربوں کی تصنیف نے ان کی جہالت کو متنبہ کیا اور انہی کی وجہ سے [illegible] وہ کسی [illegible] کی تصنیف کے ماہر نہ تھے۔ اور جس قدر لاطینی میں علوم آئے وہ انھوں نے عربی سے ہی لیے یہ عربی کے ذریعہ سے ہی تھا۔ کہ ہم ایک لاطینی ترجمہ کے ذریعہ سے ٹالمی کی تحریروں تک پہنچ سکے۔ اور اقلیدس علم ہندسہ میں اس قدر لمبے عرصہ سے ہمارا معلم ہے اس تک بھی ہم عربوں کے ذریعہ سے ہی پہنچے ہیں۔ بڑے بڑے فاضلوں کا یہ خیال ہے۔ کہ بہت سی یونانی تصنیفات

اب تک عربی ترجموں میں مل سکتی ہیں۔ جن کے اصل مدت سے گم ہو چکے ہیں۔

علم کی دو شاخوں یعنی نظم اور قصہ نویسی پر عربوں کا خاص احسان ہے۔ مشرقی لوگوں کا نظم کا شوق اسلام سے بہت مدت پہلے کا ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ قصہ نویسی کی طرز عرب میں ہی پیدا ہوئی اور عربوں کے ذریعہ سے یورپ میں پہنچی۔ دسویں صدی عیسوی سے پہلے کا قصہ کا نمونہ صرف ایک ہی ہے۔ جو عنترہ کے قصے کے نام سے مشہور ہے جو ایک عربی قصہ ہے جس میں قصہ نویسی کی تمام ضروریات موجود ہیں۔ اور جس سے پہلے یورپ کا کوئی قصہ اس طرز کا موجود نہیں۔ چاسر سے لے کر ملٹن تک انگریزی علم ادب میں۔ تمام شاعروں اور مصنفوں کے کلام میں عربوں کا اثر برابر موجود پایا جاتا ہے۔

اب ہم سائنس اور فلسفہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب یورپ اُس وحشیانہ پن اور جہالت سے نکلا جو عربوں کے علمی زمانہ کے مقابل پڑا ہوا ہے۔ تو علمی دولت کی تین قیمتی کانیں اُس کے لیئے کھل گئیں۔ بالخصوص عربی تخیل علم کے میدان میں۔ ان میں سے ایک کان فلسفہ کی تھی۔ جس نے دل کی اس زندگی کو تازہ کر دیا۔ جس کا یونانی لغویت نے اس قدر برا استعمال کیا تھا اور جس کو رومیوں کی خراب عادتوں نے تباہ کر رکھا تھا۔ دُوسرے مضمون علم ہندسہ اور علوم استقرائی تھے۔ جن کی یونانیوں اور رومیوں نے کبھی زیادہ قدر نہ کی اور نہ ان کا تتبع کیا۔

مشرقی ممالک میں بہت سے طالب علم اُس فاضل انگریز لارڈ بیکن کی تصنیفات کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں جس کی نیچرل فلاسفی کی تحقیقاتوں نے مغرب میں علوم کے ذرائع کو بہت بڑھایا ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ مصر کے نوجوان لارڈ بیکن کی قدر کرتے ہیں۔ مجھے اس سے کچھ تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ بہت سے ان سرچشموں کا پتہ لگانے کے لیئے جن سے لارڈ بیکن نے اپنے خیالات کو لیا اور ان کو بڑھایا ہمیں تیرھویں صدی تک واپس جانا پڑتا ہے۔ راجر بیکن جو ۱۲۱۴ء میں پیدا ہوا مشرقی زبانوں میں خوب ماہر تھا۔ ہسپانیہ کے موروں کی یونیورسٹیوں میں اُس نے فضیلت حاصل کی اور اُس زمانہ کے عرب مصنفوں سے ایسا ہی واقف تھا۔ جیسا یونانی اور

لاطینی تصانیف سے لارڈ بیکن نے جو سترھویں صدی میں ہوا اسی فاضل سے اپنے خیالات کو لیا اور اپنے مشہور استقرائی نظام کے پہلے اصولوں کو اسی سے لیا۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو اس بات کو یقین تک پہنچا دیتا ہے کہ بیکن کے فلسفہ کا اصلی سرچشمہ عربوں کے علوم ہی تھے۔ عرب کے فلاسفر ایک بے نظیر طبعی ذہانت کے ساتھ جفاکشی اور محنت کو بھی جمع رکھتے تھے۔ اور محنت سے جس قدر علوم حاصل ہو سکتے تھے اُن سب کو حاصل کرتے تھے جس چیز کا وہ علم حاصل کرتے اس پر ہر ایک پہلو سے غور کرتے اور ان کے دلائل میں ایسی صفائی اور باریک بینی ہے کہ جس مضمون کو وہ ہاتھ ڈالتے اس کو کامل طور پر روشن کر کے چھوڑتے ان کے کام نے یورپ کے قوائے ذہنی کو بہت بلند کر دیا۔ وہ بڑی قومی ترقی جو بارھویں صدی عیسوی کے بعد انگلستان میں نمودار ہونی شروع ہوئی۔ وہ انہیں باتوں کا اثر تھا +

سائنس کے معاملہ میں بھی انصاف چاہتا ہے کہ ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ جب دسویں صدی میں یورپ علمی جہالت میں سویا ہوا تھا تو عرب بڑے شوق کے ساتھ ان سائنس کے مسائل کی تحقیقات میں لگے ہوئے تھے جنھوں نے مغربی دُنیا میں علم اور زندگی کی ایک نئی رُوح پیدا کرنی تھی۔ مُوروں کے ان مدرسوں میں جو کہ ہسپانیہ میں تھے۔ یورپ کے طلباء کا سلسلہ لگا تار جارہا تھا۔ انگلستان سے فرانس سے جرمنی سے اطالیہ سے۔ تاکہ ان علمی خزانوں سے بہرہ ور ہوں جو عربوں کے قبضہ میں تھے اور تا یورپ بھی ان خزانوں میں سے حصہ لے۔ ہسپانیہ کی عربی یونیورسٹیاں علوم کے سرچشمے تھے۔ جہاں عیسائی جہالت اپنی ابتدائی تعلیم کے لیئے جاتی تھی عربی استادوں کے مشہور مغربی شاگردوں میں پیٹر وزیبل اور پوپ سلوسٹر ثانی بھی تھے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ پندرھویں صدی کے آخر تک انگلستان۔ فرانس اور اطالیہ کے سکولوں میں مشکل سے کوئی مشہور یا فاضل آدمی ایسا ہوگا جس کی سوانح اس احسان کا اعتراف نہ کرتی ہو جو بلا واسطہ یا بالواسطہ عربی علوم نے نسل انسانی پر کیا +

علم کیمیا میں عربوں کا مرتبہ بلا شبہ موجدوں کا ہے۔ یہ مشہور سائنس جو تجربہ کے فلسفے کا پہلا سرچشمہ ہے۔ عربی ذہانت کی ہی حقیقی ایجاد تھا۔ یہ بڑا زبردست ثبوت

اس بات کا ہے کہ اُس زمانہ کی علمی جد و جہد کس قدر طاقتور تھی۔ مشرق کا تیز متخیلہ پہلے اُن کو ایسی باتوں کی تلاش کی طرف لے گیا جو زیادہ تر قصّہ گوئی کا رنگ رکھتی تھیں۔ مثلاً وہ آب حیات یا فلاسفر کا پتھر جو موت کو ٹال دے اور الکہیا یعنی دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا شوق۔ مگر ان کے علوم کے تجربہ نے ان کو جلد ہی اس دھوکہ سے باہر نکال دیا اور ان کی تحقیقاتوں کے عملی رنگ نے ان کی قوت متخیلہ کی غلطیوں کو جلد ہی درست کر دیا۔ اُنھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ حیوانی نباتاتی اور معدنی دنیاؤں کے اجزا کا مطالعہ کیا۔ ہوا آگ مٹی اور پانی پر تجربے کیئے الکہل اور ایسڈ کی ملنی جلنی اور متقابل خصوصیات کو تحقیق کیا۔ بہت سی ایجادات کیں۔ کافور صفت تیلوں کو دریافت کیا۔ پارہ کی طبی خاصیات معلوم کیں اور بعض زہریلی دھاتوں کا صحت بخش ادویہ میں تبدیل کیا جانے کا پتہ لگایا۔ مغرب نے ان تمام تحقیقاتوں کو ایشیا اور ہسپانیہ کے عربوں سے لیا۔ اور اپنی ٹھہری ہوئی طبائع کے ساتھ اُن کو وہ مقررہ اصول اور قوانین کے ماتحت لائے اور اُس کو ایک سائنس کے مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے بعد کی کیمیا کی تاریخ موجودہ یورپ کی ساری علمی ترقیات کے ساتھ وابستہ ہے +

کیمیا کی ان ابتدائی تحقیقاتوں کی بنا پر علم طب اور علم دواسازی میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں بڑے سے بڑے طبی فضلاء اس بات کے اعتراف میں متفق ہیں کہ عربوں کا احسان یورپ پر علم طب کے دوبارہ حاصل کرنے اور اس کی ترقیات پر بہت بھاری ہے۔ ان مشرقیوں نے حد درجہ کی محنت اور جفاکشی کے ساتھ اپنے آپ کو علم طب کے مطالعہ میں لگایا۔ اور ان سب باتوں کو حاصل کیا جو یونانیوں کو معلوم تھیں۔ اس میدان میں ان کو علم کیمیا نے اس قابل بنایا۔ کہ وہ اپنے تمام پہلے پیش روؤں سے بہت آگے نکل گئے۔ دواسازی کے علم میں انھوں نے بیماریوں کے علاجوں کی فہرست کو بڑی بھاری وسعت دی اور بہت سی نئی مفرد ادویہ کو بڑھایا۔ انھوں نے پہلے پہل شکر کو بنایا۔ اور اس طرح پر انسان کی خوراک میں ایک لذیذ جزو کا اضافہ کیا جس سے اس سے پہلے عموماً لوگ ناواقف تھے۔ کیونکہ شہد جو صرف ایک ہی معلوم شیرینی تھی۔ بہت کمیاب اور بہت قیمتی چیز تھی۔ انھیں باتوں سے طبابت کا بڑا کمال پیدا ہؤا۔ عربوں نے بالخصوص مرض کی علامتوں کی تشخیص کو مطالعہ میں لانے کی کوشش کی۔ اور اسمیں کامیابی حاصل کی

اپنے شوق اور باریک بینی کی وجہ سے بہت سے تاریک مسائل کو انھوں نے حل کر دکھایا اور بہت سی امراض کے اثرات سے ان کی وجوہات کا پتہ لگایا اور مؤثر علاج تجویز کیے جلدی علاج کے امراض میں وہ بالخصوص کامیاب ہوئے چیچک کے مہلک مرض کی تحقیق کا سہرا الخصوص شرقی طبیبوں کے سر پر ہی ہے۔ خسرہ کی کیفیت کا پتہ لگانے میں بھی وہ سب سے اوّل ہیں۔ کئی قسم کے پھوڑے بالخصوص وہ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ گلے کی کئی قسم کی بیماریاں عرب کے طبی ہنر کی وجہ سے ہی معلوم ہوئیں۔ جیسا کہ آج طب کے طالب علم تسلیم کرتے ہیں۔ سکریمول جو ایک مشترق بھی تھا اور طبیب بھی تھا چند سال ہوئے جب اُس نے اس مضمون کا مطالعہ کیا تو اس نے اس بات کا اعتراف کیا۔ کہ علم طب اپنی موجودہ ترقی یافتہ صورت میں بھی پرانے عرب مصنفوں کی تحقیقاتوں سے ابھی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

جب یورپ نے تاریکی سے باہر نکلنا شروع کیا تو افریقہ ہسپانیہ اور سسلی کے طبی مدرسوں نے ان مدرسوں کو جو نئے بنائے گئے اپنی روشنی سے منور کیا۔ گبن کہتا ہے کہ پہلا طبی مدرسہ جو یورپ کی تاریکی میں نمودار ہوا سلرنو کا مدرسہ تھا۔ وہ شخص جس کی دہانت نے یورپی علوم کا یہ نیا مرکز قائم کیا وہ ایک راہب قسطنطین نام تھا۔ اس نے اپنی عمر کے ۳۹ سال مشرق میں ایک علمی سفر پر خرچ کئے اور بغداد سے واپس آیا۔ بعد کی طبی ترقیات اسی شخص کی تصنیفات اور تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔ نہ صرف وہ جو سلرنو کے مدرسے میں ہوئیں۔ بلکہ اُن تمام مدرسوں میں جو کیتھولک یورپ کے مختلف ممالک میں اس کی شاخوں کے طور پر قایم ہو گئے۔ فن علاج کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بیماروں کے لئے ہسپتال اور پاگلوں کے لیئے پاگل خانے قائم ہو گئے۔ ایک یہودی ربی بنیامین ٹولیڈا کا رہنے والا بغداد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"خلیفہ ایک دیندار اور فیاض آدمی ہے۔ اور اس نے دریا کے دوسری جانب عمارات بنائی ہیں۔ ان عمارات میں بہت سے بڑے بڑے مکانات بازار اور غریب بیماروں کے علاج کے رہائش کے مکانات ہیں۔ جو کہ وہاں علاج کرانے کے لئے آتے ہیں۔ یہاں قریباً ساٹھ طبی گودام ہیں۔ جن میں ہر قسم کی ادویہ اور دیگر ضروریات خلیفہ کے سرکاری گودام سے آتی ہیں۔ اور ہر ایک بیمار جو مدد کے لیئے درخواست کرتا ہے اُس کو سرکاری خرچ ملتا

ا ہے۔ یہاں تک کہ وُہ بالکل شفایاب ہوجاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی عمارت ہے
پاگلوں کی رہائش کی جگہ کہلاتی ہے۔"
سنہ ۱۳۰۴ء میں ایک بڑی بھاری پاگل خانے کی بنیاد قاہرہ میں رکھی گئی اور جب تک اس پ
ے صدی سے بھی زیادہ عرصہ نہیں گذر گیا۔ اُس وقت تک یورپ میں اس قسم کے کسی رواج
ں پاگل خانوں کے علیحدہ بنایا جانے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ تب بھی یہ چیزیں ہسپانیہ سے نکلکر
ب میں پھیلیں ٭ (باقی آئندہ)

ایک پُرانے انگریز بادشاہ کا توحید الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار

(مرقومہ پروفیسر ھارُون مصطفےٰ لیون ایم۔اے)

برٹش میوزیم کے تمغوں اور سکوں کی شاخ میں ایک عجیب و غریب اور دلچسپ سونے
سکہ محفوظ ہے جس کو بنے ہوئے بارہ سو تیس (۱۲۳۰) سال سے زیادہ گذر چکے ہیں۔ اور جس پر
ربی حروف میں صاف الفاظ میں یہ اقرار موجود ہے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک
ہ۔ محمد رسول اللّٰہ اور اس کے حاشیہ کے اردگرد ذیل کا اقرار ہے محمد رسول اللّٰہ
یسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔
جن الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ کوئی معبُود نہیں سوائے اللّٰہ کے وہ ایک ہے اُسکا کوئی
سر نہیں۔ محمّد اللّٰہ کا رسول ہے۔ اللّٰہ نے ان کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا اسے
مارے دینوں پر غالب کرے۔ یہ سکہ آفا شاہ مرسیا نے کندہ کرایا اور اُسی نے اُس کو
مضروب اور مروّج کیا۔ مرسیا انگلستان کے درمیانی حصہ میں ایک قدیم اینگلو سیکسن
دشاہت تھی جو دریائے کینٹ کے دونوں طرف نارتھ سی سے لے کر ویلز تک پھیلی ہوئی

تھی۔ اور شاہ آفا کا زمانہ سنہ ۷۵۷ء سے لے کر سنہ ۷۹۶ء تک ہے۔ مرسیا کی سلطنت ابتدا میں ایک چھوٹے سے حصے پر محدود تھی اور اس لفظ کا اصلی مفہوم ایک سرحد کا ہے جس کو مخالف ہمسایوں کے ہاتھ سے بچایا جاتا تھا۔ یہ مخالفین ویلز کے باشندے یا قدیم برطانوی لوگ تھے۔ جو صدیوں تک اینگلو سیکسن حملہ آوروں کے ساتھ اس حصہ ملک میں غلبہ کے لیئے لڑتے رہے۔ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں آہستہ آہستہ مرسیا میں ملتی چلی گئیں اور سب سے پہلے غالباً چھٹی صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں اس کی بنا پڑی۔ مگر یہ سلطنت پینڈا کی تخت نشینی تک جو سنہ ۶۲۶ء میں واقع ہوئی بہت کمزور حالت میں رہی۔ اور اس بادشاہ کے زمانہ میں اسکی محکم تدبیر اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے دوسری سلطنتوں پر اس کو فوقیت حاصل ہوگئی بالخصوص سنہ ۶۳۳ء میں ایڈون بادشاہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد۔ مگر سنہ ۶۵۵ء میں پینڈا کو آلون شاہ نارتھمبریا نے شکست دے کر قتل کر دیا اور مرسیا کی سلطنت کا غلبہ ایک وقت کے لیئے جاتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگلستان سات سلطنتوں میں تقسیم شدہ تھا۔ یعنے مرسیا۔ کینٹ ایسٹ انگلیا نارتھمبریا۔ ویسکس سسکس۔ ایسکس۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُن میں سے صرف پہلی پانچ سلطنتیں سکے مضروب کرتی تھیں۔ وولف ہیر پینڈا کے بھتیجے نے جو سنہ ۶۵۶ء سے لیکر سنہ ۶۷۵ء تک حکمران رہا۔ نارتھمبریا والوں کو پیچھے دھکیلا۔ اور جنوب کی طرف دریائے ٹیمز تک اپنی سلطنت کے حدود کو پھیلایا۔ وولف ہیر اس سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے بُت پرستی کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا۔ اس کے جانشینوں میں سے ایک اتھل بالڈ نے جو سنہ ۷۱۶ء سے سنہ ۷۵۷ء تک حکمران رہا۔ مرسیا کے حدود کو اور وسعت دی۔ اور قریب قریب کے ممالک کے بڑے بڑے حصے اپنی سلطنت میں شامل کر لیئے۔ لیکن مرسیا کے سب سے زبردست بادشاہ آفا سنہ ۷۵۷ء سے سنہ ۷۹۶ء تک اور سین وولف سنہ ۷۹۶ء سے سنہ ۸۱۶ء تک تھے۔ ان میں سے موخر الذکر بادشاہ کی وفات کے بعد یہ سلطنت بڑی سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہوگئی اور سنہ ۸۲۹ء میں اگبرٹ شاہ وسکس کی سلطنت میں شامل ہوگئی۔

سامنے کے صفحہ پر اس سکہ کا اصل فوٹو اور جو عبارت اس پر کندہ ہے اسکا عکس دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس عجیب و غریب سکہ کا ناظرین خود معائنہ کرلیں۔ اگر اصل فوٹو ولایت سے آگیا تو بعد میں شائع کردیا جائیگا

نمبر۱

نمبر۲

لا اله الا
الله وحده
لا شریک له

محمد
رسول
الله

نمبر۱۔ پہلی تصویر میں اصل سکہ کا فوٹو ہے۔ مگر حروف باریک ہونے کی وجہ سے ٹھیک پڑھے نہیں جا سکتے +

نمبر۲۔ دوسری تصویر میں حروف کو بڑے کرکے دکھایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سکے کے دونوں طرف کیا عبارت ہے +

سامنے کی طرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں:۔ لا اله الا الله وحده لا شریک له
نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں

اور حاشیہ پر یہ الفاظ ہیں:۔ محمد رسول الله ارسله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله
محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انکو بھیجا اللہ نے ہدایت کیساتھ اور دین حق کیساتھ تاکہ اسے کل دینوں پر

پشت کیطرف درمیان میں یہ الفاظ ہیں:۔ محمد رسول الله ——— [illegible]
محمد اللہ کا رسول ہے ——— آقا۔ بادشاہ

اور حاشیہ پر دلیل کے الفاظ ہیں۔ { بسم الله ضرب هذا الدینار سبع وخمسین ومئة
اللہ کے نام سے یہ دینار مضروب ہوا۔ ایک سو ستاون ۱۵۷ھ میں

شاہ آفا جس کے دوران حکومت میں یہ دلچسپ سکہ مضروب ہوا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ۷۵۷ء میں مرسیا کے تخت پر بیٹھا اور وہ پنیڈا کے باپ وِپا سے شروع کرکے اس سلطنت کا نواں بادشاہ تھا۔ اُس نے سلطنت کو بہت کمزور حالت میں پایا اور غالباً اس کی سلطنت کے ابتدائی سال اپنے ملک کے اندر ہی حکومت اور انتظام کرنے پر صرف ہوئے ۷۷۱ء سے اس کی فتوحات کا دور شروع ہوتا ہے۔ ۷۷۵ء میں اس نے شاہ کینٹ کی فوجوں کو شکست دی اور ۷۷۹ء میں مغربی سکسنوں اور ویلس والوں کے خلاف کامیابی سے جنگ کی ان مؤخر الذکر لٹیروں سے حفاظت کے لیئے اس نے ایک بڑی مٹی کی دیوار بنائی جو انگلستان اور ویلز کی ساری سرحد کے اوپر پھیلی ہوئی تھی۔ فلنٹ شائر کے شمالی ساحل سے لیکر جو سمندر کی اس شاخ پر ہے جو ڈی کے نام سے مشہور ہے۔ ڈین بگ منٹگمری سلوپ۔ رد نور۔ ہیرفورڈ میں سے ہوتی ہوئی گلوسٹر شائر تک پہنچتی تھی۔ جہاں اس کا آخری جنوبی حصہ دریائے وائی کے دہانے کے قریب ہے۔ اس عظیم الشان دیوار کے بعض حصص ابتک خاصے بلند نظر آتے ہیں۔ گو اس کا بڑا حصہ زمانہ اور بادو باران اور انسانی ہاتھوں کی غارتگریوں سے نیست و نابود ہوچکا ہے۔ اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ محنت خرچ ہوئی ہوگی۔ قریبًا اس کے متوازی مگر کوئی دو میل مشرق کی طرف ہٹ کر ایک اور چھوٹی دیوار ہے۔ جس کا نام واٹس ڈائک ہے۔ یہ بھی آفا نے ہی بنائی اور ۷۶۵ء میں اس کی تکمیل کی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان دونوں بندوں کی درمیانی جگہ تجارتی اغراض کے لیئے غیر جانب دار قطعہ زمین کا کام دیتی ہوگی +

آفا کے تعلقات رومن کیتھولک مرکز کے ساتھ دوستانہ تھے۔ پوپ کے دو وکیل جو مرسیا میں آئے ۷۸۶ء میں بادشاہ نے ان کو ایک دربار میں شرف باریابی دیا۔ ان دو وکیلوں نے جو رپورٹ شاہ آفا کے متعلق پوپ ایڈرین اوّل کو بھیجی۔ اس میں شاہ آفا کی طرف سے غربا کے لیئے کچھ رقم بطور سخاوت اور گرجا کی روشنی کے انتظام کے لیئے دیئے جانے کا ذکر بھی ہے +

مرسیا کی سلطنت کی سکہ سازی انگلستان کی ان سات بادشاہتوں میں سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے مرسیا کے سکے عمومًا چاندی کے پائے جاتے ہیں۔ جن کا وزن عمومًا آٹھ سے لیکر بیس گرین تک ہے۔ ان ابتدائی مرسیا کے سکوں پر پنیڈا اور اتھلرڈ کے نام ہیں۔ ان میں سے

اوّل الذکر سکے بالکل رومن طرز کے ہیں۔ لیکن موخرالذکر سکوں میں رومن طرز کے علاوہ کچھ دیسی نقشہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے بنے ہوئے ہیں۔ پینڈا کے سکوں پر جو حروف کندہ ہیں وہ رومن اور رونک حروف ہیں۔ مگر اتھلرڈ کے سکوں میں صرف رونک حروف ہیں جو بت پرست شمالی لوگوں کی الف با ہے۔ بادشاہ کا نام ہر حالت میں سکے کے دوسری طرف ہے اتھلرڈ کی وفات سے لیکر جو ۶۸۵ء میں ہوئی۔ آفا کی حکومت تک جو ۷۵۷ء میں شروع ہوئی نصف صدی سے کچھ زیادہ کا عرصہ ایسا ہے کہ اس کے اندر مرسیا کے سکوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

آفا نے کوئی قدیم طرز کے سکے مضروب نہیں کیئے۔ اور اس کے سکے زیادہ تر پینی یعنے اکنی کی قیمت کے ہیں۔ یہ چاندی کے سکے ہیں۔ اور اٹھارہ سے لے کر بیس گرین تک ان کا وزن ہوتا تھا۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ آفا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے پینی کو انگلستان میں رواج دیا۔ سکے کی یہ طرز۔ مگر اس کا نقشہ نہیں۔ شارل مین کے نمونہ سے لیا گیا تھا۔ آفا کے ان سکوں میں جو پینی کے قسم کے ہیں۔ نقشے میں اور بناوٹ میں ایسا کاریگری کا کمال پایا جاتا ہے۔ کہ اس بارہ میں اُس سے پیچھے آنے والے بادشاہوں کے سکے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نہ صرف سکوں کی طرزیں ہی تعداد میں زیادہ ہیں۔ بلکہ اُن میں نقشوں کا بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ موٹے طور پر دو حصوں پر تقسیم کیئے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ جن میں بادشاہ کے اوپر کے دھڑ کی تصویر ہے اور دوسرے وُہ جن میں وہ تصویر نہیں۔ یہ تصویر جن سکوں پر موجود ہے اپنے اندر اصلیت کا رنگ رکھتی ہے۔ اور بلاشبہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صحیح تصویر اوتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سکوں کے دوسری طرف جو نقشے ہیں ان میں زیبائشی نقوش اعلےٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر عجیب طرز کی بنی ہوئی صلیبوں یا پھولوں کے نمونے ہیں دھڑ کے اوپر کے حصے کی بنی ہوئی تصویریں اچھی بنی ہوئی ہیں۔ اور سر کی تصویر گویا ایک زندہ انسان دکھاتی ہے۔ بال عموماً سنوارے ہوئے اور ان میں شکن ڈالے ہوتے ہیں۔ مگر بعض تصویریں بے ترتیبی کی حالت میں بھی ہیں۔ سکوں پر جو عبارت کندہ ہے وہ رومن عبارت میں ہے۔ مگر کہیں پرانے رونک حروف کا بھی اثر موجود ہے۔ ٹکسالوں کے ناموں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑا مرسیا کا ٹکسال لندن میں ہوگا۔ مگر خود ان سکوں سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ ۷۷۶ء میں شاہ کینٹ اور اس کی افواج کو جو شکست اٹفورڈ کے مقام پر ہوئی اور جب کینٹ مرسیا کا باجگذار ہو گیا تو آفا کینٹربری کے ٹکسال کو استعمال کرتا رہا +

آفا کا سونے کا وہ عجیب و غریب سکہ جس پر عربی حروف کندہ ہیں سکوں کے طالبعلموں کے درمیان بہت زیر بحث رہا ہے اور یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا کے عجیب سے عجیب چیزوں میں سے یہ ایک چیز ہے۔ بہت سے رسالے اور مضامین اس سکہ اور اس کی اصلیت پر لکھے گئے ہیں۔ اور اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات لوگوں میں پائے جاتے رہے ہیں ۲۵ نومبر ۱۸۴۱ء میں پیرس کے رہنے والے ایڈرین ڈی لانگ پریئر نے ایک مضمون اس سکہ پر لنڈن نیمس میٹک سوسائٹی کے سامنے پڑھا۔ اسی سوسائٹی کے سامنے مسٹر جے۔ دائی۔ ایکرمین نے ایک مضمون ۲۴ مارچ ۱۸۴۲ء کو پڑھا جس میں اس سکہ کے مضروب ہونے پر بحث کیگئی ہے مسٹر ہربرٹ اے گروبر نے ۱۸۹۹ء میں برطانیہ کلاں اور آئرلینڈ کے برٹش میوزیم کے سکوں پر ایک رسالہ میں اس سکے کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن کینین نے ۱۸۸۴ء میں کتاب گولڈ کوئنز آف انگلینڈ میں صفحہ ۱۱ و ۱۲ میں اس سکہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس کتاب کی ابتداء میں اسکی تصویر بھی دی ہے۔

اسی سکہ پر برٹش نیومس میٹک سوسائٹی کے پریزیڈنٹ کارلین برٹن نے ایک مفصل اور نہایت دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ اور حال میں ہی یعنے ۱۹۱۴ء میں ایک اعلےٰ درجہ کا مضمون مسٹر جے۔ ایلن ایم۔ اے نے لکھا ہے +

ان مختلف اصحاب نے جو کچھ بحث اس سکہ پر کی ہے اور جن مختلف نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ اور ایسا ہی بعض اور لوگوں نے جن کے نام ایسے مشہور نہیں جو کچھ اس سکہ کے متعلق لکھا ہے ان سب تحقیقاتوں کا نتیجہ ذیل کے چار عنوانوں کے ماتحت آتا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک نہ ایک رائے کی تائید ان مختلف مضمون نویسوں نے کی ہے۔

اوّل۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس نے اپنے اسلام کا اعلان سکوں پر کلمۂ توحید کا اقرار کر کے کیا +

دوئم۔ کہ آفا کو ان عربی الفاظ یعنی لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ محمد رسول اللہ

ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے معنے معلوم نہ تھے اور نہ اس کو پتہ تھا۔ کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ اور اُن کو صرف بیل بوٹے خیال کرکے اُس نے سکہ پر یہ نقش منقش کرا دیئے اور الفاظ آفا ریکس یعنی شاہ آفا اپنے نام کے اظہار کے لیئے بڑھا دیئے۔

سوئم۔ کہ چونکہ بہت سے بیت المقدس کے زائرین ان ایام میں انگلستان سے بیت المقدس کو جایا کرتے تھے۔ اور چونکہ بیت المقدس اس وقت اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھا اس لیئے شاہ آفا نے یہ سکے۔ اس غرض کے لیئے مضروب کیئے ہونگے۔ کہ وہاں آسانی سے قبول کیئے جاسکیں۔ اور ان کے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور تجارتی وغیرہ اغراض میں بھی یہ کام دے سکیں +

چہارم۔ کہ اس سکہ کی غرض اس کو عام طور پر رواج دینا نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آفا نے پوپ کو ۳۶۵ سونے کی مہریں سالانہ دینی کی تھیں۔ اس لیئے یہ سکہ صرف اسی خاص غرض کے لیئے مضروب ہؤا تھا +

ایڈیٹر اشاعت اسلام۔ شاہ آفا کا سکہ واقعی دنیا کی عجیب چیزوں میں سے ایک ہے۔ اس کے متعلق جن چار نتائج پر عیسائی محقق پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شاہ آفا درحقیقت مسلمان ہوگیا تھا اور اسلام کے اعلان کے لیئے ہی انھوں نے یہ سکہ اس طرز پر مضروب کرایا۔ اور اس پر کلمۂ شہادت اور آیات قرآنی کندہ کرائیں قبل اس کے کہ میں ان اعتراضات پر غور کروں جو اس نتیجہ کو ماننے سے لازم آتے ہیں باقی تین نتائج کے متعلق چند الفاظ لکھنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ نتیجہ نمبر ۲ کا موید ایڈرین دی لانگ پریئر سا کن پیرس ہے۔ اور اس امر کی تائید میں اس نے پانچ اور سکے جو مختلف عیسائی ممالک میں مضروب ہوئے پیش کیئے ہیں۔ مگر یہ پانچ سکے ہرگز اس نتیجہ کی تائید نہیں کرتے۔ سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ اگر عربی زبان کوئی مردہ زبان ہوتی جس کا نہ بولنے والا کوئی دُنیا پر ہوتا اور نہ ہی اس کا لٹریچر پھیلا ہؤا ہوتا تو یہ بات ممکن تھی کہ عربی کے حروف کا ایک بادشاہ اور اُس کے تمام عملے کو پتہ نہ لگتا اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہ کسی زبان کے حروف ہیں یا محض بیل بوٹے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جس کا یہ سکہ ہے۔ اسلامی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اور چونکہ بیت المقدس کو زائرین

کثرت کے ساتھ بیت المقدس میں آتے جاتے تھے۔ اس لیئے ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات بھی تھے۔ عربی زبان نہ صرف عرب کی ہی زبان تھی۔ بلکہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت پہنچی وہاں عربی زبان بہت جگہ تو عام آبادی کی زبان بن گئی تھی۔ اور بعض جگہ سارے دفاتر و تین وغیرہ کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے وہاں کی علمی زبان عربی ہی بن چکی تھی۔ اس لیئے یہ خیال کرنا کہ ۱۸۰ھ ہجری میں یعنی اسلامی حکومت کو قایم ہوئے ڈیڑھ سو سال پیچھے انگلستان کا ایک بادشاہ اور اس کے سارے وزرا علماء و فضلا اور اس کی سلطنت کے اراکین جن میں سے بہتیرے ہر سال بیت المقدس میں جاتے اور مسلمانوں سے میل ملاقات کرتے تھے۔ عربی زبان سے ایسے ناواقف تھے کہ وہ اس قدر بھی نہ پہچان سکتے تھے کہ یہ عربی کے حروف ہیں یا کوئی بیل بوٹے اور بے معنی نقش ہیں۔ ایک ایسی بات ہے جس کو ایک لمحہ کے لیئے بھی کوئی عقلمند انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ نتیجہ بالکل بعید از قیاس ہے۔ اور ان مثالوں سے جو مسٹر لانگ پریئر نے دی ہیں اس نتیجہ کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ پہلی مثال یہ ہے کہ کیسٹائل کے عیسائی بادشاہ الفانسز وہشتم نے ایک سکہ مضروب کیا تھا جس پر کچھ عربی عبارت تھی۔ مگر وہ عربی عبارت صاف طور پر عیسائی مذہب کی موید ہے۔ چنانچہ ایک طرف کی عبارت خود اس مضمون نویس نے حسب ذیل بتائی ہے :- الامام البعة المسیحیة الباب الف باسم الاب والدین والروح القدس الله وحده وغیره۔ یعنی عیسائی کلیسیا کا امام پوپ الف۔ باپ اور بیٹے اور روح القدس خدائے واحد کے نام سے۔ اور دوسری طرف کی عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے "کیتھولکوں کا امیر الفانسز و ابن سانچو۔ اللہ اس کی مدد اور حفاظت کرے" اب اس سکہ کو جس پر عیسائی مذہب کا صاف اقرار موجود ہے۔ اس شہادت میں پیش کرنا کہ اس زمانہ میں بغیر معنے جاننے کے عیسائی بادشاہ عربی عبارت کو بے معنی نقش سمجھ کر نقل کر دیا کرتے تھے کس قدر بودہ پن ہے۔ کیا اس کو کوئی شخص دلیل کہہ سکتا ہے۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربی عبارت عیسائی بادشاہ نے اپنے حسب منشا کندہ کرائے۔ باقی مثالیں جو فاضل مضمون نویس نے دی ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ یعنی محض عربی عبارت کا سکوں پر ہونا بطور ایک دلیل کے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ سوال عربی حروف اور عبارت کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسکا مفہوم کیا ہے

اگر باقی سکوں میں عربی عبارتوں کا مفہوم عیسائیت کی تائید میں ہے تو اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ایسے سکے مضروب کیئے وہ معنے سمجھتے تھے۔ اور اپنے حسب منشاء انھوں نے عربی عبارتیں سکوں پر منقش کرائیں۔ ان بقیہ چار سکوں میں سے دو تو وہ ہیں جو صلیبی جنگوں میں بمقام سینٹ جین دی ایکڑ مضروب کئے گئے اور ان کی غرض ہی۔ عربی بولنے والے ممالک میں ان سکوں کا چلانا تھا۔ تیسرا سکہ بھی صلیبی جنگوں کے تعلق میں ہی مضروب ہؤا۔ چوتھا ہسپانیہ میں ہشام ثانی کے وقت کے قریب مضروب ہؤا۔ اور ظاہر ہے کہ ہسپانیہ اسوقت مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت تھا۔ اس لیئے اگر کسی قریب کی سلطنت مسلمانوں کے زیر اثر ہو کر نقل کے طور پر کوئی سکہ مضروب کر دیا ہو تو اس کو شاہ آفا کے سکہ سے کوئی نسبت نہیں ہے +

تیسری رائے یہ ہے کہ شاہ آفا نے ان لوگوں کے لیئے یہ سکہ مضروب کرایا ہو جو بیت المقدس کی زیارت کے لیئے انگلستان سے جاتے ہوں یہ بھی بعید از قیاس ہے۔ اور نہ اس کی کوئی مثال تاریخ میں ملتی ہے۔ اگر یہ رسم عیسائی ممالک میں ہوتی تو عام رسم ہونی چاہیئے تھی۔ اور جب دوسرے ممالک کے لوگوں کو ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تو شاہ آفا کی سلطنت کے جو چند آدمی جاتے ہونگے اُن کے لیئے ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی +

چوتھی رائے بھی قابل قبول نہیں۔ پوپ کو بھیجنے کے لیئے خاص سکہ بنوانا ایک بے معنی بات ہے۔ انگلستان کے اور سارے یورپ کے بادشاہ پوپ کو روپیہ بھیجتے تھے۔ شاہ آفا کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ صرف ۳۶۵ سالانہ مہروں کے لیئے ایک خاص سکہ مضروب کراتا۔ اور پھر سالہا سال تک یہی سکہ برابر پوپ کے خزانے میں رہے۔ مگر وہاں کسی کو یہ بھی پتہ نہ لگے کہ اس سکہ پر کیا لکھا ہؤا ہے۔ مانا کہ اس زمانہ میں عیسائی بہت جاہل تھے۔ مگر اس کے لیئے تو ایسے علم کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بالخصوص یہ عجیب بات ہے کہ نہ سارے انگلستان میں کسی شخص کو معلوم ہؤا کہ اس سکہ پر کیا لکھا ہؤا ہے۔ اور نہ ہی اٹلی کے ملک میں جس کے تعلقات مشرقی ممالک کے ساتھ بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اور رات دن کی لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اور اسلامی بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوگی۔ بلکہ یہ تو ممکن ہے کہ انگلستان جیسے دور پڑے ہوئے ملک میں عام طور پر لوگوں کو یہ پتہ نہ ہو کہ عربی عبارت کیا ہے۔ اور اسکا مفہوم کیا۔ مگر اٹلی والوں کا اسکے

معنے سے بے خبر ہونا کسی طرح قابل تسلیم نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ باوجود علم ہونے کے پوپ ایک ایسے سکہ کو قبول کر ما جائے جس پر نہ صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کا اقرار ہی موجود ہے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ عظیم الشان پیشگوئی بھی موجود ہے۔ کہ اسلام آخر کار کل مذاہب پر غالب ہوگا اور سب مذاہب کو کھا جائے گا۔ عیسائیت سے اُس زمانہ میں اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھے۔ اور عیسائیت کے ہی مرکز میں مسیح کی گدی پر بیٹھنے والے کے گھر میں یہ سکہ سالہا سال پہنچتا رہے۔ جس کا مطلب یہ ہو کہ آخر عیسائیت پر اسلام غالب آئے گا +

غرض مذکورہ بالا چار رائوں میں سے تین مؤخر الذکر رائیں کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اب ہم سب سے پہلی رائے کو لیتے ہیں۔ کہ شاہ آفا مسلمان ہو گیا ہو۔ اور اپنے اسلام کا اعلان بذریعہ اس سکہ کے کیا ہو۔ مَیں اس میں بھی کسی قدر ترمیم کروں گا۔ سارے واقعات پر غور کر کے یہ بات بہت قرین از قیاس ہے کہ شاہ آفا کو اسلام کی تبلیغ کسی نہ کسی طرح پر پہنچی۔ اور وہ اسلام کی صداقت پر اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر یقین لایا۔ اور اسی صداقت کا اعلان اُسنے بذریعہ اس سکہ کے کیا۔ گو کھلے طور پر عیسائیت کو ترک کرنیکا اعلان اس نے نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی ان حالات کے اندر یہ ممکن ہو کہ وہ عیسائیت کے عقیدہ سے کھلی بیزاری کا اظہار کر کے پھر اس ملک کا بادشاہ بھی رہ سکے۔ بلکہ اس کی جان بھی ایسی صورت میں نہ بچ سکتی تھی۔ تاہم اس نے اپنے اندرونی خیالات کے صحیح نقشہ سے اور اسلام کی صداقت کا جو جذبہ اس کے دل میں موجزن تھا۔ اس سے دُنیا کو اور بالخصوص آنے والی نسلوں کو بیخبر رکھنا نہیں چاہا۔ اور اس سکہ کے ذریعہ سے اپنے حقیقی مذہب کو وہ دُنیا پر ظاہر کرے گا۔

اسی سے کسی قدر ملتا جلتا ہمارے ہی ملک کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں وہ واقعہ اسی ملک ہند کے ایک مشہور اور مسلم بزرگ کی نسبت ہے۔ باوا نانک صاحب جو سکھ مذہب کے بانی تھے ان کے اصل عقیدہ کے متعلق کہ آیا وہ ہندوؤں کا عقیدہ رکھتے تھے یا مسلمانوں کا یا ان دونوں کے بین بین ان کا کوئی اور عقیدہ تھا ہمیشہ اختلاف رہا ہے یہاں تک کہ اُن کی وفات کے وقت بھی یہ جھگڑا اٹھا۔ اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان کی لاش اسلامی طرز پر دفن کی جائے۔ اور ہندوا سے ہندوؤں کے طریق پر جلانا

چاہتے تھے۔ سکھ مذہب کی کتابوں کے اندر جس قدر اقوال باوا نانک صاحب کے پائے جاتے ہیں یا جس قدر واقعات ان کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ان میں سے بعض اقوال اور واقعات کو ایسا رنگ دیا گیا ہے کہ وہ اُس کے مسلمان ہونے کے منافی معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک ہی بات فیصلہ کر دیتی ہے۔ کہ ایسے اقوال اور واقعات کے مقابل کیوں وہ واقعات اور اقوال زیادہ قابل اعتبار ہیں۔ جن سے اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ سکھ مذہب کو بانی مذہب کی وفات کے بعد ایسے ملکی واقعات پیش آئے کہ روز بروز اسلام سے اس کا تنفر اور ہندو مذہب کی طرف میلان بڑھتا گیا۔ اور اس لیئے جو کچھ باوا نانک صاحب کا اصلی مذہب تھا وہ بھی اسی اثر کے نیچے آکر اصلیت کو چھوڑ گیا۔ اور ایسے اقوال اور واقعات اس میں داخل ہو گئے جو ان بعد کے تاثرات کا نتیجہ تھے۔ اگر سکھ مذہب کے بعد کی تاریخ ایسے لوگوں سے اثر قبول نہ کرتی جن کو مذہب اسلام کے ساتھ بغض تھا تو یہ اقوال اور واقعات اس تاریخ میں داخل نہ ہو سکتے۔ پس خود یہ بات کہ سکھ مذہب کو بعض ملکی وجوہ سے اسلام کے ساتھ بغض پیدا ہو گیا۔ اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وہ اقوال اور واقعات جن سے اسلامی تعلیم کے خلاف کوئی امر مترشح ہوتا ہے اسی بغض کا نتیجہ ہیں اور بالمقابل ایسے صریح اور کھلے اقوال اور تاریخی واقعات جو باوا نانک صاحب کی صداقت اسلامی کے شیدا ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ان کا اس وقت تک سکھ مذہب کی کتابوں میں باقی رہنا باوا صاحب کے اصل مذہب کا پتہ بتاتا ہے۔ کیونکہ جہاں اسلام کے خلاف بعض باتوں کا سکھ مذہب کی تعلیم میں راہ پا جانا بالکل قرین قیاس ہے اسلام کی تائید میں بعد میں کسی بات کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی +

مگر اصل بات جس کی طرف میں یہاں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ باوا نانک صاحب کی قولی نہیں بلکہ فعلی شہادت ہے۔ جو ان کے مذہب کا ٹھیک پتہ بتاتی ہے۔ باوا نانک صاحب ایک مذہبی بزرگ تھے۔ اور انھوں نے اپنی یادگار اپنے پہننے کا ایک چولہ چھوڑا ہے۔ جو اس وقت ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں کئی سو غلافوں کے نیچے محفوظ ہے۔ اور جس میں اس قدر زمانہ میں کسی قسم کا تغیر تبدل وقوع میں نہیں آیا۔ کیونکہ اس کے اوپر کے غلافوں نے باوا صاحب کے

پیروؤں کو بھی اس کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا۔ اس چولہ کے متعلق جو کچھ ذکر باوا صاحب کی جنم ساکھیوں میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر کچھ تحریر بھی ہے۔ مگر وہ تحریر کیا ہے۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ہاں مضمون کے رنگ میں یہ بات جنم ساکھیوں میں لکھی گئی۔ کہ وہ مختلف زبانوں کے حروف میں کوئی تحریر ہے۔ اور یہ خیال کیا گیا۔ کہ جیسے باوا صاحب کا مذہب عوام کے خیال میں ہندو مذہب اور اسلام کے بین بین تھا۔ اسی طرح یہ چولہ کی تحریر بھی مختلف مذاہب کی تعلیم کا کچھ کچھ حصہ ہے۔ مگر حال میں جو اس چولہ کی اصل تحریر کو دیکھا گیا (جس کے متعلق پورے واقعات اور چولہ کا نقشہ مع اصل تحریر کے ایک کتاب ست بچن نام میں محفوظ کئے گئے ہیں) تو معلوم ہوا کہ اس چولہ پر بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ مگر وہ سب کا سب ایک ہی زبان یعنی عربی زبان میں ہے اور سوائے مذہب اسلام کے کسی مذہب کی تعلیم کا اس پر نشان نہیں پایا جاتا۔ کہیں کلمۂ شہادت ہے کہیں آیۃ الکرسی ہے۔ کہیں اسمائے الٰہی ہیں۔ کہیں دیگر آیات قرآنی ہیں اب اس فعلی شہادت نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ باوا نانک صاحب کا اصلی مذہب وہی ہے۔ جو چولہ پر ہے۔

جس قسم کی شہادت ایک مذہبی بزرگ کے متبرک لباس سے ملتی ہے اسی قسم کی فعلی شہادت اپنے اندرونی خیالات کے اظہار کے لئے شاہ آفا نے اس سکہ پر چھوڑی ہے اور واقعی بادشاہ کے متعلق شہادت سکہ ہی سب سے بڑھ کر ادا کر سکتا تھا۔ اس کی تائید میں اگر اور شہادتیں نہ ملیں یا وہ محو کر دی گئی ہوں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ایک عیسائی ملک میں صداقت اسلامی کی شہادت کا محفوظ رہنا قریباً قریباً محال تھا۔ ورنہ ممکن ہے کہ شاہ آفا نے اور کچھ شہادت بھی اپنے اسلامی عقیدہ کی چھوڑی ہو۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ شاہ آفا کا علانیہ اقرار اسلام اور ترک مسیحیت ایک سخت مشکل کام تھا۔ مگر اس کے دل میں کیا خیالات موجزن تھے۔ اس سکہ نے بتا دیا اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کی حکمت ہے۔ کہ ایک طرف باوا صاحب کے چولہ کو اسلام کی صداقت کی شہادت ادا کرنے کو محفوظ رکھا اور دوسری طرف شاہ آفا کے سکہ کی یادگار کو بھی دنیا سے نہیں مٹایا۔ گو کل دنیا میں یہ سکہ اب ایک ہی باقی رہ گیا ہے۔ جو کہ برٹش میوزیم میں ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی اسلامی بادشاہ کے دینار کی یہ نقل ہو۔ مگر اس

اسلامی بادشاہ کے نام کی بجائے آفا کے اپنا نام دینا اور کلمۂ شہادت اور رسالت نبوی کے اقرار کو باقی رکھنا یہ صاف بتاتا ہے۔ کہ شاہ آفا نے ارادتاً ایسا کیا۔ اور پھر اس سکہ پر اس آیت کا موجود ہونا جو سارے ادیان پر آخر اسلام کے غلبہ کا اظہار کرتی ہے۔ شائد اپنے اندر ایک پیشگوئی بھی رکھتا ہو اور کیا عجب ہے کہ اسلام کی صداقت کا سارے یورپ میں سے پہلے انگریزی قوم میں ہی اب آخر مانا جانا اس پیش گوئی کو پورا کرنے والا ہو۔ یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ مگر جو تحریک قبولیت اسلام کی انگریزی قوم میں شروع ہوئی ہے۔ وہ ابھی تک یورپ کی کسی دوسری قوم میں شروع نہیں ہوئی پس یہ سکہ بہرحال اپنے اندر ایک شہادت رکھتا ہے۔ کہ نہایت قدیم زمانہ میں بھی ایک انگریز بادشاہ کے دل پر اسلام کی صداقت کا اثر ہوا۔ اور وہ اثر اس قدر قوی تھا۔ کہ اُس نے نہیں چاہا کہ اس کے خیالات اس کے ساتھ ہی مر جائیں۔ بلکہ ایک سکہ کے رنگ میں اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر اُس نے اپنی قوم کے سامنے شہادت حقہ ادا کر دی۔ ہاں یہ کہا جائے گا۔ کہ ان سکوں پر صلیب کی شکل بھی ہے۔ مگر وہ درحقیقت صلیب نہیں۔ بلکہ جیسا کہ اس فن کے ماہرین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ سکے کو چار حصوں میں اس غرض کے لیے تقسیم کیا ہے کہ تا بوقت ضرورت اس کا نصف اور چوتھائی بھی کام دے سکے۔ ابتدائی زمانے میں سکوں کی بہتات نہ تھی۔ اور وہ اس قدر پتلے ہوتے تھے۔ کہ آسانی سے جہاں نشان ہو وہاں سے توڑے جا سکتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ شاہِ آفا پوپ کو ۳۶۵ مہریں سالانہ دیا کرتا تھا۔ یہ بھی اُسکے دل سے مسلمان ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اس مراسلہ سے صاف پایا جاتا ہے جس میں یہ رقم دیا جانے کا ذکر ہے۔ یہ مہریں محض صدقات کے طور پر دیجاتی تھیں۔ اور اسلام صدقات کا دینا کسی خاص مذہب تک محدود نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی فیاضی عام ہے۔ اور کلیسیا میں روشنی پر اس روپے کا خرچ ہونا بھی کسی طرح شاہِ آفا کے اسلامی عقیدہ کی منافی نہیں ہے۔ ممکن ہے آئندہ زمانہ میں کوئی مزید شہادت اسی کی موید پیدا ہو جائے ۔

انبیائے بنی اسرائیل پر آنحضرت کی فضیلت

تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض۔

اس آیت میں درحقیقت اشارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب رسولوں پر فضیلت کی طرف ہے اس طرح سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا اور آگے حضرت عیسیٰ کا ذکر ہے۔ اور یہ دونوں رسول بنی اسرائیلی سلسلہ میں ایک نمایاں امتیاز رکھتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس سلسلہ کی ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے کہ اس شان و شوکت کا اظہار آپ ہی کے ذریعہ سے ہوا جب بنی اسرائیل ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسکی رُوحانی شوکت کے لحاظ سے۔ کیونکہ موسوی سلسلہ اپنے روحانی کمال کو آپ کے ذریعہ سے ہی پہنچا۔ اور وہ اخلاقی اور روحانی تعلیم جو حضرت مسیح کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو دی گئی وہ سب انبیائے سابق کی تعلیم پر فوقیت لے گئی + اس طرح پر جہاں ان دونوں رسولوں کی فضیلت کیطرف اشارہ ہے اس سے بھی لطیف تر اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ جو اصل مقصود ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے یہ دو عظیم الشان نبی جنھوں نے موسوی سلسلہ کو ظاہری اور روحانی ہر دو پہلوؤں میں کمال تک پہنچایا انہی دونوں نے سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے گیت پیشین گوئی کے رنگ میں گائے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد کے کلام میں اور حضرت مسیح کے کلام میں آپکی آمد کو خود خدا کی آمد کہا گیا ہے۔ گویا باوجود اپنی کمالات ظاہری و باطنی کے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ظاہری و باطنی کو ایسے بلند مرتبہ پر پایا کہ آپ کی ہر دو شانوں میں انکو خدا کی شان نظر آئی۔ اور اس طرح پر اس آیت کے اندر ایک لطیف اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات آپ کی اس فضیلت پر شاہد ہیں اور خود قرآن کریم کو جو فضیلت دیگر کتب پر حاصل ہے۔ کہ وہ سب صداقتیں کامل طور پر اس کے اندر جمع کر دی گئی ہیں جو متفرق طور پر پہلی کتابوں میں تھیں۔ بلکہ ایسی تمام صداقتیں جنکی ضرورت قیامت تک ہو گی وہی فضیلت حضرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء پر ہے۔ آپ کا کافۃ للناس مبعوث ہونا۔ آپ کا رحمۃ للعالمین کا خطاب پانا۔ آپ کی اُمت کا خیر امۃ اخرجت للناس [illegible] سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر شاہد ہیں۔

اُجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کرگیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اس کا دائرہ اشاعت دس ہزار ہوجاوے گا۔ مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانے کا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا ÷

مینیجر رسالہ

اندازصفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی	عہ	عگر	للعہ	الہ
نصف	عگ	صر	لعہ	صہ ۱۵
پورا	للعہ	عہ ۱۰	عہ ۱۸	سہ ۳۰

نوٹ :۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہوسکتے ہیں ÷

ست سلاجیت
مومیائی

مقوی اعصاب ہے۔ معدہ و دیگر اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔ بدن میں چستی پیدا کرتا ہے انگریزی قیمتی ادویات کے مقابل یہ کم قیمت مفرد دوائی دماغی کام کرنے والوں کے لیے مجرب ثابت ہوئی ہے۔ کام کے بعد تھکاوٹ بالکل محسوس نہیں ہوتی۔ اگر اسے اکسیر البدن کہا جائے تو [illegible] میں بہت و گلگت کے پہاڑوں سے سلاجیت منگوا کر ست طیار کیا جاتا ہے۔ [illegible] [illegible] کے لیے تو گویا علاج ہے [illegible]

جلدی امراض کے واسطے خالص امرت دھارا کی جگہ ہم نے امرت دھارا داخل کر کے صابن تیار کرایا ہے۔ جس کے استعمال سے نہ صرف جلدی امراض داد چنبل۔ پھوڑا۔ پھنسی۔ خارش۔ پتی وغیرہ دور ہوتی ہیں بلکہ چہرہ پر ملنے سے۔ چہرے کے کیل۔ جھائیاں وغیرہ کو دور کرتا ہے۔ چمڑے ملائم اور خوبصورت بناتا ہے۔ اور بچوں کو ملکر نہلانے سے ان کو جلدی امراض نہیں ہوتی ہیں۔ نیز ڈس انفکٹنٹ ہے۔ مریضوں کو دیکھنے کے بعد اس سے ہاتھ صاف کرنے سے جرمز فوراً ہلاک ہوتے ہیں۔ اور بیماری کا خطرہ نہیں رہتا۔ کوئی دوائیہ صابن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ جتنی امرت دھارا اس میں ڈالی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں قیمت ہم نے بہت ہی کم رکھی ہے۔ یعنی ۱۲/ فی بکس ۳ ٹکیہ۔ فی ٹکیہ ۵

المشتہر **منیجر کارخانہ امرت دھارا لاہور**

امرت دھارا لوزنجز

امرت دھارا کی میٹھی ٹکیہ

جس طرح سے ولایت سے پیپرمنٹ کی ٹکیہ آتی ہیں ویسی ہی ٹکیہ امرت دھارا داخل کر کے ہم نے طیار کروائی ہیں۔ جن کو منہ میں رکھ کر چوستے رہنے سے امرت دھارا کا فائدہ ہوتا ہے۔ نیز دانت مضبوط ہوتے ہیں [illegible] کیڑا نہیں لگتا۔ منہ کی بو دور ہوتی ہے۔ بلغم۔ کھرکھری کھانسی وغیرہ نہیں ہوتی ہے۔ بچے بھی ان کو کھا کر امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔

قیمت ۱۰۰ ٹکیہ صرف ۴/

ملنے کا پتہ **منیجر کارخانہ امرت دھارا۔ لاہور**

بدہضمی یا خرابی ہاضمہ بھوک لگنا
ہندوستان میں سب سے زیادہ یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ بوجہ حدت موسم پانی مقررہ مقدار سے زیادہ پیا جاتا ہے جس سے رطوبت معدہ بڑھ جاتی ہے آہستہ آہستہ بھوک کم ہونے لگجاتی ہے منہ سے لیس اور پیٹ سے ہوا غیر معمولی زیادہ خارج ہوتی ہے کبھی نیند خراب آجاتی ہے اور کبھی اڑنے چوکنے سے خراب خوابیں نظر آنے سے بگڑ جاتی ہے رات اختر شماری کرنی پڑتی ہے بعض کمزور مریضوں کو خرابیٔ معدہ و فتور ہاضمہ سے بیہوشی طاری ہوجاتی ہے اور غذا کے بعد پیٹ میں بوجھ معلوم ہوتا ہے پاخانہ بے قاعدہ کبھی دست کبھی قبض کبھی پتلا کبھی ریاح سے نفخ شکم۔ دل کے مقام پر درد بھی ہوجاتی ہے ہمارے شفاخانہ میں ایک مرکب دوائی
نمک سلیمانی
موسومہ تیار کیجاتی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل فوائد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ قدرت کی طرف سے معدے میں جو اجزا نمکین خداوند تعالے نے مقرر کئے ہیں ان کے یہ فوائد ہیں (۱) نمک کی طفیل خون رگوں میں چلتا ہے اور جمنے نہیں پاتا۔ (۲) نمک کے طفیل خون رگوں میں گندہ اور بدبودار نہیں ہوتا (۳) نمک کے طفیل جو چیز کہ معدہ میں جاتی ہے وہ ہضم ہوکر خون بن جاتی ہے۔ نمک سلیمانی کے استعمال سے وہ ترشی جس کے پیدا ہونے سے پھوڑے۔ پھنسیاں وجع مفاصل۔ درد گردہ اور ریگ مثانہ۔ سنگ مثانہ۔ نقرس۔ اور گاؤٹ پیدا نہیں ہوتا۔ کھٹے ڈکار بند ہوجاتے ہیں اور بھوک خوب لگتا ہے۔ بڑھا ہوا اور سخت شدہ جگر اس کے استعمال سے درست ہوجاتا ہے ❖
قیمت فی شیشی ایکروپیہ (عہ)
روغن اعجاز برسوں کے زخم دنوں میں بھر جاتے ہیں بھگندر ناسور خنازیر کے گھاؤ اس سے دور ہوتے ہیں قیمت ۲ تولہ (عا)
تیل دافع یبوست و ضعف دماغ دلربا خوشبو کے علاوہ سیاہ بالوں کو سفید نہیں ہونے دیتا مقوی دماغ ہے نزلہ وزکام نہیں ہونے پاتا شیشی کلاں (عا) خورد (۸)
سرمہ کراماتی مقوی بصر۔ محافظ بینائی دافع دھند۔ غبار۔ جالا۔ آبروانی وغیرہ فیتولہ (عا)
تریاق السعال کہنہ کھانسی۔ اخراج بلغم۔ درد سینہ نزلہ چھاتی پر گرنا دور ہوجاتا ہے ۲ تولہ قیمت دو روپے (عا)
حب ذیابیطس بار بار پیشاب کا آنا۔ باقاعدہ شکر کا آنا بند ہوجاتا ہے اور مرض دور ہوکر صحت ہوجاتی ہے فیتولہ (عـ۵)
دوائی دافع خارش خشک وتر خارش دو روز میں دور ہوجاتی ہے قیمت ایک روپیہ (عہ)
حب دافع طحال تپ تلی کے دفعیہ کے لئے جادو اثر ہے۔ آزما کر دیکھیں۔ قیمت فی ڈبیہ دو روپے (عا)
حب دافع بخار کیسا ہی بخار ہو ایک گولی دینے سے پسینہ آکر اتر جاتا ہے دو درجن گولیاں کی قیمت ایکروپیہ (عہ)
دوائی دفع پیچش و مروڑ یہ دوا اس مرض کیلئے اکسیر ہے دو تولہ (عہ)
حب دافع وجع المفاصل درد جوڑوں کے لئے اکسیر ہے قیمت فی بکس دو روپے (عا)
دوائی درد کان ایک قطرہ کان میں ڈالنے سے آرام۔ سو پھویوں کیلئے (عہ)
حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور
موچی دروازہ

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ۔ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام۔ اردو۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو۔ قیمت بارہ آنے ... (۱۲/)

(۳) اسوۂ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی"۔ اردو۔ قیمت صرف چار آنے .. .. (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے .. .. (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدر آباد دکن اردو۔ قیمت دو آنے .... (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب۔ قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور ۳ عدد انگریزی قیمت .... (۳/)

مسلم اٹی چیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ..... (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳ء-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت جلد سنہ ۱۹۱۳ء (صہ) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (صہ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۳ء لغایت دسمبر ۱۹۱۴ء قیمت ایک روپیہ .... (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم " " " (۶/)

عصمت انبیاء " " " (۸/)

غلامی " " " (۴/)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت (۲/)

التوحید جسمیں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل ایم ایس (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اُس سے بچنے کی آسان راہ مصنفہ سید صاحب ایل ایم ایس (۱/)

Miracle of Mand

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر۔ انگریزی (۱۲/)

اسلامک اینڈ سوشلیزم " " " (عہ۴/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت۔ (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوۃ کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ قیمت ایک روپیہ .. .. (عہ)

حدوث مادہ " " " " (۴/)

جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے (سے)

پتہ

مینیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ: ناظرین کرام ان کتب کو اپنی حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

A BRITISH MUSLIM FAMILY

From left to right: 1. Mrs. Mubarakah Welch; 2. Master Yusuf; 3. Mr. Ahmad Welch; 4. Mrs. Hannah Phillips, aunt to Mubarakah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ اپریل ۱۹۱۶ء نمبر (۴)

شذرات

ماہ فروری میں دو اور انگریز اسلام میں داخل ہوئے۔ جن میں سے ایک صاحب لوگردو نام ہیں جنکا اسلامی نام حبیب اللہ تجویز کیا گیا ہے۔ اور دوسرے ایک کپتان صاحب ہیں جنکا نام نعمۃ اللہ رکھا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

اس وقت مسلمان کثرت کے ساتھ اپنی گورنمنٹ کی طرف سے جنگ میں شریک ہیں۔ اور اپنی بہادری اور جان نثاری کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ اور انھوں نے عملاً اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے لیکن یہ کس قدر خوشی کا مقام ہے۔ کہ اگر ایک طرف مسلمان سرکار انگریزی کے لیئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں تو دوسری طرف معزز انگریز ہمیں اس حالت جنگ میں ہماری سرکار محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہو رہے ہیں جس طرح اول الذکر نے اپنی جان نثاری کو میدان جنگ میں ثابت کیا ہے۔ ہمارے ان نئے انگریزی نژاد بھائیوں نے بھی صداقت اور حق کی وفاداری کا ثبوت میدان جنگ میں ہو کر دیا ہے۔ خدا کے فضل سے اس وقت ایک میجر دو کپتان۔ ایک لفٹنٹ انگریز نومسلمان اور ان کے علاوہ سپاہی بھی میدان جنگ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان نئے بھائیوں کا مددگار ہو ٭

مسئلۂ زندگی

(از پروفیسر نورالدین سٹیفن)

(زندگانی عجب معمّا ہے - حل کرے کون کسکا بَرتا ہے -)
(نہ کسی سے ہُوا نہ ہوئے گا - چھوڑ اس کو یہ ایک جھگڑا ہے)

صدیاں گذر گئیں ہمارے اجداد و بزرگان نے یہ ترانہ گایا تھا - کیونکہ اُنھوں نے زندگانی کو کئی پہلو سے ایک عقدۂ لاینحل پایا - آج ہم بھی جو ان کی اولاد ہیں اور جنھیں علم و فضل اور اپنی ترقی پر بہت ناز ہے - فی الحقیقت اسی منزل پہ ہیں اور اس معمّہ کی ابتک کامل طور سے عقدہ کشائی نہیں کر سکے - چونکہ سائنس دانوں اور دیگر اشخاص نے یہ دعوے کیئے کہ زندگی کی ابتدا کا پتہ لگ گیا ہے - اس لیئے میرے خیالات بھی اس طرف متوجہ ہوئے - اگر واقعی یہ دعوے درست ہیں تو پھر مسئلہ حیات حل ہو جاتا ہے اور پھر میرے نزدیک یہ امر قابل غور و خوض ہے - کیونکہ ایک حقیقی طالب علم کے دعوے کو جو علم کے متعلق ہے بغیر غور کیئے نظر انداز نہیں کر دینا - اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کے متعلق جس نتیجہ پر میں غور و خوض اور چھان بین کے بعد پہنچا ہوں - اور ناظرین کے سامنے پیش کروں +

گذشتہ صدی "مسائل کی صدی" کے نام سے موسوم کی گئی ہے - کیونکہ یہ مسائل جملہ نام اور نوعیت کے تھے - مثلاً جسمانی - اخلاقی - معاشرتی - مسائل فنون - لیکن ان میں سے ایک بھی اتنی کثیر جماعت کی توجّہ کو اس قدر مبذول نہیں کرتے - جس قدر مسئلہ حیات - کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو عالم ہو یا جاہل - امیر ہو یا غریب - نواب ہو یا کسان اس مسئلے سے خاص تعلق ہے کہ زندگی کیا ہے اور اس کی ابتدا کہاں سے ہے - پس یہی ایک معمّا ہے - یہ مسلّمہ امر ہے کہ بہت سے علوم کی تحقیقات کرنے سے بڑی ترقیاں کی گئی ہیں - اور ان مسائل کے حل کرنے میں کم یا زیادہ کامیابی بھی ہوئی ہے جن کی غرض و غائیت یہی ہے کہ نسل انسانی کو ہر طرح کی راحت اور خوشی حاصل ہو - سائنس کے ذریعہ بہت سے معموں کی عقدہ کشائی ہو گئی - علم طب اور جراحی نے بہت ترقیاں کیں کئی بیماریاں

دور ہوگئیں۔ مریض صحت یاب ہونے لگے اور دیگر تکالیف کم ہوگئیں +

ہمارے اجداد جن باتوں کو خواب وخیال سمجھتے تھے وہ اب انجنیری اور مشینوں کے طفیل حقیقت بن گئیں۔ اور چند سال پہلے جن امور کو ہم اسرار اور معجزہ وکرامت تصور کرتے تھے۔ آج وہی روزمرہ کے کھیل ہو رہے ہیں +

غرضکہ ہر طرف ترقی ہی ترقی ہے۔ مگر باوجو اس کے مسئلہ حیات وممات اب تک ایک ہی صورت اور اسی حالت میں ہے۔ اور جہاں تک اس کی ابتداء اور انتہا کا سوال ہے۔ سائنس اور تمام اقسام کے علوم نے اس کا کچھ بھی پتہ نہیں لگایا۔ اور ہنوز روز اول کا معاملہ ہے +

سب سے اعلےٰ اور حیرت انگیز مشین کو لو۔ پھر بھی وہ مشین ہی ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت بت بھی بت ہی ہے۔ گو اپنی وضع قطع میں تکمیل کو پہنچ چکی ہو۔ لیکن زندگی سے اتنی ہی دور اور بعید ہے جتنا کہ پگمیلین کے زمانہ میں جس نے اپنے دیوتاؤں سے التجا کی تھی۔ کہ اس کے کام میں ایک بات کی کمی ہے جو بخشی جاوے اور وہ کیا ہے "زندگی"

سائنس کی بڑی بڑی ایجادیں۔ مثلاً ٹیلیفون۔ فونوگراف۔ بجلی کے عجائبات یہ سب کیا ہیں ہی مشین۔ ان میں اس بڑی اور اہم چیز کی کمی ہے جس کا نام زندگی ہے۔ یہ کلیں زندگی پیدا نہیں کرسکتیں۔ یہ سب کثرت استعمال سے پرانی ہوکر خراب ہو جاتی ہیں۔ لیکن پھر بن سکتی ہیں۔ ایک ایک کل اور پرزے نئے لگ سکتے ہیں۔ ان میں فہم و فراست اور ادراک کی قوت نہیں ہے اگرچہ بعض نقل کرلیتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی غلطی سرزد ہو تو ان میں خود اصلاح کرنے کی طاقت نہیں غرضکہ باوجود ان تمام عجائبات کے یہ چیزیں ایک اور زندہ سمجھدار وجود کے ماتحت کام کرتی ہیں ورنہ پھر اسی بے ترتیبی کی حالت میں لوٹ جائیں گی +

آخرش یہ زندگی کیا ہے۔ یہ حیات کونسی شئے ہے۔ بظاہر یہ ایک لامحدود گذشتہ زمانہ سے شروع ہوئی ہے اور آیندہ زمانہ میں گذر جاتی ہے۔ جیسا انگلستان کے مشہور شاعر نے لکھا ہے کہ کونیں کے بیچ اور صبح و شام کے درمیان زندگی مثل ایک ستارہ کے منڈلاتی ہے۔

خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے " دیکھو میں نے تم کو زندگی کی روح بخشی " اور یہ عجوبہ شئے جو کچھ بھی ہو ہم اسے بلا چون وچرا خدا تعالےٰ کا عطیہ سمجھ کر قبول کرلیتے ہیں +

قرآن شریف سورہ نحل میں یوں فرماتا ہے۔ واللہ خلقکم ثم یتوفکم و منکم من یرد الی ارذل العمر لکی لا یعلم بعد علم شیئاً ان اللہ علیم قدیر۔ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ پھر وہ تم کو موت دیتا ہے۔ اور تم میں سے وہ ہی جو ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد سب کچھ بھول جاوے۔ اللہ جاننے والا قادر ہے +

لیکن باوجود سارے علم کے ہم اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے۔ یعنی زندگی زیادہ سے زیادہ ایک دن کی مثال ہے جس کا آغاز رات سے ہوا اور تاریکی میں خاتمہ ہو گیا۔ اور بجز ایمان کے نہ تو ہم رات میں زندگی کی ابتدا ہی دیکھتے اور نہ تاریکی میں اس کا خاتمہ ہی نظر آتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سب سے ضروری کونسا اصول ہے اور جتنی کوششیں اس کی تعریف بیان کرنے کے لیئے کی گئیں سب بیسود اور بے فائدہ ثابت ہوئیں۔ کیونکہ ہمیں اس کے منبع یا اس کے نوعیت کا کچھ بھی علم نہیں ہوا +

اس نتیجہ تک پہنچنے میں وہ سب باتیں میرے ذہن میں ہیں جو زندگی کی ابتدا، اور مسئلہ ارتقا وغیرہ کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب ابھی تک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی ہیں۔ اور جب تک کیمیائی اور مادی طاقتیں جان ڈالنے کی قوت پیدا نہیں کر سکتیں اس وقت تک ہم کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حیات یا زندگی ایک ایسی اصول یا قوت ہے جو مادہ پر احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ لیکن مادہ سے بالکل علیحدہ شئے ہے۔ اور جو کسی شکل یا صورت میں پہچانی نہیں جاتی۔ اور جس کا پیدا کرنا انسانی قوت سے بالکل بعید ہے۔ حتی کہ نہایت ادنے سے ادنے شکل میں بھی حیاتی قوت کا پیدا کرنا امر محال ہے مسئلہ ارتقا بیشک اپنے اندر فلسفیانہ رنگ رکھتا ہو۔ لیکن جہاں تک زندگی کا سوال ہے اگر اسے بحث میں لایا جاوے تو ثبوت تو درکنار تشریح سے بھی باہر ہے۔

ڈارون کی تھیوری شاید ایک نوع کے باہمی اختلافات پر شاید بہت کچھ روشنی ڈالے اور ڈالتی ہے۔ لیکن اس بات کے ثابت کرنے سے یہ یقیناً قاصر ہے۔ کہ ایک نوع سے دوسری نوع کس طرح بنی اور نئی زندگی کے پیدا ہونے پر اس سے مطلق کچھ روشنی نہیں پڑتی اس کے بعد ہمارے سامنے ہربرٹ اسپنسر کا مسئلہ آتا ہے۔ لیکن اس کا جواب ایک لیکچر میں کسی نے یوں دیا ہے۔ ہربرٹ اسپنسر کی یہ کوشش کہ مادہ کی ہمجنس تقسیم سے ایک متضاد رنگ کے۔ لیکن مضبوط و مستقل مخلوق پیدا ہو سکتی ہے و بعد ازاں زندگی۔ قوت مدرکہ عقل حیوانی۔ معاشرتی اور اخلاقی اوصاف کی تکمیل ہو سکتی۔ یہ بالکل

لایعنی اور بعض پہلوؤں کے لحاظ سے بالکل بلا دلیل ثابت ہوتی ہے +

الغرض یہ تھیوریاں بھی بظاہر دلچسپ معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے ماننے کے لیئے ابھی کسی بڑی بنیادی عمارت کی ضرورت ہے۔ وہ ایک بات کو مان لیتی ہیں جسکا ثبوت نہیں دیتیں بلکہ امکان کے اندر لاکر عمارت کھڑی کر دیتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ طریقہ غیر مستند اور غیر معتبر ہے پروٹوپلزم (جو حیوانی اور نباتاتی زندگی کی مادی بنا سمجھی جاتی ہے) تمام زندہ اجسام کا جزو ہے۔ جس طرح گوشت ہوتا ہے۔ لیکن گوشت بذات خود زندگی نہیں ہے۔ اسی طرح ہوا اور خون بدن جو قیام زندگی کے لیئے از حد ضروری ہیں۔ بذات خود زندگی نہیں ہیں +

اب یہ سوال کہ یہ زندگی کا ابتدائی قالب کیا شئے ہے۔ آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہمیں اس کے مرکب کی کیفیت معلوم ہے۔ کیمیائی علم کی رو سے یہ کاربن۔ ہائیڈروجن۔ آکسیجن نائیٹروجن کا مرکب ہے۔ اور غالباً گندھک اور فاسفورس کا بھی حصہ شامل ہے۔ لیکن دونوں موخرالذکر جزو شاید اول الذکر چار اجزا کی ترکیب کے نتائج ہیں۔ حالانکہ پروفیسر ہکسلے اس کا ذکر نہیں کرتا وہ لکھتا ہے کاربن۔ ہائیڈروجن۔ آکسیجن۔ نائیٹروجن غیر حیاتی مادے ہیں۔ لیکن جب ایک معینہ مقدار میں ملائے جاتے ہیں۔ تو ان سے زندگی کا ابتدائی قالب بنجاتا ہے اور جس سے ایک حیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک تو بالکل صحیح اور درست ہے۔ لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ اس سے ہم کہاں تک آگے بڑھ سکتے ہیں۔ آخر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم دور تک نہیں چل سکے۔ بہرحال اب یہ دیکھنا ہے کہ ان اجزا کے مرکب سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی حالت میں وہ بڑھ جاتی ہے اور کسی حالت کے ماتحت گھٹ جاتی ہے یہ پانی کے باریک کیڑوں اور دوسری ادنی اشکال کی چیزوں کی طرح ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات بڑے جانور اور پودوں کے اندر جو حیاتی مادہ ہوتا ہے اس کی ہمشکل ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ تمام کی تمام حتی کہ سب سے ادنے کیڑے بھی پروٹوپلزم اور ایک دوسری شئے کے مجموعے ہیں۔ مگر یہ **دوسری شئے** کیا ہے۔ ابتک کسی سائینس دان کو اس کا پتہ لگا نہ وہ اسے پیدا کر سکتا ہے اور نہ اس کی تعریف بیان کر سکتا ہے۔ یہی **دوسری شئے** زندگی یا حیات ہے۔ خواہ اسکا علمی اصطلاحات میں کچھ نام رکھو۔ پروفیسر ہکسلے نے اس کے جواب کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بحث کے

آخری حصہ میں لکھا ہے "جب پانی کے مرکب اجزاء یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن ملائے جاتے ہیں تو ہم یہ فرض نہیں کر لیتے کہ وہ شئے جسے آبیت کہتے ہیں پانی میں داخل ہو کر پانی بنجاتی ہے۔ پس جیسا ہائیڈروجن اور آکسیجن کی ترکیب ہی پانی ہوتا ہے اور پانی ہونا کوئی الگ شئے نہیں۔ اسی طرح ان چار چیزوں کی ترکیب ہی حیات یا زندگی ہے اور زندگی کوئی علیحدہ شئے نہیں ہے۔" یہ ایک ہوشیار شخص کی دلیل ہے۔ اور بادی النظر میں نہایت خوش نما اور اچھوتی معلوم ہوتی ہے اور اس سے بہت جلد دھوکہ لگنے کا بھی احتمال ہے۔ لیکن اگر اس پر ذرہ غور سے نظر ڈالی جائے تو پھر معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ اس دلیل کی رُو سے پانی اور زندگی کے اس ابتدائی قائمۂ پروٹوپلازم کے درمیان ایک مشابہت فرض کر لی جاتی ہے۔ جو درحقیقت کالعدم ہے اور یہ مشابہت پانی اور دیگر ادنےٰ قسم کی زندہ اشکال میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ زندہ اشکال کیا ہیں جیسا کہ ابھی ذکر آچکا ہے پروٹوپلازم اور کچھ اور شئے۔ پروفیسر ہکسلے کے جواب میں دوسرا مصنف اس طرح لکھتا ہے۔ "ہم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ کن اصول اور حالات کے ماتحت پانی بنتا ہے۔ اور پانی بننے کے لیئے کسی دُوسری طاقت کو فرض نہیں کرتے۔ سوائے اس کے کہ ہائڈروجن اور آکسیجن کا آپس میں ایک کیمیائی تعلق پیدا ہو کر پانی بنجاتا ہے۔" مصنف کو اتنا اور بھی اضافہ کر دینا چاہیئے کہ یہ پانی اپنی ماہیت اور خواص میں بالکل قدرتی پانی کی طرح ہوتا ہے اور قوانین کے ماتحت جو اُس میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں یا جو اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ سب حیطۂ بیان میں آسکتی ہیں۔ لیکن زندہ اجسام گو وہ کتنا ہی ادنےٰ شکل پائیں۔ بیج اگاری سے لے کر جانور تک ایک قوت یا کئی قوتوں کے مجموعہ ہیں۔ اور جہاں تک سائنس کی تحقیقات ہے کسی مرکب سے نہیں پیدا ہو سکتے۔ سائنس دانوں نے اس چیز کو جسے "بنیاد زندگی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ معلوم کیا ہے یعنی وہ مادے جن سے زندہ اجسام بنتے ہیں۔ ان کے اجزا اور مرکبات کی تشریح کر کے یہ بتلایا ہے کہ حیوانات اور نباتات کے نشوونما کے لیئے ایک زندہ مادہ ہے جسکا نام پروٹوپلازم یا بائیوپلازم ہے۔ یہاں ہم اپنے علم کی حدود تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ وہ کونسی پوشیدہ طاقت ہے جو کبھی سبزی بناتی ہے۔ کبھی حیوان کبھی انسان اور کبھی کچھ اب تک حل نہ ہو سکا +

محض مادہ اور زندہ حیاتی مادہ کے درمیان ایک بڑی خلیج ہے اور ان دونوں کو ایک کرنیوالی کوئی زنجیر نہیں۔ یعنی ان دونوں کے درمیان تعلق بتانے والی اور اس امر کی تشریح کرنے والی کہ ایک سے دوسرا کیونکر بن جاتا ہے کوئی شئے نہیں کیونکہ ہمارے پاس ان تبدیلیوں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کس طرح ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے۔ اور بات جہاں تھی وہیں رہ جاتی ہے۔ یعنی علمی ترکیب سے مادہ کا ابتدائی قالب تو بن جاتا ہے لیکن وہ چیز جو اس کے اندر زندگی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کو نہ سائنس پیدا کرسکتا ہے نہ اس کی تشریح کرسکتا ہے +

لیکن جہاں علم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ وہاں ایمان شروع ہوتا ہے۔ اور مومن کے نزدیک زندگی کے مسئلہ میں کوئی بھی پیچیدگی نہیں۔ یہ خدا کا ایک عطیہ ہے جو اس کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالے اپنے کلام میں فرماتا ہے۔ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتہا وکذالک تخرجون۔ ومن اٰیٰتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون:- وہ مردہ سے زندہ کو پیدا کرتا اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے اور زمین کے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی نکال کھڑے کیئے جاؤ گے اور اسکے نشانوں میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تم بشر ہو جو پھیل جاتے ہو + پس ایک دہریہ اور خدا کے وجود کے منکر کے واسطے زندگی ہی کا مسئلہ۔ قادر مطلق خدا۔ رحمٰن ازلی و ابدی خدا اور خالق کے وجود کی زندہ شہادت کے لیئے کافی ثبوت ہے +

اب ہم اپنے مسئلہ کو بدلکر دوسرا مسئلہ اسطرح قایم کرتے ہیں "زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیئے" یہ بہت بڑا سوال ہے اور آئندہ میں اس سوال پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالوں گا۔ اس اشاعت میں صرف مجملاً اس رنگ میں لکھوں گا کہ میں کس طریق سے اچھی طرح زندگی بسر کرسکتا ہوں یعنی کس حیثیت سے جو انسان کے شایان ہے عیش وعشرت راحت وآرام کے معنے میں نہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ اپنے فرائض کو کس طرح بہتر طریق پر ادا کرسکتا ہوں اور حقیقی عزت کی زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ چنانچہ کولیرج نے لکھا ہے سہ

مطلوب اگر ہے زندگانی	بہتر ہے کہ ہووے جاودانی
حی وقیوم سے کرو پیدا عشق	ہے نخنہ مشق جس کا حب فانی

رسول مبین

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی قل ھل یستوی الاعمی والبصیر افلا تتفکرون (الانعام - ۵۰)

کہہ دو میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ میں تم کو کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں۔ جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں۔ کیا تم سوچتے نہیں +

عرب کے لوگ ایک دراز عرصہ سے نسلاً بعد نسل بت پرستی۔ شجر پرستی۔ حجر پرستی میں غرق چلے آتے تھے۔ بت پرستی کی یہ خاصیت ہے کہ انسان کے اندر توہم پرستی کے مادہ کو بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ بت پرست انسان جو ایک بے جان چیز کو بھی خدا مان لیتا ہے۔ کسی چیز میں ادنے سا بھی مشاہدہ کرکے اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اور اس کی فطرت میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے کہ ہر طاقت کے سامنے گردن جھکا دے۔ سورج اور چاند اور سیارے تو بڑی چیزیں ہیں اور ان کی عظمت ہمیشہ ہر بت پرست قوم نے کی ہے۔ مگر جب انسان اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ ہر چیز میں اپنے سے بڑھ کر کچھ طاقت مانے تو اس کو زمین و آسمان کے ادنے اشیاء میں بھی ایسی طاقتوں کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ جن کے سامنے اسے سر جھکانا پڑتا ہے۔ حتی کہ ہوا کے ایک جھونکے سے درختوں کے پتوں میں جو کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی ہے وہ بھی اُس کے دل پر ایسا اثر ڈالتی ہے۔ کہ وہ اس سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہاں ہندوستان میں بہت لوگوں نے اپنی آنکھ سے یہ نظارہ دیکھا ہے کہ جب ابتداء میں ریل چلی تو ہندو اس کو ماتھا ٹیکا کرتے تھے۔ اور وہ اسے بھی ایک دیوتا ہی سمجھتے تھے۔ عرب کی بُت پرستی ہندوستان کی بت پرستی سے بھی بڑھ کر تھی۔ کیونکہ یہاں اگر تراشے ہوئے بتوں اور ہوا اور آگ اور بارشوں کی پرستش ہوتی تھی تو عرب میں ان تراشے پتھروں کو بھی پُوجا کرتے تھے۔ حتی کہ سفر کو جاتے وقت وہ پتھر ساتھ لے لیا

کرتے تھے۔ اور بوقت ضرورت انہی پتھروں سے چولہے بنا کر ان پر روٹی بھی پکا لیا کرتے تھے۔ لیکن دوسرے وقت یہی پتھر ان کو معبود کا کام دیتے تھے۔ غرض کہ ایک عرصہ دراز کی بت پرستی نے فطرت انسانی کو بالکل ذلیل کر رکھا تھا +

ایسے حالات میں اگر ایک غیر معمولی طاقت والا انسان اُٹھ کر اُن کے اندر خدائی کا دعوے کر دیتا تو اسے اپنے آپ کو خدا منوا لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ پھر ان انسانوں میں جو غیر معمولی طاقتیں لے کر دُنیا میں آئے ہیں کسی شخص کی غیر معمولی طاقت کا اظہار ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت کا بلکہ اس کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے انسان میں ہمیں نظر نہیں آتا۔ آپ نے چند سال کے عرصہ میں نہ صرف ہر قسم کی قبیح رسموں کو ہی ایک قوم کی قوم اور ملک کے ملک سے مٹا دیا۔ بلکہ اُن کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور ایک ایسی پستی میں گری ہوئی قوم ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا جہاں تک کسی ایک ہی انسان نے اپنی زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے میں کسی قوم کو پہنچا کر نہ دکھایا پس اس عظیم الشان طاقت والا انسان اگر اس بت پرست قوم کے سامنے اپنے بڑے بڑے دعوے پیش کرتا۔ تو ایک عجوبہ پرست قوم یقیناً ان کے ماننے کے لیئے تیار ہوتی۔ لیکن کیا ہی پیارے اور سادہ الفاظ میں وہ اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملك۔ نہ تو میرے پاس خزانے ہیں کہ میں تمکو مال و دولت کا لالچ دُوں یا یہ کہوں کہ چونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ کے خزانوں پر بھی میرا تصرف ہے اور نہ میں غیب کی باتوں کو جانتا ہوں کہ تم کو یہ بتا دوں کہ فلاں کام یوں کرو۔ تو تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یا اس وقت فلاں تجارت کرو تو تم کو یوں نفع ہو گا۔ اور نہ میں خود بشریت کے دائرہ سے باہر ہوں یعنی فرشتہ ہوں۔ بلکہ بشریت کے ہر قسم کے تقاضے میرے ساتھ ہیں اور انسانوں کی طرح میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ پس میں تم کو ان باتوں کا لالچ دیکر اپنی طرف نہیں بلاتا۔ کیسی صداقت اور کیسی راست بازی ہے۔ اور کیا عجیب بات ہے کہ ان ساری باتوں کے باوجود اگر کسی شخص نے اپنے پیرؤں کو خزانوں کا مالک بنا یا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیا مقابلہ ہے۔ ایک طرف حضرت مسیح علیہ السلام بروئے انجیل اپنے بارہ حواریوں کو بارہ تختوں کے وعدے دیتے ہیں۔ مگر تخت ملنا کوئی نہیں۔ دُوسری طرف

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں میں تم کو یوں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں۔ مگر اپنے پیروؤں کو ساری دُنیا کے خزانوں کا مالک بنا کر دکھا دیا اور کیسر و قیصر کے بیش بہا خزانے اُنکے پیروں میں لا کر ڈال دیئے۔ وہ بے شک دکھ اور خوشی۔ راحت اور رنج کے مالک نہیں بنتے کہ کہدیں کہ میں غیب جانتا ہوں۔ لیکن جیسا پردۂ غیب سے آپ نے اٹھایا دُنیا میں کوئی انسان اس قدر غیب کا پردہ اُٹھانے والا پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ انسانوں کے سکھ کی ساری راہیں کھول کر رکھ دیں یہ بتا دیا کہ اس راہ پہ قدم مارو گے تو دکھ اُٹھاؤ گے۔ فرشتہ ہونے کا دعوےٰ نہیں۔ مگر کیسی پاکیزہ زندگی ہے کہ اگر کوئی شخص دُنیا میں فرشتہ کہلانے کا مستحق ہے تو وہی مقدس اور راستبازوں کا سردار ہے جو نبوت سے پہلے ہی الامین کا خطاب اس قوم میں رہ کر حاصل کر چکا تھا جو خود امانت کے مفہوم حقیقی سے کوسوں دور پڑی ہوئی تھی۔ غرض خزانوں کا مالک بھی بنایا۔ غیب کی باتیں بھی کھولکر بتائیں اپنے ملک ہونے کا بھی قائل کر دیا۔ مگر دعوےٰ صرف یہی ہے کہ میں ایک معمولی بشر ہوں۔ لالچ دے کر کسی کو اپنا پیرو بنانا پسند نہیں کیا۔ اس کے پیرو اس کی راستبازی کے ایسے قائل ہیں۔ اسکی صداقت ان کے دلوں میں ایسی گڑی ہوئی ہے کہ جو وہ کہدے اس پر کبھی جھوٹ یا غلط ہونے کا وہم بھی کسی دل میں نہیں آتا۔ مگر باایں وہ اپنے آپ کو انا بشر مثلکم۔ بتا کر ایک بشر سے بڑھ کر کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا۔

آپ کا ایک صاحبزادہ تھا ابراہیم نام۔ چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا۔ اُسی دن سورج گرہن بھی ہوا اور پورا سورج تاریک ہو گیا۔ طبائع میں قدرتی طور پر ایسے واقعات کو تعلق دینے کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ دو ایسے عظیم الشان واقعہ ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرزند فوت ہو جائے دوسری طرف سورج دن کے وقت تاریک ہو جائے۔ یہ لازمی تھا۔ کہ بعض لوگوں کا خیال اس طرف جاتا کہ حضرت ابراہیم کی وفات پر سورج نے بھی غم کا اظہار کیا۔ اور آخر زمینی واقعات کا آسمانی کواکب سے تعلق تو ہے۔ پس بعض صحابہ نے بھی خیال کیا۔ کہ فی الواقع سورج کی تاریکی ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہے۔ اور آپس میں یہ باتیں ہونے لگیں۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجکل کا پیر یا گدی نشین ہو تو وہ تو خو[illegible] سے اپنی کرامت بتاتے۔ اور کم از کم اگر مرید ایک غیر معمولی واقع کو اس کی طرف منسوب [illegible] ہوتا ہو [illegible] وہ کر[illegible] لوگوں کو یہ یقین دلائے گا کہ یہی درست ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] شیدا تھا۔ اس کو اپنی بزرگی اور عظمت جتانی تو مقصود تھی ہی نہیں۔ بزرگی اور

عظمت قلوب میں بٹھانا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ مگر آپ کے سامنے تو ایک مقصد تھا وہ یہی تھا کہ آپ کے پیرو کسی قسم کی غلطی میں نہ پڑیں۔ خواہ اس غلطی میں پڑنے سے آپ کی بزرگی کا اعتراف ہی دلوں میں بڑھتا ہو۔ آپ کو ابراہیم کی وفات کا صدمہ بھی تھا۔ القلب یحزن والعین تدمع وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون۔ مگر اولاد کی محبت سے بھی بہت بالاتر آپ کی محبت نسل انسانی کے لئے تھی۔ لوگوں میں سے ہر قسم کی توہم پرستی کا نکالنا اور اُن کو سیدھے سادے مگر محقق انسان بنانا۔ یہ آپ کے رُوح کی اصل تڑپ تھی۔ پس آپ منبر پر چڑھے اور خطبہ پڑھا۔ اور اسی خطبہ میں ان لوگوں کی غلطی کا ازالہ کیا جنھوں نے سورج کی تاریکی کو ابراہیم کی وفات کی وجہ سے بتایا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

ان الشمس والقمر ایتان من ایات الله لا ینخسفا لموت احد ولا لحیوتہ۔ سورج اور چاند اللہ کے نشانوں میں سے نشان ہیں نہ وہ کسی کی موت کے لئے تاریک ہوئے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کیلئے۔

چونکہ آپ کا نفس ہر قسم کی خواہشات سے پاک تھا۔ اسی لیئے آپ دُوسروں کو پاک کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے محمد رسول اللہ پر بھی کفایت نہیں کی۔ بلکہ اس بات سے بچنے کے لیئے کہ آپ کے پیرو آپ کے متعلق غلو نہ کریں۔ اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ کی شہادت ہر ایک مسلمان کے لیئے ضروری قرار دی۔ جس قدر کھول کھول کر آپ نے اپنے پیرؤوں کو بتایا کہ خدا کی راہ پر چلنا سخت مجاہدات چاہتا ہے اور بڑے بڑے مشکلات کا مقابلہ اُنھیں کرنا پڑیگا ایسی صفائی کسی دُوسرے نبی کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ نہ صرف ہر قسم کے لالچ کی ہی صاف نفی قرآن کریم میں موجود ہے۔ بلکہ خدا کی راہ میں مصیبتوں کا برداشت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے تا جو کوئی اس کوچہ میں قدم رکھے۔ یہ سمجھ کر رکھے کہ وہ عیش اور آرام کی زندگی کے لیئے کسی بات کو اختیار نہیں کرتا تا ایسا نہ ہو کہ آرام کا خیال ہی اس کا غالب خیال رہے۔ بلکہ دُکھ اٹھانے کے لیئے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔ ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے۔ کچھ خوف اور بھوک کے ساتھ اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی کے ساتھ۔ اور خوشخبری انہی کے لیئے ہے۔ جو مصیبتوں کو خدا کے لیئے برداشت کرنا سیکھتے ہیں۔ پس نہ صرف اپنے متبعین کے ہر قسم کے لالچ سے ہی دُور رکھا۔ بلکہ یہ بھی صاف بتا دیا کہ اس راہ میں کچھ دُکھ بھی اُٹھانے پڑیں گے۔ ہاں مصائب کے

بعد پھر خوشخبری بھی ہے +

ان سب باتوں کی غرض کیا تھی؟ تاکہ لوگ حق کو حق کی خاطر قبول کریں نہ کسی لالچ کی خاطر نہ کسی دکھ اور تکلیف سے بچنے کے لیئے یہ سچ ہے کہ حق کو جو شخص اختیار کرتا ہے وہ انجام کار سکھ پاتا ہی مگر اس سکھ کے پانے کے لیئے بھی دکھ میں سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے۔ تا اصل مقصد سکھ اور دکھ نہ ہو بلکہ سچائی کو سچائی کی خاطر لینا ہی اصل مقصد رہے۔ نیک راہ کو انسان اختیار کرے تو اس لیئے کہ نیکی سے محبت ہو نہ اس لیئے کہ اس نیکی کے کرنے سے کوئی آرام ملے گا۔ کیونکہ جب آرام اور تکلیف کا سوال آجاتا ہے تو پھر نیکی کی محبت اور قدر جاتی رہتی ہے۔ اسی لیئے فرمایا۔ ان اتبع الا ما یوحی الی۔ میں صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی کسی سکھ اور دکھ کے لیئے ایک راہ کو چھوڑنا اور دوسری راہ کو اختیار کرنا میرا کام نہیں بلکہ جو خدا کا حکم ہو اس کی فرمانبرداری کرنا ہی میری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ خواہ اس کے ماننے میں آرام ملے یا دکھ ملے۔ ہاں اتباع حکم الٰہی میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کس قدر دکھ اور مصائب اٹھائے۔ اور آپ کے صحابہ نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ مسیح کے حواری کیوں مصیبت کے وقت بھاگ گئے۔ اس لیئے کہ کسی قسم کا لالچ خیال دل میں باقی ہوگا۔ کہ مسیح بادشاہ بنے تو ہم بھی تختوں پر بیٹھنے کے حقدار ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کیوں اس قدر استقلال مصائب اُٹھانے میں دکھایا۔ اس لیئے کہ انکو کھلا کر بتا دیا گیا تھا۔ کہ حق کے قبول کرنے میں مصیبتیں اُٹھانی پڑیں گی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو بادشاہ بھی بنا دیا۔ دولتمند بھی بنا دیا۔ فاتح بھی بنا دیا۔ مگر اصل غرض نہ دولتمند بنانا تھا نہ بادشاہ بنانا نہ فاتح بنانا۔ بلکہ اصل غرض تھی۔ انسان کامل بنانا اس لیئے آپ نے ایسے رستے پر چلایا۔ کہ اور کوئی غرض درمیان میں نہ آنے پائے۔ ایک تہذیب نفس اصل مقصد رہے۔ جب تہذیب نفس ہو گئی تو نہ بادشاہ بننے میں کچھ مشکلات رہیں نہ دولت کی پروا رہی۔ نہ ہی فتوحات میں کوئی روک پیدا ہو سکی۔ آپ خود انسان کامل تھے۔ کیونکہ صرف اسی کی اتباع کرتے جو اللہ کا حکم ہوتا۔ آپ اپنے متبعین کو بھی ایسا ہی انسان کامل بنانا چاہتے تھے کہ حق کو حق کی خاطر اور دکھ اُٹھا کر قبول کرنے والے ہوں۔ وہ انسانوں کو انسان بنانا چاہتا تھا وہ انسان جو اپنے نفس کے حقوق ادا کرنے میں اپنے مالک کی فرمانبرداری میں اپنے متعلقین کے

حقوق ادا کرتے ہیں۔ نوع انسانی کے حقوق ادا کرنے میں ہر وقت اپنے اُوپر تکلیف اُٹھانے کو تیار ہوں۔ اسی لیئے آپ کا نام قرآن کریم نے رسول مبین رکھا۔ یعنی وہ رسول جو کھول کر اصل غرض و غائیت زندگی کو بتانے والا تھا +

مغرب سے مشرق کو ایک پیغام

رَبُّ المشارق والمغارب

ہم بڑی خوشی سے مشرق اور مغرب کے تعلقات کے پیچیدہ سوال پر ذیل کا مختصر مگر دلچسپ مضمون جو ایک لیکچر کے رنگ میں دیا گیا ہے درج کرتے ہیں جو تقاضائے وقت کے ٹھیک مطابق ہے۔ یہ ہماری معزز بہن فاطمہ وائولٹ ابراہیم کی قلم سے ہے جو سکاٹلینڈ کے رہنے والی ایک لیڈی ہیں۔ اور جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے ہاتھ پر ۱۹۱۳ء میں جبکہ انھوں نے پہلے تبلیغ کا کام شروع کیا تھا پہلے مسلمان ہوئیں۔ یہ لیڈی اپنے خاوند مسٹر غلام محمد ابراہیم کے ساتھ جو لندن میں اپنے اخلاق کی وجہ سے اپنے دوستوں میں خاص شہرت رکھتے ہیں ۱۹۱۴ء کے خاتمہ پر ہندوستان کو تشریف لے گئیں اور اب وہ بھوپال میں ہیں۔ مسز ابراہیم کا ان کی بہنوں نے بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا۔ ریاست میں آپ کا ... پرنسس آف ویلز لیڈیز کلب کے نام سے مشہور ہے۔ [illegible] مسز ابراہیم کو ایک گارڈن پارٹی دی گئی۔ اور جو تقریر انھوں نے اپنے ذیل کے خیالات کا اظہار کیا۔ ہز ہائینس فرمانروائے بھوپال نے بھی اپنی تشریف آوری سے اس دعوت کی عزت افزائی فرمائی۔ جس احتیاط اور دور اندیشی اور جس قابلیت سے معزز لکچرار نے اس سوال کے بعض نازک پہلوؤں پر اظہار خیالات کیا ہے۔ ہم اس کی تعریف کیئے بغیر نہیں رہ سکتے

مسز ابراہیم نے اسلام کی خدمت کے لئے اپنی ہندوستانی بہنوں کو

نہایت موزون طریق سے دعوت دی ہے کہ وہ بھی اس کام میں شریک ہو کر امداد کریں۔ مگر ہماری رائے میں مسز ابراہیم کی ضرورت ہندوستان سے بڑھ کر انگلستان میں ہے کیونکہ وہاں وہ روشنی کی شعاع جس نے اُن کے اپنے دل کو منور کیا ہے۔ بہت سے تاریک دلوں پر ڈال سکتی ہے۔ اب ہم نیچے اُن کا لکچر درج کرتے ہیں ٭

سرکار عالیہ، معزز بیبیوں اور بہنوں!

میں آپ کے پاس آپ کی مغربی بہنوں کا ایک پیغام لائی ہوں گو انسانوں نے جس طرح پر زمین کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اس کے لحاظ سے ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہیں لیکن درحقیقت اسلام کے پاک اور مضبوط تعلقات نے ہم سب کو ایک ہی کر رکھا ہے۔ روڈیارڈ کپلنگ نے کس قدر ناعاقبت اندیشی سے یہ کہا کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے اور وہ دونوں کبھی مل نہیں سکتے"۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ چند سال اور انتظار کر لیتا تو یہ لفظ کہنے کے اسے موقعہ نہ ہوتا۔ کیونکہ آج مشرق اور مغرب پیغمبر اسلام کے مقدس قدموں پہ ایک ہو رہے ہیں سکیا سچا وہ کلام تھا جس میں آج تیرہ سو سال پہلے خداوند عالم رب العالمین کو رب المشارق والمغارب کے نام سے پکارا گیا۔ قرآن کے اس بیان نے یہ بتا چھوڑا تھا کہ ایک ہی مشرق نہیں اور نہ ایک ہی مغرب ہے۔ بلکہ مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی بہت۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا۔ کہ خدا کا یہ کلام ہی سچا ہے اور اس وقت کی علمی تحقیقات جو ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب تک محدود تھی وہ درست نہیں۔ مگر بعد کی علمی تحقیقات نے کس قدر صفائی سے ثابت کر دیا کہ واقعی خدا کا وہ کلام جو بیابان کے ایک امی کے مُونھ سے نکلا تھا۔ وہی درست ہے۔ سیکڑوں سال بعد تحقیقات اس نتیجہ پہ پہنچی ہے کہ واقعی زمین گول ہے اور سطح زمین کا چپہ چپہ مشرق ہوئی ہے اور مغرب بھی پس وہ جو مشرق و مغرب کا خدا تھا۔ قرآن کی اس وحی نے اسے رب المشارق والمغارب کہکر اپنے منجانب اللہ ہونے کا بھی ثبوت دیدیا اور ایک عظیم الشان مقصد کی طرف بھی انسانوں کو توجہ دلائی ٭

کیا قرآن کی اس آیت کا منشا جس میں اللہ تعالےٰ کو رب المشارق والمغارب کہا ہے۔ یہی قدر تھا کہ ہماری معلومات جغرافیہ میں ایک قابل قدر اضافہ کرے اور زمین کے متعلق جو ہمارے خیالات تھے ان کی اصلاح کر دے۔ ایسا خیال بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس وحی الٰہی کی اصل

غرض کچھ اور تھی۔ اور علمی تحقیقات میں اس کے ذریعہ سے ایک اضافہ ہو جانا یہ الگ امر تھا۔ وہ عالم الغیب خدا جو اگلے اور پچھلے حالات کو اور ظاہر اور چھپی باتوں کو یکساں جانتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ انسان جو ایک تقسیم مشرق و مغرب کی کرنے والا ہے۔ اس کا اثر انسان کی اپنی حالت پر بہت کچھ پڑنے والا ہے اور اس غلط تقسیم سے سچی انسانی اخوت کی راہ میں ایک سخت روک واقع ہونے والی ہے۔ کاش دنیا اس قرآنی وحی کے کچھ صدیاں پیشتر قدر کرتی۔ تو یہ تمام قوم اور رنگ کی تفریقیں جنھوں نے انسان کو انسان کا دشمن بنا رکھا ہے۔ مدت سے مٹ گئی ہوتیں اور نتیجہ یہ ہوتا کہ مشرق و مغرب کا صحیح معنے میں مدت سے ایک ایسا خوشگوار اتحاد ظہور میں آچکا ہوتا۔ جس میں نسل انسانی کی عظیم الشان بہتری مضمر تھی۔ دنیا کی حالت بہت بہتر ہوتی اور صلح اور امن کا مبارک زمانہ ہر جگہ شروع ہو گیا ہوتا۔ اور جیسا کہ صلح کے شہزادہ نے بھی آج سے دو ہزار برس پیشتر یہ آرزو ظاہر کی تھی کہ ہمارے باپ کی مرضی جیسے کہ آسمان پر ہے زمین پر بھی ہو۔ یہ اس کی دعا بھی قبول ہو گئی ہوتی۔ کیونکہ آسمان میں خدا کی مرضی انسان کے متعلق کیا ہے۔ اس کا جواب دینا کچھ مشکل نہیں۔ ہر ایک شخص اس دنیا میں اسی برکت کے ساتھ متمتع ہو کر آتا ہے۔ وہی ہاتھ وہی پاؤں۔ وہی آنکھیں وہی کان غرض کیا اندرونی اور کیا بیرونی سب انسان یکساں حواس لے کر اس دنیا میں آتے ہیں۔ دنیا اپنے عجیب و غریب سامانوں کے ساتھ اس کے سامنے ہر جگہ یکساں ہی ہے۔ قدرت کے عجائبات اور کیفیات تک پہنچنا ہر جگہ یکساں ہے اس کی طاقت میں ہے اور ان قدرتی سامانوں سے وہ ہر حال میں یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک ہی قسم کے مواقع اور اتفاقات اس کے لیئے ہر جگہ موجود ہو سکتے ہیں۔
پس کیا یہ وسیع اخلاق الٰہی جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ میں ہے کے ماتحت انسان کی اخوت عامہ قائم ہو۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر بیشمار برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں کیونکہ اس حقیقت کا انکشاف اسی کے قلب مبارک پر ہوا۔ اور اسی حقیقت کو سکھانے کے لیئے اور اسکو اپنی روزمرہ زندگی میں مدنظر رکھنے کے لیئے اس نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ اپنی پنجوقتہ نماز کو اس طرح شروع کیا کریں۔ الحمد للہ رب العالمین۔ سب تعریفوں کی مستحق وہی ذات الٰہی ہے۔ جو سارے جہانوں اور ساری مخلوق کی ربوبیت فرماتی ہے۔ جو صرف رب ہندوستان یا رب چین یا رب یورپ یا رب افریقہ یا رب عرب یا اور کسی خاص ملک اور محدود مقام کا رب نہیں۔ بلکہ جو

تمام عالم کا کل قوموں کا سارے زبانوں کا سارے ممالک کا سارے انسانوں کا رب ہے۔ ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ ان کو سہارا دینے والا ہے ان کو قایم رکھنے والا ہے۔ وہ تمام قوموں اور تمام رنگوں کا پیدا کرنے والا اور تمام وفنون اور تمام زمانوں کا آقا ہے۔ گویا جس امر کے لیے حضرت مسیح نے دُعا کی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت نے اسے پُورا کر دکھایا اور انتہا تک پہنچایا۔ اول الذکر نے تو صرف یہی کہا کہ تیری مرضی جیسے آسمان پر ہے زمین پر بھی ہو مگر دوسرے نے وہ گر بتا دیا اور وہ راز دنیا پر ظاہر کر دیا جس سے خداوند کی وہ آسمانی مرضی پوری ہو۔ اور وہ کیا تھا۔ خداوند عالم کی ربوبیت عامہ کے ماتحت انسان کی ایسی اخوت قایم کرنا جو ملک قوم رنگ ہر قسم کی تفریق سے خالی ہو۔ بیشک ایک مسلمان کو پانچ دفعہ یہ سبق یاد دلایا جاتا ہے۔ جب وہ نماز میں حاضر ہو کر یہ الفاظ مُونھ سے نکالتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ یہی وہ صداقت ہے۔ جب پورے طور پر ہم سمجھ لیں گے تو ان مصنوعی قائم کی ہوئی قیود اور تنگ دلیوں سے اور ان خطرناک روکوں سے جو انسانوں کے اتحاد میں حایل ہو رہے ہیں جو خود انسانیت کی بنا کو کھوکھلا کر رہے ہیں آزاد ہو جائیں گے۔ اگر آج اس زمانہ میں کوئی قوم اس سبق کے سب سے زیادہ محتاج ہے تو وُہ مغرب ہے۔ میرے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ کاش اسلام کچھ صدیاں پہلے یورپ کے مرکز میں جا پہنچا ہوتا تو دنیا ان دکھوں اور عذابوں سے جو آج برداشت کر رہی ہے۔ یقیناً نجات پا گئی ہوتی۔ کیونکہ سوائے نفسانی خواہش کے اور کوئی چیز نہیں جو دُنیا میں اس آگ کے لگانے کے باعث ہوئی ہے جو آج انسانوں کو اور شہروں اور میدانوں کو تہذیب اور علوم کو کھائے جا رہی ہے۔ اور جو کچھ یورپ میں اچھی باتیں تھیں ان کو بھسم کرتی چلی جاتی ہے +

یہ انسان اور انسان کے درمیان تباغض اور تحاسد۔ یہ ایک قوم کا دُوسری پر فوقیت کا خیال یہ کمینہ خواہش کہ ہم دوسروں کو مغلوب کر لیں۔ یہ سب کی سب بیماریاں اس ایک ہی جڑ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ایک قوم بخیال خود اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتی ہے۔ ہاں یورپ انسانوں کے درمیان مساوات کے سبق کا سخت محتاج ہے۔ اسے ابھی اسلام کی وسیع جمہوریت اور سچی حریت کا لینا باقی ہے اس کے اندر ان برادرانہ احساسات کا پیدا ہونا ابھی ضروری ہے جو سچے دل سے ایک الحمد للہ رب العالمین کہنے والے کے دل پر اپنا اثر ڈالتے ہیں +

مگر میری اسلامی بہنو! کیا یہ سچ نہیں اور تمہارے ذریعہ میں اپنے اسلامی بھائیوں تک یہ پیغام پہنچانا ضروری سمجھتی ہوں کیا یہ سچ نہیں کہ تم اپنے اس اوّلین فرض کی طرف سے غافل ہو۔ تم نے ابھی اس حق کو ادا نہیں کیا جو تمہارے ذمہ تھا۔ کہ تم حق کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ اور اسلام کے مبارک پیغام کو دنیا کے کونوں میں لے جاؤ۔ تاکہ سب انسان بھائی بھائی بننا سیکھیں۔ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دوسروں کو اپنے اندر لا کر اُن کو اپنے ساتھ کامل مساوات کے حقوق دیتا ہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب تو در حقیقت آئے بھی خاص خاص قوموں کے لیئے تھے اور ان کی غرض انہی لوگوں کی اصلاح تھی جو ان کے پہلے مخاطب تھے۔ مگر اسلام پہلے دن سے ہی ایک قوم کے لیئے نہیں۔ بلکہ کل دُنیا کے لیئے اور ساری قوموں کے لیئے آیا۔ گو اگر دُوسرے مذاہب قومی مذاہب تھے تو اسلام حقیقی انسانی مذہب تھا۔ اس کی بنیاد ہی ایسی رکھی گئی تھی کہ وہ تمام قوموں تک پہنچایا جائے۔ اور سب کو اس وسیع دائرہ کے اندر داخل کیا جائے +

مگر آہ کیسی شومیٔ قسمت ہے کیسی بدبختی ہے۔ وہ لوگ جن کو یہ تعلیم نہ دی گئی تھی۔ کہ وہ دوسروں کو اپنے اندر داخل کریں۔ وہ تو دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور کوئی دقیقہ اس کام میں اُنھوں نے اٹھا نہیں رکھا کہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ مگر وہ مسلمان جن کے مذہب کا یہ جزو اعظم تھا بلکہ اصل الاصول تھا۔ کہ وہ دوسروں تک اسلام کو پہنچائیں۔ آج کیسی غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ معزز بہنو! میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے اپنے دین اپنے رسول اور اپنے خدا سے اپنے عہد کو پورا کیا ہے؟ میں کہتی ہوں نہیں تم نے اسلام کے پیغام کی ناشکر گذاری کی اور اس لیئے اللہ تعالےٰ کے ان فضلوں اور ان برکات سے تم محروم کر دی گئی ہو جو صرف اس کے سچے خدمتگذاروں کے لیئے مخصوص ہوتے ہیں۔ آج ساری کی ساری مسلمان قومیں ایسی نظر آتی ہیں کہ گویا کسی چیز نے ان کو تباہ کر دیا ہے۔ مگر اس کا الزام ان کے اپنے سروں پر ہے وہ آج قرآن سے پیٹھ پھیرنے کا تلخ ثمر کھا رہے ہیں اور اس کے پاک پیغاموں کی پروا نہ کرنے کا نتیجہ بھگت رہے ہیں

میری اسلامی بہنو! تمہارے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے۔ تمہارے ماضی میں بڑی بڑی شان و شوکت کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ کیوں تم وہ کام نہیں کرتی ہو جو تمہارے مردوں کو مدت سے کرنا چاہیئے تھا۔ ہم اپنی اسلامی بہنوں کے کارناموں کا تاریخ میں ذکر پڑھتی ہیں وہ اپنے مردوں کو اسلام کی

اشاعت میں مدد دیتی تھیں۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ کچھ تغیرات زمانہ نے اور کچھ حالات کے انقلاب نے ان باتوں کا رنگ بدل دیا ہے۔ مگر آج بھی تم اپنے اپنے ذرائع اور اپنے اپنے حالات کے مطابق اس مقدس فرض کی سرانجام دہی کر سکتی ہو۔

میں چاہتی ہوں کہ تم میں سے کوئی آج مغرب میں اسلام کی تبلیغ اپنی مغربی بہنوں کو کر رہی ہو۔ یورپ میں ایک نہایت عمدہ میدان دین اسلام کی اشاعت کے لیئے ہے۔ بالخصوص طبقہ اناث میں۔ مردوں اور عورتوں کی اس تعداد کا مقابلہ کرو جنھوں نے گذشتہ دو سال میں اسلام قبول کیا ہے۔ وہاں بھی تم کو یہی معلوم ہوگا کہ عورتیں مردوں سے آگے ہیں۔ نومسلم خواتین کی تعداد نومسلم مردوں سے بہت زیادہ ہے۔ گذشتہ دو سال میں قریباً اتنی خواتین نے اسلام کے مبارک پیغام پر لبیک کی آواز دی ہے۔ اور اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی ہے۔ میں کہتی ہوں تم قدم آگے بڑھاؤ کیونکہ سیکڑوں ہیں۔ جو اسلامی صداقتوں کو قبول کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ مگر ان تک ابھی کوئی مناسب طریق سے پہنچا نہیں۔ طبقہ خواتین میں اسلام زیادہ مرغوب کیوں ہوا ہے۔ اس کی وجہ بھی ہم آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اسلام درحقیقت کمزور جنس کے جائز حقوق دلوانا ہے۔ کیونکہ اصل غرض مذہب کے انسانی تعلقات میں یہی ہونی چاہیئے کہ طاقتوروں سے کمزوروں کے حقوق دلوائے۔ اور اس طرح پر کمزور اور طاقتور کو عورت اور مرد کو ایک ہی سطح پر لاتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو کوئی مذہب کوئی فلسفہ کوئی تہذیب نہیں دے سکی۔ پیغمبر اسلام کو بالکل بجا طور پر قرآن کریم میں رحمتہ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔ مگر میں کہتی ہوں کہ عورت ذات کے لیئے وہ بالخصوص بھی رحمت ہیں۔ وہ حقیقت عورت کا حامی اور سچا مربی وہی ایک ہی انسان ہوا ہے۔ خدا کے لاکھوں لاکھ برکات اس پر ہر دم رہیں۔ عورتوں کی نئی تحریک جو حقوق حاصل کرنے کے لیئے مغرب میں سفرجیٹ کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ وہ جن حقوق کا مطالبہ مردوں سے کرتی ہیں اسلام نے پہلے ہی عورتوں کو دے رکھے ہیں۔ اس لیئے میں کہتی ہوں کہ یہ وقت ہے کہ اسلام کو مغرب میں پھیلانے کا کام پورے زور سے شروع کیا جائے۔ فصل تیار ہے صرف مزدور درکار ہیں۔ جو اس کو اکٹھا کریں۔ تمہارے قلیل آدمی بلاشبہ وہاں بہت بھاری کام کر رہے ہیں۔ مگر میں پھر بھی اس بات پر زور دینا چاہتی ہوں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میں سے کوئی بہن بھی ان کے ساتھ شریک ہو کر اس کام میں مدد کرے۔

اسلام نے اپنی گذشتہ تاریخ میں بڑی بڑی قابل اور صاحب ہمت عورتیں پیدا کی ہیں جو فلسفہ پر معانی و بلاغت پر۔ قانون پر لکچر دیا کرتی تھیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں انگلستان میں ایک لعبہ بصری کو بھی دیکھوں اور تب پیاری بہنو تم کو معلوم ہو گا۔ کہ کس طرح اسلام وہاں صنف نازک کے دلوں پر تسلط جماتا ہے۔ ایک عورت اپنے ہم جنسوں کو ایسے موقعوں پر تبلیغ کر سکتی ہے جو دوسری جنس کو میسر نہیں آسکتے۔ وہ ان ذرائع کو اختیار کر سکتی ہے۔ جو مردوں کو حاصل نہیں۔ یہ ایک ایسا ضروری امر ہے کہ میں جس قدر زور اس پر دوں کم ہے اپنے میں سے ایک کو یورپ میں بھیجو اور تمہاری یہ کوشش بے ثمر نہ جائے گی۔

عربوں کا احسان تہذیب پر

نمبر ۲

(از ایچ ایس لیڈر مصنف ڈیزرٹ گیٹوے۔ وبلڈ مسٹریز آف ایجپٹ وغیرہ)

بسلسلہ مضمون مندرجہ رسالہ مارچ ۱۹۲۳ء

علوم ریاضی میں عرب بہت فوقیت لے گئے۔ اور انھوں نے یونانیوں کے سابق علوم کو ہمیشہ کے لئے از سر نو تازہ کر کے دنیا میں پھیلایا۔ مگر سب سے بڑا احسان جو ان کا اس بارہ میں تہذیب پر ہے وہ اعداد یا ہندسوں کی ایجاد ہے۔ حروف تہجی کے ذریعہ سے حساب کی گنتی کا طریق ہی ایک طریق تھا جو یورپ کو پہلے معلوم تھا اور اعداد و شمار میں یونانیوں کی ترقی میں یہ ایک بڑی روک رہا اگر عربوں نے فی الواقع اعداد کو ایجاد نہیں بھی کیا تو مجھے یقین ہے کہ اس ایجاد کا سہرہ انہی کے سر پر ہے تاہم ہندوستانیوں یا چین کے لوگوں سے اس کو اخذ کر کے مروج کرنے میں نسل انسانی کی انھوں نے عظیم الشان خدمت کی ہے۔ جب سے یہ تبدیلی ہوئی حساب کے فن نے ایسے طریق پر ترقی کی ہے۔ کہ علم کی عام ترقی پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اور روزمرہ کی زندگی میں عملی طور پر اس کو کام میں لانے میں بڑی سہولت مل گئی۔ یورپ کی تجارت کو بے انتہا فائدہ پہنچا۔ کیونکہ گنتی کے اس نئے طریق نے تجارت کو ایک علمی شغل بنا دیا۔ اور وہ لوگ جنھوں نے اس کی مدد سے دولت جمع کی۔ وہ

علوم عالیہ یعنی ان علوم کی جن پر دماغی محنت زیادہ صرف ہوتی ہے اور ہر ایک قسم کے ذہنی حسابات کے حامی اور مربی بن گئے +

اس میں کسی کو سوال نہیں کہ عربوں نے ہی سب سے پہلے الجبرا کے علم کے اصلی فائدہ اور وقعت کو دریافت کیا - جوں جوں پرانے عربی علوم کے آثار کی زیادہ تحقیقات کی جاتی ہے - مزید شہادت اس امر کی پیدا ہوتی جاتی ہے کہ اس علم میں انھوں نے بڑا کمال حاصل کیا تھا - بلکہ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ان عربی مسودات سے جو ابھی تحقیقات کی چھان بین کے نیچے نہیں آئے علوم ریاضی کی تاریخ پر بہت کچھ روشنی پڑے گی +

علم ہیئت کی ادنے واقفیت بھی جس شخص کو ہے وہ دیکھ لیگا کہ اس فن کو ترقی دینے میں عرب کے طالبعلموں نے کس قدر حصہ لیا - اس علم میں جو نام استعمال کیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر عربی ہیں انھوں نے سابقہ طریقوں کی غلطیوں کو دریافت کیا - اور خود مشاہدات کرکے اجرام سماوی کے حرکات اور قوانین کے متعلق نئے نتائج نکالے - میں تفصیلات کے ساتھ آپ لوگوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا - صرف ایک بڑے کمال کا ذکر کرتا ہوں جو انھوں نے اس بارہ میں دکھایا اور وہ زمین کی وسعت دریافت کرنے کی کوشش ہے جو خلیفہ المامون کے حکم سے عراق عرب کے میدانوں میں شروع ہوئی اور عرب کے ماہران علم ہیئت کی سرگرمی اور استادی کی اعلے درجہ کی یادگار رہیگی اس تحقیقات کے ساتھ بعض اور امور کے دریافت کو ملانے سے زمین کی اصلی بناوٹ کا صحیح علم ممکن ہوا +

علم بصریات کو بھی عربوں نے بہت ترقی دی - اور بالخصوص الخازن کی تصنیفات بصریات کے متعلق نئی دریافتوں اور مشاہدات سے بھری ہوئی ہیں - ٹالمی اور الخازن میں ایک ہزار سال کا فرق ہے - مگر علم بصریات کی تاریخ میں وہ اس کا بلا فصل وارث ہے - انتشار شعاع کے قانون میں کرہ ہوائیہ کی بلندی معلوم کرنے میں اس بات کے ثابت کرنے میں کہ کرہ ہوائیہ کے اوپر ہوا سے بھی زیادہ لطیف کوئی مادہ ہے اس نے عظیم الشان نیا کام کیا - مگر سب سے بڑھ کر اس نے ان مسائل کو جو دوربین کی ساخت میں کام دیتے ہیں - دوربین کے عملی طور پر بنائے جانے سے پانچ سو سال پیشتر معلوم کیا - درحقیقت دوربین کی ایجاد کا احسان اسی شخص کا ہے +

شرقیوں کے متعلق یہ بالکل درست کہا گیا ہے کہ اپنی سلطنت کے عروج کے زمانے میں اُنھوں نے کبھی کوئی فتح نہیں کی جس کے ساتھ ہی کسی شہر کی بنیاد نہ ڈال دی ہو۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ فن تعمیر میں ایک قومی مذاق پیدا ہو گیا۔ اس فن میں اُنھوں نے دوسروں کی نقل نہیں کی۔ بلکہ قومی خاصہ کے میلان کا تتبع کیا جس نے ان کی شان و شوکت کے ابتدائی ایام میں ایسے طریق پر اپنے آپ کو ظاہر کیا جو ان کی اس ابتدائی حالت کو مدنظر رکھ کر جس سے وہ نکلے تھے حیرت انگیز ہے۔ یروشلم میں عمر کی مشہور مسجد ان کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ کی ہے۔ اور قاہرہ میں عمرو اور طولون کی وہ عجیب و غریب عمارات مسجد ہیں جو اس امر کی شہادت دینے کے لیئے باقی ہیں کہ دُنیا ان لوگوں کی کس قدر ممنون احسان ہے جنھوں نے ان کو بنایا۔ ہم تفصیلات میں پڑنے کی زحمت نہیں اُٹھانا چاہتے۔ یہی بات کافی ہے کہ ہسپانیہ میں الحمرا کی تنہا یادگار ہیں شرقیوں کے اس دعوے کی قطعی شہادت ہیں کہ موجودہ یورپ کے فن تعمیر میں سب سے بڑا حصہ انہی کا ہے ؎

اب ہم ایک ایسے مضمون کی طرف آتے ہیں جو آج کل مشرق میں خصوصیت سے دلچسپی کا موجب ہونا چاہیئے۔ میں اس بات کے کہنے میں کچھ تامل نہیں کرتا۔ کہ ان پرانے شان و شوکت کے زمانوں میں عربوں کی ترقی کی اصل روح کی پہلی حرکت زراعتی اشتغال کے قومی مذاق سے ملی۔ میں چاہتا ہوں کہ مصر کے نوجوان اور عام طور پر مشرقی نوجوان اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کریں وہ اس وقت نئی نئی قسم کی ترقیات کے لیئے نیا جوش اپنے دلوں میں پاتے ہیں اور مصر میں بالخصوص اس کی زیادہ وجہ ان کی زراعتی خوشحالی کا از سر نو زندہ ہونا ہے۔ میں نے ہمیشہ مشرق کے اچھے خاندانوں کے نوجوانوں سے یہ التجا کی ہے کہ وہ شہروں کی جھوٹی خوشیوں سے اور گورنمنٹ اور دوسری قسم کی ملازمتوں کے ناکارے اشتغال سے اپنی توجہ کو ہٹا کر ان زیادہ ضروری امور کی طرف لگائیں جنکا تعلق زمین کی زراعت کے علمی پہلوؤں سے اور اپنے ہموطنوں کے کثیر حصہ کی عامہ بہتری سے ہے جو مشرقی ممالک کی حقیقی دولت پیدا کرنیوالے ہیں۔ میں اُن کو کہتا ہوں کہ تمہارے آباؤ اجداد نے اس وقت جب علوم کو حاصل کرنے کا ایک جذبہ اُن کے دلوں کے اندر تھا۔ جیسا کہ آج وہ جذبہ تمہارے دلوں میں ہے اپنی تمام طاقتوں کو زراعت کی ترقی کو کمال تک پہنچانے میں لگا دیا۔ اہل ایران اور مصر جو سب سے ابتدائی عربوں کی مفتوحہ سرزمین ہیں اُن کو فن کی زراعت کی ترقی کے ذرائع

سے ترقی دی گئی۔ اور زراعت ایک فن کے مقام پر پہنچ گئی۔ انھوں نے آبپاشی کے قوانین کا مطالعہ کیا۔ اور جیسے جیسے ان ممالک کے ذرائع آمد ترقی کرتے گئے۔ ان لوگوں کو جنھوں نے فن زراعت میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ پہلے شمالی افریقہ میں اور پھر ہسپانیہ میں بھیجا گیا جہاں اُن کی محنت سے اور اُن کے نمونہ کو دیکھ کر یورپ کے علم زراعت کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ انھوں نے کپاس کا پودہ یورپ میں پہنچایا اور یہ ایک ایسا امر ہے جس نے دُنیا کی تجارت کی ترقی میں بے انتہا وسعت کا حصہ لیا ہے۔ جس سے انگلستان نے اس قدر فائدہ اُٹھایا ہے۔ نیشکر کو وہ غرناطہ میں لے گئے۔ وہاں سے یہ مڈیرا میں پہنچا اور مڈیرا سے ویسٹ انڈیز میں یہی دو واقعات دنیا کی تجارت کی تاریخ کو بالکل بدل دینے کے لیے کافی تھے +

زمین کی زراعت اس جدوجہد کا نتیجہ وہی ہوا جو لازمی طور پر ہوتا ہے۔ یعنی تجارت میں سرگرمی اور جو خوشحالی اس طرح پر زراعت کی ترقی کی بدولت قوم میں آئی۔ اسی کا نتیجہ علوم و فنون کی ترقی تھی۔ ریشم اور سوت کا کاتنا۔ چھینٹ کے نقش بنانا۔ کپڑوں کا رنگنا۔ شیشوں کا بنانا۔ دھاتوں کا پگھلانا۔ کندہ کرنا۔ لوہے پر اینمل یعنی چینی کا روغن کرنا۔ ان کاموں اور فنوں میں سے چند ایک ہیں جو اس زمانہ میں ایسے معراج تک پہنچائے گئے تھے کہ آج کے کام کرنے والے اس شاندار زمانہ کے خزانوں سے آج بھی متمتع ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب باتیں ایسے وقت میں ہوئیں۔ جب اقوام یورپ کا صرف ایک ہی پیشہ تھا۔ یعنی تباہ کن جنگوں میں مشغولیت۔ اس بات کا یاد دلانا دنیا بھی ضروری ہے کہ شیشہ انگریزی فن عمارت میں ملکہ ایلزبتھ کے عہد تک مروج نہیں ہوا۔ مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سیکسنوں کے زمانہ میں ایک عربی محل ٹالیڈو میں تھا۔ جس میں شفاف اور رنگے ہوئے شیشے لگے ہوئے تھے +

ایک اور احسان اور شائد سب سے بڑا احسان کاغذ کی ایجاد ہے۔ یہ ایجاد یقیناً عربوں کی ہے اور آج جو یورپ میں کاغذ سازی کے فن میں ترقیاں ہوئی ہیں۔ ان میں پیش قدمی اور اُن کے راستہ کا تیار کرنا عربوں کا ہی کام تھا۔ جس طرح عربوں کے اعداد ایجاد کے بغیر موجودہ علوم کبھی اس ترقی کی حالت پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کی کاغذ کی ایجاد کے بغیر فن طبع اپنے کمال کو کبھی نہ پہنچ سکتا تھا +

علم جغرافیہ کی حدود خلفائے قرطبہ کے مغربی سلطنت کے زمانے میں بہت دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ شرقیوں میں جو ایک خاص قسم کی روح جانبازی اور جوانمردی کی بھری ہوئی تھی۔ اس کے نتائج میں سے ایک دلچسپ نتیجہ ان کی تجارت کا یورپ کے شمال کے ساتھ قایم ہونا ہے۔ ان کے تاجر اور سیاح سائبیریا روس اور سیلاد دنیا کے ان میدانوں میں جا پھر نکلے جہاں رستہ کا کبھی نام و نشان بھی نہ تھا۔ ہندوستان اور افریقہ کے سواحل پر ان کی دریافتیں ایسی مشہور ہیں کہ ان کے ذکر کی میں ضرورت بھی نہیں سمجھتا۔ علم جغرافیہ ایک بڑا پیارا شغل بن گیا۔ ایک بڑے مشہور سیاح ابوالفدا کیوم نے علم جغرافیہ میں ایک بڑی بھاری تصنیف چھوڑی ہے اور وہ ایک ہی تصنیف اس بات کو ثابت کرنے کے لیئے کافی ہے اس کو علم سے اس قدر محبت تھی کہ وہ نبت سے ملکوں میں محض علمی شغل کیخاطر پھر نکلا اور علاوہ دوسرے ممالک کے انگلستان میں بھی پہنچا۔ اس علم میں ہماری ترقی اور ایسا ہی جہاز رانی کے علم میں ہماری ترقی جس نے مغرب کی طاقت کو اس قدر بڑھایا ہے۔ ان ابتدائی عربوں کی ترقیات کے ساتھ وابستہ ہیں ؛؛

جیساکہ ہم کو معلوم ہے عربوں کی ترقی کا سب سے سرسبز زمانہ اپنے کمال کو ہسپانیہ میں پہنچا۔ عرب فاتحین کے مربیانہ خبرگیری کے ماتحت اور ان لوگوں کی زراعت اور تجارت میں محنت اور ترقی کیوجہ سے ہسپانیہ پر ایک ایسا خوشحالی کا زمانہ آیا کہ نہ وہ پہلے کبھی ان لوگوں نے دیکھا تھا۔ اور نہ ہی اسوقت کے بعد آج تک دیکھا ہے۔ جب عربوں کی حکومت میں زوال آگیا۔ ایک طرف اگر تجارت کے جہاز جو سر حکومت کے صرف پر بنائے جاتے تھے۔ ہسپانیہ کی پیداوار کو مصر اور شام میں لے جاتے تھے تو دوسری طرف خود ملک کہیں سڑکوں اور پلوں کے بنانے سے۔ اور کہیں بڑی بڑی وسیع سراؤں کی تعمیر سے ترقی کر رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس بات کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ کس طرح کسی ملک کی تہذیب کی ترقی کے لیئے یہ سب سے زیادہ ضروری امر ہے کہ اندرونی آمدورفت اور تعلقات کی سہولیت کے لیئے راستے کھولے جائیں۔ اس بارہ میں رومی بھی عربوں کے آگے نہ بڑھے تھے اور یہ عربوں سے ہی تھا۔ کہ موجودہ یورپ نے اس معاملہ میں پہلا سبق حاصل کیا۔ ان تمام باتوں سے تجارت میں ایسی ترقی ہوئی کہ عبدالرحمٰن ثالث اس سلطنت سے ساٹھ لاکھ پونڈ کی سالانہ آمدنی حاصل کرتا تھا اور دسویں صدی میں یہ رقم ایک ایسی کثیر رقم تھی کہ تمام عیسائی بادشاہوں کی آمدنی ملاکر بھی اسقدر نہ ہوتی تھی۔

مگر کس خوبی سے ان عرب حاکموں نے اس بات کو محسوس کیا کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا
جوں جوں دولت اور روپیہ میں ترقی ہوتی گئی ساتھ ہی خدا کی عبادت میں بھی ترقی ہوتی گئی اور ہر
ایک نئے معبد کی تعمیر کے ساتھ نوجوانوں کی مذہبی تعلیم کی طرف بھی توجہ روز بروز بڑھتی تھی۔ اس
وقت جیسا کہ اب بھی ہر قسم کی تعلیم کی ابتداء قرآن سے ہوتی تھی۔ مگر ان شہریوں کی ذہنی اور علمی
نشو و نما جب شروع ہو جاتی تھی تو کسی ایک خاص علم میں وہ مقید نہ رہ سکتی تھی اور سائنس اور فلسفہ
کے سکول اس طرح مکتبوں سے پیدا ہوتے چلے گئے کہ گویا جادو کا اثر ہے۔ ان سکولوں سے کالج بنے
اور کالجوں سے یونیورسٹیاں +

یہ تہذیب ایسے حیرت انگیز طریق پر ترقی کرتی چلی گئی کہ اس کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی کوشش
بھی ابھی ہوئی ہے۔ مغرب کو شاید یہ بات بھول گئی ہے کہ تہذیب کے سب سے پہلے رہنما ہسپانیہ سے
نکلکر اور اس تنگ سمندر کو طے کر کے جو آبنائے مراکش سے آگے آتا ہے اس ملک میں پہنچے۔ وینس اور فیض
میں اُنھوں نے بڑے بڑے علمی مرکز قائم کئے۔ جہاں سے وہ آہستہ آہستہ صحرا میں راستے بنا کر اندرون
ملک تک پہنچے اور بڑی بڑی سلطنتوں کے مرکز جنوب میں ٹمبکٹو وغیرہ قائم کئے۔ جو ایسی اعلےٰ درجہ
کی تہذیب کے مرکز بن گئے کہ اس زمانے کے علمی طور پر ترقی یافتہ ممالک کے سیاح بھی ان کی علمی
قابلیت کا اعتراف کرتے تھے۔ روح کس قدر وجد میں آ جاتی ہے جب اس بات کا خیال کیا جاتا ہے
کہ کس طرح اونٹوں کے بڑے بڑے کاروان شہروں سے تازہ ترین تصنیفات کو لے کر روانہ ہوتے
تھے اور بڑے بڑے فاضل صاحب علم و حکمت کو لیجاتے تھے کہ صحرا کے ادھر ان دور دراز کے ممالک
میں تہذیب اور علم کی روشنی پھیلائیں جو آج سے تیس سال پیشتر دوبارہ دریافت کے احاطہ سے بھی باہر
معلوم ہوتے تھے۔ ہم جس کو تاریک براعظم کہا کرتے تھے آج کی نئی علمی تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ
وہی ملک یعنی سوڈان اور افریقہ کا عین وسط نائیجر کے ملک تک کسی زمانہ میں عظیم الشان حبشی بادشاہتوں
کے مرکز تھے جن میں ایک ایسی تہذیب پھیلی ہوئی تھی جو اس وقت کی یورپ کی تہذیب سے بہت بڑھ
کر تھی۔ ایک آج کل کا مصنف لکھتا ہے کہ "جب ہمارے بڑے بڑے مدبر اور تعلیم یافتہ عربوں کے نزدیک
نیگرولینڈ کے باشندوں سے زیادہ وحشی تھے تو ایک تہذیب کی بنیاد رکھی جا چکی تھی جو خواہ کیسی ہی ناقص
ہو لیکن پندرہ سو سال تک ایک سلطنت کے بعد دوسری سلطنت اس کے سہارے قائم رہی۔ یہیں یہ

چاہتا ہوں کہ مشرق کے نئے محققین میں سے کوئی شخص یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کے سبب یہ تمام بادشاہتیں سولھویں صدی میں ایسے غیر معلوم طریق پر قوموں کی تاریخ میں سے نابود ہوگئیں۔ لیکن اگر وہ حکومتیں تباہ ہوگئی ہیں تاہم شمالی افریقہ اور اُس کے پار جو صحرا ہیں اُن کے متعلق میں اپنے ذاتی علم سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کے رہنے والے لوگوں میں اعلےٰ تربیت کے وہ جوہر موجود ہیں جو تہذیب اور روشنی کے زمانہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ ورنہ ہم کس طرح دل کے اس تربیت یافتہ حالت کی تشریح کرسکتے ہیں جو بیابان کے دور دراز کے مقامات میں بھی اسلامی لیڈروں میں پائی جاتی ہے +

مغرب میں ہسپانیہ کی تہذیب بذریعہ نقل فرانس اور اٹلی میں پہنچی جہاں بولونا۔ پاڈوا اور پیرس میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ جن کی تعلیم کا سارا نصاب شرقی الاصل ہونے کے صاف آثار اور نشان رکھتا تھا +

پبلک لائبریریوں کا بنانا۔ جس پر خلیفہ مامون نے کمال درجہ کی محنت اور شاہانہ فیاضی سے بھی بڑھ کر فیاضی دکھائی۔ عباسیوں کے زمانہ سے لے کر آج تک علمی دنیا کے تعجب حیرت اور تعریف کا مقام رہا ہے۔ کارڈووا کی شاہی لائبریری دسویں صدی میں اعلےٰ درجہ کی تصانیف کا مجموعہ اپنے اندر رکھتی تھی۔ جو نہ صرف اپنی ذخیرہ کتب کے لحاظ سے بلکہ ترتیب اور فہرست کے لحاظ سے بھی آج کی بڑی بڑی لائبریریوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ علم کے عہد جدید کی تاریخ میں ایک امر جو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پبلک لائبریریوں کا اصول یورپ نے شرقیوں سے لیا۔ چنانچہ عربی شہزادوں کے بڑے بڑے کتب خانوں کو دیکھ کر جو اُن لوگوں نے پبلک کے مفاد کے لیئے کھول رکھے تھے۔ سینٹ لوئس کو یہ خیال پیدا آیا کہ فرانس میں ایک اس قسم کا کتبخانہ قائم کرے۔ یہی پیرس کی شاہی لائبریری یورپ کی تمام پبلک لائبریریوں کے لیئے نمونہ بنی رہے +

حکام وقت کی ہمت افزائی سے دنیا کے تمام کناروں سے معلم ہسپانیہ میں جمع ہوگئے۔ اس سے ہر قسم ہر خیال اور ہر مذہب کے لوگوں میں تبادلہ خیال شروع ہؤا۔ پھر دسویں صدی میں خلفا نے فلسفہ اور شایستہ علوم کی ترقی کے لیئے علمی سوسائٹیاں قایم کیں۔ لوگ صرف ایک ہی مقصد کو لے کر جمع ہوتے تھے یعنی علوم عامہ کی توسیع اور ترقی اور اس سے ساری دُنیا کی تہذیب نے

فائدہ اٹھایا۔ یہ تو اس مسلمانوں کی دیوانگی Mussulman fanaticism کا نقشہ ہے جو اسلام پر ایک حملہ کیا جاتا ہے۔ مگر دیوانگی کا ذکر کرتے ہوئے اگر تھوڑی دیر کے لیئے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عربوں کی دیوانگی کے بعد کے ایام کے ہسپانیہ کے عیسائی دیوانگی سے دنیا میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ مغرب اس بات کو قطعی طور پر بھلا چکا ہے۔ (اور ایسی باتوں میں ہم نے اپنے آرام کے لیئے اپنے حافظہ کا یہی بہتر کام سمجھا ہے) کہ ہمارے درمیانی زمانوں کی سارے تاریکی کے زمانہ میں جب کیتھولک کلیسیا اس کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ مغرب کے نور قلب پر اپنی حکومت قائم کرے۔ تمام آزاد خیالی۔ ہر قسم کی ترقی کا مرجع ان سب لوگوں کے لیئے پناہ کا مقام جن کو کانشنس کی وجہ سے دکھ دیئے جاتے تھے۔ عرب کے وہ شاہی دربار تھے جو اس وقت افریقہ میں سرسبزی کی حالت میں تھے۔ فنون۔ علوم۔ نظم۔ ظرافت کے لیئے اس وقت نیعض کے کالجوں اور مراکو طرابلس اور ٹیونس کے شاہی محلوں میں گھر تھا۔

ان سوسائٹیوں میں ایک عجیب بات یہ پائی جاتی ہے کہ ان کے ممبروں میں چند ممتاز اور مشہور خواتین بھی تھیں۔ لبنا۔ فاطمہ۔ عائشہ۔ خدیجہ مریم۔ ولدہ کارڈووا۔ اور رابعہ کے نام خصوصیت سے نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ ہسپانیہ کے شہنشیوں کی علمی تاریخ میں ان کے کمال اور ان کی علمی ترقیات کا ذکر عزت سے کیا گیا ہے۔ مشہور صراحوں میں بعض سب سے زیادہ شہرت یافتہ خواتین تھیں۔ اور میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اسی وقت یا اس سے کچھ بعد خود مکہ میں بھی علم سے دلچسپی رکھنے والی خواتین تھیں۔ علم الہیات میں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ کہ یہ حدیث کا درس دیا کرتی تھیں اور ان کے درس میں بہت سے طلباء کھنچے چلے آتے تھے۔ اور شاہدہ علم حدیث کے معلم ہونے میں خاص شہرت رکھتی تھیں۔ اس طرح ان اعتراضات کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ جو اسلام میں عورتوں کی پوزیشن کے متعلق عام طور پر کیئے جاتے ہیں مثلاً عورتوں کی علیحدگی یا پردہ۔ مغرب کے جاہلوں کو یہ لفظ بہت پیارا ہے۔ تعدد ازدواج کے لحاظ سے بھی زیادہ جس کے متعلق ہم بہت سی باتیں جو کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہیں +

اب میں مصر کی طرف واپس جاتا ہوں جس وقت کا میں ذکر کر رہا ہوں اس وقت مصر میں تہذیب ایک اعلےٰ مقام پر پہنچی ہوئی تھی۔ سکندریہ میں ایک یونیورسٹی موجود تھی جس کے ساتھ بیس سے کم کالج ملحق نہ تھے۔ جن میں دنیا کے تمام حصوں سے طالب علم چلے آتے تھے۔ قاہرہ میں بھی اعلےٰ پایہ

اور اعلیٰ شان کے کالج کثرت سے موجود تھے۔ سلطان حسن کی شاندار مسجد جو ایک کالج تھا اس بات کو ظاہر کرنے کے لیئے کافی ہے کہ مدرسے کس اعلیٰ پیمانہ پر بنائے جاتے تھے۔ یہ آج تک ایسی مضبوط اور وسیع موجود ہے کہ جس طرح گذشتہ زمانہ میں فوجی اغراض کے لیئے قلعہ کے طور پر استعمال ہوئی ہے اب بھی ایسی اغراض کے لئے استعمال ہوسکتی ہے۔ اس شاندار طاقت کے زوال کی وجہ کو میں چھوڑتا ہوں۔ نہ اس لیئے جیسا کہ میں نے قاہرہ کے نیشنل کالج کے طالبعلموں کو ایڈریس دیتے ہوئے کہا تھا اور میں انگلستان کے مصری طالبعلموں کے سامنے اس کو دوہراتا ہوں۔ نہ اس لیئے کہ ہم میں سے ایک یا دوسرا اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہتا یا مشرق کی تاریکی کے زمانہ کے سوال پر غور کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس لیئے کہ بعض وقت ان چیزوں کو جن کا تعلق گذشتہ سے ہے۔ اور وہ ہماری موجودہ ترقی میں روک ہوسکتی ہیں۔ بھول جانا اچھا ہوتا ہے۔ مغرب میں ہم سے بعض کے دلوں میں یہ خیال ایک سنسناہٹ سی پیدا کرتا ہے۔ کہ کس طرح مشرق میں ایک نئے اور شاندار دن کی صبح کی روشنی نمودار ہورہی ہے۔ اور اس وقت مصر میں اور مشرق میں طلوع کرنیوالا ہے ایک لفظ جو ہم سب وہاں سنتے ہیں وہ تعلیم ہے۔ تعلیم ہی ایسی چیز ہے جس کی تعظیم کیجاتی ہے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ میرے مشرقی دوست تعلیم کے مقابلہ پر محض روپیہ اور مال کی کس طرح تحقیر کرتے ہیں +

کیا میں اس قدر جرأت کرسکتا ہوں کہ اپنے ان معزز دوستوں سے جنھوں نے مغرب کا علم حاصل کرنے کے لیئے مشرق کو چھوڑا ہے۔ یہ درخواست کروں کہ سب سے بڑھ کر اس بات کو یاد رکھیں کہ جب تم کچھ حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہو تو تمہیں کچھ دوسروں کو دینے کے لیئے بھی تیار رہنا چاہیئے مشرق کی فیاضی ایک نہائت قابل تعریف خوبی ہے۔ چاہیئے کہ یہ فیاضی علم کے متعلق بھی ہو۔ کیا وہ روپیہ جس سے تم یہاں گذر کرتے ہو۔ تمہارے اپنے ملک کے کسی خوبصورت گاؤں سے آتا ہے؟ پس سوچو کہ ان مصیبت زدہ لوگوں کی ترقی کے لیئے جو وہاں تمہارے لیئے محنت اور مزدوری کرتے ہیں۔ تم کیا کرسکتے ہو۔ وہ نوجوان جو اپنے وطن میں اس ذہانت علم اور مختلف قسم کی دلچسپیوں کو جو اُس نے دوسرے ممالک میں پھر کر اور رہ کر حاصل کیئے ہیں۔ اس لیئے لے جاتا ہے کہ اپنی سرزمین میں ایک گاؤں کو غریبوں کے لیئے زیادہ صاف زیادہ خوشی کی جگہ اور زیادہ خوبصورت بنائے۔ اپنے ملک کی خدمت ایک سپاہی

اور ایک ... سے بھی بڑھ کر کرتا ہے +

یہ وہ چیز ہے جس کو ہم تمدنی کام یا رفاہِ خلائق کا کام کہتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کی مصر اور ہندوستان میں سخت ضرورت ہے۔ میرے معزز دوستو میں تم سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ تم انگلستان کے اس تمدنی کام پر توجہ کرو جس سے غربا کی حالت کی بہتری اور مدد مدنظر ہے۔ میں الجیریا اور مصر میں ایسے نوجوان دولتمند آدمیوں سے ملا ہوں جن کو یہ معلوم نہیں کہ وہ اپنے روپے کو کسطرح خرچ کریں۔ اور جو یہ نہیں جانتے کہ اپنے وقت کو کس طرح صرف کریں۔ میں جانتا ہوں کہ مصر کا ملک اپنے دوبارہ اٹھتے ہیں دولتمند اور فرصت والے لوگوں کے لیئے ایک عمدہ خدمت کا موقعہ پیش کرتا ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا میں اور کوئی ایسا ملک نہیں جو اعلےٰ درجہ کی قومی خدمات کے لیئے ایسا اعلےٰ درجہ کا موقعہ پیش کرتا ہو۔ یہ وہ کام ہے جو ایک نوجوان دولتمند کو ایک دق کرنے والی زندگی سے بچا سکتا ہے۔ قہوہ خانوں میں زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔ اخبار بینی میں حد سے زیادہ انہماک بیہودہ باتوں کا شغل ایک دق کرنے والی زندگی ہے جس سے انسان اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی مفید کام میں لگا دے۔ سچے بہی خواہان ملک و قوم کے لیئے ان لوگوں کے لیئے جو اپنے ملک سے محبت رکھتے ہیں اور اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کو واقعی ایک اعلےٰ مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور ایک ایسی آزادی اُن کو دلانا چاہتے ہیں جس میں کوئی قوم مخل نہیں ہوسکتی۔ یہی سب سے عمدہ کام ہے +

میں نے یہ بتا دیا ہے کہ مغرب میں آنے کا اور وہاں سے سود کے ساتھ اس سرمایہ کو جو تم سے اُدھار لیا گیا تھا واپس لے جانے کا تم کو کیا حق حاصل ہے۔ میں تم کو خدا کے نام کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم ہمسے ان بدیوں کو حاصل کرکے نہ لے جاؤ جو تہذیب کا حصہ نہیں۔ جن کو انسانی ترقی کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ وہ شیطان کی چیزیں ہیں۔ ہر ایک قسم کی مسکرات تم پر حرام کی گئی ہیں جو ابھی تم پر تمہاری پاک کتاب میں حرام کیا گیا ہے۔ یہ مغرب کی لعنتیں ہیں جنکی نقل نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ان سے بچنا چاہیئے وہ خوشی کی زندگی کو نہیں لے جاتیں۔ بلکہ ان کا انجام موت ہے۔ لارڈ کرومر نے ٹھیک کہا جب قاہرہ کے اس حصہ کا نام جہاں جھوٹی خوشی تلاش کی جاتی ہے "مصر کے بہترین خزانہ کی قبر" رکھا +

کیا کوئی وجہ ہے کہ کیوں عرب کی نسل کے انسان محنت اور استقلال کے اعلےٰ جوہر نہ دکھائیں؟

اس مضبوط ارادہ کے مالک نہ ہوں، جو ایک نیک کام کو جو ایک شخص نے شروع کیا ہے کامیاب نتیجہ تک پہنچاتا ہے۔ کیا کوئی وجہ ہے کہ دن بدن جیسے جیسے مشرقی ممالک کی دولت ترقی کر رہا ہے جیسے کہ نئے ترقی یافتہ حالات کے ماتحت زمین کی بڑھی ہوئی پیداوار سے یہ ترقی حاصل کر رہی ہے۔ مشرق کے لوگ اس تجارت کو ہاتھ میں نہ لے سکیں جو پیدا ہو رہی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ یہ تجارت اجنبیوں کے ہاتھ میں۔ دوسری قوموں کے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے جن کو تمہارے ملک کے ساتھ سچی ہمدردی کا بہت کم احساس ہے۔ تم کو اس رقبہ کی ضرورت ہے جو تجارت سے آتا ہے تاکہ تمہارے ملک کے علوم و فنون اور عامہ تہذیب فائدہ اٹھائیں۔ نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اچھا کمایا ہوا مال نیک آدمیوں کے لیئے ہے۔ یاد رکھو کہ زراعت اور تجارت کا مطالعہ ایسا ہی معزز شغل ہے جیسا کہ ان پیشوں کا تلاش کرنا جن میں داخلہ کی گنجائش بھی کم ہو یا سرکاری ملازمت کے خیال پر بیٹھے رہنا +

میرا آخری سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے ملک کی آب و ہوا میں یا تمہارے اباؤ اجداد میں کوئی ایسی وجہ موجود ہے کہ زندگی کے ہر شغل میں سستی اختیار کرو۔ قبل اس کے کہ تم میرے سوال کا جواب دو میں تمھیں یاد دلاتا ہوں کہ تمہارے اس نامور سپاہی عمرو نے اپنی عربی فوج کے ساتھ مصر کے ملک کو بہادری اور مقابلہ مصائب کے بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھاتے ہوئے جولائی کی جھلس دینے والی گرمی میں فتح کیا تھا۔ باقی رہا محنت کا سوال سو جس طرح ایک عیسائی کو بار بار یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ دن ہوتے ہوئے کام میں لگ جائے۔ کیونکہ پیچھے رات آتی ہے جب کام کرنیکا موقع ہی نہیں یہی پاک پیغام مسلم کو بھی پہنچایا گیا ہے۔ حضرت علی کا قول ہے کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ جو سست ہو رہا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ موت جیسی خطرناک چیز اس کے تعاقب میں لگی ہوئی ہے اور قرآن کے ان پاک الفاظ پر غور کرو جو تم کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی بیکاری میں نہ گذارو۔ لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنی وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما ۝ درجات منہ ومغفرۃ ورحمۃ۔ (النساء ۹۵)۔ مومنوں میں سے جن لوگوں کو کسی قسم کی

معذوری نہیں پھر بھی وہ بیٹھ رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے کوشش میں لگے رہتے ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مالوں اور جانوں سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت دی ہے۔ ہاں سب ہی کے ساتھ اچھا وعدہ ہے۔ مگر کام کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالےٰ نے بڑی بھاری فضیلت بروئے اجر دی ہے۔ کہ اس کی طرف سے بڑے بڑے مراتب اور حفاظت اور رحمت عطا ہوتی ہے

اسلامی نماز کا فلسفہ

نمبر ۳

(مشیر حسین قدوائی)

پچھلے دو مضمونوں میں جو عنوان بالا کے ماتحت میں نے لکھے ہیں میں نے یہ دکھایا تھا۔ کہ اسلامی مقررہ نمازوں کے اوقات مقرر کرنے میں اور نماز سے پہلے وضو یا غسل کو ضروری ٹھیرانے میں ایک خاص غرض مدنظر ہے۔ اور یہ ظاہری الفاظ اپنی تہ میں ایک حقیقت رکھتے ہیں۔ اب میں بتانے کی کوشش کروں گا۔ کہ اسلامی نماز کے اندر مختلف ھیأت جسمانی اور مختلف حرکات کا اصل منشأ کیا ہے مسلمانوں میں دو قسم کی نماز ہے۔ ایک جسے فرض نماز کہا جاتا ہے۔ وہ اکثر حالات میں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ جہاں تک جماعت کا میسر آنا ممکن ہو۔ دوسری سُنت ہے جو تنہائی میں ادا کی جاتی ہے۔ اسلام میں امامت کا منصب کوئی خاص منصب نہیں اور جماعت میں سے کوئی شخص آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ ایسا شخص امام کہلاتا ہے۔ امام کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اُس کے مقتدی ٹھیک کھڑے ہیں اور کہ صفیں سیدھی ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے وقت یہ لازمی ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی مسلمان ہو اس کا مونھ اس مقدس گھر کی طرف ہو جس کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ اس کی غرض صرف ایک نظم کو قائم رکھنا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے خود فرمایا ہے لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر

والملٰئکۃ والکتاب والنبیین واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون (البقرۃ - ۱۷۷) - مشرق یا مغرب کی طرف مونہہ کر لینے میں کوئی نیکی نہیں - بلکہ نیکی اس کی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور آخر کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور اللہ کی محبت کے لئے مال دیتا ہے قریبیوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور راہ چلنے والوں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے آزاد کرنے کے لئے اور نماز قائم کرتا ہے - اور زکوٰۃ دیتا ہے - اور وہ لوگ جو اقرار کر لیں تو اپنے اقراروں کو پورا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو دکھ اور تکلیف میں اور دشمن کے مقابلہ کے وقت صبر کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا (دعوے ایمان کو) اور یہی وہ ہیں جو اپنا بچاؤ کرتے ہیں +

نماز میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے جائیں اور اسکا منشا یہ ہے کہ نماز ادا کرنے والا اب دوسری تمام آوازوں کی طرف سے اپنے کانوں کو بند کر چکا ہے اور صرف ایک احکم الحاکمین کے لئے ہی - اس کے کان شنوا ہیں مرد ہو یا عورت وہ اُس وقت گویا اپنے مالک حقیقی کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین یہ وہ لفظ ہیں جو اس کی زبان سے نکلتے اور اس کے دل کی کیفیت بتاتے ہیں - میں اپنے آپ کو اسکی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین پیدا کئے راستی کے ساتھ اور میں اُن میں سے نہیں جو خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک کریں - اس کے بعد نمازی اپنے ہاتھ ایسے طور سے ایک دوسرے پر رکھتا ہے - جیسے اس ادب کے مقام کا تقاضا ہے - اور سورہ فاتحہ کو پڑھتا ہے جو بہترین دُعا ہے جو انسان کو سکھائی گئی ہے - پھر اس کے بعد قرآن کا کچھ اور حصہ پڑھ کر وہ اللہ اکبر کہتا ہوا خدا کے حضور جھک جاتا ہے - اور اپنی اس ظاہری ہیئت کے ساتھ اپنے قلب کی کیفیت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے - سبحان ربی العظیم - میری ربوبیت کرنے والا ساری عظمتوں کا مالک ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے - پھر اس کے بعد وہ کھڑا ہوتا ہے - اور یوں عرض کرتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ - جو کوئی اللہ کی تعریف کرتا ہے - اللہ اُسے قبول فرماتا ہے - اور ساتھ ہی ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ - اے ہمارے رب تیرے لئے ہی ساری تعریف ہے تعریف کثیر

پاک برکت دی گئی کہتا ہوا حمد الٰہی کا اقرار کرتا۔ مگر اس حمد کے کرنے میں اپنی عاجزی کا اعتراف کرتا ہوا اور اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ اس کے قلب میں وہ کمال عاجزی اور خشوع کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی جو احکم الحاکمین کے حضور پیدا ہونی چاہیئے۔ زمین پر گر جاتا ہے۔ اور اپنا ماتھا زمین پر رکھ کر ظاہری حالت جسمانی کو کمال عاجزی کے اظہار کی حالت بنا دیتا ہے۔ مگر اس پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کا قلب بھی اس عاجزی کی کیفیت کا اعتراف کرتا ہے۔ اور وہ یوں گویا ہوتا ہے۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ میری ربوبیت کرنے والا جو نہایت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفر لی۔ پاک ہے ذات تیری اے اللہ ہمارے رب اور سب تعریف تیرے ہی لیئے ہے۔ اے اللہ میری حفاظت فرما اور اس طرح پر نہایت کے انتہا درجہ کی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے۔ اپنے سجدوں کے بعد وہ پھر کھڑا ہوتا ہے اور پھر عاجزی کے ساتھ زمین پر گر جاتا اور آخر کار دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ آخر سلامتی اور رحمت کو طلب کرتا ہوا نماز کو ختم کرتا ہے +

ایک مسلمان اللہ کے سوائے اور کسی سے دعا نہیں مانگتا۔ وہ احکم الحاکمین کے حضور جانے کے لیئے کسی کی سفارش کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اپنے خالق سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیئے وہ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک ہر ایک قسم کی عاجزانہ ہیئت کو اختیار نہیں کر چکتا۔ یہ مختلف ہیئات جسمانی درحقیقت صرف ایک رحمان رحیم خدا کے سامنے عاجزانہ محبت کے اظہار کے لیئے ہیں۔ یہ ان مختلف درجے عاجزی کے ہیں۔ پہلے ادب کے ساتھ کھڑا ہونا۔ پھر جھک جانا پھر سجدہ میں گر جانا۔ اس بات کو جتانے کے لیئے کہ اصل قلب کی عاجزی کا اظہار مدنظر ہے۔ ضرورت کے وقت یہ ہیئات صورت بدل لیتی ہیں۔ جیسے مثلاً بیماری کی حالت میں انسان لیٹا ہوا نماز ادا کر سکتا ہے یا سفر میں سواری کے اوپر یا چلتی ریل میں +

ہاں ان ہیئات جسمانی کا ضروری قرار دینا اس لحاظ سے ہے کہ تا ظاہری جسمانی حالت قلب کے اندر وہ کیفیت عاجزی کی پیدا کر دے۔ اور نمازی کو اس بات کا احساس ہوتا رہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے۔ اب یہ آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص فی الواقع اپنے آپ کو پانچ دفعہ ہر روز احکم الحاکمین کے حضور سمیع وعلیم خدا کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہو

اس کے اخلاق پر اس احساس کا اثر کیسا پاک ہوگا۔ بلکہ صرف اس بات کا علم ہے کہ وہ پانچ مرتبہ ہر روز احکم الحاکمین کے سامنے جوابدہ ہے۔ اخلاق انسانی پر نہایت نیک اثر پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان اپنی ذمہ داری کو آپ سمجھنے لگتا ہے۔ تو اس کو دوسرے انسانوں کا خوف نہیں رہتا۔ جس قدر زیادہ وہ خدا کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ اسی قدر زیادہ بیخوف وہ انسان کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہے۔ گویا خدا کے حضور اس کا جھکنا ہی انسانوں کے سامنے اس کو راستی کے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ اسلام میں کفارہ کا کوئی عقیدہ نہیں۔ یہیں مغفرت حاصل کرنے کی ذمہ داری خود ہر انسان کے اپنے کندھوں پر ہے اور وہ خود اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ تمامتر اخلاص اور عاجزی کے ساتھ اسے جو کچھ طلب کرنا ہے وہ اپنے خالق و مالک سے ہی طلب کرنا چاہیئے۔ اس لیئے جس قدر ممکن ہوتا ہے اسی قدر عاجزی کا وہ اظہار کرتا ہے۔ اسلام نے جو کچھ تعلیم اللہ تعالٰی کی صفات کے متعلق دی ہے وہ عیسائیت کے خدا کے خیال سے بالکل خلاف رکھتی ہے۔ وہ ہر انسان کو سب کچھ دینے کی طاقت بھی رکھتا ہے اور اسکا رحم بھی ایسا عالمگیر اور وسیع ہے کہ ہر طالب کو وہ دیتا ہے۔ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوٓء کیا وہ جو [illegible] کی [illegible] دیتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔

خدا نے اسلام میں کبھی اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا کہ انسانوں کے گناہوں کو بخشنے کے لیئے کسی بھینٹ کی ضرورت ہے۔ وہ کامل محبت اور کامل رحم ہے۔ کینہ ور اور خون کا پیاسا نہیں کہ اپنی ہی مخلوق کے گناہ بخشنے کے لیئے اپنے ہی بیٹے کو ذبح کروا ڈالے۔ کوئی شخص بھی جب عاجزی سے اور صدق دل سے اس سے گناہوں کی معافی کا طالب ہوتا ہے تو وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اسی لیئے مسلمانوں کے اندر اپنی عزت آپ کرنے کی صفت عیسائیوں سے بڑھ کر پائی جاتی ہے۔ وہ یہ سمجھ سکتے کہ اپنے گناہ کے لیئے خود ہی ہلاکت قبول کر لیا جائے [illegible] کہ وہ ہلاکت [illegible] کسی دوسرے کے سر پر ڈال کر ان کو بچایا جائے۔ ان کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است رفتن بپای مردی ہمسایہ در بہشت

وہ کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کے گناہوں کی گٹھڑی اٹھا کر کسی دوسرے کی پیٹھ پر

رکھی جائے اور اُن کی پیٹھ کو سیدھا کرنے کے لیئے دُوسرے کی پیٹھ کو ٹیڑھا کیا جائے۔ خواہ وہ دُوسرا خدا کا بیٹا ہی ہو۔ وُہ اپنی ذمہ داری کو خود محسوس کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ نمازوں اور دعاؤں میں اور اظہار عاجزی میں دوسری قوموں سے بڑھ کر پائے جاتے ہیں +

رُوحانی نقطۂ خیال سے اسلامی نماز کے مختلف ارکان اگر عاجزی اور خشوع پیدا کرنے والی ہیں تو جسمانی نقطۂ خیال سے بھی وہ ایک معنے رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کوئی خیالی مذہب نہیں بلکہ ایک عملی مذہب ہے جو اس دنیا اور زندگی بعد الموت دونوں کی بہتری چاہتا اور اُس کی تدابیر بتاتا ہے ظاہری رنگ میں نماز انسانی مساوات کی رُوح پیدا کرتی ہے۔ جب ایک کسان ایک بادشاہ کی کندھے سے کندھا لگا کر کھڑا ہوتا ہے۔ جب ایک غریب چیتھڑوں میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ایک دولتمند کے جو لباس فاخرہ پہنے ہوئے ہو دوش بدوش بیٹھتا ہے۔ جب رعایا کا ایک معمولی آدمی اسی زمین پہ سر رکھتا ہے جہاں ایک بادشاہ یا حاکم رکھتا ہے۔ تو ایک طرف ایک دُوسرے پر بیجا فخر اور کبر کی جڑ کٹتی ہے اور دوسری طرف ایک غریب سے غریب اور عاجز سے عاجز انسان کے دل میں اپنی عزت آپ پیدا کرنے کی [illegible]ح پیدا ہوتی ہے۔ اپنی عزت آپ کرنا سب انسانوں کا پیدائشی حق ہے۔ خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ سفید رنگ کے ہوں یا سیاہ رنگ کے۔ امیر ہوں یا غریب۔ کبر خواہ وہ کسی ملک کے لوگوں میں پایا جائے نہ صرف اِس خاص سوسائٹی کے لیئے لعنت ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیئے۔ پس اسلام نے ایک عملی ذریعہ ایسا سکھایا ہے جس کی مشق پانچ مرتبہ ہر روز کرائی جاتی ہے۔ جس سے ایک طرف کبر کی جڑ کٹتی ہے اور دوسری طرف اپنی عزت آپ کرنے کی رُوح پیدا ہوتی ہے۔ کس طرح پر رب العالمین کے حضور عاجزی کو انسانی مساوات کے ساتھ ملایا ہے۔ اور کیسا مفید سبق نسل انسانی کو دیا ہے۔ کاش لوگ اس سے فایدہ اُٹھائیں +

صدائے صلیب

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

عیسائی رسالہ مسلم ورلڈ میں ذیل کا سوال مع جواب درج ہوا ہے :-

سوال - ہمارے خداوند جو صلیب پر یوں چلایا کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اس کی تشریح تم ایک مسلمان کے سامنے کس طرح کروگے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ پکار اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ مسیح خدا نہ تھا محض انسان تھا +

جواب - ہمارے خداوند کی پکار کی نسبت جو مشکل پیدا ہوتی ہے اس کے متعلق مسلمانوں کے لیئے کوئی خصوصی جواب نہیں۔ ہاں جس طرح یہ مشکل ہم اپنے آپ کے لیئے حل کرتے ہیں اسی طرح انکے لیئے حل ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک یہ الفاظ مسیح کی پوری انسانیت کا اظہار کرتے ہیں جس کو بحیثیت ایک انسان ان گہرائیوں تک جانا پڑا۔ اور ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اس گہرائی سے باہر نکل آیا۔ اس نے مایوسی کو پاؤں تلے روندا اور اپنی روح باپ کے سپرد کی اور کہا "پورا ہوا" میں اس کے متعلق ایک مسلمان کے ساتھ بحث کرنا بھی پسند نہیں کرونگا جب تک کہ وہ پہلے اس بات کا موٴدبانہ علم حاصل نہ کرے کہ ہم مسیح کی زندگی اور موت کو کس رنگ میں لیتے ہیں۔ اگر اس نے امام غزالی کی کتاب المنقذ کو پڑھا ہے تو وہ معلوم کرلے گا۔ کہ علم الٰہیات میں بعض ایسی باتیں ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے یا ان کی نسبت صحیح رائے نہیں لگا سکتے۔ جب تک کہ ہم ان کے اثر کے نیچے نہ آجائیں اور ان کو اندر داخل ہو کر نہ دیکھیں۔ یہ امام غزالی کی بحث دخل درمعقولات کا حصہ ہے +

(ڈی۔ بی میکڈانلڈ)

پروفیسر کا جواب میرے لیئے اطمینان بخش نہیں ہے۔ دوسرے اپنے لیئے خود رائے لگا سکتے ہیں۔ اس دنیا میں مختلف مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہر ایک مسئلہ ایک حل رکھتا ہے۔ ہم اس حل مسئلہ کو دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں مگر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ ہاں حل مسائل اس طرح سے نہیں ہوتا کہ ہم بیٹھ جائیں اور اسے ایک راز بنا کر رکھ دیں۔ ہمیں اس کے حل کرنیکی کوشش

سونپتا ہوں۔ اس کا اصل زبور ۳۱ بابؐ درس میں ہے "میں اپنی روح کو تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں" یوحنا کچھ اور ہی کہتا ہے۔ وہاں آخری الفاظ مسیح کے یہ بتائے گئے ہیں "پورا ہوا" کل سات پکاریں ہیں جو صلیب پر مسیح کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ پہلی دو انجیلوں کو الگ کر کے کوئی دو ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ اور ہر ایک کچھ اور ہی الفاظ مسیح کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اور ایک کے الفاظ دوسرے کے الفاظ کے لئے کوئی موقعہ نہیں چھوڑتے +

پھر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سامعین نے مسیح کی اس عبرانی پکار ایلی ایلی لما سبقتانی کو غلط سمجھا اور کہا کہ یہ شخص الیاس کو پکارتا ہے۔ ایک یہودی ایسی غلطی نہ کر سکتا تھا کیونکہ الیاس کا نام اور زبور کے الفاظ دونوں سے وہ اچھی طرح سے واقف ہوگا۔ باقی رہے رومی سپاہی سو غالباً ان بیچاروں نے کبھی الیاس کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ انجیل نویس بھی غالباً ایسے لوگوں کے لئے لکھ رہے تھے جو عبرانی زبان سے ناواقف تھے۔ کیونکہ وہ اصل الفاظ کو دے کر ساتھ ہی ترجمہ بھی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس کے شاگرد اس کو چھوڑ گئے اور بھاگ گئے تھے۔ جیسا کہ متی کہتا ہے۔ اگر اس کے شناسائی اور عورتیں بہت دور کھڑی تھیں تو وہ کوئی آواز سن نہیں سکتے تھے۔ اس لئے واہمہ کے لئے بڑا موقعہ تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ چوتھی انجیل کے مطابق پیارا شاگرد اور عورتیں پاس کھڑی تھیں۔ مگر انھوں نے یہ ایلی ایلی لما سبقتانی کی آواز ہی نہیں سنی انجیلوں کے بیانات پر بحث کرنے کے بعد ہمیں کچھ اور بھی دیکھنا ہے۔ جسٹس مارٹر جو ۱۶۵ء کے قریب شہید ہوا "تذکرہ حواریین" سے جس میں اس کے قول کے مطابق "ہر ایک امر ہمارے نجات دہندہ یسوع مسیح" کے متعلق لکھا ہوا ہے نقل کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ صلیب پر مسیح نے پکارا "اے میرے خدا میرے خدا تو نے مجھے کہاں چھوڑا ہے" گو معلوم ہوتا ہے کہ اسے متی اور مرقس کے عبرانی فقرہ ایلی ایلی لما سبقتانی کا کوئی علم نہیں۔ مگر دو لوقا کے مطابق ایک اور فقرہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "کیونکہ جب وہ اپنی روح صلیب پر دے رہا تھا۔ اُس نے کہا باپ میں تیرے ہاتھوں میں اپنی جان سونپتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے تذکرہ سے معلوم کیا ہے" نکوڈیمس کی انجیل دونوں فقرے دیتی ہے۔ یونانی ایڈیشنوں میں لوقا والا فقرہ قدرے اختلاف کے ساتھ ہے۔ چنانچہ نسخہ اے (کوڈکس اے) میں ہے "اور ایک بلند آواز کے

ساتھ پکارتے ہوئے یسوع نے کہا باپ بیدلک افقد ردنی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ تیرے ہاتھوں میں میں اپنی رُوح سونپتا ہوں اور یہ کہکر اُس نے جان دے دی" نسخہ ب ذکٹس لی میں ہے" تب یسوع نے بلند آواز سے پکارتے ہوئے کہا۔ باپ تیرے ہاتھوں میں میں اپنی رُوح کو سونپوں گا اور جان دے دی" پرانے لاطینی نسخے بھی دونوں فقرے دیتے ہیں۔ پطرس کی انجیل میں ہے "میری طاقت میری طاقت تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" متی اور مرقس کے نسخوں میں اختلافات کی تعداد تعجب انگیز ہے +

ان امور پر رائے لگانے میں مسیح کی پکار کے ساتھ واقعات بھی جن کے اندر یہ پکار منسوب کی جاتی ہیں غور طلب ہیں۔ یہ واقعات بالکل ایک قصہ کے رنگ کے نظر آتے ہیں۔ کپڑوں کے لیئے قرعہ اندازی پرانے دیوتاؤں کے قصوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ جہاں بن سلی پوشاک سورج دیوتا کا شاندار لباس ہے۔ کانٹوں کا تاج ہیراکلس کے تاج کی یادگار معلوم ہوتا ہے اسی طرح سرکہ باکسی اور تلخ چیز کا شراب کے ساتھ ملا کر پلانا یہ بھی دیوتاؤں کے قصوں سے مناسبت رکھتا ہے +

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان واقعات کی تشریح کی بڑی بڑی کوششیں کیا کیا کی گئی ہیں +

ایک طرف پروفیسر پی ڈبلیو شمیڈل کی مسلم قابلیت اور فضیلت کا انسان ہے۔ جس نے انجیلوں کو اس دھن میں تلاش کرتے ہوئے کہ تاریخی مسیح کی زندگی کے لیئے کچھ بنیادی واقعات ملجائیں آخر یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمام اقوال اور افعال جو انجیلوں میں مسیح کی طرف منسوب کیئے گئے ہیں رد کرنے کے قابل ہیں۔ باستثنائے چند فقرات جن میں سے زیادہ تر مرقس میں پائے جاتے ہیں اور جو مسیح کی طرف غیر معمولی [illegible] منسوب کرنے کے خلاف ہیں۔ وہ فقرات جن کو پروفیسر شمیڈل نے صحیح قرار دیا ہے۔ اب پلرز آف شمیڈل یعنی ارکان شمیڈل کے نام سے موسوم ہیں۔ اور وہ سب کے سب یسوع مسیح کو انسان ثابت کرتے ہیں۔ ان ارکان میں سے ہی ایک فقرہ ایلی ایلی لما سبقتانی والا فقرہ ہے۔ یہ فقرہ پروفیسر موصوف کے نزدیک اس بات کا کھلا کھلا ثبوت ہے کہ مسیح صرف انسان تھا۔ اور بشریت سے بڑھ کر اس میں کچھ چیز نہ تھی +

اس کے بالمقابل پروفیسر ڈبلیو بی سمتھ ہے۔ جو محض اشارات وکنایات کا پیرو ہے۔ اور

یسوع خدا کا اسی طرح قائل ہے جیسے اپولمر اڈولس اور اسیرس کے پیرو۔ ان پروفیسر صاحب کو صدائے صلیب میں یعنی اس فقرہ ایلی ایلی لما سبقتانی میں "انسانی پیدائش یا انسانی تاریخ یا خالص انسانیت کا مطلق خیال تک بھی" نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ اُس کے نزدیک ایک دُکھ اُٹھاتے ہوئے اور مرتے ہوئے خدا" حالات کی تصویر کھینچنے والا فقرہ ہے" یا بالفاظ دیگر خالص بُت پرستی کا فقرہ۔ پھر وہ لکھتا ہے " یہ خدا کے متعلق بڑے اعلےٰ تصوّر کی ایک شہادت ہے۔ جس سے عارضی طور پر اپنے اوپر گوشت کا لباس پہن لیا تھا جس لباس کو اُس نے صلیب پر چھوڑ دیا۔ اور وہاں سے گوشت کے پیکر میں سے نکل کر شان و شوکت کے ساتھ اپنے اصلی وطن آسمان پر چڑھ گیا" آخر پر وہ لکھتا ہے

" یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ وہ الفاظ (جو تین صورتوں میں دیئے گئے ہیں) اور جو یہاں یسوع کی طرف منسوب کیئے گئے ہیں۔ زبور ۲۲ باب درس اول سے لیئے گئے ہیں۔ جہاں وہ ایک دُکھ سہنے والی اور دُکھ اُٹھانے والی (اسرائیلی قوم) کی پکار ہیں۔ ان کا ایک ایسے خدا کی طرف منسوب کیا جانا جس نے اپنے ہیکل کو چھوڑ دیا تھا۔ اور دُکھ اُٹھانے والے گوشت کا چغہ پہن لیا تھا۔ کسی طرح پر تعجب انگیز نہیں۔ نہ ہی ان کا صلیب پر بولا جانا تعجب کی بات ہے کیونکہ افلاطون نے کہا تھا۔ کہ راستباز جسے ظالم سمجھ لیا جائے گا صلیب پر کھینچا جائے گا۔ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ متی اور مرقس کا جو کچھ تصوّر خدا کے متعلق تھا اس کو ان الفاظ سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا تھا۔ کیونکہ اگر ان کے خدا کے تصوّر کے خلاف یہ الفاظ ہوتے تو ان کے لیئے راہ کھلی تھی۔ کہ وہ اُن کو ترک کر دیتے۔ جیسا کہ لوقا نے انکو ترک کر دیا اور ان کی جگہ بہتر سبق دینے والا فقرہ رکھ دیا" باپ میں تیرے ہاتھوں میں اپنی جان کو سونپتا ہوں" اور یوحنا نے اس سے بھی زیادہ مؤثر فقرہ رکھ دیا" پورا ہوا" اور پطرس کی انجیل اور بھی صفائی سے ان الفاظ کو یوں تبدیل کر دیا۔ کہ بجائے میرے خدا کے لفظ میری طاقت رکھ دیا۔ اس بات کے فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان تینوں کے دل میں یسوع کی عزت مرقس یا متی سے بڑھ کر تھی اور وہ اس کے الفاظ کی کم عزت کرتے تھے۔ یہ صرف الگ الگ مرسحات ہیں جن کا وہ علم الٰہیات کے قصہ نویسی میں اظہار کرتے ہیں"

ایک اور تشریح ان الفاظ کی یہ ہے کہ اس سارے تذکرہ میں ایک قسم کا مسٹری ڈراما ہے جس پر بُت پرستی سے اجزا بت پرستی کے رواجات کے شامل ہوگئے ہیں جو (مقتول خدا) کے مختلف عقائد پر مبنی ہیں۔ اور اُس کو ایسی طرح اس تذکرہ میں داخل کیا گیا ہے کہ یہ بتانا بھی ناممکن ہے کہ ان کے نیچے تاریخی مادہ کا کوئی ٹکڑا ہے یا نہیں۔ مسٹر ڈراما کے رنگ میں یہ پکار اور اس کی [illegible] تشریح ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ایسی پکار نہ سامعین کے خلاف تھی نہ خلاصہ کلام یہ کہ تین مختلف [illegible] اس صدائے صلیب کی ہیں۔ اول پروفیسر شمیڈل کے جو اس قسم کے معجزات کو جیسے پانچ ہزار کو کھانا دینا محض تمثیلات کے رنگ میں لیتا ہے اور ایسے معجزات کو جیسے شفا دینے کے معجزات ان [illegible] روحانی طور پر شفا دینا لیتا ہے اور جو ان تمام فقرات کو جن میں مسیح کی طرف غیر معمولی باتیں منسوب کی گئی ہیں خلاف تاریخ بتا کر رد کرتا ہے۔ دوسری تشریح پروفیسر سمتھ کی ہے۔ کہ یہ سب محض ایک تصویری رنگ کا تذکرہ ہے۔

آنحضرت {صلے اللہ علیہ وسلم} کی حب الوطنی

(ایک نومسلم انگریز خاتون امینہ کی قلم سے)

زندگی کی سب سے زیادہ خوبصورت اور بہترین باتیں ان لوگوں سے ہمیں ملی ہیں جن کو ہم خواب بین یا خیال کے پیرو کہتے ہیں۔ لیکن کسی اعلےٰ مقصد کو صرف خیال میں لے آنا کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ ان خیالات کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔ غلاموں کی تجارت کا رکنا ایک خیالی آدمی کے خیال کی برکت سے ہی ہوا اس نے اس کے خطرناک نتائج کو دیکھا اور یہ اس کی زندگی کی ایک خواب اور اس کی امید بن گئی کہ اس کو دنیا سے دور کرنا چاہیئے۔ اور آخر کار اُس نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا اور اس طرح اس کی خواب نے واقعات کے رنگ میں تعبیر دیکھی [illegible] رہنا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ غلطی پر ہو کر انسان کامیاب ہو۔ اور وہ شخص جو حق کا حامی ہے اور صرف ایک ہی پیرو رکھتا ہے اس سے بہت بہتر ہے جو جھوٹ کا پیرو اور لاکھوں کا پیشرو ہے۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگ خواب بین یا ایک خیالی آدمی کہتے ہیں۔ مگر آپ نے اس قدر کام کیا کہ آپ کی ساری خوابیں حقیقت بن گئیں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بڑے محب وطن تھے۔ اور ایک سچا محب وطن سب لوگوں سے بڑھ کر خود غرضی سے پاک اور ایثار کا جوہر رکھتا ہے۔ محب وطن وہ شخص ہے جو اپنے ملک یا دنیا کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم کرتا ہے۔ جس کے دل میں ہر وقت نسل انسانی کی بہتری کا جوش ہو۔ اس لیئے کوئی شخص اچھا محب وطن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ خود غرضی کی بیماری سے پاک نہ ہو۔ دنیا میں جس قدر محبان وطن ہوئے ہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ان سب سے بڑھ کر محب وطن تھے اور سچے اور صحیح معنوں میں محب وطن تھے۔ حق کی خاطر اس نے گالی گلوچ اور دھمکیوں کو برداشت کیا۔ سچائی کے پھیلانے کے لیئے غریبی کو قبول کیا۔ روشنی کے پھیلانے کے لیئے سخت سے سخت دکھ اُٹھائے اور اپنے آپ کو خطرناک سے خطرناک دشمنوں کے حملوں کا آماجگاہ بنایا۔ اس سادہ زندگی کے لیئے جو آپ بسر کرتے تھے جس قدر بھی آپ کی تعریف کی جائے کم ہے۔ کیونکہ آپ اپنا روپیہ دُوسروں پر خرچ کرتے تھے۔ اور مال و دولت سے آپ کو برخلاف بعض دُوسرے نبیوں کے وافر حصہ ملا تھا +

آپ اپنی قوم میں اعلےٰ درجہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور آپ کے پاس ایسے سامان تھے کہ آپ چاہتے تو عیش اور آرام میں فراخی کے ساتھ زندگی بسر کرسکتے تھے۔ مگر چونکہ آپ ایک سچے اور پاک محب وطن تھے۔ آپ نے اپنی بہترین قوتوں کو اور اپنے مال کو دنیا کے فائدہ کے لیئے لگا دیا۔ اور جو کچھ آپ کے پاس تھا اُسے نسل انسانی کی خدمت میں لگا دیا۔ لوگوں کو یہ بات سکھانے کے لیئے کہ کس طرح اچھی زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ پہلے انھیں یہ سکھانا ضروری ہوتا ہے کہ کس طرح اچھے خیالات ان کے دل میں پیدا ہوں۔ اور جب ان کے دلوں میں اچھے خیالات پیدا ہونے لگیں گے تو وہ خود ہی اچھی زندگی بسر کرنا سیکھ جائیں گے۔ جس شخص کی تربیت ہی یوں ہوئی ہے کہ وہ خدا کو [illegible] اور انتقام لینے والا یقین کرے وہ اپنی مصائب [illegible] ایسے خدا کی طرف کیا متوجہ ہوگا۔ بلکہ وہ افسوس کرے گا۔ کہ کیوں وہ پیدا ہوا۔ وہ خدا سے محبت کی بجائے اور اسکی [illegible] علم حاصل کرنے کی بجائے وہ اس سے ہمیشہ خائف ہی رہے گا۔ لوگوں کو اس راہ پر

ڈال دو کہ صحیح خیالات ان کے دلوں میں پیدا ہوں تو جنگیں۔ بیماریاں۔ افلاس اور تمام وہ خطرناک چیزیں جن کی وجہ سے نسل انسانی دکھ میں مبتلا ہے خود ہی نہ رہیں گے۔ مگر عیسائی کلیسیا کیا کرتی ہے۔ بجائے اس کے کہ لوگوں کو یہ سکھائے کہ پاک اور نیک خیالات اُن کے دلوں میں کیونکر پیدا ہوں۔ خود اپنے آپ کو اُن کے خیالات کا ذریعہ ٹھیراتی ہے۔ گویا کسی انسان کو اپنے طور پر غور اور فکر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح پر چند مبہم اور غیر معمولی رازوں کا بوجھ ایک آدمی کے اُوپر ڈال دیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا مذہب انسان کو دق کر دیتا ہے۔ اور بجائے قلب کو راحت پہنچانے کے اُس کو تکلیف میں ڈال دیتا ہے۔ اور جو کوئی کچھ کرتا بھی ہے وہ محض ایک کل کے طور پر جس کی چابی گویا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس لیئے ایسا شخص ایسے مذہب سے بیزار ہو کر اس بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ کوئی بھی مذہب نہ رکھے +

جہاں تک اصول اور بنیادی قوانین کا تعلق ہے یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان کی ساری کی ساری ایجادات نہ موسموں کے تغیر و تبدل پر اپنا اثر ڈال سکتی ہیں۔ نہ قوانین قدرت میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتی ہیں۔ اسی طرح پر باوجود مختلف مذاہب اور متفرق عقائد اور تعلیمات کے روحانی طور پر بھی یہی قانون حاوی ہے جو جسمانی طور پر حاوی ہے۔ سمندر کبھی ایک رنگ میں نظر آئے کبھی دوسرے میں۔ کبھی اُس کی سطح ساکن ہو کبھی تلاطم میں۔ مگر ہمیشہ سمندر وہی ایک ہی ہے اور ایک حالت کے بدلنے سے یا ایک نئی کیفیت کے پیدا ہونے سے سمندر نیا نہیں ہو جاتا۔ یہی حال مذہب کا ہے۔ جو اصولاً ہمیشہ ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا۔ کیونکہ خدا ایک اور لاتبدیل ہے۔ اسلیئے اس کے اصولی قوانین بھی ایک ہی ہیں۔ ہاں آج لوگوں نے ایک اور غرض کے لیئے بھی مذہب بنا رکھے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اپنی جیبوں کو پر کرنے کا ان مذاہب کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔ مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا مذہب وہ ہے۔ جس کے سکھانے کے لیئے وہ کوئی اجر نہیں چاہتے۔ اور بار بار فرماتے ہیں (لا اسئلکم علیہ من اجر)۔ میں تم سے اس کے لیئے کوئی اجر نہیں چاہتا۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا دیانتداری سے اور

تعصب سے خالی ہو کر مطالعہ کریں گے۔ وہ دیکھ لیں گے کہ آپ کیسے سچے محبّ وطن تھے۔ آپنے مال کو چھوڑا۔ آرام کو چھوڑا۔ آسایش کی زندگی کو چھوڑا۔ اور بجائے اس کے ایسی زندگی اختیار کی جو ایک سخت جدوجہد کی زندگی تھی۔ بڑے بڑے دکھ اور مصیبتیں نوع انسان کی بھلائی کے لیئے آپ نے جھیلیں اور اپنی جان کو اس لیئے دکھوں میں ڈالا تا دوسروں کو آرام پہنچے۔ اس سے بڑھ کر اور کون شخص محبّ وطن کہلا سکتا۔ پس چاہیئے کہ ہم اس کے پاک نمونہ کو اختیار کریں جو نوع انسان کا سب سے بڑا ہمدرد اور خیرخواہ اور سب سے بڑا سچا محبّ وطن تھا اور وہ نمونہ کیا ہے کہ جب آپ بڑے مرتبہ کو حاصل کر سکتے تھے۔ آپ نے عاجزی اور فروتنی اختیار کی۔ اور جب وہ اُن کو جنھوں نے اسے دکھ دیئے تھے سزا دے سکتا تھا۔ ان کی بدی کا عوض معافی سے دیا +

دشمنوں سے پیار
کا
عملی ثبوت

اسلام کی بڑی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ دُوسرے مذاہب کی اس تعلیم کو بھی جو ان مذاہب میں موجود تو تھی۔ مگر عمل میں نہیں آئی اور نہ عمل میں آنے کے قابل سمجھی گئی عملی جامہ پہنادیا۔ اور اس طرح بھی پایا جاتا۔ مگر وہ عموماً الفاظ تک ہی محدود رہا ہے۔ اسلام نے محض لفظوں پر زور دینے کی بجائے اس کو عمل میں داخل کر دیا ہے۔ انجیل کے یہ الفاظ کیسے دلخوش کن نظر آتے ہیں "میں تمھیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو" مگر اس تعلیم کو ناقابل عملدرآمد ہی سمجھا گیا۔ اور عیسائی مذہب کی تاریخ بھی اسی پر شاہد ہے کہ یہ فقرہ جو ظاہر طور پر بڑا دلکش نظر آتا ہے۔ حقیقی طور پر اس نے دلوں میں جگہ نہ پائی۔ اور نہ ہی خود حضرت مسیح علیہ السلام نے کوئی عملی راہ اس کے لیئے تجویز کی کہ کیونکہ دشمنوں سے پیار کیا جائے اور نہ فرق کر کے بتایا کہ کون سا موقعہ کسی دشمن کے ساتھ پیار کرنے کا ہے۔ اور کونسا وہ موقعہ ہے کہ اس وقت دشمن کے

ساتھ پیار کرنے کا ہی اور کونسا وہ موقعہ ہے کہ اس وقت دشمن کے ساتھ دشمن کا سلوک بھی
کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر موقعہ پر دشمن کے ساتھ پیار کرنا نہ کسی انسان سے آج تک
ہوسکا اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ حضرت مسیح کے دل میں شاید ایسے خیالات ہوں کہ وہ اس تعلیم کے
عملی پہلوؤں پر کچھ روشنی ڈال کر اس کو قابل عمدرآمد بنائیں۔ مگر ان کا وہ فقرہ کیسا صحیح ہے کہ
میں ساری باتیں تم کو نہیں بتا سکتا۔ ہاں جب تسلی دھندہ یا روح حق آئے گی تو وہ تم کو ساری
راہیں بتائے گی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کا قلب اس بات کو محسوس کر
رہا تھا۔ کہ ان اعلےٰ درجہ کی تعلیموں کی اصلی تکمیل کا اور ان کو عملی جامہ پہنانے کا وقت ابھی
نہیں آیا۔ اور اس عظیم الشان کام کے لیئے اللہ تعالےٰ دُنیا میں کسی اور انسان کو بھیجنا چاہتا ہے
پس اُنھوں نے اس دلکش فقرہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ اور دشمنوں سے پیار کی عملی راہ بتانیوالے
کے لیئے انتظار کرنے کو کہا +

دشمنوں سے پیار واقعی بڑا پیارا فقرہ ہے۔ مگر حقیقی طور پر دشمن سے پیار کا ثبوت انسان
کس حالت میں دے سکتا ہے۔ ایک انسان دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔ بیکسی کی حالت میں
ہے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے قابل ہی نہیں۔ وہ تکلیف پہنچائیں تو اس کے لیئے سوائے اسکے
چارہ نہیں کہ اُسے برداشت کرے۔ ایسی حالت میں برداشت تو ہر انسان کو کرنی پڑتی ہے۔
ہاں جو انسان باوجود اس سلوک کے ان دشمنوں سے دل میں بغض نہ رکھتا ہو۔ وہ بیشک نسبتاً
ایک اعلےٰ مقام پر ہے۔ مگر قلبی کیفیات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا جب تک کہ عملی حالت اس
پر شہادت نہ دے۔ اور اس لیئے ایسا انسان یہ کہنے کا حقدار نہیں۔ کہ میں اپنے دشمنوں
سے پیار کرتا ہوں۔ بلکہ یہ صرف مونھ کے لفظ رہ جاتے ہیں۔ دشمن سے پیار کے عملی ثبوت کا
وقت وہ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کو دشمنوں نے سخت دکھ پہنچائے۔ تکلیفیں دیں مصیبتوں
میں ڈالا۔ اس کے ساتھ دشمنی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ پھر اس کے بعد اس
شخص کو موقعہ ملے کہ اس کے سامنے اُس کے دشمن ایسی ہی بیکسی کی حالت میں ہیں جیسے
وہ خود کبھی اُن کے سامنے بیکسی کی حالت میں تھا۔ اور اس کو یہ قدرت حاصل ہو۔ کہ
اپنے دشمنوں کو ان دکھوں اور تکلیفوں کو جو اُنھوں نے پہنچائے تھے قرار واقعی سزا دے

ایسی حالت میں اگر بجائے سزا دینے کے وہ انعام دے۔ بجائے تکلیف پہنچانے کے آرام پہونچائے۔ تو بیشک وُہ انسان اس قابل ہے۔ کہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ اُس نے دشمنوں سے پیار کیا۔ لیکن ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ نہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ آپ کے حواریوں کو یہ موقعہ اس زندگی میں ملا۔ کہ وہ اس طرح دشمنوں سے پیار کا کوئی عملی نمونہ دکھاتے۔ اور اس لیئے اُن کی تعلیم نری لفظوں میں ہی رکھی رہ گئی۔

لیکن ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے یہ موقع دیا۔ کہ آپ نے پہلے دشمنوں کے ہاتھ سے خطرناک دکھ اُٹھائے۔ آپ کے صحابہ کو گھروں سے نکالا گیا۔ بعض کو قتل کیا گیا بعض پر خطرناک مظالم کیئے گئے۔ اس حالت میں آپ نے سب دکھ اُٹھائے۔ پھر دوسرا موقعہ آپ کو یہ دیا گیا کہ وہی ظالم دشمن سب کے سب آپ کے ہاتھ سے مغلوب ہوئے۔ خود تائب نہیں ہوئے۔ بلکہ جنگوں میں مغلوب ہو کر آخر مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ اب وہ جس کو دکھ دیا گیا جس سے خطرناک دشمنی کی گئی جسکو دنیا سے مٹانیکی کوشش کیگئی۔ وہ بادشاہ ہے اور اُسکے سامنے وہ سارے ظالم ٹھیک مجرموں کی طرح حاضر اور اپنے گناہوں کے اقراری ہیں۔ اسوقت آپنے ان کو معاف کر کے اسبات کا ثبوت دیا کہ یہ دشمنوں سے پیار کا عملی طریق ہے۔ اور اسی پر بس نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیئے یہ تعلیم دیگئی کہ وہ اسطرح سے اپنے دشمنوں کے ساتھ پیار کا عملی ثبوت دیتے رہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ واتی المال علی حبہ ... فی الرقاب۔ یعنی نیکی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت کیلیئے ان دشمنوں کو قید سے آزاد کرنیکے لیئے اپنا مال خرچ کرے جنکو جنگ میں قید کیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی حکومت کو یہ ہدایت کی کہ بیت المال میں سے بھی ایک حصہ قیدیوں کے آزاد کرنے پر صرف کیا جائے۔ کیا پاک تعلیم ہے کہ اگر لفظوں کو تلاش کرو تو وہ تو انجیل میں ملیں گے لیکن عمل چاہو تو اسکی طرف قرآن ہدایت کریگا۔ خدا کے پاک کلام نے چاہا کہ اسلام کی تعلیم نری لفاظی نہ ہو۔ اس لیئے دشمنوں سے پیار کی اعلےٰ سے اعلےٰ عملی راہ سکھا کر نام تک بھی نہیں لیا تا کہ انسان اس پر جھوٹا فخر نہ کرے۔ ہاں یہ فرمایا کہ اللہ کی محبت کے لیئے ایسا کرو۔ کیونکہ اللہ کی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ اُس کی مخلوق میں سے اس کے ساتھ بھی احسان کیا جائے۔ جسکے ساتھ انسان کی خواہشات احسان اور پیار کی بجائے سزا کے معاملہ کے متقاضی ہیں +

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ۔ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ہے۔ اردو قیمت دس آنے (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو۔ قیمت بارہ آنے .... (۱۲/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو۔ قیمت چار آنے .... (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے .... (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام حضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت (۲/)

بنگال کی دلجوئی انگریزی اردو فی کتاب قیمت ایک آنہ (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور تین عدد انگریزی قیمت تین آنے ... (۳/)

مسلم اٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار۔ اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ...... (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳ - ۱۹۱۴

انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (۵/) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (۵/)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت صرف ایک روپیہ ... (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو (۴/)

نکات القرآن حصہ دوم " " " (۶/)

عصمت انبیاء (۸/) غلامی " " " (۲/)

دی ٹرن او یکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت (۱۲/)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل ایم۔ ایس (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ مصنفہ جناب ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ایم۔ایس (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا۔ انگریزی (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشیلزم " " " (۱عہ)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت۔ (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے قیمت ایک روپیہ (عہ)

حدوث مادہ " " " " چار آنے (۴/)

جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت تین روپے .... (سے)

مینیجر اشاعت اسلام عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں*

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی-اے-ایل-ایل-بی) و مولوی صدر الدین (بی-اے-بی-ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء | نمبر (۵)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اپریل ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات ۱۹۳ - (۲) ایک اسلامی یادگار ۱۹۸ - (۳) غیر معقول عقیدے ۲۰۲
(۴) چند خصوصیات اسلامی ۲۰۷ - (۵) ایک اعلیٰ خاندان کی لیڈی کا قبول اسلام
۲۱۲ - (۶) بلاد غیر میں اشاعت اسلام کا کام آئندہ کس طرح چل
سکتا ہے ۲۱۷ - (۷) حضرت مسیح کا مذہب کیا تھا ۲۳۰

... مئی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اہتمام سے ... لاہور ... چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ تین روپے

MUHAMMAD NASRULLAH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ مئی ۱۹۱۶ء نمبر (۵)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جس معزز انگریز نومسلم کی تصویر شائع ہوتی ہے اور جو انگریزی فوج میں کپتان کے عہدہ پر ہیں۔ ان کا نام نامی البرٹ آرم سٹرانگ میکلالن ہے۔ جن کے اسلام لانے کا اعلان" گذشتہ رسالہ میں ہو چکا ہے ان کا اسلامی نام محمد نصر اللہ رکھا گیا ہے ان کا اپنا دستخطی اعلان اسلامک ریویو کے اپریل نمبر کے ساتھ شائع ہوا ہے جو بالفاظ ذیل ہے +

میں البرٹ آرم سٹرانگ میکلالن ولد پادری الگزنڈر میکلالن اس اعلان کے ذریعہ سے برضا ورغبت خود اپنے ایمان اور سچے دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے لیئے مذہب اسلام اختیار کرتا ہوں۔ اور کہ میں صرف ایک اللہ کی پرستش کروں گا۔ اور کہ میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کے رسول اور اس کے بندہ ہیں اور کہ میں سب انبیاء ابراہیم موسےٰ عیسےٰ علیہم السلام وغیرہم کی یکساں عزت کرتا ہوں اور کہ میں اللہ تعالےٰ کی مدد سے ایک مسلم کی زندگی بسر کروں گا +

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

دستخط۔ اے۔ اے میکلالن کپتان۔ آر آف او آرنڈ سٹر فیوزلیر عمر بتیس سال

مارچ کے مہینہ میں **تین انگریز مرد داخل اسلام ہوئے** یعنی ایک مسٹر ڈی مل جو سیلون کے رہنے والے ہیں اُنھوں نے اپنا اسلامی نام جمال الٰہی تجویز کیا ہے۔ اور دو اور انگریز افریقہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جو مغربی افریقہ کے باشندے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام مود مسٹر ہے۔ اور اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا ہے اور دوسرے کا نام سیوطی ہے۔ اور اسلامی نام عبدالصمد تجویز ہوا ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے اعلان اسلام کے فارم کے علاوہ بڑے بڑے اخلاص کی چٹھیاں مولوی صدرالدین صاحب امام مسجد ووکنگ کے نام لکھی ہیں +

خدا کے فضل سے اسلامک ریویو کا دائرۂ تبلیغ انگلستان تک محدود نہیں۔ بلکہ انگلستان پھر کم و بیش یورپ کے دیگر ممالک میں پھر دیگر ممالک عالم میں اس کا اثر روز بروز پھیل رہا ہے اور اس وقت تک فرانس، بلجیم، اٹلی روس کے بعض اعلیٰ طبقہ کے اشخاص کے علاوہ امریکا اور افریقہ میں بھی نومسلم ہوئے ہیں بلکہ آسٹریلیا اور ایشیا پر بھی اثر ہوا ہے۔ اگر کوئی نقص ہے تو صرف اس کی اشاعت کی کمی۔ اس میں شک نہیں کہ محض اشاعت اس وقت تک زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اسکے ساتھ ایک مرکز قایم نہ ہو۔ جہاں لوگوں سے میل ملاقات پیدا کی جائے اور اُن کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوں اُن کے بھی جواب دیئے جائیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بغیر ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کے تبدیل مذہب کی امید رکھنا بے فائدہ ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسلامک ریویو دور دور کے ملکوں سے بھی مستعد طبیعتوں کو اپنی طرف اس زور سے جذب کر رہا ہے کہ بغیر کسی اور محرک کے وہ اسلام کے اندر داخل ہو رہے ہیں اور اس طرح پر اس بات کا ثبوت مل رہا ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیئے کس قدر وسیع میدان پڑا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ کے لیئے مرکز قایم ہوسکتے ہیں +

خود انگلستان کے اندر کس طرح پر اندر ہی اندر اسلام گھر کر رہا ہے۔ تعجب آتا ہے۔ ۹ فروری ۱۹۱۶ء کے ایک خط میں مولانا مولوی صدرالدین صاحب نے ایک واقعہ اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ کس طرح ایک نوجوان خاتون نے جس کا نام مس ڈے بورن تھا۔ مرتے وقت اپنے اسلام کے ساتھ

تعشق کا اظہار کیا۔ یہ نوجوان خاتون اپنی والدہ سمیت کچھ دن برابر ہر ہفتہ لیکچر میں آتی رہیں۔ ان کے پہلے مسجد میں آنے کی وجہ جو انھوں نے خود بیان کی یہ ہوئی کہ ماں بیٹی گرجا جا رہی تھیں مگر وہاں زیادہ دیر ہوگئی۔ قریب ہی مسجد دیکھ کر انھوں نے کہا کہ چلو آج اس کو ہی دیکھ لیں۔ کہ مسلمانوں کا مذہب کیسا مضحکہ خیز ہے۔ مسجد کے اندر آئیں تو پہلے ہی دن توحید کے لیکچر نے ایسا ان کے دلوں کو پکڑا کہ وہ سمجھ گئیں کہ حقیقی توحید صرف مسلمانوں کے پاس ہے اور جس کو وہ اتنک سچا مذہب سمجھ رہی تھیں۔ وہ درحقیقت شرک اور باطل ہے۔ کئی اتوار لکچروں میں شمولیت کے بعد ان کی آمد و رفت یکمرتبہ بند ہوگئی۔ آخر کچھ عرصہ بعد ایک دن اس خاتون کے والد مسجد میں آئے اور انھوں نے یہ بیان کیا کہ مس ڈے بورن چھ ہفتہ بیمار رہ کر انتقال کر گئیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ساری بیماری میں وہ آپ کا ذکر کرتی رہیں۔ اور عشا کی نماز کے وقت اذان کو توجہ سے سنتی تھیں اور خیال کرتی تھیں کہ اب میرے سینہ سے خون آنا بند ہو تو مسجد میں جاؤں۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ اس موقعہ پر جو ہمدردی کا اظہار اہل مسجد کی طرف سے ہوا اس کا اقرار اس خاتون کے والد نے وہاں کے مقامی اخبارات میں کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پاک پیغام کس طرح اندر ہی اندر دلوں کو مسخر کر رہا ہے۔ اور عجیب نہیں کہ کسی وقت اس کا اثر ہم کو یدخلون فی دین اللہ افواجا کے رنگ میں نظر آئے +

اسلام کی تاریخ میں اس قسم کے صدہا واقعات پائے جاتے ہیں کہ کس طرح ظاہر مخالفت کے ہوتے ہوئے اسلام اندر ہی اندر طبائع پر اپنا نیک اثر ڈالتا رہا۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی اعلےٰ درجہ کی مثال ملتی ہے۔ ایک طرف تو اہل مکہ خطرناک مخالفت کرتے مسلمانوں کو دکھ دیتے مارتے گھروں سے نکالتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے دل گویا اسلام کے پاک اثر سے کھائے جا چکے تھے اور کثرت سے لوگ اس کی صداقت کے معترف تھے۔ چنانچہ جب بڑے بڑے سردار جو مخالفت کرتے تھے مر گئے تو لوگ جوق در جوق اسلام کے اندر داخل ہونے شروع ہوئے ادھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہو رہا ہے۔ ادھر انہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے ہیں خالد بن ولید احد کی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف سپہ سالار بن کر جنگ کرتا ہے۔ اور فتح مکہ میں ایک دستہ فوج اسلامی کا سردار ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم ایسی پاک اور ایسی فطرت انسانی کے تقاضوں کو

پورا کرنے والی ہے کہ سعید الفطرت لوگ کسی قوم کے بھی ہوں بہت جلد اس کی پاک تعلیم سے متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہی واقعہ آج انگلستان میں ہو رہا ہے۔ بہت لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔ مگر اسلام کی صداقت ان کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے +

مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان تبلیغ اسلام کے فرض کی طرف سے بالکل غافل ہو بیٹھے ہیں۔ یہ غفلت ایک مدت سے طاری ہے۔ اور اس لیئے شاید یہ خیال بھی مسلمانوں کے دلوں سے اُٹھ گیا ہے کہ اسلام کے اندر کیسی طاقت اور کیسا جذب ہے۔ قرآن سے بیگانہ اور ناآشنا ہو کر اسلام کی خوبیوں کا دل میں کیا خیال باقی رہ سکتا ہے۔ مگر اس وقت خدا تعالے نے وہ اسباب بھی پیدا کر دیے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی خوبیوں اور اسلام کی قوت جذب کا عملی ثبوت دیدیا ہے۔ اور دکھا دیا ہے کہ کوئی شخص اسلام کے منور چہرہ سے پردہ اُٹھانے کیلیئے تیار ہونا چاہیئے۔ اس پر فدا ہونے والے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہی حقیقی جہاد تھا۔ اسی کا نام اللہ تعالے نے جہاد کبیر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کے حقایق سے دنیا کو آگاہ کرنے کے متعلق ہی فرمایا وجاھدھم بہ جھاداکبیرا۔ اسی جدوجہد میں مسلمانوں کی زندگی تھی۔ کہ وہ اپنی تبلیغی کوششوں کو بڑھاتے چلے جاتے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اسباب سے بھی لاپرواہیں +

خدا تعالے نے تو اشاعت اسلام کا حق ہر ایک مسلمان کے مال میں فرض کے رنگ میں بھی رکھدیا تھا۔ علاوہ اس سے جو جہاد کی ترغیب بار بار دلائی۔ جس سے حقیقی مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہی ہے نماز کا قایم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ایسے ضروری اصول ہیں کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر توحید الٰہی کے اقرار کے ساتھ کیا ہے۔ گویا ایک مسلمان کی عملی زندگی ان دو کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے سب بڑے بڑے کام اس زکوٰۃ سے نکلتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کی حالت گرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلا انقلاب یہ بھی نظر آتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیطرف سے مسلمان غافل ہونے لگے۔ اور آہستہ آہستہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اب شاید بہت سے مسلمانوں کو یہ معلوم بھی نہیں کہ یہ کیسی ضروری چیز ہے۔ اور جو اس فرض کو ادا کرتے بھی ہیں وہ اپنی جگہ خود

جس طرح چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں روپیہ صرف کردیتے ہیں۔ اور اپنے دل میں ہی فرض کر لیتے ہیں کہ فلاں رقم جو ہم نے فلاں مسکین کو دی وہ زکوٰۃ کا ہی حصہ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مختلف مصارف قرار دیئے ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان سب مصارف میں کچھ نہ کچھ حصہ زکوٰۃ کا جائے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ زکوٰۃ کے مختلف مصارف میں ایک مصرف والعاملین علیہا بھی ہے یعنی زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کی تنخواہیں بھی ادا کیجانی چاہئیں جو زکوٰۃ کو جمع کرنے پر مقرر ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا منشا یہی تھا کہ زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو اور وہاں سے مناسب طریق پر خرچ ہو نہ کہ ہر شخص بجائے خود جس طرح چاہے زکوٰۃ کو صرف کردے۔ زکوٰۃ کا فریضہ کس قدر اہم فرائض میں سے ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کے شروع میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی جنھوں نے زکوٰۃ کا روپیہ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور قرآن کریم میں زکوٰۃ کے نہ دینے والوں کے متعلق بڑے سخت وعید آئے ہیں۔ جو شخص اس دُنیا کے چند پیسوں سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے۔ وہ پیسے بھی اُس کے لیئے برکت کا موجب نہیں ہوتے +

منجملہ دیگر مصارف زکوٰۃ کے دو مصرف یہ بھی ہیں ایک المؤلفۃ قلوبھم۔ دوسرا فی سبیل اللہ اوّل الذکر مصرف سے یہ مراد ہے کہ جب لوگوں کو تبلیغ اسلام کی جائے تو ایک گروہ ان میں ایسا پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسلام کی باتوں کو سُننا چاہتا ہے۔ اور سمجھنا چاہتا ہے۔ ان کے لیئے ایسے موقع پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ سن سکیں۔ اور دوسرے مصرف سے مراد صاف اشاعت و تبلیغ اسلام کے اخراجات ہیں۔ حتیٰ کہ مجاہد یعنی وہ شخص جو اشاعت و تبلیغ اسلام کے کام میں مصروف ہیں۔ اس کو خواہ وہ صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ دینی جایز ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنی ضروریات پر نہیں بلکہ دین کی ضروریات پر خرچ کرتا ہے۔ یہ دو مصرف زکوٰۃ کے ایسے ہیں کہ اس وقت ووکنگ مشن کے ذریعہ سے یہ ہر دو اغراض پوری ہو رہی ہیں۔ اس لیئے ہم اپنے ناظرین کو یہ توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنوائیں۔ یہ وقت ہے کہ ہر ایک تبلیغ اسلام کے لیئے دل میں درد رکھنے والا مسلمان اپنے حلقۂ اثر میں یہ تحریک کرے کہ زکوٰۃ کا روپیہ یا کم سے کم اس کا ایک معقول حصہ ووکنگ مشن کی امداد کے لیئے دیا جائے۔ اور مستورات میں بھی یہ تحریک کی جائے۔ کیونکہ مستورات کے پاس

کچھ نہ کچھ مال ایسا ضرور ہوتا ہے جو زکوۃ ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے +

اسلام کے شیدائیو۔ اُٹھو اور اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے لیئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو اس امر کی طرف پورے زور سے متوجہ کرو کہ وہ اس کام میں جس کو اللہ تعالےٰ نے اس قدر برکات سے مالامال کیا ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے سینکڑوں دلوں میں اسلام کا نور پیدا کر دیا ہے اور ہزاروں میں اسلام کے ساتھ محبت اور ہمدردی پیدا کر دی ہے۔ اعانت کیلیئے کھڑے ہو جائیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ اُنھوں نے بہر حال نکالنا ہے۔ کیوں نہ اُس کو اعلےٰ سے اعلےٰ مصرف یعنی اشاعت اسلام پر لگایا جائے۔ مسلمانوں میں دینے والے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ جو لوگ اس کام سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنے اپنے حلقہ احباب میں تحریک کرکے اس تجویز کو پورے طور پر کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا تھوڑا سا حصہ بھی اشاعت اسلام پر صرف ہونے لگے تو بیسیوں مشن اس کے سر پر قایم ہو سکتے ہیں +

ایک اسلامی یادگار

عنوان بالا کے ماتحت لارڈ ہیڈلے نے ایک تجویز لنڈن میں ایک مسجد قایم کیئے جانے کے لیئے ولایت کے اخبارات میں شائع کی ہے۔ اور اس تجویز کو گورنمنٹ کے سامنے بھی پیش کیا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ گورنمنٹ نے ہمیشہ ان جانبازدلاوروں کی یادگاریں کسی نہ کسی رنگ میں قایم کی ہیں۔ جنھوں نے اپنی جانوں کو گورنمنٹ کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ اور اس لیئے اپنی نوعیت میں یہ کوئی نرالا مطالبہ نہیں۔ ہاں لارڈ ہیڈلے کے دل میں جو اسلام کی تڑپ ہے اُس کا اظہار اُن کی اس تجویز سے ضرور ہوتا ہے ۔ وہ مسلمان سپاہیوں کی وفاداری

کی یادگار کو کسی بے فائدہ عمارت کی صورت میں دیکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ایک ایسے رنگ میں اسے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو اسلام کی حقیقی یادگار کہلا سکتی ہے۔ اور جس کا عملاً مسلمانوں کو ایک عظیم الشان فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کے دار الخلافہ میں جو قریباً دس کروڑ مسلمانوں پر حکمران ہے۔ ایک مسجد یا اسلامی معبد کی تجویز تو درحقیقت یادگار کے خیال سے علیحدہ کر کے بھی ایک ایسی تجویز ہے کہ جس کی مدبران ملک کو ضرور قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جس صورت میں اس وقت لندن اس وسیع سلطنت کا ایک عظیم الشان مرجع بنا ہوا ہے تو اس کے اندر اس کی رعایا کے مختلف مذاہب کے معبد درحقیقت اس سلطنت کی عظمت و شوکت کی دلیل ہونگے اور یہی وجہ ہے کہ لارڈ ہیڈلے نے سچی اسلامی وسیع الخیالی سے مسجد کی تجویز کے ساتھ ایک ہی ہندوؤں اور سکھوں کے معبد کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ اسلام تو درحقیقت سارے مذاہب کے معبدوں کی یکساں قدر کرتا ہے۔ اور سب سے پہلے جو مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تو اس لیئے نہیں کہ وہ صرف مساجد کی حفاظت میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ان کو انہدام سے بچائیں۔ بلکہ اس لیئے کہ ہر ایک مذہب کے معبدوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ وہ آیت قرآنی جو اسلام کی اس وسعت خیالی اور بلند نظری پر شاہد ہے کہ کس طرح وہ سب مذاہب کو یکساں آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اور کس طرح سب کے معبدوں کو باقی رکھنا مسلمان کا حقیقی فرض بتاتا ہے۔ حسب ذیل ہے:۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم اللہ كثيرا۔ اگر اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے روک نہ دیتا تو راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے منہدم کر دیئے جاتے۔ یہاں روکنے والے مسلمان ہیں جن کو اس سے ما قبل کی آیت میں جنگ کی اجازت دیجاتی ہے۔ جیسا کہ اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان اللہ علی نصرهم لقدیر سے ظاہر ہے اور گرجاؤں اور معبدوں اور مساجد کے انہدام کے

درپے اسلام کے دشمن ہیں۔ پس مسلمانوں کو گویا ان سب معبدوں کی حفاظت کے لیئے کھڑا کیا گیا۔ اور یہ اسلام کی نمایاں خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت ہے کہ دوسرے کسی مذہب نے اس قدر وسعت خیالی کا ثبوت نہیں دیا۔ گو قرآن بار بار یہی فرماتا ہے کہ سچا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور اسلام کے سوائے جو شخص مذہب اختیار کرے گا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔ مگر با ایں سب معبدوں کی حفاظت کرنا ایک مسلمان کا فرض قرار دیتا ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ تعلیم لفظوں ہی میں قرآن کے اندر موجود ہے بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی دکھا دیا کہ ایک مسلمان سب مذاہب کے معبدوں کا محافظ ہے۔ چنانچہ جو معاہدہ آپ نے عرب کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اس میں ایک یہ فقرہ بھی ہے "علاوہ بریں یہ بھی مسلمانوں کا فرض ہوگا۔ کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں کی مرمت کریں۔ اور یہ مرمت کا خرچ ان کے ذمہ بطور قرضہ نہیں ہوگا۔ بلکہ محض خدا کی رضا کے لیئے اور اس معاہدہ کو پورا کرنے کے لیئے جو رسول اللہ نے ان کے ساتھ کیا ہے" اس سے بڑھ کر فراخدلی کا ثبوت دنیا میں اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہبی پیشوا ہے۔ جس نے دوسرے مذاہب کے معبدوں کی مرمت کو اپنے پیرؤوں کا فرض قرار دیا ہو۔ غرض لارڈ ہیڈلے صاحب کی یہ تجویز اس قابل ہے کہ امید ہے نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی اس کی پورے زور سے تائید کریں گے۔ اور اس طرح پر یہ ایک نہیں بلکہ تین یادگاریں برٹش گورنمنٹ کی مذہبی پالیسی کی آزادی پر ہمیشہ کے لیئے گواہ رہیں گی +

ذیل میں لارڈ موصوف کا اصل مضمون درج کیا جاتا ہے۔ جو انھوں نے اخبار ڈیلی گریفک کے نام بھیجا ہے۔ اور اخبار مذکور میں شایع ہوا ہے۔ ڈیلی گریفک کے علاوہ یہ مضمون اور بھی ولایت کے اخبارات میں کثرت سے شایع ہوا ہے +

بخدمت ایڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی گریفک۔

جناب من چند ہفتے ہوئے کہ میں نے محکمہ جنگ اور انڈیا آفس میں ایک تجویز پیش کی تھی۔ کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی بہادری اور وفاداری کی قدردانی کے اظہار کے لیئے ایک مسجد

ان مسلمان سپاہیوں کی بہادری کی یادگار میں قایم کی جائے۔ جو سلطنت کی حفاظت کے لیئے جنگ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں اور جو اب اس سرزمین میں جس کی خاطر انھوں نے اپنی جانیں دیں یا اور سرزمینوں میں اپنے گھروں سے ہمیشہ کے لیئے دُور ہو کر سو رہے ہیں۔ ان ہمّت افزا جوابوں سے جو مجھے موصول ہوئے ہیں مجھے یہ یقین کامل ہو گیا ہے کہ گورنمنٹ کو اس تجویز کی معقولیت کا احساس پورے طور سے ہو چکا ہے۔ اور تمام وُہ لوگ جو ہمارے اسلامی بھائیوں کی محبّت کرنے والی سرشت سے آگاہ ہیں وُہ آسانی سے اِس بات کو سمجھ لیں گے۔ کہ ایسی قدردانی بہت ہی مفید اور قیمتی ثابت ہوگی اور اس زنجیر میں جو ہم کو ہماری مشرقی سلطنت سے وابستہ کرتی ہے۔ ایک اور کڑی کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور اس طرح تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی قدردانی کا اظہار سکھوں اور دوسرے ہندوؤں کے لیئے بھی ہونا ضروری ہے تاکہ اس وجہ سے حاسدانہ خیالات پیدا نہ ہوں۔ اس بات کے لیئے بہت سی قابل قدر وجوہ ہیں کہ کیوں یہ کام ابھی شروع ہو جانا چاہیئے۔ اور جنگ کے خاتمہ تک اس کا التوا نہ ہونا چاہیئے۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ عام ریلیف فنڈ سے اس قسم کی یادگار قایم نہ ہونی چاہیئے اور نہ ہی میرا اس طرف اشارہ کرنے کا منشا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سب قوم کے خرچ سے تیار ہو۔ اور میری یہ آرزو ہے کہ گورنمنٹ ایک معقول رقم اس خرچ کے لیے منظور کرے میں بہت خوش ہونگا اگر آپ کے ناظرین اس کے متعلق کچھ تجاویز کریں۔ تاکہ ہم گورنمنٹ کی ہر ممکن طریق سے مدد کر سکیں +

رائل سوسائٹیز کلب — آپ کا صادق

سینٹ جیمس سٹریٹ ایس ڈبلیو — ہیڈلے (الفاروق)

۱۵- مارچ

غیر معقول عقیدے

(از لارڈ ہیڈ لے ۔)

ایک چٹھی میں جو حال ہی میں میں نے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی جو کلیسائے انگلستان کا ایک عہدیدار ہے ۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ مذہب اسلام میں اس قسم کی مذہبی رکیں اور تعصب جو غیر معقولیت سے پیدا ہوں نہیں پائی جاتی ہیں ۔ جیسے ہم دوسرے مذاہب میں پاتے ہیں ۔ جواب میں انھوں نے مسجد سے یہ دریافت کیا ہے کہ تعصب سے اور غیر معقول تعلیم سے میرا کیا مطلب ہے اور یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا اسلام اپنی تعلیم میں اسی قسم کی مذہبی قیود عاید نہیں کرتا اور اسی طرح اپنی تعلیم نہیں منواتا جس طرح دوسرے مذاہب ۔ اس چٹھی کے جواب میں جو محبت کے رنگ میں لکھی گئی ہے ۔ میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ غیر معقول تعلیم سے میرا کیا منشاء ہے ۔

عیسائی مذہب مجھے یہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سب چیزوں پر قادر سب باتوں کو جاننے والا سب پر رحم کرنے والا ہے اور سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے محبت اور پاکیزگی میں غیر محدود ہے مجھے یہ بھی تعلیم دیجاتی ہے کہ اس نے ساری چیزیں آسمان اور زمین کی پیدا کیں ۔ اور کہ اُس نے انسان کو جو اس کے تمام عجائب کاموں میں سے عجیب تر ہے اپنی شکل پر بنایا ۔ یہ سب کچھ اسلام کے مطابق ہے ۔

مگر اس سے آگے چل کر عیسائیت مجھے یہ بتاتی ہے کہ خدا کا ایک اکلوتا بیٹا تھا ۔ اور کہ نسل انسان کی کمزوریوں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے جن کمزوریوں سے وہ بوجہ خالق ہونے کے پورے طور سے واقف تھا ۔ اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ نسل انسانی پر اپنے غضب کو دور کرنے کے لیئے اس اکلوتی بیٹے کو مروا ڈالے ۔ حالانکہ وہ بیٹا خود خدا اور روح القدس بھی تھا ۔ اب اس فعل کے نیچے وہی پرانے مشرکانہ خیالات موجود ہیں ۔ کہ کس طرح ایک غضبناک خدا یا دیوتا کی مہربانی قربانی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے ۔ یہ ساری تعلیم اسلام کے مطابق نہیں +

اس بات پر ہے اور یہی ہمارے خیال میں اسلامی تعلیم کا لب لباب ہے کہ اللہ تعالے کی کامل محبت اور اُس کی رضا کا اپنے آپ کو کامل فرمانبردار بنایا جائے جس میں لازماً یہ شامل ہے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ کامل درجہ کی ہمدردی ہو۔ یقیناً ایسے مذہب کو غیر معقول نہیں کہا جا سکتا *

دو سال سے زیادہ کا عرصہ گذرتا ہے۔ جب مینے علانیہ اسلام میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ تو میرے بعض رشتہ داروں نے مجھے خطوط لکھے جن میں مجھے یقین دلایا گیا۔ کہ اگر میں مسیح کی خدائی پر ایمان نہ لاؤں تو میں نجات نہیں پا سکتا۔ جواب میں مینے اس طرف توجہ دلائی کہ میری رائے میں مسیح کی خدائی کا سوال ایسا اہم نہیں جیسا کہ یہ دوسرا سوال کہ کیا مسیح نے خدا کے پیغام لوگوں کو پہنچائے ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک نبی تھا۔ اور اُس نے پیغام رسالت دنیا میں پہنچایا۔ جس کے پیچھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی آئی جس نے اپنے پیغام ایسطرح دنیا کو پہنچائے۔ اعتقاد کے سوال پر غور کرتے ہوئے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا۔ کہ وہ خدا جو بڑا رحم کرنے والا ہے مجھے ہمیشہ کے جہنم کی سزا اس لیئے دے کہ میں ایک خاص مذہبی فرقہ مثلاً عیسائیت کے اعتقادات کو کیوں قبول نہیں کر سکا۔ مگر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ میرے اعمال بد کے لیئے وہ مجھے سزا دے۔ میرا دوست مجھ سے سوال کرتا ہے کہ کیا تم تو ہر ایک قسم کی بکواس تعصب جھوٹ مکر کمینگی ظلم بہتان وغیرہ کو ناقابل برداشت نہیں پاتے۔ یقیناً میں پاتا ہوں۔ مگر کیوں ایک ایسے مذہب کی تعلیم کو ہم برداشت نہیں کر سکتے جو ان سب باتوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

اسلام اور عیسائیت دونوں ان باتوں سے روکتے اور اُن کو بُرا بتاتے ہیں۔ مگر یہاں آکر فرق پڑجاتا ہے۔ اسلام ان لوگوں کے لیئے نجات کا دروازہ بند نہیں بتاتا۔ جو اللہ تعالے کے اور بندوں کے حقوق کو ادا کرنے والے ہوں۔ خواہ اُن کے خیالات دوسرے امور کے متعلق کچھ بھی ہوں۔ مگر عیسائیت دعوے سے کہتی ہے کہ نجات کا انحصار نیک کاموں پر نہیں بلکہ نجات ناممکن ہے جب تک کہ یہ نہ مانا جائے کہ مسیح خدا تھا۔ اور کہ وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اور کہ بپتسمہ اور عشائے ربانی وغیرہ کی رسوم ضروریات میں سے ہیں۔ اور خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں اور یہی فرق ہے۔ اسلام کے سادہ اور معقول اور وسیع تعلیم اور عیسائیت کے غیر معقول عقائد پر اصرار کرنے میں۔

پھر میں اپنے دوست کی چٹھی کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے

"ایسے بیانات جن پر منوانے کی قید صادر نہ ہو ذیل کی طرز کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ممکن ہے خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے مسیح خدا ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے خدا کی ذات میں ایک اقنوم ہو یا دو یا ایک ہزار۔ ہو سکتا ہے کہ محمد خدا کے نبی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن میں نری صداقت ہی صداقت ہو یا وہ غلطیوں سے پر ہو۔ ممکن ہے خدا پر ایمان لانا اور اسکی فرمانبرداری کرنا ضروری ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو تو کیا اس قسم کا مذہب جس کی بنا اس قسم کے بیانات پر ہو اس قابل ہے کہ کوئی انسان اسے قبول کرے یا دوسروں کے سامنے پیش کرے وہ مذہب جس پر برداشت کرنے والے مذہب کا نام صادق آسکتا ہے صرف ایسا مذہب ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے اعتقادات اور اعمال کو جائز رکھے اور کسی امر کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرے"

اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عیسائی اور مسلمان دونوں اس قدر پر ایمان لانے میں متفق ہیں کہ ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کہ ہمیں اس سے محبت کرنی چاہیئے اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے اور بنی نوع کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اختلاف کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ مسلمان کہتا ہے "میں اس سادہ ایمان پر مطمئن ہوں اللہ تعالےٰ ہمیشہ میرے ساتھ ہے بغیر کسی درمیانی واسطہ کے میں ہر وقت اس کی جناب میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ جو میں اس کی حمد کرتا ہوں جو میں نماز پڑھتا ہوں جو میں اس کے رحم کے لیئے دعائیں کرتا ہوں وہ سب کو سنتا ہے اور میرے گناہ معاف کرتا ہے" عیسائی کہتا ہے "نہیں یہ کافی نہیں۔ مجھے کچھ اور بکار ہے۔ پروہت ہوں۔ قربانیاں ہوں۔ رسومات ہوں۔ کفارہ ہو جو خدا کے اکلوتے بیٹے کی عارضی موت سے پیدا ہو۔ پھر کنواریوں اور مقدس لوگوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور ایک کلیسیا ہو جس کو میں مسیح کی دولہن کہوں تاکہ مذہبی دنیا میں یہ قائم رہ سکے"

یہ وہ بات ہے جس کا نام میں غیر معقولیت سے منوانا رکھتا ہوں۔

عیسائی کلیسیا کی سب سے پہلی شاخ کی یہ تعلیم ہے کہ انسان کے لیئے بہشت کا رستہ ٹھیک اور مناسب طور سے اسی وقت کھلتا ہے جب پہلے ایک پروہت اسے کھولنے والا ہو۔ پھر کسی مقدس بزرگ کی امداد طلب کی جائے پھر کنواری مریم کی پھر مسیح کی اور آخر کار ان سب ذرائع سے

خدائے قادر کے کان تک ہماری التجا پہنچ سکتی ہے۔ مرتے ہوئے انسان کو صادر رحم کی رحمت الٰہی کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ اس دنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ گناہگار کو گناہ سے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے میسر آسکتی ہیں جس کے متعلق کم و بیش یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ بہشت کے دروازہ کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام غیر معقول باتیں ہیں جو انسان نے خود بنالی ہیں اور غیر ضروری ہیں۔ اسلامی اعتقاد کسی ایسے درمیانی واسطہ کو نہیں چاہتا کیونکہ ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ خدا کے ہونے کی وجہ سے ہم ہر وقت دن اور رات کے ہر لمحہ میں اس کے ہاتھوں میں ہیں۔

اس قسم کے اعتقادات میرے نزدیک ذرا بھی ہیبت ناک نہیں ہیں۔ اس قسم کی دھمکیاں ہیں جیسی پرانے زمانہ میں نیک نیت والدین جھوٹے طور پر بچوں کو دیا کرتے تھے تاکہ وہ ڈر کر فرمانبرداری اختیار کریں۔ پادری زود اعتقاد لوگوں پر اپنا قبضہ اسطرح جمائے رکھتا ہے کہ وہ ان کو ایک فرضی شیطان کی دھمکیوں سے ڈراتا ہے کہ گویا ایک غضب آلود خدا ہر وقت اس کو جھپٹ لینے کے لئے تیار ہے۔ یہ خشم آلود خدا گویا ایک ایسا دیوتا ہے جس کے سامنے ایک قربانی چڑھائی جا چکی ہے۔ مگر اس پر وہ مطمئن نہیں اور مزید قربانی چاہتا ہے۔ گویا علاوہ اس قربانی کے جو پہلی چڑھائی جا چکی ہے اور دلوں کی قربانی بھی کرنی ضروری ہے۔ اس سبب جنگ کے سارے مظالم اور خوفناک منظروں کے باوجود میں خدا کے انصاف اور رحم پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرا یہ اعتقاد ہو کہ خدا محض ایک راستہ کے عادل ہیں یا خلاف نور قلب ایک بات کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے ہم پر ڈالے تو میں اس کے رحم اور محبت پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ میں اچھے بچوں کو جیسے کہتا ہوں کہ خیال نہ ہو کہ میرے خیالات کیا ہیں اور میں نے اپنی قابلیت کے مطابق سب باتوں کی تشریح تمہارے سامنے کر دی ہے۔ اب اس کے بعد اگر تم یہ ایمان رکھنا چاہو کہ ہمارا باپ جو ہماری ماں ہے۔ پاک مسیح خدا ہے تو یہ ہی محبت میں جو تمہارے ساتھ ہے کمی نہیں ہوگی۔ مگر مجھے اس بات کا افسوس ضرور ہوگا۔

چند خصوصیات اسلامی

اسلامی کہاوتیں

۱- بسم اللہ الرحمن الرحیم -

مسلم کی زندگی کے بعض اہم ترین اور ضروری اصول چھوٹے چھوٹے فقروں کے لباس میں ہر ایک مسلمان کے سامنے آٹھوں پہر رہتے ہیں خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ عرب ہو یا ایرانی یا افغان یا ہندوستانی یا چینی یا ترک یا مصری - ایشیائی ہو یا یورپ افریقہ یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو - آج اسلام میں داخل ہوا یا نسلاً بعد نسل مسلمان چلا آیا ہو چونکہ یہ اصول چھوٹے چھوٹے جملوں کے رنگ میں ہیں اس لیے ان کا نام اگر اسلامی کہاوتیں رکھا جائے تو غیر موزون نہیں ہے - ان جملوں میں نہ صرف بعض زریں اصول زندگی ہی پوشیدہ ہیں جو انسان کو ہر حال میں کام دینے والے ہیں - بلکہ یہ جملے یہ اسلامی کہاوتیں اس وجہ سے کہ ساری اسلامی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور ہر ایک مسلمان گھرانے میں یکساں علم ان کا ہے اور ہر مسلم کی زبان پر یکساں پائے جاتے ہیں - درحقیقت اسلامی محبت و اتحاد کی اسی قدر ضمانتیں ہیں اس زنجیر اخوت کی اسی قدر کڑیاں ہیں جس کے اندر ساری دنیا کے مسلمان جکڑے ہوئے ہیں اور جو مشرق کے ایک مسلمان کے دل کو مغرب کے مسلمان کے دل سے ملاتے ہیں - یہ جملے تمام ملکی اور زمین کی حد بندیوں سے بالاتر قوم اور ذات کی قیود سے آزاد - رنگ اور زبان کے خلاف سے غیر متأثر ہیں اور وہ ایک مسلمان کی سچی وراثت ہیں - خواہ وہ ایک پررونق شہر میں - ہجوم کے اندر ہو یا اکیلا کسی جنگل میں ہو - درحقیقت ان کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے کہ خود دنیا کا

مسلم کی زندگی کے ان زریں ہدایت ناموں کو میں ان الفاظ سے شروع کرتا ہوں - جن سے قرآن کریم کی ابتدا ہے - اور جو وہ پہلا جملہ ہے جو ہر ایک ملک میں ہر ایک قوم میں ہر ایک گھرانے میں ہر ایک مسلم بچہ کو سب سے پہلے سکھایا جاتا ہے اور جن الفاظ کو ہر ایک مسلمان ہر کام اور بالخصوص اہم کاموں کی ابتدا میں دہراتا ہے - دنیا میں شاید کوئی مسلمان نہ ہوگا جو ان الفاظ سے

ناواقف ہو۔ اور وہ الفاظ کیا ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا اور بھی اختصار کرکے صرف بسم اللہ جسکے معنے ہیں۔ خدا کے نام سے۔ بسم اللہ ایک رنگ میں سارے قرآن کریم کا گویا خلاصہ ہے۔ کیونکہ سورہ فاتحہ کے سارے مطالب اجمالی رنگ میں بسم اللہ کے اندر موجود ہیں اور اسطرح پر گویا بسم اللہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ خود سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اسی لیئے اس کا نام ام القرآن بھی ہے۔ ان الفاظ کو کیوں ایک مسلمان کے ہر کام کی ابتدا میں لکھا گیا ہے۔ خود ان الفاظ کی ابتدا اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

انسان کی گری ہوئی حالت۔ ہاں ساری نسل انسانی کی تنزل میں جیسے جانے کی حالت کو مشاہدہ کرکے وہ انسان جو نسل انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد ثابت ہوا ہے۔ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم غار حرا کی کنج تنہائی میں عزلت گزین ہوا تا کہ ایک خلوص بھرے دل کے اندرونی رازوں کو اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھولے اور اس کی جناب میں گڑگڑائے اور گریہ وزاری کرے گو آپ نے صرف عرب اور شام کی پستی کا ہی مشاہدہ کیا تھا۔ مگر آپ کا پاک دل گویا کل قوموں کی بگڑی ہوئی حالت پر اطلاع پا چکا تھا۔ جیسا کہ بعد کے ان الفاظ سے جو آپ کے قلب مطہر پر نازل ہوئے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایک طرف اگر آپ اُن تاریکیوں اور جہالتوں ان بداعتقادیوں اور ناپاک اور ذلیل کاموں پر تاسف کرتے تھے تو دوسری طرف کوئی ایسی راہ بھی آپ کو نظر نہ آتی تھی کہ نسل انسانی کو اس گری ہوئی حالت سے باہر نکال سکیں۔ آپ کے ذرائع ایک اتنے بڑے کام کے لیئے کچھ بھی نہ تھے۔ آپ کا والد تو آپ کی پیدائش سے بھی چند ماہ پیشتر فوت ہو چکا تھا۔ ابھی چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد آپ کے دادا عبد المطلب بھی فوت ہو گئے۔ مال اور دولت آپ کے پاس نہ تھا۔ کہ کسی اصلاح کی بنیاد مال کے بھروسہ پر ڈالتے۔ علم آپ نے کوئی حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ آپ اُمّی یعنی ان پڑھ تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔ اس طرح پر اس عظیم الشان اصلاح کے لیئے جس کی تڑپ ایک سچے ہمدرد نوع انسانی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے آپ کے پاس کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ مگر اس کے پورا ہونے کا کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی

جس سے آپ ان لوگوں کو ان جہالتوں اور غلطیوں سے باہر نکال سکیں۔ اسی تڑپ اور اسی مشکلات کا نقشہ قرآن کریم نے سورۃ والضحیٰ میں ایک ہی لفظ میں کھینچ دیا ہے کیونکہ کوئی سامان آپ کے پاس تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ دکھادی۔ یہاں خیال سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپ کو اپنی کوشش سے۔ ہاں محض انسانی کوشش سے کوئی راہ نہ مل سکتی تھی۔ اور آپ حیران تھے کہ کیا ہوگا اور کس طرح دنیا سے تاریکی کا تسلط اٹھ کر لوگ حق کو قبول کریں گے کہ ناگہاں خدا کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور وہی روشنی ان تاریکیوں کے اندر آپ کی ہادی راہ ہوئی خدا کا فرشتہ ناموس اکبر جو ہمیشہ خدا کے پیغام اس کے برگزیدہ بندوں کو پہنچاتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو تاریکیوں سے باہر نکالے۔ آپ پر ظاہر ہوا اور سب سے پہلا پیغام یہی لایا کہ پڑھو۔ کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں کیونکہ پڑھنا تو آپ جانتے نہ تھے۔ اس لیئے آپ نے جواب میں یہی فرمایا ما انا بقاری۔ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرائے [illegible] آپ نے [illegible] یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی بات کا اعادہ ہوا کیونکہ جو شخص پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ کس طرح پڑھنے پر قادر ہو۔ اس لیئے ناموس اکبر نے چوتھی مرتبہ کہا اقراء باسم ربک الذی خلق اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ ان الفاظ میں کیا بجلی کی طاقت تھی۔ ہاں بجلی کی طاقت بھی اس کے مقابل ہیچ ہے۔ کہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم پاتے ہی وہ سب تاریکی دور ہو گئی وہ سب حیرت اور طبیعت کی کشمکش جاتی رہی۔ ایک لمحہ کے لیئے یہ خیال دل میں آیا کہ کیا کل عالم کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو میں سر پر اٹھا سکتا ہوں مگر باسم ربک نے ساری مشکلات کو حل کر دیا اور سارے بوجھوں کے پہاڑ کو اڑا دیا۔ اور ادھر حکم ملا ادھر آپ اصلاح خلق کے کام میں لگ گئے۔ وہ عظیم الشان کام جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے اپنی کوشش سے کرنا ایسا ناممکن تھا۔ کہ کبھی اس کے کرنے کا وہم بھی کسی کو نہ ہو سکتا تھا۔ وہ خدا کی مدد سے ایسا سہل ہو گیا کہ اب کوئی مشکل آپ کی راہ میں باقی نہ رہی۔ ہاں اس خدا کے نام کی مدد سے ہی جو ناممکن تھا ممکن ہو گیا۔

یہ ہے ان الفاظ کی ابتدا اور ان حالات [illegible] بسم اللہ [illegible] جس کے ساتھ قرآن کریم شروع ہوتا ہے۔ ایک مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ عظیم الشان کام جو فی الحقیقت ناممکن نظر آتا تھا۔ اس کو خدا کے نام نے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نے ایسا آسان کر دیا تو ایک مسلم کی زندگی میں وہ کونسی مشکل ہے جو ایسے خدا کے نام کی مدد سے دور نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کو

ووجدک ضالاً فھدیٰ - [illegible] راہ [illegible] دکھا دی

یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کام اس کی اپنی کوشش سے نہیں ہو سکتا وہ بسم اللہ سے ہو سکتا ہے
اور اسی لیئے اُسے تاکید ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے۔ وُہ بات جو انسان کو منزلِ
مقصود تک پہنچاتی ہے وہ جو اس سے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کرا سکتی ہے وہ کیا ہے
کامیابی کا یقین۔ یہ یقین کہ کوئی روک ایسی راہ میں ایسی نہیں جو دور نہ ہو سکے۔ اسی سے
انسان کے اندر وہ عزم پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح
اڑ جاتے ہیں وتکون الجبال کالعھن المنفوش اسی یقین کو پیدا کرنے کے لیئے اسے
بسم اللہ سکھائی گئی ہے۔ اور اسے بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کام کو ناممکن نہ سمجھے بلکہ خواہ
اس کی اپنی کوشش کسی کام کے مقابل میں کیسی ہی کمزور نظر آئے۔ اس کو اپنی کمزوری پر نہیں
بلکہ اس ذات پاک کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیئے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس طرح پر
بسم اللہ گویا انسانی زندگی کی ساری مشکلات کی کنجی ہے۔ جس کے سامنے مشکلات کے تالے
ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کا دل اپنی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کی مدد کا
بھروسہ اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر کے اس کے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے
بہت باتیں ہیں جو انسان کے نزدیک ناممکن ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔ پس
بسم اللہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کے قلب کی کیا حالت ساری مخلوق کی خالق کے سامنے
ہونی چاہیئے۔ اپنی عاجزی کا پورا اعتراف اور خدا کی مدد کا کامل بھروسہ۔ پہلا اعتراف
انسان کے قلب کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسری جگہ سے امداد حاصل کرے۔ دُوسرا یقین
انسان کے لیئے وہ سرچشمہ ہے جو اس کی ساری کمزوریوں کو دُور کر دے گا۔ اور یوں توحید الٰہی
کا عملی سبق ہر مسلمان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ملتا ہے اور یہ وُہ بات ہے جو ساری کتب
مقدسہ کی ورق گردانی کے بعد بھی انسان کو کہیں نہیں مل سکتی +

ایک اور بات جو قابل غور ہے وُہ یہ ہے کہ صفات الٰہی کی جو تصویر بسم اللہ میں کھینچی گئی
ہے وُہ کیسی ہے۔ یہاں تین نام ذات باری کے آئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اور چونکہ
ایک مسلمان اپنے ہر کام کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتا ہے۔ اس لیئے یہ تین نام گویا وہ اسمائے
الٰہی ہیں جو شب و روز ایک مسلمان کے سامنے رہتے ہیں۔ اور انہی صفات الٰہی میں وہ شب و روز

پناہ ڈھونڈتا ہے۔ ان میں سے لفظ اللہ ذات باری کا ذاتی نام ہونے کے علاوہ توحید الٰہی کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عربی زبان میں سوائے خدائے واحد کے اور کسی پر نہیں بولا گیا۔ پھر اسم اللہ جامع جمیع صفات حسنہ باری تعالےٰ ہے۔ دوسرا اسم ذات باری کا جو بسم اللہ میں پایا جاتا ہے۔ الرحمٰن ہے جس کے معنے ہیں صفت رحم کو کمال کے ساتھ رکھنے والا۔ وہ جس کا رحم کافر و مومن پر یکساں ہے یعنی اس کی صفت رحمانیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کے استحقاق پیدا کرنے سے پہلے وہ اپنا رحم اس پر کرتا ہے اور اس لئے یہ رحم اسکا ساری مخلوق کے لئے عام ہے۔ تیسرا اسم رحیم ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ جس کی صفت رحم بار بار کام کرتی رہتی ہے صفت رحیمیت کا تعلق انسان کے افعال کے ساتھ ہے یعنی جو شخص اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے وہ صفت رحیمیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گویا صفت رحمانیت کا رحم ایک عام قانون کے رنگ میں ہے اور صفت رحیمیت کا رحم ایک فعل کے نتیجہ کے رنگ میں۔ وہ رحمان ہے کہ اُس نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سارے سامان پیدا کئے جن سے انسان فایدہ اٹھاتا ہے اور وہ رحیم ہے کہ جو انسان اس کے قوانین اور سامانوں کو اپنے کام میں لاتا ہے وہ اُن سے فایدہ اُٹھاتا ہے پس یہ تینوں اسمائے یعنی اللہ۔ رحمان۔ رحیم ذات باری تعالےٰ کے کمال۔ اسکی محبت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص اس کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔ وہ یقیناً محروم نہیں کیا جاتا +

بسم اللہ اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے خدا کو کیسا سمجھتا ہے کیونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ در خلاصہ ہے۔ اس لیئے جن صفات الٰہی کا یہاں اظہار ہے۔ وہ خدائے اسلام کی صفات کا اصلی نقشہ دکھاتی ہیں۔ اب بسم اللہ میں اسم اللہ کمال پر۔ اسم رحمان محبت غیر متناہی پر۔ اسم رحیم غلبہ رحم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جس کی ذات میں کمال۔ اور جس کی صفات میں محبت اور رحم کا غلبہ ہے۔ اور ان صفات الٰہی کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنے سے ایک مسلمان بھی انہی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس نہ صرف بسم اللہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ خدائے اسلام کی صفات غالب محبت اور رحم ہیں۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی سکھاتی ہے۔ کہ اس

انسان کو جو بہرحال ایک محبت اور رحم والے خدا کی مدد طلب کرتا ہے۔ خود بھی محبت اور رحم کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

بعض معترضین نے کہا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم عربوں کو طائف کے شاعر امیہ نے سکھائی تھی یہ یقیناً غلط ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کفار عرب بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کی بجائے اپنی پرانی طرز میں باسمك اللھم لکھتے ہیں کیونکہ سہیل بن عمرو نے معاہدہ حدیبیہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے سے انکار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک قوم کے اندر ابتدا کرنے کے لئے بطور تبرک کوئی جملہ استعمال کیا جاتا ہوگا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی بسم اللہ کسی قوم میں مروج تھی۔ اسلام کا کمال اس میں نہیں کہ پہلوں کی خوبیوں کا انکار کرے۔ بلکہ پہلوں میں بھی خوبیوں کا ہونا تسلیم کرکے اُن سے بڑھ کر خوبی کی بات پیش کرتا ہے۔ بسم اللہ کی جو صورت قرآن کریم نے سکھائی۔ اور جن جن صفات الٰہی کا اس کے اندر بطور خلاصہ نقشہ کھینچا وہی اسلام کے خصوصیات میں سے ہے

ایک اعلیٰ خاندان لیڈی کا قبول اسلام

اسلام ایسا مذہب ہے جس کی اشاعت کرنے والے وہی رہے جو الفقر فخری کا نعرہ لگاتے تھے۔ اسلام نہ کسی شاہ گوتم بدھ کا ممنون ہے نہ کانسٹانٹن کا۔ بلکہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ اُس نے تو شہنشاہوں اور اُن کی سلطنتوں کو خاک کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ جب کبھی کسی اصول کی بات آن پڑی۔ آج زار روس اور اس کی کل سلطنت مسلمان ہوتی۔ اگر مسلمان علماء نے اصول سے نہ ہٹنے میں سختی نہ کی ہوتی۔ اسلام نہ صرف اپنے بوریا نشینوں پر نازاں رہا ہے۔ بلکہ اُس نے جمہورانہ اصول ایسے رائج کیئے ہیں۔ کہ بڑے بڑے متکبرین و مغرورین غریبوں اور گداؤں سے دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہ اسلام کے

آگے سرنگوں ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے کشورستان اسلام کے زیر بار احسان
رہے ہیں۔ یہ اسلام کی ایک خاص شان ہے۔ کہ وُہ اپنے بے نظیر اصولوں کے
باعث دُنیا میں نمودار رہا۔ اور ہے۔ نہ بادشاہوں کی تلوار کا وہ محتاج نہ
دولتمندوں کی دولت کا۔ اسلام کے لیئے دل سے بے تاب ہونے والے
اب بھی زیادہ تر غریب ہی ہوتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان ہی میں سوائے ایک
امیر شمال خاتون جنابہ مکرمہ محترمہ سُلطان جہان بیگم والیہ بھوپال کے اور کون
رئیس ہے۔ جس کے دل میں اسلام کا درد ہے۔ اسلام کسی خاص جماعت کا
نہیں۔ بلکہ دنیا کا مذہب ہے۔ اور دُنیا میں زیادہ تعداد بادشاہوں...
اور رئیسوں کی نہیں بلکہ مسکینوں درویشوں اور بادشاہوں کی۔ لیکن اسلام ہرگز صرف غریبوں
کا مذہب نہیں۔ اسلام امیر غریب بادشاہ فقیر سب کا مذہب ہے۔ اسلام سے غریب امیر
ہو جاتا ہے۔ اسلام سے بادشاہ شہنشاہ بن جاتا ہے۔ اسلام کی مساوات ہرگز بادشاہ کی بادشاہی
نہیں چھینتی۔ بلکہ اُس کی بادشاہی میں اضافہ کرتی ہے۔ اور اُسے پائیدار اور خوشحال بناتی
ہے۔ رئیسوں کی ریاست کی شان اسلام سے دوبالا ہوتی ہے۔ اس لیئے مبارک ہیں وہ
رئیس انگلستان کے جو اسلام قبول کریں ؎

ڈاکٹر المامون سہروردی صاحب کے وقت میں لارڈ اسٹینلے نے اسلام قبول کیا تھا۔
خواجہ کمال الدین صاحب کے وقت میں لارڈ ہیڈلے نے اب ہمارے مولوی صدرالدین
کے دور میں آنریبل مسز گفرڈ نے جو صاحبزادی لارڈ سڈبری ڈربی کی ہے Hon^ble Mrs
Gifford اسلام قبول کیا۔ اس بزرگ خاتون کا نام حمیدہ بیگم رکھا گیا ہے۔ الحمدللہ
الحمدللہ ان کا ایک صاحبزادہ لفٹننٹ ہیری گفرڈ جس کا اسلامی نام محمد اسد اللہ ہے۔
پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہے۔ اور انھوں نے اطلاع دی ہے کہ دوسرا بیٹا بھی مسلمان ہے
اعلان بھی انشاء اللہ کر دیگا ؎ میں آج نہیں دس سال سے لکھتا رہا ہوں کہ یہاں
اسلام کی اشاعت کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اگر معقول تنظیم عمل ہو۔ اور اُس وقت
تک کے لیئے معقول سرمائیہ کا انتظام ہو جاوے۔ جب تک یہاں خود ہی مشن جاری

کرنے کا چسکا نومسلموں میں پیدا ہو جاوے - یہاں جس بات کی ضرورت ہے وہ اشتہار ہے۔ لوگوں کو یہ بتانا ہے۔کہ ایک مذہب اسلام ہی ہے جو انسان کی عقل کے مطابق ہے جو انسان کے قلب کو تسکین دے سکتا ہے۔مشکل یہ ہے کہ یا تو یہاں اسلام سے واقفیت ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ واقفیت متعصب پادریوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اُسکا یہ حال ہے کہ اسلام کے نام سے ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلام وحشیوں کا مذہب سمجھا جاتا رہا۔اگر یہاں اسلام کا اشتہار کافی ہو سکے تو تثلیث پرستی بہت جلد یہاں سے مفقود ہو سکتی ہے۔ عیسائی یہاں صرف جاہل اور وہ بھی عورتیں ہی ہیں۔ پڑھے لکھوں میں دھریت کا زور ہے۔ اسلام میں خدا نے دھریت اور توہم دونوں کے زیر کرنے کی قوت رکھی ہے۔ اسلام کی اشاعت یہاں آسان ہے۔ اگر کافی روپیہ صرف کیا جاوے۔ اسلئے کہ حرف آشنا بیان کی خلقت ہے۔ آزادی بھی ہے۔ تحریر اور تقریر دونوں ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو سکتی ہے۔لیکن اس کے لیئے روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور اس کی ابھی کمی اور بہت ہی کمی ہے۔ ابھی یہ توقع رکھنا کہ یہاں کے مشن کے کام کے لیئے روپیہ یہاں سے خود ہی مہیا ہوگا۔سخت غلطی ہوگی۔جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اُن پر اسلام کے مشن کا بار ڈالنا ہماری جمعیت کے بھی خلاف ہے اور اس کی بھی کوئی وجہ نہیں۔کہ جو مسلمان ہو وہ یہ جرمانہ بھی دے کہ اسلام کے مشن کا کفیل ہو ؛

ہمارے یہاں کے اہل مقدرت لوگوں میں کتنے وہ حضرات ہیں جنھوں نے اسلامی مشن میں مدد دی ہے۔ اس میں بھی ایک والیہ بھوپال کو مستثنےٰ کرنا پڑتا ہے۔لیکن اُس خاتون کو تو خدا نے واقعی شیدائے اسلام بنایا ہے۔کوئی صدا اسلام کے لیئے بلند ہو اور وہ لبیک کہنے کو موجود۔ اگر عام طور پر یہی حال ہوتا تو آج ہمارے مشن کی حالت ہی اور ہوتی۔ روپیہ کی کمی ہی کی وجہ ہے۔کہ مشن ایک دیہات میں پڑی ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔کہ مرکز لنڈن خاص میں ہوتا اور اسکے شعبہ ہر بڑے بڑے شہر اور قصبہ میں شعبوں کا انتظام تو خیر جا ہے کچھ دیر کو ہی ہو

مگر بہت ضروری ہے۔ کہ جس قدر جلد ہو سکے لندن میں صدر نظام بنایا جاوے۔ یہاں ووکنگ میں لوگوں کا آنا جانا مشکل۔ پھر یہ ایک معمولی دیہات مشن کا پتہ ہی لوگوں کو نہیں چلتا۔ اور چلتا بھی ہے تو یہاں کوئی کیسے جلد جلد آ سکتا ہے۔ جب ہماری نماز یہاں عید کے دن شان سے ہوئی Cenema سنما کے ذریعہ سے تمام انگلستان میں ایسا اشتہار ہو گیا۔ کہ ہم لاکھوں روپیہ صرف کرتے۔ تب بھی ویسا نہ ہو سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اُس اشتہار سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکے اگر لنڈن میں ہمارا مرکز ہوتا تو اُس اشتہار کی وجہ سے جوق جوق لوگ ہمارے یہاں روزانہ آتے رہتے۔ مجھے تو لندن کے مکان کی اس قدر بیتابی ہے۔ کہ اگر مرکزی اسلامیہ سوسائٹی کے پاس سرمایہ ہوتا تو میں فی الحال اسی کی طرف سے مکان لے لیتا +

یہ سوسائٹی جب پہلے اسلامک سوسائٹی کے نام سے منسوب تھی۔ تب بھی اُس کے اثر سے متعدد لوگ مُسلمان ہو گئے تھے۔ اور اسلام سے تعصب تو ہزاروں کا اُس نے دفع کر دیا تھا۔ بلکہ اُس کے جلسوں میں تو وہ لوگ بھی شریک ہوتے تھے جو کسی مشن کے جلسہ میں ہرگز نہ شریک ہوتے۔ اور اس طرح اُن کا اسلام سے جہل رفع نہ ہو سکتا +

انشاء اللہ وقت آویگا کہ یہاں کی مشن ہندوستان کی مالی مدد سے مستغنیٰ ہو جاوے گا۔ مگر ابھی تو وہ وقت نہیں۔ ابھی تو اگر ہندوستان کے مسلمان جلد جلد ایسی خوشخبریاں سُننا چاہتے ہیں۔ کہ فلاں لارڈ یا فلاں بیرونس مسلمان ہوئے تو اُن کو چاہیئے کہ وہ لنڈن میں مرکز کا انتظام کریں۔ جو کام ووکنگ میں ہو رہا ہے وہ بے شک جاری رکھنا چاہیئے۔ جو مسجد یہاں آباد ہو چکی ہے اُسے برابر آباد رکھنا چاہیئے۔ لیکن لنڈن میں مرکز ضروری ہے۔ لنڈن کی مسجد تو جب بنے بنے۔ اُس کے لیئے تو بہت بڑے سرمایہ کے جمع ہو جانے کا انتظا ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ غلط پالیسی ہے۔ لیکن اب اس کی بحث چھیڑنے

کا موقع نہیں۔ فی الحال یہ ہونا چاہیئے۔ کہ لندن میں کسی اچھے مقام پر دو اڑھائی سو پونڈ سال کے کرایہ پر مکان لے لیا جاوے۔ اور وہ مشن کے کام کا مرکز بنا دیا جاوے۔ مسجد نہیں تو لندن کے ایک مکان میں سے ایک بلال کی اذان کی آواز بلند ہونی چاہیئے۔ تب ہی ہم اُن سربرآوردہ مسلمانوں سے بھی خوب کام لے سکیں گے جو مسلمان ہوئے ہیں۔ اور لکچر اور سوشیل جلسہ ہو سکیں گے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم یہاں کی خلقت سے اسلام کی رونمائی کردیں۔ باقی کام اُس کی اپنی دلربائی کرے گی +

مشیر حسین قدوائی

دوکتابت سعادت

بقلم بلال نور احمد ۱۳ ۴/۱۶

دوکنگ مشن کے ترقی خواہ ضرور اِن سطور کو پڑھیں

بلادِ غربیہ میں اشاعتِ اسلام کا کام آئندہ کسطرح چل سکتا ہے؟

اس مشن کی آمد و خرچ ۱۹۱۵ء

جس اہمیت کو آج ہمارا مسلم مشن کیا یہاں اور کیا انگلستان پہنچ چکا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ جو کامیابی فوق العادہ طریق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی فضل و کرم سے ہمیں عطا کی۔ نہ اس کے ہم مستحق اور نہ اس کے حصول کے لیے ہماری کوششیں کفتی۔ دنیا کا کوئی مذہب ہمارے مقابل اپنے تبلیغی کوششوں کے ثمرات گذشتہ دو تین صدیوں میں بھی ایسے نادر نہیں دکھلا سکتا جو خدا تعالیٰ نے گذشتہ دو تین سال میں ہمیں عطا کیے۔ در اصل اللہ تعالیٰ نے مغرب میں کچھ اسباب بھی ایسے پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ جنھوں نے وہاں کے غور و فکر کرنے والے اور مذہب کی دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو اسلام کے قریب کر دیا ہے۔ یہ لوگ مذہب مغرب کے موجودہ مروجہ شکل سے بیزار ہو کر مختلف رنگوں میں اُن صداقتوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ کہ جن کی حیثیت مجموعی کا نام اسلام ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن پر میری نگاہ بہ تدریج ابتدا میں پڑی۔ اور زیادہ مطالعہ اور زیادہ میل جول مزید تفحص حالات نے مجھے سمجھا دیا کہ یہ رشنلزم۔ یہ پورنے لو ازم۔ یہ سوشیلزم۔ یہ نسوانی تحریک طالب حقوق۔ یہ سپرچولزم یہ ناسٹیزم یہ ایتھک ازم اور ایسا ہی دیگر روحانی اخلاقی مجلسی تحریکیں جو اس وقت بطور مذہب مغرب میں پوجی جاتی ہیں۔ اور جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان میں کس قدر ہیجان مذہب ہے۔ یہ در اصل اسلام کی ہی مختلف شعبے مختلف رنگوں میں ہیں۔ انھیں نتائج پر میں سال ۱۹۱۳ء میں آیا۔ اور انھیں امور کو سامنے رکھ کر میں نے تاریخ کارخ عبر

پہلے میں نومبر ۱۹۱۴ء میں یہاں جب لاہور پہنچا۔ اور اپنی پہلی تقریر میں ان امور کا ذکر کرکے میں نے اپنا یقین ظاہر کیا تھا کہ اگر ہم اپنی تبلیغی کوششوں کو عقلمندی اور استقلال کے ساتھ یورپ میں جاری رکھیں تو اسلام مغرب میں حیرت انگیز ترقی کرجاوے گا۔ پھر ان امور کا اعادہ میں نے شروع سال ۱۹۱۵ء میں پنجاب اور صوبجات متحدہ کے مختلف شہروں میں کیا۔ جن لوگوں نے میری باتوں کو سُنا وہ خود تصدیق کر لیں گے کہ میرے بیان کے بعد جو اس ایک سال میں نتائج مرتب ہوئے۔ انھوں نے میرے بیان کی کس قدر تصدیق کی۔ میرے یہاں پہنچنے پر پچاس اصحاب حلقہ بگوش اسلام ہوچکے تھے۔ لیکن آج یک صد ساٹھ سے زاید اس وقت آنحضرت صلعم کے قدموں میں آچکے ہیں۔ یہ نومسلم کس پایہ کے اور کس علم و فضل سے آراستہ ہیں اُن کے ذکر کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ رسالہ ہذا میں جو ماہواری رپورٹ چھپتی ہے وہ ان امور کا آئینہ ہے۔ میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ نومسلم اخوان میں بعض ایسے فاضل اور اہل قلم ہیں کہ جن پر کسی قوم یا سوسائٹی کو ناز ہوسکتا ہے۔ طبقہ امراء میں سے لارڈ ہیڈلے اور اسی طبقے کی دو معزز خاتونیں طبقۂ فضلاء میں سے۔ پروفیسر (یحییٰ) پارکنسن ایف۔ جی۔ ایس پروفیسر (مصطفےٰ) اردن) لی اون۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ پروفیسر (امین) وہیمنٹ ڈاکٹر آف لٹریچر۔ پروفیسر نورالدین سٹیفن وغیرہ یہ لوگ وہ ہیں جو یوروپین شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے علاوہ اہل قلم میں سے مسٹر محمد صادق ڈڈلے رائٹ فوجی افسران میں بعض کپتان اور لفٹننٹ وغیرہ وغیرہ ہمیں اس تعداد پر چنداں ناز نہیں جس قدر اس تبدیلی و انقلاب کے لیئے ہم سجدات شکر ادا کرتے ہیں جو آج یورپ میں اسلام ہے وہ اسلام نہیں جو پہلے تھا۔ آج اسلام ایک جیتا جاگتا۔ زندہ معقول حکیمانہ اور مدلل مذہب تسلیم ہوچکا ہے۔ وُہ مذہب جسے ناواقفوں یا متعصبوں نے دنیا کے لیئے لعنت سمجھا۔ وہ قریب ہے کہ کل مخلوق الٰہیہ کے لیئے رحمت سمجھا جاوے۔

اگرچہ جو ترقی تعداد نومسلمین میں ہوئی وہ بھی کافی سے زیادہ اطمینان بخش ہے لیکن دراصل اس تعداد کو کئی گنا تعداد تک پہنچا دینا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہزاروں تک کی تعداد دیکھ لینا کوئی مشکل امر نہیں بشرطیکہ ہم کافی طور پر اسلام کی اشاعت کرسکیں۔ مغربی دُنیا اس وقت اپنے مذہبی عقائد سے بیزار ہوکر ایک صحیح مذہب کی تلاش کررہی ہے۔ جس کے پاس صحیح اور سچا مذہب ہو آج نُصرت و فتحمندی اس کی شامل حال ہوسکتی ہے۔ میں اس بات پر ایک معقول ایمان رکھتا ہوں

کہ جو مذہب میں نے قرآن کریم میں دیکھا اور آنحضرت صلعم سے ہم نے سیکھا ہے۔ وہی مذہب ہے جو مغربی دُنیا کا مذہب ہوگا۔ ہاں یہ سب کچھ ہماری کوشش پر منحصر ہے +

مَیں نے یہ مختلف مواقع پر بیان کیا ہے کہ اشاعت مذہب کا بہترین طریق مغربی دُنیا میں اسلامی لٹریچر کو پھیلانا۔ اور اُس کے ساتھ ایک مرکز قایم کرکے نومسلمین یا مستفسرین و متفحصین کو اسلامی زندگی دیکھنے کا موقعہ دینا۔ اور اس کے ساتھ موقع بموقع تقریر و لکچروں سے بھی امداد کرنا اس امر کے لیئے ہم نے اسلامک ریویو شایع کیا۔ اور یہ کوشش کی کہ جہاں تک ہمارے ذرایع اجازت دیں ہم اسے یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کریں۔ یورپ میں ایسے ذرائع آسانی سے مہیا ہوجاتے ہیں کہ ہم اپنے لٹریچر کو ہزاروں تک کی تعداد میں اُن لوگوں کے پاس پہنچا سکتے ہیں جو واقعی مذہب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم یہ سرمایہ کہاں سے لادیں کاش مسلمان اپنے مقابل غیرمسلموں کی تبلیغی کوششوں پر توجہ کریں۔ کیا وہ ڈہائی ہزار رسالہ کا مفت تقسیم کردینا اُس لٹریچر کے مقابل کسی شمار و قطار میں ہے جو پادری لوگ ایک سمندر کی طرح دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ کیا اگر اس قدر قلیل مقدار یہ نتایج مرتب کرسکتی ہے تو پھر اگر ہمارا رسالہ مثلاً دس ہزار تک ماہوار مفت تقسیم ہو تو کیا کیا کچھ ہوسکتا ہے۔ یہی ایک غرض تھی جو مجھے انگلستان سے ہندوستان لائی۔ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس قابل کردیا تھا کہ میں قوم کے آگے اپنی محنت کے نتایج پیش کروں اور اُن کی خدمت میں عرض کروں کہ وہ اس کار حسنہ میں میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں اگرچہ دو ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد ولایت سے واپس نومبر ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آیا اور میں اس بات کا محتاج تھا کہ میں کچھ آرام کروں۔ لیکن وہ اخراجات ماہواری جو دو ہزار ماہوار کے قریب ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہی پہنچ گئے تھے انھوں نے مجھے گھر بھی آرام لینے نہ دیا۔ مجھ سے جہاں تک ہوسکا میں پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھرا اور جس شہر میں جتنے دن رہا۔ قریب قریب ہر روز لوگوں کو خطاب کرتا رہا۔ جس سے میری صحت پر بھی برا اثر ہوا۔ لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اب چونکہ ووکنگ مشن کی روز افزوں کارروائیاں چاہتی ہیں کہ میں بہت جلد واپس چلا جاؤں۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا تو چند ہفتوں کے اندر اندر میں ووکنگ میں پہنچ جاؤں گا۔ اسلیئے

میں نے پسند کیا کہ میں اپنی قوم کو ووکنگ کے حالات سے کسی قدر اطلاع دیئے جاؤں اور اس امداد سے بھی اطلاع دوں جو مجھے سال ۱۵-۱۹۱۴ء میں میری تحریک سے ہوئی۔

میں اپنے مسلم بھائیوں کا جس قدر شکریہ ادا کروں تھوڑا ہے میں جہاں گیا جس جگہ گیا میری وہ عزت و تکریم کی گئی کہ جس کا میں ذاتی طور پر مستحق نہ تھا۔ دراصل اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو اسلام سے ازحد محبت ہے وہ دل سے اشاعت اسلام کے گرویدہ و عاشق ہیں۔ انھوں نے مجھ میں ایک خادم اسلام اور عاشق اسلام کا نمونہ دیکھا اسلیئے انھوں نے مجھ سے ہر ایک قسم کا نیک سلوک کیا۔ خصوصاً وہ نیک سلوک جو مجھ سے مسلم والیان ریاستہائے ہندوستان نے کیا وہ میرے لیئے خاص تشکر و امتنان کا موجب ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام و عالیحضرت فرمانروائے بھوپال۔ عالیحضرت شیخ صاحب منگرول۔ ان بندگان عالی کا مجھے شاہی مہمان کے طور پر اپنی قلمرو میں رکھنا۔ اور ہر وہ سلوک مرعی رکھنا جو ایک شاہی مہمان سے ان کے ہاں ہوا کرتا ہے۔ یہ تو ان کے شاہی اخلاق کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ لیکن مختلف محل و مواقع پر مجھے انکا خاص الخاص اشفاق کریمانہ کا مورد بنانا۔ یہ اس محبت کو ظاہر کرتا ہے جو عالیمراتب عالیمراتب مسلمان کا دل ایک خادم اسلام کے لیئے اپنے پہلو میں محسوس کرتا ہے۔

میں یہ یقین کرتا ہوں کہ اگر جنگ کے ایام نہ ہوتے تو میرا یہ سفر بہت ہی بہترین نتائج مرتب کرتا۔ بہرحال جو کچھ ہوا وہ حالات موجودہ کے ماتحت میری امیدوں سے زیادہ ہوا۔ اس موقعہ پر میں گورنمنٹ عالیہ کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس پرآشوب زمانہ میں میرا کل شمالی ہندوستان میں سفر کرنا اور ہر ایک امن و آسائش کا حاصل کرنا۔ جن اغراض کے لیئے میں نے یہ سفر کیا ان اغراض کے اظہار کے لئے پبلک لیکچروں کو بے روک ٹوک کرنا۔ بلکہ بعض مواقع پر خود اعلےٰ سے اعلےٰ مقامی افسروں کا میری امداد کرنا اور مجھے ہر طرح اپنی عنایات سے مرہون منت ٹھیرانا یہ اس دریا دلی کا ثبوت دیتا ہے جو اس گورنمنٹ عالیہ کا خاصہ ہے۔ اور جس کے لیئے ہر ایک شخص کو اس گورنمنٹ کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔

میں اس موقع پر اس سال کی آمد و خرچ سے اپنے معاونین کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ یہ امر کئی دفعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارے مشن کے خرچ کی مدات تین قسم کی ہیں۔ اوّل اسلامک ریویو اور

ایسا ہی دوسرا اسلامی لٹریچر مفت تقسیم کرنا۔ دوم۔ ہر اتوار کے دن شمولیت وعظ کے لیئے جسقدر مہمانوں کا ووکنگ میں باہر سے آنا اور ایسا ہی نومسلم ساکنین ووکنگ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے اور سہ پہر کی چاء پر مہمان کرنا اور ایسا ہی جس قدر نومسلموں کو اسلام سیکھنے کے لیئے باہر سے ہمارے ہاں آنا یا مستفسر ہیں کا ہمارے ہاں ٹھہرنا اور ان کا تعہد بطور مہمان اسلامی طریق پر کرنا۔ سوم۔ اخراجات متفرقات جن میں لندن یا دوسرے مقام پر علاوہ جمعہ کے وعظ و لکچر کے لیئے جانا اور مسجد ووکنگ کے متعلقہ اخراجات۔ بڑی بھاری مدات خرچ کی پہلی دو ہیں یعنے مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو اور لنگر خانہ۔ انہیں دو مدات کو علے الخصوص سامنے رکھکر معاونین مشن سے امداد کی درخواست کی گئی ہے حصول امداد کو سہل ترین بنانے کے لیئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اسلامک ریویو کی خریداری بہت بڑھادیجاوے۔ جسقدر اس کے خریدار زیادہ بڑھیں گے اسی قدر اسکے منافعہ کا کثیر حصہ اس کارِ خیر پر خرچ ہوگا۔ اسی غرض سے میں نے اسلامک ریویو کا ترجمہ اردو میں شایع کرنا شروع کیا اور اس کی قیمت ۳ے رسالانہ رکھدی ہے۔ تاکہ اس کے منافعہ کا زیادہ حصہ بھی اس مشن پر خرچ ہو +

اسی طرح مفت تقسیم رسالہ اسلامک ریویو کی یہی دو صورتیں میرے سامنے رہی ہیں ایک تو عام طور پر برادران اسلام کو مفت تقسیم رسالہ کے لیئے کہا گیا ہے کہ وہ یہ رسالہ خرید کر ہمیں مفت تقسیم کرنے کی اجازت دیں۔ یہ اپیل بھی خالی نہیں گئی۔ اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ایک کافی رقم اس کی تقسیم کے لیئے ہم نے وصول کی +

اب میں ذیل میں آمد و خرچ کا ایک نقشہ بھی دیدیتا ہوں۔ آمد کی طرف جس قدر رقوم بطور امداد اس سال وصول ہوئیں ان سب کی ایک فہرست بھی میں نے رجسٹر آمد سے بنوا کر اس تحریر کے ساتھ شامل کردی ہے ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے کسی کے لیئے تحریص امداد کا موجب ہو ساتھ ہی معطی صاحبان بھی دیکھ سکتے ہیں کہ جسقدر امداد انھوں نے کی وہ ان کی منشاء کے مطابق ہی خرچ بھی ہوئی + یہ نقشہ اور فہرست مسٹر ... نے دفتر لاہور سے رجسٹر ہائے آمد و خرچ سے بنوایا ہے۔ چندہ امداد میں ایسے خریدار بھی درج کردیے ہیں جنھوں نے قیمت دے کر رسالہ مفت تقسیم کرایا۔ خالص خریدار رسالہ جات میں نے انکو قرار دیا۔ جنھوں نے رسالہ اپنی ذات کے لیئے لیا +

نقشہ بالا میں جو رقوم بطور امداد حیدرآباد اور دیگر علاقہ جات ہندوستان سے مینے ان سفروں میں وصول کیں اس کی تقسیم کو معطی صاحبان نے میری اقتضا ، رائے پر چھوڑا تھا۔ کہ جس نسبت سے چاہوں میں انھیں رسالہ انگریزی کی مفت تقسیم یا لنگرخانہ ودیگر ضروریات دوکنگ پر خرچ کروں۔ چنانچہ مینے دفتر کو ابتدا میں یہی ہدایت دی کہ ان رقوم کو قریب قریب نصف نصف ریویو انگریزی کی مد تقسیم میں اور لنگرخانہ وغیرہ میں دکھلادیں۔ لیکن ان رقوم کی بعد از وضع خرچ تقسیم کس طریق پر ہوئی وہ دوکنگ کے خلاصہ حساب کے آنے پر بتائی جاسکتی ہے۔ لاہور اور دوکنگ ہر دو جگہ باضابطہ حساب وکتاب کھا جاتا ہے اور آمد وخرچ کی رقوم خواہ میری ذات سے تعلق رکھتی ہوں یا مشن سے ان کا اندراج کتابوں میں ہوتا ہے وہاں کا حساب شیخ نور احمد صاحب بلال کے ہاتھ میں ہے اور یہاں کا حساب کتاب منیجر دفتر رسالہ اشاعت اسلام کے ہاتھ میں ہے مینے شیخ صاحب کو لکھا ہے کہ وہ ۱۹۱۵ء کے آمد وخرچ کے حساب کا خلاصہ بھیجدیں۔ خصوصاً یہ کہ مختلف مدات میں کیا خرچ ہوا۔ ہاں مینے اسی قدر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کیخدمت میں عرض کردی تھی کہ وہ امسال دو اور تین ہزار کے اندر اندر مفت تقسیم سالہ کردیں۔ اس سال اخراجات لنگرخانہ بہت ہی بڑھ گئے۔ میں نے منشی نور احمد کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ وہ تین یا چار ماہ کی تعداد مہمانوں سے مجھے اطلاع دیں۔ چنانچہ گذشتہ جون سے آخر ستمبر تک دو ہزار آٹھ صد کے قریب مہمان آئے اور اس سے آئندہ دو ماہ میں ہزار سے زائد تھے۔ اگرچہ ان ایام میں دو عیدین بھی گذریں۔ جنمیں ہزار کے لگ بھگ مہمان تھے۔ بہرحال جس طرح ضرورت پیدا ہوئی۔ ان دو مدات پر جن کے لئے روپیہ معطی صاحبان نے دیا خرچ کرسکیں۔ لئے ولایت بھجدیا۔

ہاں ہم سے یہی ہو سکتا تھا۔ کہ جس قدر روپیہ ہم وصول کریں وہ سب کا سب ضروری اخراجات کاٹ کر ولایت بھیجدیں۔ سو ایسا ہی کیا گیا۔ نقشہ آمد وخرچ میں دو باتیں قابل ملاحظہ ہیں اول جہاں تک اس مشن کا عملہ ہے اُس نے پرلے درجے کے ایثار سے کام لیا۔ عملہ اس وقت حسب ذیل ہے :۔ ولایت میں مولانا مولوی صدرالدین صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب بلال۔ ہندوستانی باورچی۔ اُن کے علاوہ مولوی صاحب نے وقتاً فوقتاً اگر ولائیت میں کوئی اور رکھا اُس کا خرچ نقشہ بالا میں نہیں دکھلایا گیا۔ ہندوستان میں۔ منیجر دفتر اسلامک ریویو اور اس کے ماتحت دو کلارک۔ ایک چپڑاسی۔ اور ایک دفتری جو ابتدا میں چند

ماہ رہا۔ ایک ایجنٹ بغرض تبلیغ و اشاعت اغراض مشن جو گذشتہ اکتوبر سے رکھا گیا اور میں خود۔ اتنے بڑے کام پر اس قدر قلیل عملہ اور پھر اس عملہ پر بھی صرف ساڑھے پانصد روپیہ ماہوار کا خرچ۔ یہ آج کل کے حالات کے ماتحت ایثار نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں مدعملہ پر جو میں نے خرچ دکھلایا ہے اس میں وہ رقم ماہواری بھی شامل ہے۔ جو میں اپنے ذاتی خرچ کے لیے لیتا ہوں لیکن اس کا بوجھ میں نے کسی قسم کے ڈونیشن پر یا ز امداد مشن پر نہیں ڈالا۔ میں نے اپنی ذات کا خرچ بحیثیت ایڈیٹر اسلامک ریویو صرف اسلامک ریویو پر کتب حساب میں ڈلوایا ہے۔ ایسا ہی کچھ رقم بطور امداد جو عملہ میں سے ایک خالص سچے خادم مشن کو میں نے بطور قرض حسنہ دی ہے۔ وہ بھی میں نے اسلامک ریویو کی آمد میں سے دی ہے اور اس کا خرچ بھی اسلامک ریویو پر ڈالا ہے اسلئے کہ ان ہر دو رسالوں کے نفع نقصان کو میری ذات سے تعلق ہے۔ باقی اخراجات جو عملہ لاہور کے ہیں یا سفر خرچ یا اخراجات متفرقہ ہیں ان کا ⅓ اردو رسالہ پر ⅓ اسلامک ریویو پر اور ⅓ دیگر اغراض پر ڈال دیا ہے۔ اور جو عملہ ولایت یا واپس قرض حسنہ کی رقوم ہیں اُن کو اسلامک ریویو اور دیگر اغراض پر نصف ڈال دیا ہے۔

یہ امور محض آمد و خرچ کو حساب کتاب کے باضابطہ شکل میں رکھنے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ورنہ جو عمل ہوا ہے وہ تو یہ ہے کہ جو کچھ منافع ہر دو رسالجات کا ہوا یا جو رقم مجھے ذاتی طور پر بطور وظیفہ یا رخصتانہ بعض محسنوں سے ملی وہ سب کی سب میں نے آمد مشن میں ڈال دی ہے۔ میں آئندہ بھی اللہ تعالےٰ سے یہی دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایسا ہی کرنے کی توفیق دے +

مسلم بھائیوں سے میری آخری اپیل

میں اب چند ہفتوں میں یہاں سے رخصت ہو کر ولایت جانیوالا ہوں۔ دوران قیام ہندوستان میں میں نے ہر ایک قسم کا آرام چھوڑ کر مسلمان بھائیوں کو اس کارِ خیر کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا۔ یہ مشن ایک حقیقت اور طاقت ہے۔ کوئی وہمی یا قیاسی امر نہیں۔ یہ مشن نظری حالات سے نکل کر واقعات اور عمل کا جامہ پہن چکا ہے۔ اس کے مفید اور یقینی طور پر کامیاب

ہو شبہ اب مخفی نہیں رہا۔ اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا اور رسولؐ کے احکام کے ماتحت ہمارے کل قومی کام ایک طرف اور یہ کام ایک طرف ہے۔ ہماری کل کی کل تحریکات پر اس مشن کو فوقیت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلامی خیرات و زکوٰۃ کے مصرف پر کل دیگر خیراتی کاموں پر اسے ترجیح نہ دیں۔ نقشہ آمد سے ظاہر ہو تا ہے کہ چودہ ہزار کے قریب روپیہ محض بطور ڈونیشن مسلمانان ہند سے اس سال آیا اور اُس سے جس قدر بھاری کام ہوا۔ وہ ظاہر ہے کیا ۱۹۱۵ء میں جو تیس ہزار کا خرچ ہے اور جس کے مقابل کئی ہزار رسالہ اردو و انگریزی بطور خود مدار دو لوگوں کے گھروں میں بھی پہنچ چکا ہے۔ اس کے مقابل میں کامیابی جو اس سال میں ہوئی وہ کچھ کم ہوئی ہے کہیں بھی اس کی نظیر دنیا بھر کی مذہبی تبلیغی کوششوں میں نظر نہیں آتی

لیکن اب جو میں ہندوستان سے چلا ہوں اور ممکن ہے کہ میری غیر حاضری بہت جلد کوئی ایسا قائمقام میرا نہ پیدا ہو سکے جو شہر بشہر پھر کر مسلمان بھائیوں کو اُن کے فرض کی طرف متوجہ کرے۔ تو پھر کیا مسلم بھائی اپنے فرض کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں گے۔

مسلمانو! خدارا جاگو۔ غفلت کو چھوڑو۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو ہو کر رہیں گے۔ لیکن مبارک وہ ہے جو اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹا وے۔ تمہارے مال جس دیانت اور احتیاط سے خرچ ہوتے ہیں وہ اس نقشہ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور جس ایثار اور محنت سے کام کرنے والے لوگ کام کر رہے ہیں وہ بھی اس قحط الرجال میں شاذ و نادر کا معاملہ ہے خدا تعالیٰ ہی اس امر کا شاہد ہے کہ ایام وکالت کے مقابل دوگنا کام روزانہ کرنا پڑتا ہے اور جو کچھ لینے بطور وجہ کفالت لیا وہ میری آمدنی وکالت سے جو ۱۹۱۲ء میں تھی دو ثلث بھی نہیں کہتا لیکن یہ کوئی احسان نہیں ... اللہ کا خوش کن مقولہ ہی ہمارے لئے راحت جان ہے لیکن ہمارا ایثار کس کام آئیگا۔ اگر ہمارے پاس اور سامان نہ ہوں۔ خدارا کچھ ایسا کام کرو کہ ہر انگریزی رسالہ دس ہزار تک مفت تقسیم ہو جاوے۔ اگر دس ہزار رسالہ تقسیم کرنے کے سامان کردو۔ تو پھر اس کے منافع سے ہی دیگر اخراجات وو کنگ چل نکلیں گے +

چندہ فروع سال ۱۹۱۵ء میں آپ کو مخاطب کیا اور اردو رسالہ بھی اس لئے شائع کیا کہ ا...

منافع سے ووکنگ مشن چلے۔ اگر یہ رسالہ دس ہزار خریدا جا سکے تو میرے نزدیک موجودہ خراجات کے لحاظ سے ⅔ اخراجات ووکنگ مشن کے نکل جاتے ہیں +

اگرچہ یہ رسالہ میرا ہی شائع کردہ ہے۔ لیکن میری یہی غرض ہے کہ اس کے منافع سے اشاعت کے کام کو مدد کافی ملے۔ جیسے کہ گذشتہ سال کیا گیا۔ اس وقت اردو رسالہ کی تعداد اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔ اس اشاعت پر جو منافع ہوتا ہے وہ قطعاً مشن کے لئے کافی نہیں۔ اسی طرح انگریزی رسالہ کی اشاعت ابھی ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ یہ بھی بہت تھوڑی ہے میں یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان بھائی صرف پانچ ہزار تک انگریزی اور دس ہزار تک اردو رسالے کو خرید لیں تو میں کسے اور امداد کا سردست اُن سے مطالبہ نہیں کرتا۔ اور اگر مجھے خدا توفیق دے تو میں اس کے منافع کو اسی کام پر خرچ کروں گا۔ ہاں جب تک یہ صورت نہو میں ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جنہوں نے دریا دلی سے گذشتہ سال اپنے مالوں سے مجھے مدد دی وہ اب بھی دیں۔ یہ مال وہ بالفاظ قرآن کریم ایک تجارت پر لگاتے ہیں جسکا منافع جو آخرت کو بالفاظ رب ہی ملنا ہے وہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن اسکا منافع تو دمِ نقد مل رہا ہے + خدارا غور کرو۔ یہ رقوم امداد تو زیادہ تر مئی ۱۹۱۵ء سے پہلے پہلے مجھے وصول ہوئی تھیں آج اس پر ایک سال گذر گیا۔ فہرست سے ظاہر ہوگا کہ مئی ۱۹۱۵ء تک زیادہ حصہ امداد کا آپنے دیا۔ آج مئی ۱۹۱۶ء ہے اب بتلاؤ جو اس سال میں نتائج مرتب ہوئے وہ منافع کیا کچھ کم ہے۔ مسلمان بھائیوں خدا کے اُس فضل کو دیکھو کہ جس غرض کے لیے جو کچھ تھوڑا بہت تم نے دیا وہ غرض پوری ہوگئی۔ پھر اسکے شکریہ میں کیا آپ کو مناسب نہیں کہ اور ہمت کرو۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ یہ مبارک مہینہ زکوٰۃ و خیرات کا ہے +

تمہاری زکوٰۃ کا بہترین مصرف

ووکنگ مشن ہے۔ جاؤ قرآن کریم کو کھولو وہ بھی تمہیں یہی کہتا ہے۔ ہمارے مشن کی امداد کا ایک سہل طریق یہ ہے کہ تم ہمیں انگریزی رسالہ کی مفت تقسیم کے لیئے امداد دو۔ اپنی طرف سے متعدد رسالہ مفت تقسیم کراؤ۔ ایسا ہی لنگر خانہ کی امداد کا فکر کرو۔ ہاں ایک آسان طریق امداد کا یہ ہے کہ خود رسالہ اردو یا انگریزی خریدو اور دوستوں میں اس کی خریداری بڑھاؤ۔ گذشتہ ایام

ہمیں اردو رسالہ بہت سا زائد چھپوانا پڑا۔ خیال تھا کہ خریداری بہت بڑھے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا مختلف ماہ کے رسالجات زائد پڑے موجود ہیں۔ سو میں نے یہ پسند کیا ہے کہ تمام گذشتہ رسالجات کے آگے یہ اپیل ضم کرکے بطور نمونہ مسلم احباب کی خدمت میں بھیجوں۔ وہ اس رسالہ کو دیکھیں مختلف احباب کے پاس ۱۹۱۵ء کے مختلف مہینوں کے رسالے پہنچیں گے وہ اس کو شروع سے اخیر تک دیکھیں اور پڑھیں اور پھر اندازہ کریں کہ کیا ایسا قیمتی رسالہ محض اگر لٹریچر کے طور پر ہی خرید لیا جاوے۔ تو چنداں گراں نہیں۔ چہ جائیکہ اس کا منافعہ ایک ہماری مشن کو چلا رہا ہے۔ اسی طرح جن دوستوں نے بسبب حالات خاصہ انگریزی رسالہ خریدنا چھوڑ دیا ہے وہ اردو رسالہ ہی خرید کر عنداللہ ماجور ہوں۔

موجودہ خریداران کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو ہر دو رسالجات کی اشاعت بڑھانے میں کوشش بلیغ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں +

فہرست زرِ عطیہ و امداد ووکنگ مسلم مشن انگلستان ۱۹۱۵ء

بابتہ جنوری

- معرفت ماسٹر فقیر اللہ صاحب قیمت کتب ... [illegible]
- جناب فصیح الدین خانصاحب حیدر آباد .... [illegible]
- مرزا غلام سرور صاحب پشاور [illegible]
- حکیم امیر علی صاحب بنڈی ...... [illegible]
- جناب حامد اللہ خانصاحب کوہاٹ ...... [illegible]
- سردار عبد الرحمن صاحب ...... [illegible]
- غلام حسین صاحب ٹیلیگراف کلرک ..... [illegible]
- خانصاحب عبد الحکیم خانصاحب سب جج کوہاٹ [illegible]
- خان بہادر حق نواز خانصاحب .... [illegible]
- خانصاحب محمد جمیل خان صاحب .... ″ [illegible]
- میاں صلاح الدین صاحب .... [illegible]
- خان بہادر مولوی احمد دین صاحب ... ″ [illegible]
- مولوی محمد عالم صاحب سیکنڈ ماسٹر ... ″ [illegible]
- سردار احمد خانصاحب .... ″ [illegible]
- سید محمد اشرف صاحب کوہاٹ ..... [illegible]
- خانصاحب خوشدل خانصاحب کوہاٹ [illegible]
- بابو معراج دین صاحب نائب تحصیلدار ″ [illegible]
- حاجی محمد اکبر خانصاحب ڈپٹی انسپکٹر .. [illegible]
- جناب محمد خداداد خانصاحب ″ .... [illegible]
- جناب فقیر ابو الحسن صاحب .. ″ [illegible]
- ملک خدا بخش صاحب .... ″ .. [illegible]
- خان بہادر خیر محمد خانصاحب رئیس ″ ... [illegible]
- شیخ عبد العزیز صاحب سب انسپکٹر ″ .. [illegible]
- امام بخش صاحب .... ″ .. [illegible]
- سردار محمد امان اللہ خانصاحب ″ .... [illegible]
- محمد عبد اللہ خانصاحب ″ .. ″ .. [illegible]
- دوست محمد خانصاحب ... ″ .. [illegible]
- سکندر خانصاحب سب انسپکٹر .. ″ [illegible]

جناب وارث شیخ صاحب قیمت کتب ... ۱۴ر
جناب یوسف خان صاحب ،، ۱۴ر
جناب مرزا امام علی بیگ صاحب ... عگا
شیخ عبداللہ خانصاحب .. قیمت کتب ۱۴ر
عبدالحمید صاحب اجمیر ... ،، ... ۶ر
جناب سید معزالدین صاحب ... ،، ۱۵ر
صاحبزادہ جناب عبدالقیوم صاحب پشاور ... ھ
جناب سید امیر حسن صاحب بنارس ... عہ
جناب مرزا فیاض الدین صاحب ،، ..... عہ
،، مرزا شمس الدین صاحب ،، ..... عہ
،، رفیع الدین صاحب ،، ..... ھ
،، شاہ میر عالم صاحب ،، ..... عہ
،، عبدالواحد صاحب وکیل ..... عہ
،، ضیاء الدین صاحب انسپکٹر پوسٹ آفس ... عہ

رقوم ذیل معرفت جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب :-

جناب صوفی ظفر حسین صاحب ..... عہ
،، عالمگیر خان صاحب ..... عہ
،، سید مومن صاحب ..... عہ
،، خان روشن دین خانصاحب ..... ھ
،، محمد حیات خان صاحب ..... ھ
،، منشی امیر حسین صاحب ..... للعہ
،، منشی عبدالواحد صاحب ..... ۓ
،، منشی نصیر الدین صاحب ..... عگا
،، راجہ ولی محمد خانصاحب ..... عگا
،، خان بازگل خان صاحب ..... عگا
[illegible]

جناب بابو مولا بخش صاحب پوسٹ ماسٹر بنوں عہ
،، منشی مہر بخش صاحب ..... ،، عہ
،، غلام حسین صاحب ٹیلر ماسٹر ..... ،، عہ
،، محمد رمضان خانصاحب ،، ..... ،، عہ
،، عبداللہ خان صاحب ،، ..... ،، عہ
،، سیخ لاٹ صاحب ،، ..... ،، للعہ
،، نبی بخش صاحب ہیڈ ماسٹر ..... ،، عہ
،، فیروز الدین صاحب ،، ..... ،، عہ
،، علی بخش صاحب ،، ..... ،، عہ
،، نور محمد صاحب ،، ..... ،، عہ
،، زمان شاہ صاحب ،، ..... ،، ۱۰ر
،، مولا بخش صاحب ،، ..... ،، عہ
،، نور مصطفی صاحب ،، ..... ،، ۴ر
،، زمان علی صاحب ،، ..... ،، عہ
،، نتھو صاحب ،، ..... ،، ۸ر
،، جمال الدین صاحب ،، ..... ،، ۴ر
،، اللہ دتا صاحب ،، ..... ،، ۴ر
،، غلام غوث صاحب ..... ،، عہ
،، فضل الٰہی صاحب ..... ،، ۸ر
،، غلام محمد صاحب ..... عہ
،، گل بستار خانصاحب ۴ر
،، محبوب اللہ خانصاحب ۸ر
،، نور محمد صاحب ۸ر
،، محمد الدین صاحب ۴ر
،، مسٹر عبدالعزیز صاحب ..... عہ
،، رمضان خانصاحب ۸ر

نام	رقم
جناب شیر علی خان صاحب	للعہ
" محمد شاہنشاہ صاحب ...	عہ
" قاضی بسم اللہ صاحب ..	لگ
" کریم بخش صاحب	لگ
" بابو خدا بخش صاحب	عہ
" فضل احمد صاحب	مہ
" بابو کالے خان صاحب ..	لگ
" بابو اللہ بخش صاحب	لگ
" بابو اللہ دتا صاحب	لگ
" منشی جلال الدین صاحب	دہ
" شیخ خدا بخش صاحب	لعہ
" حسین بخش صاحب	صہ
متفرق معرفت جناب خدا بخش صاحب ...	بورہ
جناب غلام محی الدین صاحب سرگودہ ...	لگ
" نفضل قادر صاحب لائل پور ..	لگ
" انوار الحق صاحب	عہ ۱۲
" عــلم دین صاحب	۱۰
ازخانہ جناب شیخ محمد حسین صاحب جج غازیپور ..	عسہ
جناب تفضل حسین صاحب زمیندار ...	عہ
" مولوی محمد ظہور صاحب . غازیپور	للعہ ۱۲
" شیخ نور الدین صاحب ---- " " ...	عہ
" چوہدری بدر الدین صاحب آرہ	صہ
" مولوی برکت اللہ صاحب وکیل بی۔اے ام ارصہ بابت بار لی غازی پور	ارصہ
" بی۔ اے احمد صاحب .. قیمت کتب	۱۰
" ایم احمد صاحب ...... " " ..	۱۴
" حاجی بشیر خان صاحب غازی پور ...	للعہ

نام	رقم
جناب مظفر امام صاحب منصف غازیپور .	عہ
" سب رجسٹرار صاحب بطور دعوت " ...	صہ
" مرزا نظیر الدین صاحب ..... بنارس	عسہ
" ولی الدین صاحب ۔ خدا بخش بانکی پور	سے
" حاجی عبد الرحمن صاحب ... " ..	صہ
" سید علی صاحب ...... "	عہ
" صدری علی صاحب .... " ...	عہ
لا معلوم الاسم .. " ..	عہ
چندہ معرفت جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب وکیل بانکی پور	للعہ
جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب وکیل بانکی پور	مار
" مسٹر مظہر الحق صاحب بیرسٹر ... " ...	مار
" غلام نظام الدین صاحب - "	دعسہ
" ابو الخیر صاحب . " ...	عہ
" شیخ رحیم بخش صاحب "	عہ
" ڈاکٹر عبد الغفور صاحب " ...	لگ
" نوان بخت صاحب ... " ..	صہ
" محب اللہ صاحب .... " ..	صہ
" ذکی الدین صاحب بجنور	لگ
" یوسف شاہ صاحب ٹیچر سرینگر قیمت کتب	عہ ۹
" غلام محمد صاحب .... "	عہ ۹
" محمد قاسم صاحب الہ آباد	۱۴
" محمد اسحٰق صاحب "	۱۲
" فرید الدین صاحب "	لگ ۲
قیمت بابت کتب	لگ ۶
" محمد مظاہر حسین صاحب وکیل گلزار باغ پٹنہ ...	عہ
" ضیاء اللہ صاحب .... قیمت کتب	۱۴

* اس کے علاوہ مسٹر عبد الحق صاحب نے ایک صد رسالہ انگریزی اور سات صد رسالہ اردو کے خریدار ہوا کرنے کا ذمہ لیا اور نہایت دریا دلی سے اپنی طرف سے انکی قیمت پیشگی ادا کی اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا کرے۔

نام	رقم
جناب امیر حسن صاحب پٹنہ	۸ر
" مولوی محمد یعقوب صاحب	[illegible]
" خواجہ بشیر الدین صاحب	عہ
....	
جناب حبیب النبی صاحب کلکتہ	۱۳ر
جناب محمد شفیع صاحب قانونگو بذریعہ محمد زکریا صاحب	[illegible]
مسٹر تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر	۵ر
جناب محمد اصغر صاحب وکیل کیمبل پور	۵ر
جناب عبد الحمید صاحب پشاور	[illegible] ۸ر
جناب سید احمد حسین صاحب گیا	عہ ۴ر
جناب خواجہ بشیر الدین صاحب	عہ
معلوم الاسم قیمت کھال از حیدرآباد	[illegible]
جناب محمد صغیر صاحب	۶ر
جناب محمد منظور الٰہی صاحب لاہور احمدیہ بلڈنگس	عہ ۱ر
بابت ام الالسنہ	[illegible] ۸ر
جناب سیف الرحمٰن صاحب پشاور	[illegible]
جناب الف دین صاحب وکیل کیمبل پور	۹ر
بنت صفدر جنگ صاحب [illegible]	عہ ۷ر
محمد اسماعیل صاحب	عہ ۱۲ر
جناب مولوی عزیز بخش صاحب	۱۳ر
" عبد الرحیم صاحب پشاور	۱۴ر
" محمد [illegible] صاحب [illegible]	۱۵ر
" محمد [illegible] صاحب کانپور	۳ر
" محمد حامد اللہ صاحب دہلی	عہ ۱۱ر
" فضل الرحمٰن صاحب کانپور	۱۳ر
" [illegible] علی صاحب فیض آباد	۱۴ر
جناب عبد المجید صاحب کانپور قیمت کتب	۱۳ر
" ایم عبد الکریم صاحب پنڈی	[illegible]
" محمد ضامن علی صاحب لکھنؤ	[illegible]
" مسٹر سیگو	۶ر
" نصرت علی صاحب لکھنؤ قیمت کتب	۱۴ر
" عبد الرؤف صاحب "	۱۵ر
" احسان اللہ صاحب بٹالہ "	عہ ۱۲ر
" شمس الدین صاحب جونپور "	۱۲ر
" ولی محمد صاحب بنارس "	۱۰ر
" محمد خالق صاحب فیض آباد "	۱۴ر
" رحیم بخش صاحب "	۱۴ر
" شیخ ابہر الدین صاحب "	۱۴ر
" محمد شفیع صاحب "	۱۲ر
" محمد زکریا صاحب مہاراج گنج "	۱۲ر
" نظام الدین صاحب جونپور "	۱۰ر
" عثمان احمد صاحب "	۱۲ر
" محمد حفیظ اللہ صاحب بنارس "	عہ ۱۴ر
" محمد دستگیر صاحب میسور "	۱۵ر
" عزیز الدین صاحب مدراس "	[illegible]
" بابو عبد الرحمٰن صاحب اودتی "	۱۲ر
" محمد حسین صاحب مدراس "	۱۰ر
" محمد نصیر اللہ صاحب "	۱۴ر
" شمس الدین صاحب بنارس "	۱۵ر
" ایم ایم ڈاکہ خان صاحب ڈھاکہ "	عہ ۴ر
" محمد یار شاہ صاحب مدراس	۱۲ر
[illegible] صاحب [illegible]	۸ر

جناب عبد القادر صاحب مسور صہر
" عبد المحمود صاحب بنگال قیمت کتب عہ
" شاہ محمد صاحب سد ۹عہر
" میر حسن صاحب ٹکور ۹ہے
" بشیر احمد الدین صاحب احمد علیگڈھ " عہ
" ایم جان صاحب - پنڈی " ۱۵ر
" محمد یعقوب صاحب مراد آباد " ۱۴ر
" عبد المجید صاحب بدرو دکنگ صہر
" تاج الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ڈھون کر خل للعہ

جناب محمد رافت اللہ صاحب گورکھپور دہعہ
" محمد شریف صاحب قیمت کتب ۱۲ر
واپسی رقم " ۱۴ر
جناب سید عبد العزیز صاحب بنگلور ۱۴ہے
" فضل الرحمن صاحب " عہ
" نور محمد صاحب - کولمبو " ۱۴عہ
سفر خرچ از انجمن جونپور عہ - از انجمن اعظم گڈھ عہ
از انجمن پرتابگڈھ عہ - از انجمن فرخ آباد عہ
میزان ۱۳ہ عہ بقلم خواجہ عبد الغنی مینجر و سیکرٹری الدین کرک

یہ فہرست اُس امداد کی ہے جو اسلام کے در د رکھنے والے اصحاب نے اس مشن کی کی جو امداد حیدر آباد کے نیکدل اصحاب نے کی وہ اگلے صفحہ پر درج ہے ہر دو امداد کی بابت سے وہ رقوم ہیں جو خالص مفت اشاعت ریویو کے لیے مجھے موصول ہوئیں - میرے نزدیک نصف اور ۲ کے درمیان رقمیں اسلامک ریویو کی ہیں - جیسے کہ رجسٹر آمد سے اندازہ ہوتا ہے - لیکن اس سال بعض دیگر اخراجات دوکنگ بڑھتے دیکھکر ہر ایک قسم کی امداد کو ایک جگہہ فہرستہائے مندرجہ میں جمع کرا دیا ہے - اور بقیہ کو قیمت خریداری رسالجات میں رکھا ہے ہاں زر امداد میں سے بعض کتب کی قیمت ڈیڑھ صد روپیہ کے قریب اور صرف اس قدر رسالجات اردو انگریزی کی قیمت منہا کر کے جو بعض معطی صاحبان کی خدمت میں جاتے ہیں - اور جو چھ سات صد روپیہ ہو گی باقی کل کی کل آمد زر امداد میں کھلا دی ہے اور جو چودہ ہزار سے اوپر ہوتی ہے - ہاں میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر رسالجات کی آمد و خرچ کا حساب الگ الگ کیا جاوے - اور منافع نکالا جاوے تو پھر یہ آسانی سے نظر آسکتا ہے کہ چار یا پانچ ہزار کے درمیان رقم اس مشن کو انگریزی اردو رسالہ کے فنڈ سے ملی ہے - اور اس امر کے لیئے میں خدا تعالیٰ کا ہی لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایسا کرنے کی توفیق دی اور میں نہایت عجز و الحاح سے جناب باری میں دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مجھے ایسا کرنے کی توفیق دے کہ میں ان رسالجات کے منافع کو اس کام پر لگا دیا کروں اور خدا وہ دن بھی مجھ پر لاوے کہ میں ان رسالجات کی ایڈیٹری کا بھی معاوضہ نہ لوں اور ان کی کل کی کل آمد اس مشن کو نذر کروں آمین

فہرست زر امداد از حیدرآباد دکن

بہ سکہ انگریزی

نام	رقم
عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر ...	تیس ہزار
عالیجناب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر	صہ
عالیجناب نواب فیاض الدولہ صاحب بہادر	مار
عالیجناب مسٹر حیدری صاحب	مار
محل نواب ممتاز یار الدولہ بہادر	مار
عالیجنابہ مسز المانطیفی صاحبہ	مار
میاں صلاح الدین صاحب عزیز نواب حاکم الدولہ صاحب بہادر مرحوم ...	سہ
جناب میجر عظمت اللہ شاہ صاحب	صہ
جناب کپتان فرحت علی صاحب	[illegible]
" " عنایت علی صاحب	عہ
جنابہ مس نصیر الدین تیموری صاحبہ	[illegible]
جناب سید معظم علی صاحب	عہ
جناب مولوی حمید الدین صاحب	سے
جناب محمد اکرام حسین صاحب	سہ
جناب مولوی غازی الدین صاحب	عہ
عالیجناب مسٹر حیدری صاحب بجناب مسز حیدری صاحبہ	مار
نواب عزیز جنگ بہادر	سہ
مسز نصر اللہ خان صاحب	مار
نظام کلب* بار سوم	[illegible]

* تفصیل بسکہ حالی جو دفتر کلب سے آئی وہ حسب ذیل ہے

نام	رقم
مولوی عبد الباقر صاحب	صہ
نواب عزیز یار جنگ بہادر	[illegible]

بہ سکہ حالی

نام	رقم
از نظام کلب* بار اول	[illegible]
جنابہ مسز سید محمود صاحبہ	مار
جنابہ مسز نواب عماد الملک بہادر	صار
انجمن خواتین اسلام بلدہ حیدرآباد	سار
عالیجناب نواب بشیر جنگ بہادر	للعار
معرفت جناب ڈاکٹر فقیہ الدین صاحب	[illegible]
جناب ہاشم معز الدین صاحب	[illegible]
عالیجناب نواب بہرام الدولہ بہادر	مار
از معلوم الاسم صاحب بر شین پرچھنی	[illegible]
سیٹھ محمد موسیٰ صاحب سکندرآباد	صر
جناب مولوی عبد العلی صاحب وکیل بابت عوت	[illegible]
جناب غازی الدین احمد صاحب	عہ
جناب شجاع الدین طیب جی صاحب	[illegible]
از نظام کلب بار دوم	عہ بہ تفصیل ذیل :-
نواب میر محمد علی صاحب بہادر	عہ
نواب مہر الدولہ صاحب بہادر	صہ
مولوی غلام محمد صاحب	عہ
نواب میر خورشید علی صاحب	[illegible]
جناب محمد عبد الجبار صاحب	عہ
نواب احسان جنگ صاحب	[illegible]

میزان [illegible] جو حساب [illegible] فی صدی کا ٹیادن۔ برابر ہوئے بہ سکہ انگریزی [illegible] ۲۶۵۰

* اس کی تفصیل دفتر کلب سے دریافت کی گئی ہے جو آئندہ پرچہ رسالہ کی جاوے گی ۔

کوئی طریق مراعات بزرگان حیدرآباد نے میرے ساتھ نہیں چھوڑا۔ امداد کی رو سے بھی کل دیگر مسلم برادران ہند کے مقابل صرف ایک بلدہ حیدرآباد کے مسلمانوں نے نہایت دریا دلی سے اس مسلم مشن کی امداد کی۔ اگر ایک اس بلدہ کے بزرگ اس طرف توجہ کر لیں تو ووکنگ مشن بہت حد تک مالی مشکلات سے بچ جاتا ہے۔

مجھے اخیر میں علی الخصوص مسز سروجنی نائیڈو کا اس لیئے شکریہ ادا کرنا ہے۔ کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی حیثیت میں میرے ساتھ ایک مسلمہ کا سا سلوک کیا۔ میرا کوئی ہی لیکچر ہوگا جس میں آپ موجود نہ تھیں۔ میرے مشن سے آپ کو ازحد دلچسپی ہے۔ آپ نے اسکی مالی امداد کا بھی بوجہ احسن انتظام کیا۔ یہ آپ کی ہی تجویز تھی کہ ایک تھیٹر میں بذریعہ ٹکٹ کے میرا لیکچر ہوا جو ازحد کامیاب ہوا۔ اس کی آمد جمع ہونے کے بعد ۱۹۱۶ء میں بذریعہ نواب نذیر جنگ بہادر مجھے ملی جو ۱۹۱۶ء کے حساب میں درج کی گئی +

حضرت مسیحؑ کا مذہب کیا تھا۔

عہد جدید میں بعض ایسی عبارتیں ہیں جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں یوحنا باب ۱۷ کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جہاں اس مقدس معلم کے سخت اضطراب اور کرب اندیشہ کا ذکر ہے جو آپ کو ایسے خطرناک دکھ اور مصیبت کے وارد ہونے پر لاحق ہوا۔ جناب مسیحؑ کو اپنی سلامتی کے اندیشہ سے اپنی مشن کے صحیح مفہوم کا فکر کسیطرح کم نہ تھا۔ چنانچہ دیگر انبیاء کی طرح آپ نے بھی دین کی بنیاد کو تمام چیزوں پر مقدم رکھا جب موت آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ اس وقت آپ کے دل و دماغ میں کس چیز کا غلبہ تھا۔ ہاں اسی دین حقہ کا جس کی اشاعت کے واسطے آپ مامور کیئے گئے تھے۔ وہ تعلیم باصداقت ہے جسے آپ نے اپنی گرفتاری کے وقت اعلان فرمایا۔" اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھ کو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" ملاحظہ ہو یوحنا

کی انجیل باب ۱۷ آیت ۳ +

یہی ایک سچی تعلیم تھی اور یہی جناب مسیح علیہ السلام کا دین تھا۔ یہ آپ کو یقین تھا اور اسی کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ کہ ہمیشہ کی زندگی خدا تعالےٰ کے سچے تصور کا نام ہے اور اسی سے اعمال صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے "واحد سچے خدا کے علم" کو "ہمیشہ کی زندگی" سے مطابقت دی ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر موخر الذکر کے لیے لازمی ہے۔ الغرض مسئلہ توحید باریتعالی پر آپ نے سخت زور دیا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی یعنی اس دنیا اور آئندہ کی راحت و آرام کی زندگی روح کی ایک آرزو ہوتی ہے۔ اور اس وقت جب جناب مسیح نے یہ سمجھا کہ اب میرا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے لوگوں کو واضح طور سے بتلا دیا کہ کس طرح ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ نے صاف اور بیّن الفاظ میں بتلایا کہ اکیلے سچے خدا پر ایمان رکھنا چاہیئے۔

اسی باب کی سترھویں آیت میں مذکور ہے "انھیں اپنی سچائی سے پاک کر۔ تیرا کلام سچائی ہے" پھر چھبیسویں آیت میں اس طرح آیا ہے "اور میں نے تیرا نام اُن پر ظاہر کیا۔ اور ظاہر کرونگا تاکہ وہ پیار جس سے تو نے مجھے پیار کیا ہے ان میں ہو اور میں اُن میں ہوں" چھٹی آیت میں بھی لکھا ہے کہ "میں نے تیرے نام کو اُن آدمیوں پر ظاہر کیا ہے" متی اور لوقا نے بھی اسی تعلیم کو جناب مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سوال پر کہ "اے اُستاد شرع میں بڑا حکم کون ہے" مندرجہ ذیل اہم جواب دیا گیا ہے۔

"یسوع نے اُس سے کہا خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر۔ پہلا اور بڑا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اُس کے مانند ہے۔ کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو۔ انھیں دو احکام پر ساری شرع اور سب انبیا کی باتیں موقوف ہیں" (متی باب ۲۲ آیت ۳۷ تا ۴۰) +

یہ تعلیم جو صاف اور پُر زور الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ تمام اقسام کے مشرکانہ خیالات اور مسئلہ تثلیث کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اگر ہم واحد خدا کی اپنی ساری دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے عبادت کریں تو پھر کسی دوسرے معبود کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں صداقت قطعی اور عام ہے۔ انھیں تمام انبیا نے صداقت کے علاوہ کچھ بھی تعلیم نہیں کی۔ اب

اس امر سے کہ جناب مسیح کی وہی تعلیمات تھیں جو دیگر انبیاء نے دیں۔ آپ کی مشن کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ جو طرز دلیل آپ نے اختیار کی۔ اُس سے صرف یہی ثابت کرنا مقصود نہ تھا کہ جملہ انبیاء کی بعثت کا مدعا توحید الٰہی تھا۔ بلکہ آپ نے یہ بھی بتلانا چاہا کہ بقول یہود آپ مکار نہ تھے بلکہ آپ ایک سچے رسول تھے۔ خدا تعالےٰ کی توحید کا اعلان کرنے کے بعد جناب مسیح نے اپنے نام کے ساتھ الفاظ "جسے تو نے بھیجا" زیادہ کئے تاکہ پیروؤں کو یہ معلوم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کے ایک رسول تھے نہ معبود۔ ہندوستان میں کرشن اور رامچندر خدا مانے جاتے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے۔ بدھ بھی ایک معصوم ذات سمجھا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے جناب مسیح کے پیروؤں نے بھی آپ کی [illegible] بات کو ترک کر کے آپ کو معبود بنا لیا اُنکے اس فعل پر آپکی روح کو کس قدر صدمہ پہنچتا ہوگا۔ کیونکہ آپ نے [illegible] کا اعلان کرنے کے لئے کہ میں خدا کا ایک رسول ہوں۔ کس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کئے۔ بہرحال جو کچھ پیرو کر رہے ہیں آپ اُس سے بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنا کام حسن و خوبی انجام دیدیا۔ غالباً آپکو پہلے سے یہ گمان تھا کہ آپ کے پیرو اصلیت سے دور جا پڑیں گے کیونکہ آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے "جب تک کہ میں اُن کے ساتھ دنیا میں تھا۔ تب تک تیرے نام سے ان کی حفاظت کی" (یوحنا باب آیت ۱۲)۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح کو خوش کرنے کا اب صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تعلیم آپ نے دی اُس پر ایمان قائم ہو۔ چنانچہ یوحنا باب آیت ۳ میں مرقوم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ واحد اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اسکے ایک رسول ہیں۔

اسی قسم کی تعلیم حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آنحضرت صلعم نے غلطی ہو جانے کی کوئی بھی گنجائش نہیں رکھی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اسلام کا جوہر رکھ دیا۔ جسے روزمرہ ایک مسلم بچہ، مرد، عورت، اعلیٰ ادنیٰ، مشرقی مغربی ورد کرتا رہتا ہے علاوہ یہ کلمہ ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی پرستش ہرگز نہ کی جائے۔ بلکہ آپ کو خدا تعالےٰ کا رسول سمجھنا چاہیئے اور صرف واحد خدا کی عبادت کرنی چاہیئے جس کی تعلیم صرف آنحضرت صلعم ہی نے نہیں دی بلکہ تمام انبیاء نے دی۔

اُجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اس کا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جاوے گا۔ مشتہرین کے لیئے اپنے اشتہار درج کرانے کا اس سے بہتر کرنا در موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا +

مینجر رسالہ

انداز صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
پاؤ چوتھائی	عہ/	۱۲ عہ/	للعہ/	[illegible]
نصف	۱۲ ۲/	صہ/	للعہ/	۱۵ صہ
پورا	للعہ/	۱۰ عہ	۱۸ عہ	۳۰ عہ

نوٹ:۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

چھ مشہور دوائیوں کا بکس

آزمائش کیجئے — آپکا شکریہ

ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ اسی سال سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اس لئے قدیم خریداروں کو مطلع کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف نئے صاحبان کے لئے جو اشتہاری ادویات سے متنفر ہو گئے ہوں یقین دلانے اور آزمائش کے لئے یہ مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کے نمونہ کا بکس بنا ہے جس میں اس قدر کافی ہر ایک دوا ہے کہ آزمائش پورے طور سے ہو سکتی ہے۔ یہ پیٹنٹ شیشیوں میں بھری ہوئی خوبصورت کاغذ کے بکس میں بند رہتی ہیں۔ جنکے ساتھ ان کے حالات کی چھپی ہوئی کتاب اور استعمال کی ترکیب بھی رہتی ہے مگر باہر لے جانے کے لئے یہ نمونہ ہے اور مسافرت کی حالت میں بہت مدد دیتی ہے۔ تھوڑے خرچ میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص مفید دواؤں کا فائدہ ملتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کی تھوڑے ہی خرچ میں بہتری ہو سکتی ہے۔ ہر ایک پوری شیشی کے دام الگ الگ ہیں +

دواؤں کے نام

دمہ کی دوا۔ دمہ کیسا ہی زور میں ہو فوراً دباتی ہے +

کولا ٹانک۔ ہر ایک کے لیئے طاقت بڑھانے کی دوا +

مقوی باہ کی گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ +

عرق کافور۔ ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک ہی دوا +

جلاب کی گولیاں۔ جلاب کی گولیاں شب کو سوتے وقت کھا لینے سے صبح کو صاف اجابت ہوتی ہے +

عرق پودینہ سبز۔ درد شکم و ریاحی درد کی دوا +

پوری حالات کی فہرست بلا قیمت طلب کر کے دیکھیئے۔ ادویات ہر جگہ دوکان داروں اور دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں۔ ورنہ کارخانہ سے طلب کیجئے +

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایک سلائی آنکھ اندھی آنکھ روشن کرنیوالا جواہر نور العین

ہیں سو پچاس ماشہ والا خالص ممیرہ بھی جواہر نور العین کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور ممیرہ اور دیگر اقسام کے سرمہ کی تو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کیونکہ اسکی ایک ہی سلائی سے ۵ منٹ میں دھند دور نظر دگنی پھکوری بھی رتوندی منع۔ اور ایک ہفتہ میں روئے پیٹنے گکرے۔ ناخنہ۔ پڑبال۔ پھولہ۔ موتیا بند ضعف بصارت اور ہر قسم کا اندھاپن معدوم ہوکر نظر بحال ہو جاتی ہے اور آنکھ بنوانے اور عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت فی ماشہ درجہ خاص عـه درجہ اعلےٰ للعہ درجہ اول عار

بے شمار اسنادات میں سے صرف چند کی مختصر نقل انکے اصلی الفاظ میں

دس سال کی پھکوری دور کردی۔ دستخط خواجہ معین صاحب از راولپنڈی۔	میری آنکھوں کو کمال فائدہ ہوا دستخط خالد خان صاحب نائب تحصیلدار اگرہ شہر او	۲۵ برس کی بند آنکھ کھل گئی اور پڑبال دور ہوگئی دستخط لالہ رام صاحب زمیندار کانپور	آنکھ کا ڈھیلا کاٹکر نکالنے سے بچا دیا۔ دستخط حکیم مشتاق حسین صاحب میڈیکل
۱۴ برس کا اندھا ایک ہفتہ میں اچھا کردیا۔ دستخط ڈاکٹر غلام حیدر صاحب شرقپور	دس برس کے گکرے یعنے روئے دور کردیئے دستخط شہزادہ ضیاء الدین صاحب از شاہپور	ایک برس کی اندھی آنکھ اچھی کردی دستخط عبد العزیز صاحب قانون گو اسکردو کشمیر۔	اپریشن سے جو گکرے دور نہ ہوئے تھے جواہر نور العین نے اچھے کردیئے عبد الرحیم صاحب علاقہ کلی [illegible]
پانچ سال کی رتوندھی یعنے پھکوری دور کردی۔ دستخط منشی غلام حسین صاحب از راولپنڈی	موتیا بند اور پھولے کے دس مریض اچھے کردیئے۔ دستخط سردار امیر محمد خان صاحب گورنر غزنی۔	۱۵ سالہ چیچک کا پھولہ دور کردیا دستخط سردار سید محمد صاحب کابل۔	فوائد مندرجہ اشتہار سے بڑھکر مفید پایا۔ دستخط سید علی احمد صاحب پولیس سرکار [illegible]

شربت جانفزا

بھوک لگاتا۔ کھانا ہضم کرتا۔ اور سرخ اور نفیس خون پیدا کرکے تمام جسم کی پرورش کرتا۔ اور دبلے پتلے کو فربہ اور تیار اور [illegible] بناتا۔ اور دل و دماغ کو طاقت دے کر عقل ہوش و حواس اور حافظہ تیز کرتا ہے۔ بحالت سکتہ اور غشی اس کی ایک خوراک دینے سے ۵ منٹ میں مریض ہوش میں آکر بات چیت کرنے لگتا ہے۔ خنازیری مزاج کے بچے جو ہمیشہ کمزور دبلے پتلے۔ اور معدہ اور امعاء اور سینہ کی امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے استعمال سے جلد تر توانا ہو جاتے ہیں۔ کھانسی اور سل کی امراض کے لئے تو اکسیر بے نظیر ہے۔ ایک مہینہ میں تین پونڈ وزن بڑھاتا ہے۔ قیمت فی شیشی عار

حسن افروز

چہرہ کی چھائیاں اور پٹا اور زرد داغ چند منٹ میں دور کر کے سیاہ فام کو گلفام بناتا ہے قیمت فی شیشی عـه

پتہ ڈاکٹر نبی بخش سابق میڈیکل افسر افغانستان۔ لاہور دہلی دروازہ

بواسیر کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اور اس کا علاج
بواسیر سات قسم کی ہوتی ہے جس کے باعتبار صورت مختلف نام ہیں
کون قسم بواسیر اچھا ہے اور کون برا؟
یاد رکھئے کہ جو مسے پچھلی طرف پاخانہ کے دائیں بائیں ہوں وہ کم تکلیف دیتے ہیں اور جو مسے اگلی طرف ہوں یعنی عضو تناسل کے نیچے ہوں۔ وہ خراب قسم ہے کیونکہ درد سے پیشاب میں سوزش ہو جایا کرتی ہے اور پیشاب رک رک کر آیا کرتا ہے
جو لوگ صرف مسوں کو کٹوا کر خوش ہوتے ہیں کہ
کر بواسیر سے عمر بھر کے لئے بچ جائیں گے وہ غلطی پر ہیں جب تک کہ اندرونی علاج پر زور دے کر اعضا کی اصلاح نہ کی جائے یہ مرض جڑ سے نہیں جائے گا۔
پس اگر آپ بواسیر سے نجات چاہتے ہیں تو باصول علاج
کریں جو تشخیص کے مطابق ہے اور علم طب سے جس کے مفید ہونے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔
علاج دفعیہ بواسیر اور اس کے عوارض سے بچنے کی تدبیر
یہ ہے کہ:- (۱) دائمی قبض کو دور کیا جائے (۲) جگر کے فعل کو درست کیا جائے (۳) معدہ کی خرابی سے جو فتور جگر و ہاضمہ میں ہو گیا ہو اس کی اصلاح کی جائے (۴) امعاء کے فعل کو جذب اور اس کی حرکت دودی کو درست بنایا جائے (۵) خراش امعا اور رکاوٹ امعاء کی درستی (۶) ان دواؤں اور غذاؤں سے اجتناب کیا جائے جن کا اثر امعاء میں خراش پیدا کیا کرتا ہے مثلاً گرم مصالحہ۔ بینگن۔ کریلا۔ سنامکی (۷) اجتماع خون سے جو غدود وریدیں مجتمع ہو کر رستہ میں مانع ہیں ان کی رکاوٹ دور کی جائے اور وہ تحلیل ہو جاویں (۸) پاخانہ نرم آنے کی کوشش کیجئے کیونکہ سدہ شدہ امعاء میں خراش کرتا ہے۔
بواسیر کا علاج جلد کرنا چاہئے کیونکہ یہ عجیب مرض ہے
ورنہ بہت سی بیماریاں حاضر ہونے کو تیار ہونگی اوّل تو جگہ شرمناک ہے اگر مرض زیادہ بڑھ گیا تو پھر لوگوں کو چوتڑ دکھاتے پھرنا کیسا قبیح امر ہے۔ دوم اس حصہ کا مرض اس لئے خراب ہوتا ہے کہ گزرگاہ فضلات ہے۔ سوم یہ حصہ شدید الحس ہے۔ چہارم یاد رہے کہ امعاء کی خرابی سے ۱۲ عارضے پیدا ہوتے ہیں (۱) بواسیر (۲) ریح البواسیر (۳) کثر البواسیر (۴) ثواسیر (۵) ورم معدہ (۶) شستان (۷) استرخار مقعد (۸) خروج مقعد (۹) مسک مقعد (۱۰) قروح مقعد (۱۱) مقعد میں خشونت (۱۲) نزف الدم۔ پس اگر آپ ان سب سے نجات چاہتے ہیں تو حکیم حاذق کا علاج کرائیے۔
بواسیر میں اکثر وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو عیش و عشرت
میں زندگی بسر کرتے ہیں غذا کھا کر جماع کرنا۔ چھوٹی عمر کی بداعمالیاں۔ بلاضرورت مسہل لیتے رہنا چورن کثرت سے کھانا۔ غذا کھا کر بیٹھ کر کام کرنا۔ اور جو مرغن غذا مثل پلاؤ، گوشت، قورمہ کھا کر ریاضت نہیں کرتے ملک سندھ میں بوجہ کثرت یبوست و خرابی خون اسکے موید و محرک ہیں علامات مندرجہ بطور پہچان بواسیری کا چہرہ مخصوص رنگ کا ہوتا ہے۔ یعنی زردی مائل بہ سبزی۔ مقعد میں بوجھ۔ کبھی درد کبھی خارش۔ اور خون میں خون دودھی نہار کی طرح آنا۔ براز کے ساتھ ملا ہوا نہ آتا۔
بے علم لوگوں کے علاج سے بچو اور ہماری حب دفع بواسیر
فوراً منگا کر استعمال کرو۔ ان گولیوں سے بواسیر خونی و ریحی و بادی آہستہ آہستہ دور ہو جاتی ہے مسوں کی ٹیس درد جلن۔ پانی نکلنا بند ہو جاتا ہے نیز مرہم دو روپے مسوں پر لگانے کی دوا جس سے درد سوزش زرد آب خارش دور ہوتی ہے قیمت فی پڑیہ آٹھ آنہ۔
حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکما موجد زرد ہنر لاہور

معاونین اشاعت اسلام توجہ فرماویں

اس جنگ کے باعث جہاں اور چیزیں گراں ہوگئی ہیں۔ وہاں کاغذ کی قیمت آگے سے ڈیوڑھی سے بھی زیادہ ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اب کیا کریں۔ قیمت رسالہ ہم بڑھا نہیں سکتے اور جس کاغذ پر خصوصاً پچھلے سال رسالہ چھپتا رہا ہے اُس کی گنجائش نہیں۔ بہرحال ہم نے کوشش کی ہے کہ کاغذ سابق کے قریب قریب ہی لگایا جاوے۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ کاغذ دن بدن قیمت میں گراں ہوتا جاتا ہے۔ اور موجودہ حالات کے ماتحت گنجائش نہیں رہتی۔ ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ رسالہ کی قیمت بڑھا دیں۔ ہاں معاونین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے متعلقین میں اس رسالہ کی اشاعت بڑھانے کا انتظام فرما دیں۔ اگر خریداری اس کی بڑھ جاوے تو پھر اس کمی کاغذ کے نقص بھی آسانی سے دور ہو سکتے ہیں۔

خرید کتب اور اشاعت اسلام کی اعانت

اشاعت اسلام بک ڈپو کی کتب آپ خرید کر صرف ایک بہترین مذہبی لٹریچر ہی حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ آپ اشاعت اسلام کی بھی مدد کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کتب کا منافع اشاعت اسلام پر ہی خرچ ہوتا ہے۔

المشتہر

خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور احمدیہ بلڈنگس

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب

یعنے

ام الالسنہ

معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان

اس نادر کتاب میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان نہ صرف کل دنیا جہان کی زبانوں کی ماں ہی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ الہامی زبان بھی ہے۔ دلائل بالکل فلالوجی (علم اللسان) کے اصولوں پر دیئے ہیں یورپین ماہرین علم اللسان کے دلائل پر فاضلانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ پھر ایسے دقیق مضمون کو نہایت ہی دلچسپ و سلیس زبان میں لکھا ہے قیمت صرف دس آنے جو اب تخفیف کردہ ہے۔ . (۱۰ / مجلد)

اسوہ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا، چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپ کی ذات پاک ہی ہے اور آپکے بعد کوئی نبی نہیں آویگا۔

نوٹ:۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا + قیمت صرف ۴/

پتہ

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی) و مولوی صدر الدین (بی۔اے)

نمبر (۶)	بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء	جلد (۲)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات ۲۴۱ + (۲) مسئلہ زندگانی ۲۴۸ + (۳) اسلام کی ایک سرگذشت ۲۵۲ + (۴) اسلام کی عالمگیر اخوت ۲۵۷ + (۵) کیا جنگ خدا تعالےٰ کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟ ۲۷۱ + (۶) سبائیوں کا موجود ... ۲۸۷

... ماہ جون ۱۹۱۶ء ... صاحب ... سیکرٹری ... احمدیہ ... پریس ...

قیمت سالانہ ...

Yours in Allah, Dudley Wright
Mohammad Sadiq.

اس رسالہ کے ساتھ جو تصویر شایع ہوتی ہے وہ مسٹر ڈڈلے رایٹ مشہور اخبار نویس کی ہے جس کا اسلامی نام محمد صادق ہے۔ انھوں نے گذشتہ عید سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ اور انہی ایام میں اس کے بعض مضامین عید کے متعلق مختلف اسلامی اخباروں میں نکلے تھے۔

ووکنگ مشن اس ماہ میں بھی خدا کے فضل سے ایک عمدہ تعداد نومسلمین کے اضافہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ یعنی یکم اپریل سے ۲۷ اپریل تک چھ نئے ممبروں کا نام رجسٹر میں داخل ہوا۔ جن میں سے ایک پرانے مسلمان ہیں اور باقی پانچ معزز انگریز ہیں جنھوں نے اس ماہ میں اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک خاتون اور چار مرد ہیں۔ یہ خاتون آنریبل مسز ایچ گفورڈ ہیں۔ جن کا اسلامی نام حمیدہ بیگم رکھا گیا۔ ان کے اسلام کے متعلق پچھلے ماہ کے رسالہ میں مفصل اور دلچسپ رپورٹ قدوائی صاحب کی قلم سے شائع ہو چکی +

ایک اور صاحب جنھوں نے اس ماہ میں اسلام کا اعلان کیا ہے مسٹر سیکسبی ہیں۔ جو

ایک نومسلم خاتون مسز امینہ سیکسبی کے خاوند ہیں۔ یہ خاتون اشاعت اسلام کے لیئے خاص درد رکھتی ہیں۔ اور سات آٹھ ماہ سے مسلمان ہوچکی ہیں۔ انہی کے اخلاص اور جوش کو دیکھ کر اور ان کے وجود میں اسلامی خوبیوں کا عملی نمونہ دیکھ کر خود مسٹر سیکسبی نے بھی ۲۱ اپریل کو نماز جمعہ میں اسلام کا اعلان کیا۔

مکرمہ امینہ کے جوش تبلیغ کا ہی نتیجہ دو اور اشخاص کا اعلان اسلام تھا جو اسی جمعہ کو ہؤا اور اس طرح یہ گڈ فرائیڈے اسلام کے لیئے ایک مبارک جمعہ ثابت ہؤا۔ ان دونوں اشخاص کو مسز سیکسبی امینہ نے بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کی۔ یہ دونوں فوجی آدمی ہیں اور جمعہ کے روز اُن کے تحریری اعلان تمام مجمع میں پڑھے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب کا نام بشیر اور دوسرے کا نام عزیز رکھا گیا۔ اور مسٹر سیکسبی کا نام امین تجویز کیا گیا +

ایک صاحب جو فوج میں کپتان ہیں وہ بھی اسلام کا اعلان کرچکے ہیں لیکن اُن کے نام کا سردست اعلان نہیں کیا گیا۔

انگلستان میں پرانے مسلمانوں میں ریٹائرڈ میجر جنرل جی بی ڈکسن ہیں۔ اب ان کے نام کا بھی برٹش اسلامک سوسائٹی کے ممبران میں اضافہ ہوتا ہے +

بعض ان خواتین کا جوش تبلیغ جنھوں نے حال میں ہی اسلام قبول کیا ہے قابل رشک ہے۔ وہ لوگ جو اباعن جد مسلمان چلے آتے ہیں۔ اگر ان میں اس جوش کا عشر عشیر بھی ہوتا تو آج اسلام دُنیا میں ایک کثیر گروہ کو جو اب تک غلطیوں میں مبتلا ہے راہ حق پر لا چکا ہوتا۔ ان میں سے ایک خاتون مسز امینہ کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ تین اعلان ایک جمعہ میں انہی کی تبلیغ سے ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر قابل تعریف یہ بات ہے کہ اُنھوں نے اپنے خاوند کو اپنا ہمخیال کر لیا ہے جس سے اُنکی صداقت اور خلوص کا کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ان تین کے اس سے پہلے انہی خاتون کے ذریعہ سے حنیفہ میری اسلام قبول کرچکی ہیں اور اس طرح پر سات آٹھ ماہ کے عرصہ میں چار مسلمان ان کے ذریعہ سے ہوچکے ہیں۔ خود ان کا صاحبزادہ بھی عنقریب اعلان اسلام کرنیوالا ہے اور دو اور اشخاص بھی اُن کے زیر اثر ہیں جو عنقریب اعلان اسلام کریں گے۔*

*نوٹ۔ دوسری ڈاک میں اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ان دو اشخاص نے اعلان اسلام دوسرے جمعہ میں کردیا۔ انہیں سے ایک مرد اور ایک خاتون ہیں۔

دوسری خاتون جن کو اللہ تعالےٰ نے تبلیغ اسلام کا خاص جوش بخشا ہے۔ شریفہ بیگم صاحبہ ہیں ان کے ذریعہ سے بھی اب تک کوئی سات آٹھ اشخاص داخل اسلام ہو چکے ہیں +

اگر ان مسلمانوں میں جو وقتاً فوقتاً انگلستان میں گئے ہیں ان خواتین کے جوش تبلیغ اسلام کا دسواں حصہ بھی ہوتا۔ اور ایک ایک مسلمان بھی ان کے ذریعہ سے ہوتا تو آجتک انگلستان میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوتے۔ یہ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ نومسلم خواتین کے ذریعہ سے تو کئی کئی مسلمان ہو جائیں۔ مگر ہمارے وُہ بھائی جو انگلستان میں جاتے ہیں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جو ایک ہی دل کو اسلام کی طرف مائل کرے۔ ہاں مسلمانوں کو اگر فکر ہوتی ہے تو یہ کہ وہ جو ولایت میں مسلمان ہوتے ہیں ان میں فلاں کمزوری ہے۔ کاش وہ دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنے سے پہلے اپنی کمزوریوں کا علاج کرتے اور دنیا کو دکھاتے کہ ایک مسلمان بغیر تنخواہ دار ملازم ہونے کے اسلام کی تبلیغ کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے۔ یہی وُہ بات تھی جس نے دنیا کی گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکا دیا تھا۔ کہ اس کا ادنےٰ سے ادنےٰ خادم کہیں چلا جاتا تو اپنے ہزاروں کاموں میں بھی اس اصلی اور حقیقی کام کو جس پر قوم کی زندگی اور ترقی کا دارومدار تھا نہ بھولتا تھا۔ کہ سب سے پہلے اس نے اس نعمت عظمےٰ کی اطلاع دوسروں کو دینی ہے جس سے وہ خود بہرہ ور ہوا ہے۔ پھر آج یہ کیسی مردنی مسلمانوں پر چھا گئی کہ ہزاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو دوسری جگہ جا کر اسلام کی عظمت کا کچھ نقشہ دلوں پر بٹھا سکتا۔ خدا نے اس قوم کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا تھا۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو پھر ان کا امتیاز یہ تھا کہ یدعون الی الخیر لوگوں کو اس عظیم الشان خیر اسلام کیطرف بلاتے رہیں۔ جس کے قبول کرنے میں دنیا کی حقیقی بہتری ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس وہ جوہر تھا جس سے دُنیا کو یہ بڑے بڑے فوائد پہنچا سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا چھپایا۔ کہ آخر خود بھی ان کو شک ہو گیا کہ ہمارے پاس فی الواقع کوئی خوبی کی بات ہے بھی یا نہیں۔ کاش اب بھی سنبھلیں اور تبلیغ اسلام کو اپنا سب سے پہلا فرض سمجھیں +

خدا کا شکر ہے کہ ووکنگ مشن نے ان نومسلموں کو پیدا کیا ہے جو اپنے اندر جوش تبلیغ بھی کمال درجہ کا رکھتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان نومسلموں کے خلوص پر اور ان کی اسلام کے ساتھ قلبی

محبت پر شہادت ہے۔ بلکہ خود ووکنگ مشن کے کام کرنے والوں کے خلوص اور اُنکی نیکی پر بھی ایک شہادت ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ تعلق ووکنگ مشن سے کسی نومسلم کا ہوا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس میں تبلیغ اسلام کا جوش بھی پایا جاتا ہے اور یہ ہو نہ سکتا تھا جب تک کہ ووکنگ مشن کے کارکن نیکی کا وہ نمونہ دکھاتے جو ایک تعلیمیافتہ قوم کے دل پر ایسا گہرا اثر کرتا۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ بیرونی مخالف اور اندرونی حاسد جو چاہیں کہیں۔ ووکنگ مشن کے نومسلمین کا یہ جوش تبلیغ ان کی تمام مخالفانہ اور حاسدانہ شرانگیزیوں کا کافی جواب ہے۔ ہاں یہ اپنی کسی قابلیت پر فخر نہیں بلکہ محض خدا کے فضل نے یہ تمام سامان مہیّا کیئے ہیں۔ ورنہ عاجز انسان کیا کرسکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے جسکے نام کا بلند کرنا ہی اس مشن کی اصل غرض ہے۔ یہ دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس کے تمام کاروبار کو چلائے +

مسئلۂ زندگانی ۲

تبدیلی کا لاتبدیل قانون

(از پروفیسر نورالدین سٹیفن)

ہر لمحہ زندگی کا ہے صورتیں بدلتا ۔۔۔ جو کل تھا اب نہیں ہے جو اب ہے کل نہوگا

"مسئلۂ زندگانی" کے سلسلہ میں میں نے اس فقرہ کو جو اس مضمون کا عنوان ہے اکثر استعمال کیا ہے۔ لیکن مجھے جتلایا گیا ہے کہ یہ فقرہ بذات خود متضاد ہے یا خود ہی ایک استثناء ہے جو تبدیلی کے ساتھ لفظ لاتبدیل کی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو قانون لاتبدیل ہے اس میں استثناء کے کیا معنے ہیں۔ جواباً کہتا ہوں کہ (۱) قانون کیا ہے؟ محض ایک جملہ یا چند الفاظ کا مجموعہ جو کسی مسلمہ قاعدہ زندگی یا واقعہ زندگی کو بیان کرے۔ (۲) میں قانون تبدیلی کے متعلق لفظ لاتبدیل کا استعمال کرتا ہوں کیونکہ مجھے دنیا یا زندگی یا خلقت یا نسل انسانی میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملتی جس پر کہ اس

قانون کے عمل کا اثر نہ پڑتا ہو +

ہر موجودہ معدوم ہونے والا ہے۔ ہر ایک شئے جو زمانہ حال میں موجود ہے ایک دن ہو چکی ہوگی۔ زمانہ کی تلون مزاجی بغیر کسی تغیر تبدل کے جاری ہے۔ کوئی ذات اور کوئی شئے اس سے بری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عالمگیر قانون فطرت کو اپنے اوپر اثر پذیر ہونے سے روک سکتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ سائنس نے ایک حد تک اس کے اثر کو تھوڑے عرصہ کے لیئے روک لیا ہے یعنی دیرپا بنا دیا ہے۔ یا بعض حالات کے ماتحت اس کو تبدیل بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل یادداشت ہے کہ اس کو بھی محض ایک محدود عرصہ کے لیئے دیرپا کہا جا سکتا ہے نہ کہ وہ تغیرات زمانہ سے بالکل محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کی عارضی دیرپائی کو دور کر دیا جاتا ہے تو زمانہ نہایت تیزی سے اُسے اپنی دست برد میں لاتا ہے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اس دیرپائی کا معاوضہ بھی کئی گنا تیزی کیسا تھ لیتا ہے چنانچہ اس قانون میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ کیونکہ اعلےٰ اور ادنےٰ ہر دو امور میں اس کا عمل یکسان اور عالمگیر ہے۔ ہاں صرف وقت کے لحاظ سے اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔ بعض حالات میں بقاء اور فنا کا زمانہ گھنٹوں اور بعض میں دنوں اور بعض میں سالوں اور بعض تین صدیوں ظاہر ہوتا ہے بظاہر یہ سلسلہ اس قدر آہستہ چلتا ہے کہ ایک لیپٹنٹ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کئی پشتوں میں بھی اس تبدیلی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تاہم چیزیں اس عظیم الشان قانون کے ماتحت ایک انجام کی طرف چل رہی ہیں۔ خلقت آج اور جیسا کہ پہلے بھی بنتی ہے گرتی ہے اور پھر بنتی ہے۔ قدیم طور طریق مٹ جاتا ہے اور اس کی بجائے نیا قاعدہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ کسی تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسی غیر متغیر قانون قدرت کے عین مطابق اور ماتحتی کے نیچے ہوتا ہے۔ اور لا انتہائی دایرہ کے اندر تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہوتی ہے +

اس مختصر رسالہ میں لمبی بحث کرنا غیر موزون ہوگا۔ اس لیئے میں چند امور بیان کرتا ہوں جن کو میں اصل حقیقت یقین کرتا ہوں اور جن سے میں چند نتائج اخذ کروں گا۔ اور پیارے ناظرین آپکو اختیار ہے چاہے آپ اُن کی تائید کریں یا اختلاف کریں۔ کیونکہ آپ کو بھی مثل میرے آزادانہ خیالات کا حق حاصل ہے +

ہم اپنے عام محاورہ گفتگو میں جب کسی چیز کے متعلق یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی

نہیں آتی تو کہدیتے ہیں ایسی مضبوط جیسے پہاڑ۔ لیکن بعض عام اور شاعرانہ نفروں کی طرح یہ بھی غلط العام ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جیسا کہتے ہیں کہ اٹل پہاڑیاں یا غیر تبدیل ہونے والے پہاڑ۔ سائنس (یا علم طبقات الارض) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ بھی اپنی موجودہ شکل میں شروع سے ایسے نہیں تھے۔ بلکہ اسی قانون کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ پروفیسر گیکیلے کا بیان ہے کہ ایک ایسا بھی زمانہ تھا۔ جبکہ الپس اور پیرینیز پہاڑوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور یہ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو ان پہاڑوں کے پہلو میں اُن چٹانوں کے ٹکڑے ملتے ہیں جو ان پہاڑوں کے پہلے سمندر کی تہ میں تھے اور جس طاقت نے ان پہاڑوں کو زمین کے اوپر رکھا۔ اسی کی وجہ سے یہ چٹانی ٹکڑے بلند ہوکر پہاڑ کے پہلو میں جا پڑے۔ اس امر پر دوسرا مصنف یعنی لنگ اسطرح روشنی ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس قدر ہم علم طبقات الارض کا مطالعہ کرتے ہیں اُتنا ہی صاف واضح ہوتا ہے کہ زمین ہمیشہ ایک متواتر تبدیلی کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اب اگر ہم یہ دریافت کریں کہ کتنی مدت یا کے پشتوں سے یہ تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں تو یہ بالکل بے سود ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسے علم کے حصول سے کوئی فائدہ مدنظر ہے۔ لیکن سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس عظیم قانون قدرت کی غیر تبدیلی کا عینی ثبوت ملتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا اس زمین سے تعلق ہے۔ اس قانون میں کوئی استثنا نظر نہیں آتا +

لینگ ایک دوسرا واقعہ بھی لکھتا ہے جو بادی النظر میں حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسکی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمین مستحکم اور مستقل ہے اور سمندر غیر مستحکم ہے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ زمین ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور سطح سمندر یکساں حالت پر قائم ہے۔ اسجگہ لفظ سطح غور کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہاں صرف سطح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہرحال دیگر صورتوں میں سمندر بھی مثل زمین کے قانون تبدیلی کے ماتحت ہے +

میں خوب جانتا ہوں کہ عینی ثبوت کا وزن نتیجہ خیز دلیل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور کسی کام کو عملی صورت میں دیکھنے کو محض پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور یہ آج بھی اور ہر روز ممکن ہے کیونکہ زمین اور سمندر کی آہستہ مگر یقینی اور متواتر تبدیلی ہمارے سامنے موجود ہے سمندر کبھی ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ کبھی ایک جزیرہ کو ایک جگہ غرقاب کر دیتا ہے۔ اور دُوسری

جگہ دوسرا جزیرہ بنا دیتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا دہانہ مٹی سے پر ہو کر بند ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا قائم ہو جاتا ہے۔ جو ذرائع اس کے لیئے استعمال ہوتے ہیں وہ زیادہ نہیں ہیں۔ در اصل ہر غرض کے واسطے صرف دو ہی ہوتے ہیں۔

(۱) بارش۔ دریا۔ سمندر کی شکل میں پانی کا مٹی وغیرہ کاٹ دینا یا جمع کر دینا۔

(۲) کوہ آتش فشاں کے پھٹنے سے بلندی وغیرہ کا ہو جانا۔

اوّل الذکر کا آہستہ یقینی اور متواتر ہونا۔ موخر الذکر کا دفعہ کے ساتھ اور نہایت تیزی و سرعت سے واقع ہونا۔

معدودے چند ہی اشخاص ایسے ہیں جو موخر الذکر کو اوس کے کام کے وقت دیکھ سکیں لیکن تقریباً ہر شخص ذرہ سی تکلیف اٹھا کر اوّل الذکر کا مشاہدہ کر سکتا ہے

مثلاً دریائے رون کو دیکھو کہ جس وقت وہ جینوا کی جھیل میں گرتا ہے۔ اُس کا پانی نہایت میلا ہوتا ہے۔ لیکن پھر وہاں سے بلور کی مانند صاف و شفاف ہو کر نکلتا ہے۔ کیونکہ مٹی وغیرہ سب جھیل کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی دریائے گنگا اور دنیا کے دوسرے بڑے دریاؤں کا حال ہے الغرض زمانہ دراز کے بعد یہ جھیل خشک زمین بن جاتی ہے۔ اور پھر دریا دوسرا مقام تلاش کر لیتا ہے۔ اسجگہ میں ایک مقامی مثال دیتا ہوں۔ جس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ مینے گذشتہ تاریخ کے مطالعہ کیلیئے یہاں ایام گرما کے دن گذارے ہیں۔ یہاں یعنی لیورپول میں ہم اپنے گھروں کے سامنے دریائے مرسے اور ڈی کو دیکھتے ہیں اور ہمیں بین نشانات معلوم ہوتے ہیں کہ کسطرح اُن میں تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ساحل کے کنارے نیو برائیٹن سے ہائی لیک تک چلیں اور اثنائے راہ میں مطالعہ کرتے جائیں۔ خفیف نشانات کو نظر انداز کر کے ہم میولس (چیشائر) کے قریب پہنچتے ہیں۔ اس مقام اور ہائی لیک کے درمیان ایک بڑے جنگل تک جو کہ بہت دور پانی کے کنارے تک پھیلا ہے اور غالباً مقابل کے کنارے تک جب ہم آتے ہیں تو یہاں ہمیں بڑے بڑے درختوں کے تنے اور جڑیں دکھلائی دیتی ہیں۔ بعض گھیرے میں کئی فیٹ ہیں پس ہم ایک پر کھڑے ہو کر اُس منظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اس وقت جنگی جہاز چل رہے ہیں وُہ پہلے ایک خشک زمین تھی جس میں بڑے بڑے درخت اور سبزہ زار تھے۔

لیکن تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ دریا نے اپنا انتقال کر لیا ہے۔ اس کے بعد ہم جزیرہ نما (ویرل) کی اس طرف
یعنی دریائے ڈی کی جانب روانہ ہوں تو یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ وہی پارک گیٹ جو اس وقت
ایک معمولی سا قصبہ ہے۔ پیشتر یہاں سے ڈاک کے جہاز آئرلینڈ اور دوسرے مقامات کو روانہ ہوتے
تھے۔ اور اب وہاں طغیانی کے وقت صرف ایک چھوٹی کشتی پہنچ سکتی ہے۔ بعد ازاں اگر آپ کے
پاس وقت ہے تو پھر قدیم چیسٹر کی طرف چلیے اور وہاں بھی صاف اور بین واقعات کا مشاہدہ کیجیے
یعنی دیواروں پر کھڑے ہو کر ان کڑیوں کو دیکھیں جہاں تک لنگر جہاز سے جاتے تھے۔ ملاحظہ کیجیے
پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سلاطین شاہی کشتیوں پر سے دیواروں پر چڑھا کرتے تھے۔ اس وقت آپ کو
اس عظیم الشان قانون اور اس کے ماتحت جو تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ ان سب کی کیفیت
واضح ہو جائے گی +

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثالیں ریت کے ذرہ کے برابر ہیں اور ان کا اسکے پیش کرنا لاحاصل
ہے۔ لیکن میں یہ مضمون یہ سمجھ کر نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ ایک تعلیم یافتہ سائینس دان ہیں۔
بلکہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ آپ ایک معمولی قسم کے انسان ہیں اور اوسط درجہ کی تعلیم حاصل
کیئے ہوئے ہیں۔ بہر حال میرا یہ تجربہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں جن کو آپ خود بھی کسی وقت
دیکھ سکتے ہیں۔ بہ نسبت ایک بڑی طغیانی کے جسے ایک ماہر فن کی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں زیادہ
اثر کرنے والی اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں اور یہ بالکل بدیہی ثبوت اس بات کا ہیں کہ ہم تغیر ہونے
والی زمین میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز ساکت نہیں ہے۔ بلکہ قانون تبدیلی کے ماتحت
دورہ کر رہی ہے +

یہاں تک تو مینے اُس ٹھوس زمین کے متعلق جس پر ہم رہتے ہیں بیان کیا۔ اب ہم مختصراً اس
مسئلہ پر غور کریں۔ (۱) زندگی جو ہمیں اس زمین پر ملتی ہے۔ (۲) ذاتی سوال یعنی زندگی جو
ہم اس زمین پر بسر کرتے ہیں۔

چند ایسے مسائل بھی ہیں جو ہمارے امکان سے بالکل باہر ہیں اور جو نہ سائینس اور نہ ہی
تجربہ سے حل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان میں "مسئلۂ زندگی" ایک مسئلہ ہے۔ لیکن اگر زندگی بذات
خود ایک عقدۂ لاینحل ہے تو اس کے تغیرات اور تبدیلیاں بین اور واضح ہیں جنھیں ہر شخص

دیکھ سکتا ہے۔کیونکہ دُنیاوی زندگی میں زمینی خصلت بھی شامل ہے۔یعنی غیر استحکام و تبدیلی
اس جگہ میں ان تمام دلائل کو نہیں دے سکتا جو بااین علم حیات و مسئلہ ارتقا وغیرہ نے بیان
کیئے ہیں۔کیونکہ تقریباً سب نے ایک ہی بات کو مختلف پیرایہ میں لکھا ہے۔اگرچہ نتیجہ میں ایک
دوسرے سے دُور جا پڑے ہیں۔مجھے صرف اس قانون کے متعلق لکھنا ہے جس کی صراحت میں
کوئی شک و شبہہ نہیں ہے اور جس کا ثبوت ذاتی مشاہدہ سے بھی ملتا ہے۔

مردہ جانور یا نباتاتی زندگی میں جو تغیرات واقع ہوئے۔اُن کے دیکھنے کے لیئے زیادہ علم یا مہارت
کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔جیسا کہ زمین کی مختلف تہ کو دیکھنے میں پڑا کرتی ہے۔ہر شخص خود
ہی نباتاتی زندگی میں خصوصاً یہ مشاہدہ کرسکتا ہے۔اور جتنا بھی ہم گذشتہ زمانہ کی طرف چلیں
اُتنا ہی تغیّرات زیادہ واضح ہونے لگیں گے۔حیوانی زندگی میں غالباً اُن لوگوں کو جو علم حیات
سے نابلد ہیں کچھ دقّت واقع ہوگی۔لیکن جو لوگ قصّے پڑھ سکتے ہیں اُن پر بخوبی روشن ہے۔
اگرچہ اوقات زمانہ بہت طول طویل ہیں۔نباتاتی زندگی میں بُہت آسانی ہے۔کیونکہ ہم وہاں
تک جلد پہنچ سکتے ہیں اور اپنے نقش و صورت میں اتنا جدا نہیں ہے۔کیونکہ نئے میں بھی پرانے
کی کچھ اہمیت موجود ہے۔کیونکہ جڑ۔تنے۔پتیاں اپنی مختلف صورت میں بھی پرانے نمونوں میں
ساتھ ملے ہیں +

الغرض بُہت سی ایسی تبدیلیاں ہیں جو بُہت خفیف اور بار بار ہونی والی ہیں جن کا ذکر میں
آئندہ دوسرے مضمون میں کروں گا۔سردست میں قانون تبدیلی کے عمومیت اور اس کا لاتبدیل
ہونا دکھلانا چاہتا ہوں کہ کس طرح اس کا عمل ابتدا سے ہے اور انتہا تک جاری رہے گا +

اب ہمیں اس دنیوی زندگی کے متعلق کیا پتہ لگتا ہے؟ جہاں تک عام انسانی زندگی کا سوال
ہے اُس میں ذرہ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ ہم بیسویں صدی
میں پیدا ہوئے کیونکہ تبدیلی کا راستہ عرصہ سے اوپر یا ترقی کی طرف جا رہا ہے۔غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی حالت روز افزوں ترقی پر ہے اور زندگی گذرانے کے قابل ہے۔اگر
آپ بے تعصّبی کی نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ [illegible] انسان مجموعی صورت
میں ایک دوسرے کے اس قدر قریب نہ تھا جتنا کہ اس زمانہ میں ہے۔اور ہمیں امید ہے کہ

جب اس جنگ کا خاتمہ ہوجائے گا تو قوموں میں یکجہتی اور یگانگت اور بھی بڑھ جائے گی اور نیکیاں سیکھ جائیں گی اور اس موجودہ بدی سے نیکی کا ظہور ہوگا۔ اور بُرے دن گذرنے کے بعد انسان خوش و خرم اور بہتر ہوجائے گا +

ہم جانتے ہیں کہ اس وقت تک بھی امیر اور غریب موجود ہیں۔ رنج والم کالعدم نہیں ہوئے لیکن اگر ہم ابتدائی تمدن کے پرانے خیالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ انسان کی حالت اُس وقت بہت گری ہوئی اور خستہ تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے تبدیلیاں جو ہورہی ہیں وہ ترقی کی طرف چل رہی ہیں۔ اُس وقت زندگی بہت ہوتی ہے۔ شیکسپیر کے زمانہ میں ایک آدمی پچاس یا پینتالیس سال کی عمر میں ضعیف ہوجاتا تھا۔ وہ خود بھی ۵۲ سال کی عمر میں مرگیا اور اس کے ہمعصر کہتے ہیں کہ یہ اچھی خاصی لمبی عمر تھی۔ اس زمانہ میں ایک شخص کے ۷۰ سال میں بھی دماغی قوے درست رہتے ہیں۔ مہذب ممالک میں وہاں کے لوگ بہتر مکان میں رہتے۔ اچھا کھاتے پیتے عمدہ تعلیم حاصل کرتے اور ہر طرح سے انکی نگہداشت ہوتی ہے۔ حالانکہ زمانہ سابق میں یہ باتیں خواب وخیال تھیں۔ قوانین قدرت کا ہم کو خوب علم ہے اور ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کوئی قانون ٹوٹ جائے گا تو اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑیگا اگر سوسائیٹی کا ایک حصہ بھی تکالیف میں ہو تو تمام سوسائٹی بحیثیت مجموعی تکلیف میں پڑجائے گی اور نقصان اٹھائے گی۔ چنانچہ بعض ممالک میں گورنمنٹ نے خود ایک حد تک کچھ بوجھ اپنے اوپر لیا ہے اور نسل انسانی کی بہبودی اور بہتری کے لئے صحت۔ حفظان صحت وغیرہ کے قوانین نافذ کئے ہیں جسکا نتیجہ کیا ہوا۔ کہ ایک بہتر معنا۔ اور لمبی زندگی انسان بسر کرنے لگا۔ ہم نئے ایام۔ نئے طور طریق نئے انسان اور نئے آداب سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں یہ قانون غیر متغیر ہے +

نظم

ہر گھڑی آن نئی بات نئی شان ہے یاں	روز افزوں نو ترقی یہی اعلان ہے یاں
جس پہ اسلاف کو تھا فخر وہ کافور ہوئے	اب تو کچھ پیش نظر اور ہی سامان ہے یاں
کرکے منسوخ انھیں لائیں گے خلاف کچھ اور	بس رواں روز ازل سے یہی پیمان ہے یاں

بہرحال ثبات کہیں نہیں ہے ہم خواہ آگے چلیں یا پیچھے ہٹیں۔ خواہ ترقی کرکے اعلیٰ زندگی میں داخل ہوں یا تنزل کے گڑھے میں گریں۔ جو کہ انسان کے تمام جوہر برمانی مبہرے ہے

یہاں تک تو عام طور سے زندگی کا بیان ہو چکا۔ اب شخصی زندگی پر اس کا کس طرح اثر ہوتا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے جسے مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ بھی **قانون** لاتبدیل اپنا کام شروع سے آخر تک کرتا چلا آتا ہے۔ ایک رومی مصنف لکھتا ہے کہ انسان کی زندگی میں تین حصے ہیں یعنی پیدائش۔ زندگی۔ موت۔ ہمارا اس دنیا میں وارد ہونا۔ اس دنیا میں سفر کرنا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جانا۔ ان میں ایک یعنی پہلا مرحلہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ دوسرا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم جس طرح چاہیں قائم اٹھائیں۔

اب رہا تیسرا سو یہ ہمارے عمل پر مبنی ہے۔ خواہ ہم اسے اچھا بناویں یا برا۔ کیونکہ جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں اس پر شبہ ہے۔ مگر میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی بات صاف اور بین نہیں ہو سکتی۔ نیک یا بد جو کام ہم کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہم کو واپس ملتا ہے سفر میں رکنا یا قیام دیر تک بھی ہو سکتا ہے جس طرح کاروان ریگستان میں ٹھیرتا ہے۔ اور ہم اپنے دل میں یقین کر بیٹھیں کہ اب وہ واپس نہ ہونگے۔ لیکن ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ ہمارے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تحفہ نذر کرتے ہیں یعنی نیک کے واسطے زندگانی اور بد کے لیئے موت۔ اس پہ غور کیجیئے اور اپنے خیال کو مضبوط کر لیجے کسی شاعر نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

گر برا کریگا تو رنج و دکھ بھرے گا	رہے گا تو خوشی کو تکلیف میں رہیگا
ہاں نیک کام کیجے راحت کو ساتھ لیجے	بھٹکے نہ پاس کلفت یوں نام تو کریگا

اب اس قانون کے عمل کو روک نہیں سکتے کیونکہ اس کا کام ہماری پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ ہم وقت کو پھیر کر پھر زندگی کے راستہ پر نہیں چل سکتے۔ کل کا دن گذر گیا۔ آج چل رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ روز فردا نصیب نہ ہو۔ [illegible] ہر ایک وقت میں سے سیکنڈ اور منٹ گذرتے جاتے ہیں۔ اور ہم انہیں روک نہیں سکتے اور نہ گھڑی کی سوئی کو پیچھے پھیر سکتے ہیں۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ہم نمونہ بن کر دوسروں کی بہبودی کا موجب ہوں

نظم

زمانے کے مدوجزر کو نہ پوچھو	فقط آنکھ پھیلائے چپ چاپ دیکھو

کبھی تو یہ بالائے چرخ بریں ہے | کبھی یہ تنزل سے زیر زمین ہے۔
اگر آج ہے صاف مطلع تو کل ہی | برسنے لگے گی گھٹا کالی کالی +
بس انسان کو چاہیئے جان رکھے | بھلائی کا ہر ایک کے دھیان رکھے

اگر زیادہ تر تدبر کرنے والے اور غور کرنے والے ہو جائیں تو ہمیں بہت سی مصیبتوں۔ رنج تکلیفوں اور باتوں سے نجات مل جائے۔ لیکن ایسی باتیں واپس نہیں آتیں اور نہ اُن کا اثر افسوس یا رنج سے دُور ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے سے غور و خیال سے رفع ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مختصر لفظ کہدینا کافی ہے یعنی "افسوس" لیکن ؎

لازم ہے کہ انسان کرے تب توبہ | ہر موئے بدن اس کا کرے جب توبہ
ساقی کس کام کی وہ توبہ تیری | در دل ہوس گناہ و برلب توبہ

زیں توبۂ نادرست یارب توبہ

ہم غلطیوں سے بچ نہیں سکتے اور بعض وقت تندمزاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن سے ہم کو آئیندہ کے لیئے سبق حاصل کرنا چاہیئے تاکہ پھر اس قسم کے فعل سرزد نہ ہوں +

کیا یہ مشکل بات معلوم ہوتی ہے جب چاروں طرف دیکھ کر محسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر چہار اطراف تغیر اور زوال ہی زوال نظر آتا ہے" کوئی شئے پایئدار نہیں ہے اور سب بے ثبات ہیں؟
اُس شخص کے لیئے جس کا ایمان کمزور ہے یہ ایک رنجیدہ اور بھیانک منظر ہے۔ لیکن جو شخص خدا تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعث بعد الموت پر یقین ہے ان کے لیئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر فنا نہیں ہے تو پھر دوبارہ زندگی نہیں ہے۔ اور اگر موت نہو تو پھر بقا کی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی +

منکروں کے لیئے موت بمنزلۂ تاریکی کے دریا کے ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ غرق رہیں گے۔ لیکن مومنوں کے لیئے موت زندگی کا دروازہ ہے۔ جہاں **قانون تغیر** کا کوئی بس نہیں چل سکتا جہاں تمام باتیں یقینی اور مستقل ہیں۔ اور تغیر و زوال کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اب کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ کوئی بھی چیز پایئدار اور دائم نہیں ہے ہمارے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ دائم قائم ہے۔ حق کا کبھی زوال نہیں ہوتا۔ وہ کچھ وقت کے لیئے پوشیدہ رہتا ہے لیکن پھر ظاہر ہو کر مطلع انوار بنجاتا ہے +

اسلام کی ایک سرگذشت

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بہ تسلسل سابق

اَب ہم ایک اور قسم کے مغالطوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو علم مدن سے تعلق رکھتے ہیں اس قسم کے مسائل کو سمجھنے کے لیئے اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو ایک وسیع اور گہرا علم انسانی تحریکات اور نسل انسانی کی ان ترقیات کا ہو جو ارتقا کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اُن کو ہم صرف صحیح تاریخی تنقید کے علمی ذرائع سے ہی حل کر سکتے ہیں۔ وہ مسایل جن کا تعلق انسانوں اور قوموں کے آنے اور جانے۔ ترقی اور تنزل۔ نشوونما۔ اور انحطاط سے اور قوموں اور سلطنتوں ترقی تنزل اور تباہی سے ہے۔ جن میں وہ تمام پیچ در پیچ تحریکات شامل ہیں جو انسانیت کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں۔ اِس قسم کے سوالات کا فیصلہ یوں نہیں ہؤا کرتا کہ بعض باتوں کو تو بلا سوچے سمجھے ایک خاص مذہب کے اثر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور بعض تحریکات کو شیطان کی طرف یا دُوسرے مذہب کی طرف یا لامذہبی کی طرف منسوب کر دیا جاوے۔ اُن کو علمی طریق سے حل کرنا چاہیئے جو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک نتیجہ بعض اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ ہر ایک چیز کا فیصلہ بعض خاص حالات سے ہوتا ہے +

جس کتاب پر ہم ریویو کر رہے ہیں اس میں مسٹر لنٹ لکھتا ہے +

"خلفائے بغداد نے بالخصوص سائنس علم ادب اور فنون پر اپنا مربیانہ اثر ڈالا۔ بڑے بڑے فاضل لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ نہ صرف عربی اور فارسی علم ادب کی چھان بین ہی ہوئی بلکہ یونانی حکماء کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اور عالیشان کتبخانے جمع کئے گئے۔ علماء اور قابل مترجمین کی بُہت عزت کی جاتی تھی۔ اور عالم کے لکھنے کی سیاہی کو شہید کے خون کی طرح قیمتی سمجھا جاتا تھا جب قسطنطنیہ علم طبابت کو نیچے دبا رہا تھا۔ بغداد اس کو سرسبز کرنے میں

معروف تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موجودہ علم کیمیا کی بنیاد وہیں ایسڈوں کی دریافت کے ساتھ رکھی گئی
ایک بڑے بھاری کالج کی بنیاد بغداد میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات کے لیئے اوقات کا انتظام
کیا گیا۔ جہاں کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار طالب علم امیر کے بیٹے سے لے کر معمولی پیشہ ور کے بیٹے تک تعلیم
پاتے تھے۔ اور ریاضی۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ قانون اور طب کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اور یہ صرف دارالخلافہ
میں ہی نہ تھا کہ علوم وفنون اور سائنس کو ایک نئی قوت رفتار دی گئی۔ ایک خلیفہ نے ایک قانون
بنا دیا کہ جہاں کہیں مسجد بنے اس کے ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی بنے۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے شہروں
میں کالج اور سکول بن گئے۔ ہسپانیہ میں چھ لاکھ کتابوں کا ایک کتبخانہ تھا۔ اور آج بھی "موروں
کی فن تعمیر" میں اسلامی قوت اور شوکت کا اثر نظر آتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

یہ ایک منصفانہ بیان ہے گو یہ ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے خیالات کو ادھر اُدھر سے بغیر کافی تحقیقات
اور غور کے لیا ہے۔ مندرجہ بالا سطور کے بعد وہ لکھتا ہے :-

"لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بغداد اور ہسپانیہ دونوں مقامات پر علم کے حامی دیندار
مسلمان نہیں بلکہ ریشنلسٹ یعنی معقولی فرقہ کے لوگ تھے"

یہاں مصنف کتاب نے وہی طرز اختیار کی ہے اور اسی طرح پر ختم کیا ہے جیسا کہ ان لوگوں کا
شیوہ ہے۔ یعنی پہلے کچھ دبی زبان سے مسلمانوں کے علوم کی حمایت کی تعریف کر دی اور آخر یوں
لکھ کر اسلام کی خوبیوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی۔ کہ یہ ان کی حمایت مذہب اسلام کی وجہ سے
نہ تھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ علوم کے حامی دیندار مسلمان نہ تھے بلکہ معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔ تو پھر
ناممکن تھا کہ علماء وفضلاء اور قابل مترجمین کی اس طرح پر عزت کی جاتی جس کا اعتراف مصنف
کتاب کو بھی ہے اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ امراء کے فرزند اور پیشہ وروں کے بیٹے ریاضی اور علم ہیئت
اور کیمیا اور قانون اور طبابت کی تعلیم حاصل کرتے۔ یہ تو ماننا پڑے گا کہ دیندار مسلمان سے (جسکو
انگریزی میں ارتھوڈکس کہتے ہیں) مراد وہ لوگ جو وقت کے شاہی مذہب سے تعلق رکھنے والے
ہوں یا جہاں شاہی مذہب کوئی نہ ہو تو مراد کثرت اُن لوگوں کی ہوگی جو ایک اعتقاد کے پیرو ہوں
اس صورت میں دینداری خود ایک ایسی چیز قرار پاتی ہے جو حالات زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے
اور ایک نسل میں جو فرقہ دیندار کہلائے گا۔ اگلی نسل میں اُس کی حالت بدل سکتی ہے پھر دوسری

بات یہ بھی ہے کہ ہر شخص خواہ کسی فرقہ کا پیرو ہو اور ایسا فرقہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے آپ کو دیندار مسلمان ہی قرار دیتا ہے اور خود اپنی حالت کو دوسروں سے بڑھ کر دینداری کی حالت قرار دیتا ہے۔ مگر یہ ایک فروعی امر ہے +

امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے معقولی فرقہ کے لوگ یعنی معتزلہ دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے جیسا کہ آجکل کے یوروپین ممالک کے معقولی فرقہ کے لوگ درحقیقت دائرہ عیسائیت سے خارج نہیں جیسا کہ مصنف کتاب لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے۔ وہ بھی اس دایرہ کے اندر اسی طرح تھے اور اسی طرح مسلمان تھے جس طرح جبری فرقہ کے وہ لوگ جو ان کی مخالفت کرتے تھے اور جن کی طرف لنٹ غالبا "دیندار" کے لفظ میں اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ معقولی فرقہ کے لوگ یا الگ ہوجانے والے لوگ منصور اور مامون اور ان کے چند جانشین تھے۔ جو درحقیقت اس زمانہ کے دیندار (ارتھوڈکس) کہلانے کے مستحق ہیں اور متوکل کی تخت نشینی تک یہی صورت رہی۔ معتزلوں کا اسلامی خیالات میں اور بعد کے یوروپین خیالات میں بہت کچھ اثر ہے۔ یہاں دونوں طرف کے نام دینے کی ضرورت نہیں نہ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا اختلافات تھے۔ جن کی تعلیم پر دونوں گروہ علیحدہ علیحدہ دیتے تھے۔ اس کے لیئے بہت سا وقت اور جگہ بکار ہے۔ یہ بتادینا کافی ہے کہ تمام غور و تدبر سے کام لینے والے اور سائنس دان جہاں تک وہ سائنس کی تحقیق اور تنقید میں اپنی بات کو ایک قابل اور معقول رنگ میں پیش کرتے ہیں معقولی کہلائیں گے۔ اور اگر ہم اس قسم کے لوگوں کو جیسے ابن رشد وغیرہ ہیں معقولی فرقہ کی انتہائی مثالیں بھی سمجھ لیں تاہم یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ اپنے زمانہ کے نکتہ چینوں سے بہت قریب تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ مسٹر ورنارڈ یا پروفیسر ہیٹ سن لارڈ کیلون وغیرہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع کے دیندارانہ عیسائی مذہب سے ہیں۔ گویا ظاہر ہے کہ مسٹر لنٹ اور اس کے ہمخیال ان لوگوں کو عیسائیوں میں گنتے ہیں اور عیسائی ہی کہتے ہیں +

تمام زمانوں میں ہم اس حالت کا مشاہدہ کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر عیسائی ممالک میں کہ دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پر عیب لگتے رہتے ہیں۔ اور باوجود ہماری بیسویں صدی کی تہذیب کے یہ طریق اب بھی جاری ہیں۔ چند صفحات آگے گذر کر اسی قسم کا ایک

بیان ہماری نظر سے گذرتا ہے +

"ہم اس بات کو معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ طبیب۔ سائنسدان۔ مابعد الطبعیات کے ماہر اور علم ادب کے فاضل جن کو خلفا نے اپنے گرد جمع کر لیا۔ اور جو درحقیقت ان کے لیئے ایک فخر کی بات ہے وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یونانی یہودی اور ایرانی تھے۔ اور خلفا میں سے سب سے زیادہ روشن خیال بھی جو پیغمبر اسلام کے دین کے سردار اور امیر تھے دل سے مسلمان نہیں تھے بلکہ کافر تھے یہاں غور کے لیئے بہت سا مسالہ ہے"

میں بھی سٹرلنٹ کو یہ یقین دلانے میں کچھ تامل نہیں کرتا کہ یہاں غور کے لیئے بہت سامان ہے ایک طرف تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ علم کے حامی معقولی فرقہ کے لوگ تھے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ اہل علم لوگ یونانی (جس سے غالباً اُن کی مراد عیسائی ہے) یہودی اور ایرانی تھے۔ تو کیا اب ہم یوں سمجھیں کہ یہی یونانی۔ یہودی اور ایرانی معقولی فرقہ کے لوگ تھے؟ اگر مسلمان اہل علم نہ تھے نہ سائنس دان تھے۔ نہ طبیب تھے تو یہ فرض نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ علم کے حامی تھے۔ یہ تعجب ہے کہ مصنف نے معمولی عیسائی طریق کا تتبع کر کے یوں نہیں کہدیا کہ اسلامی سلطنت اپنے مذہب کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئی بلکہ اس لیئے کہ خلفا دل سے مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے۔ اگر عیسائی سلطنت ہوتی تو ضرور یہ نتیجہ نکال لیا جاتا۔ مگر چونکہ ذکر اسلامی سلطنت کا تھا۔ اس لیئے یہ بیان مصنف کی پالسی کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس کی اصل غرض صرف مذہب اسلام کو بدنام کرنا ہے +

کوئی اہل علم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ پہلے مسلمانوں نے شام اور ایران کے غیر مسلموں سے فائدہ اُٹھایا۔ کیونکہ انھوں نے قدیم یونان کی سلطنت خیال کے خزانوں پر اُن ہی اطلاع دی مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ گر مسلمانوں کو یہ فخر یقیناً حاصل ہے۔ اس موقعہ کو انھوں نے گنوایا نہیں بلکہ اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اور وہ خود علم کی دُھن میں لگ گئے اور سارے علوم و فنون کو چھان مارا۔ چنانچہ چند ہی سال میں وہ خود استاد اور معلم بن گئے۔ اور اپنی تحقیقاتوں کے ساتھ سائنس کی ہر ایک شاخ میں انھوں نے قابل قدر ترقی کی اور علم ادب کو ایسے ایسے جواہرات سے آراستہ کیا جو دنیا نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے

(باقی آیندہ)

اسلام کی عالمگیر اخوّت

نسل انسانی کی تاریخ پر جب کبھی کسی آئندہ زمانہ میں تعصبات سے خالی ہو کر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ نسل انسانی کی ترقی میں سب سے بڑی روک وہ تفریق رہی ہے جس کی بنا قومی تعصّب پر رکھی گئی ہے۔ ان قومی تعصبات نے کس طرح پر ایک قوم کو دوسری کی اچھی باتوں سے محروم رکھا اور بلاوجہ دوسرے کا دشمن بنائے رکھا۔ اس کی مثال مذہب کی تاریخ سے نہایت صفائی سے ملتی ہے۔ آج کس طرح پر ایک قوم دوسری قوم کو اپنی مذہبی صداقت سے مستفید کرنا چاہتی ہے اور کس طرح ہر قوم کوشش کر رہی ہے کہ کل دنیا کو اپنی مذہبی صداقتوں کا شیدا بنا کر اپنے ساتھ ملانے مگر ایک زمانہ تھا۔ کہ ہر ایک قوم اپنی مذہبی صداقتوں کو اپنی ہی خاص ملکیت سمجھتی تھیں اور دوسروں کو اس سے بہرہ ور اور متمتع کرنا بھی جائز نہ سمجھتی تھیں۔ ہندوؤں اور بعض دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں آج تک ہم کو اس کا کچھ اثر نظر آتا ہے۔ اور ہندو مذہب تو گویا مذہبی صداقتوں کے متعلق بخل کی انتہائی مثال پیش کرتا ہے۔ اس کی مقدس کتاب نہ صرف دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لیئے ہی مدت تک راز سربستہ کی صورت میں رہی ہے۔ بلکہ خود ہندو قوم کا اپنا ایک عنصر یعنی بدقسمت شودر بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ کہ وید مقدس کے الفاظ کسی تقدس مآب برہمن کے مونھ سے نکل کر اتفاقاً ہی اس کرہ ہوائیہ کے ان ٹل قانون کے ماتحت ہوا میں تموّج پیدا کرتے ہوئے شودر کے ناپاک کانوں کے پردوں کو کھٹکھٹائیں۔ اور اگر ایسا ہو تو یہ اس برہمن کا قصور نہیں جس نے کرہ ہوائیہ میں یہ تموّج پیدا کیا۔ نہ اس ہوا کا کوئی قصور ہے جس نے من و عن ان الفاظ کی اصوات کو خواہ ان کے معنے کچھ سمجھ آئیں یا نہ آئیں شودر کے کان تک پہنچا دیا بلکہ گردن زدنی وہ شودر ہے۔ کہ کیوں اتفاق سے اس کے کانوں نے اس وقت کھلے رہ کر اس تموّج کو اپنے پردوں تک پہنچنے دیا۔ گو اس کو کچھ بھی قدرت اس آواز کے اپنے کانوں سے دور رکھنے کی نہ ہو۔ گو وید مقدس کسی طرح پر شودر کے کان تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔ اور یہ شودر کا فرض ہے کہ وہ ایسی جگہ موجود نہ ہو جہاں وید مقدس کے الفاظ کرہ ہوائیہ میں تموّج پیدا کر رہے ہوں۔

یہ مثال ہم کو کیسی نفرت کے قابل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو جو دیوار وید مقدس اور شودر کے درمیان حائل رہی وہی دیوار ہر جگہ دنیا کی ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان حائل رہی۔ اور مذہبی صداقتیں ہر قوم کی خاص ملکیت رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں کسی قدر یہ مشکلات حالات پیش آمدہ کا نتیجہ بھی تھیں۔ باہم میل جول اور تعارف کے اسباب قریبًا مفقود تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بےخبر تھی۔ اور ان حالات میں یہ بہت مشکل تھا کہ ایک قوم کے اندر جو مصلح پیدا ہوا ہے وہ اپنا پیغام دوسری قوم تک پہنچا سکے اسلئے لازمًا اس کی مساعی کا دائرہ ایک ہی قوم تک محدود رہتا اور مصلحت الٰہی کا بھی یہ تقاضا ہوا کہ ہر قوم کے اندر علیحدہ نبی بھیجکر اس کی اصلاح کا سامان مہیا کردے تاکہ کوئی قوم ان سامانوں سے محروم نہ رہے۔ جو اس کی روحانی نشوونما کا ذریعہ ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ مختلف قومیں اپنے آپ کو ہر خوبی کا مالک اور دوسروں کو ہر خوبی سے عاری سمجھنے لگیں اور تفریق قومی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ یہ خیال پیدا ہوگیا۔ کہ دوسری قومیں اس قابل بھی نہیں کہ وہ ایک مذہبی صداقت سے کوئی فایدہ اٹھاسکیں اور اس طرح پر ہر ایک مذہب کی صداقتوں کا دایرہ تنگ ہوتا چلا گیا +

ان تمام قومی نبیوں کے اندر جو وقتًا فوقتًا اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ آپ ان قومی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد چھ سو سال تک دنیا کے کسی حصہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین کا وجود مبارک دنیا میں ظاہر ہوکر کل قومی تفریقوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح کو بھی چونکہ زمانہ محمدی سے کچھ قریب حاصل تھا۔ اس لیئے آپ کی تعلیم میں بھی کچھ وسعت کا رنگ پیدا ہوگیا۔ گو وہ رنگ ایسا ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ذہن میں نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر مسیحی مذہب پر یہ رنگ چڑھانے والے آپ کے وہ جانشین ہیں جنھوں نے یہودیوں کی اصلاح سے مایوس ہوکر دوسری قوموں کی طرف رخ کیا۔ مگر ایسی حالت میں کہ اس مذہب کی ہی کایا پلٹ دی۔ جس کو لے کر حضرت مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں جو تھوڑی بہت وسعت پائی جاتی ہے وہ اور قسم کی ہے اور اس میں کوئی شبہہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ یقین واثق سے اس عقیدہ پر قایم تھے کہ آپ کا پیغام اور آپ کی اصلاح کا دایرہ صرف قوم بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور اس لیئے ان قومی تفریقات کو مٹانا آپکا

کام نہ تھا جنھوں نے مذہبی صداقتوں کے دائرہ کو ایک عرصہ دراز سے تنگ کرکے خاص خاص قوموں کے ملک بنا رکھا تھا۔ آپ نے بہت سی یہودی تعصبات کو توڑا۔ نمائشی پرہیزگاری سے روکا۔ اور دل کی پاکیزگی کی طرف بزور توجہ دلائی۔ مگر قومی تعصب کی سدِ سکندری کو دور کرنا آپ کی طاقت میں نہ تھا۔ آپ کی وہ خوبصورت پہاڑی وعظ اپنے اندر بعض بڑی بڑی خوبی کے جواہر ریزے رکھتی ہے اور بہت سی اعلےٰ درجہ کی ہدایات بہ رنگ تعلیم اس کے اندر موجود ہیں۔ گو وہ عملی جامہ پہننے کے ناقابل ہوں مگر وہ دیوار جو یہودی اور غیر یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان حایل تھی۔ اسکو آپ نہیں اُٹھا سکے۔ اسی پہاڑی وعظ میں جس کے دل خوش کن فقرات اکثر حالات میں عمل میں آنیکے قابل ہیں اور جس میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسان کو اس کی طاقت سے بھی بڑھ کر کسی اعلےٰ مقصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک پہنچنا آج دو ہزار سال بعد بھی ویسا ہی ناممکن ثابت ہوا ہے۔ جیسا اس تعلیم کے وقت تھا۔ یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ نسل انسانی کی وحدت پر آپکی تعلیم بالکل اُلٹے رنگ میں اور اسی قومی تفریق کے رنگ سے رنگی ہوئی ہے۔ جو عام طور پر یہودیوں میں پائی جاتی تھی۔ حالانکہ کم از کم پہاڑی وعظ کے دل خوش کن مگر ناقابل عمل ہدایات کے اندر یہ تعلیم بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وے اُنھیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں" (متی باب ۷ ورس ۶)

اگر کتوں سے مراد وہ ناپاک لوگ ہوں جو اچھی باتوں کی قدر نہیں کرتے تو خواہ ایک معترض کچھ کہے۔ مگر ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ مل جاتی ہے۔ گو اس میں بظاہر ایک مایوسی کا رنگ پایا جاتا ہو۔ کہ بعض لوگوں کو کتوں کی طرح ناپاک سمجھ کر اُنھیں نصیحت کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ بات ایک حد تک قابل تسلیم ہو جاتی۔ کہ جب بعض لوگ۔ اس بات پر تلے ہوئے ہیں۔ کہ وہ اچھی باتوں کی پروا نہیں کریں گے تو اُن کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ گو یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک کلام نے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ایک نہایت لطیف راہ اختیار کی ہے۔ اور گو ان لوگوں کا نقشہ بار بار کھینچا ہے۔ جو کلام الٰہی کی قدر دانی نہیں کرتے اور سچے ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ لیکن فرمایا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم ان کے نزدیک یکساں ہے تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ کہیں فرمایا لھم قلوب

لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون (الاعراف ۱۷۹) اُن کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں اُن سے سنتے نہیں وہ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ یہ غافل (لاپروا) لوگ ہیں۔ مگر سارے قرآن میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم ان سے مایوس ہو کر انھیں وعظ کرنا چھوڑ دو۔ بلکہ بار بار تبلیغ اور انذار کے حکم ہی نازل ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھکر بار بار امید دلائی ہے کہ یہ بہرے ہیں جن کو ہم زندہ کر دیں گے۔ اور یہ اندھے ہیں جن کو ہم آنکھیں دیں گے اور ان کی تمام ناپاکیوں اور پلیدیوں کو ہم دور کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا عظیم الشان عزم دیا گیا ہے۔ اور جتنا بڑا کام ہو ضروری ہے کہ اتنا ہی بڑا عزم ہو۔ لیکن اس بات کو الگ کر کے بھی ہم اس قدر تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی کلام میں ناپاکوں سے مراد وہ پلید لوگ ہوتے جو پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے تو حضرت مسیح کے ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ ہو سکتی ہے۔ لیکن جب ہم خود انجیل متی کو پڑھتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دوسرے کلام سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا ان الفاظ میں اس اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تفریق کی طرف اشارہ تھا جو اب تک یہودی قوم میں چلی آتی تھی۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی ایک برگزیدہ قوم بلکہ خدا کے بیٹے اور پیارے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے نحن ابناؤ اللہ واحباؤہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں۔ اور دوسروں کو ناپاک، اور ناقابل التفات اور اللہ تعالےٰ کی عامہ رحمتوں اور باطنی نعمتوں سے قطعًا محروم سمجھتے تھے۔ اور حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ کے منقولہ بالا فقرہ میں مطلب یہی تھا۔ یعنی پاک سے مراد اُن کی اپنی تعلیم تھی اور کتوں سے مراد غیر اسرائیلی قومیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اسے روز روشن کی طرح صاف کرتا ہے +

"تب یسوع وہاں سے روانہ ہو کے صور اور صیدا کی اطراف میں گیا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت وہاں کی سرزمین سے نکل کے اسے پکارتی ہوئی چلی آئی۔ کہ اے خداوند داؤد کے بیٹے مجھ پر

رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے اُس نے کچھ جواب نہ دیا تب اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس کی منت کی کہ اسے رخصت کر کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی پاس نہیں بھیجا گیا۔ پر وہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا۔ اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ اس نے کہا سچ اے خداوند مگر کتے بھی جو ٹکڑے ان کے خداوند کی میز سے گرتے کھاتے ہیں۔ تب یسوع نے جواب میں اُسے کہا اے عورت تیرا اعتقاد بڑا ہے۔ جو چاہتی ہے تیرے لیئے ہوئے" (متی باب ۱۵ ورس ۲۱ تا ۲۸)

اب اس حوالہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان ناپاک لوگوں کو کتے نہیں کہا گیا جو خدا کی کلام کی پروا نہ کرتے ہوں۔ بلکہ غیر اسرائیلیوں کو خواہ وہ کلام سننے کے یا اس سے فایدہ اٹھانیکے کتنے ہی مشتاق کیوں نہ ہوں کتے کہا گیا ہے۔ اور آخر اس کنعانی عورت نے کتا ہونا قبول کیا۔ تو حضرت مسیح سے فایدہ اُٹھایا۔ یہاں جو جنوں اور بھوتوں کے نکالنے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اس سے ہمیں چنداں بحث نہیں۔ خواہ وہ جن اور بھوت جن کی مسیح سے نکالنے کی درخواست کیگئی اس قسم کے جن اور بھوت تھے جیسے آج کل بھی عامل لوگ نکالنے کا دعوے کرتے ہیں۔ یا وہ جن تھے جو انسانوں کے ایمان پر قبضہ کر کے اُن کو نیکیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ جن کے نکالنے کے لیئے خدا کے نبی مبعوث ہو کر آتے ہیں۔ بہر حال حضرت مسیح نے اس کنعانی عورت کو فایدہ پہنچانے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ اسرائیلی نہ تھی۔ متی کی انجیل کے ہی ایک اور مقام سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جہاں بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیئے روانہ کیا جاتا ہے۔ وہاں حضرت مسیح اُن کو ذیل کی ہدایات دیتے ہیں۔

"ان بارھوں کو یسوع نے فرما کے بھیجا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرو۔ مردوں کو جلاؤ۔ دیووں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو" (متی باب ۱۰ ورس ۵ تا ۸)

پس حضرت مسیح نے نہ صرف اپنی دعوت کو ہی اسرائیلیوں تک محدود کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے

پیرودں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی۔ غیر اسرائیلیوں کے ساتھ انھیں تعلق رکھنے یا انھیں وعظ و نصیحت کرنے سے منع کیا۔ اور یہ حد بندی صرف فرضی اور لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اسکا بڑا بھاری ثبوت یہ بھی ہے کہ عملاً بھی یہی کچھ خود حضرت مسیح علیہ السّلام نے کیا۔ چنانچہ جب تک آنجناب ان کے درمیان رہے ایک بھی غیر اسرائیلی نہ آپ کے حواریوں میں داخل ہوا نہ ہی اس سلسلۂ اخوت میں منسلک کیا گیا۔ جس کی بنیاد اسرائیل کے اندر حضرت مسیح علیہ السّلام نے رکھی تھی بلکہ آپ کے تمام کے تمام متبعین صرف اسرائیلی تھے۔ اس طرح پر جو وعظ زبانی آپ نے فرمایا کہ ہمارا مشن صرف اسرائیل تک محدود ہے۔ اس کا عملی ثبوت بھی دے دیا اور کسی غیر اسرائیلی کو اپنے سامنے عیسائی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تبلیغ کا دائرہ زیادہ وسیع نظر آتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر جو لوگ مصر میں ایمان لائے اُن کو آپ ساتھ ہی لے آئے تھے۔ جب مصر سے خروج فرمایا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر واقعی حضرت مسیح کی یہی تعلیم تھی اور یہی آپ کا عمل تھا تو بلا شبہ عیسویت کا دائرہ صرف اسرائیلیوں تک محدود تھا۔ پھر آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیلی قوم کے لوگ عیسائیت کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ہر ایک شخص جو عیسائی مذہب کی تاریخ سے واقف ہے وہ اس سوال کا جواب یہی دے گا۔ کہ اس وسعت کا ذمہ وار پولوس تھا مگر اس کو بھی ہم الزام نہیں دیتے کہ اس نے اپنے استاد کی تعلیم کے خلاف کیا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا ایک حد تک حضرت مسیح نے خود بھی حد بندی کو توڑ دیا تھا۔ گو غیر اسرائیلی کو انھوں نے سلسلۂ اخوۃ میں داخل نہیں کیا۔ مگر گرے ہوئے ٹکڑوں کے کتوں کو دینے سے بھی انکار نہیں کیا۔ مسیح کے حواریوں کو جنھوں نے مسیح کے احکام اپنے کانوں سُنے تھے کہ تم نے غیر اسرائیلی کے پاس نہ جانا اور مسیح کے عملدرآمد کو اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ کہ کوئی غیر اسرائیلی سلسلۂ اخوت میں داخل نہیں کیا گیا۔ پہلے پہل ضرور پولوس کے خیالات سے اختلاف ہوا ہوگا۔ مگر بالمقابل اس کے وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک غیر اسرائیلی عورت کی گریہ وزاری پر حضرت مسیح نے کوئی رحم نہیں کھایا۔ جب تک کہ اس نے کُتّا بن کر گرے ہوئے ٹکڑے نہیں مانگے۔ ہاں جب اُس نے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش کیا تو مسیح نے بھی وہ چیز جسے اسرائیلی قبول نہ کرتے تھے۔ اسکو دینے

سے انکار نہیں کیا۔ تب آپ کا دل اس کے لئے پگھلا۔ پس یہ نظارہ بھی ضرور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ کہ جو چیز حیثیت بیٹا ہونے کے غیر اسرائیلیوں کو نہیں دیجا سکتی۔ وہی چیز ایک ادنےٰ درجہ پر ان کو رکھ کر دیجا سکتی ہے۔ تو گویا کہ حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کے سلسلۂ اخوت کو توسیع کرنا پسند نہیں کیا۔ اور بحیثیت بیٹوں کے دوسروں کو داخل کرنے سے انکار کیا۔ مگر وہ نصائح جنکو بیٹے قبول نہ کریں اُنہی کو اگر دُوسرے لوگ اس حیثیت میں لے لیں جس حیثیت میں ایک کتا بھی اپنے مالک کی روٹی کا حصہ لے لیتا ہے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ اس طرح پر گویا اس دیوار میں ایک چھوٹا سا روزن ہوگیا جو اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے درمیان حایل تھی۔ اور وہ چیز جسے ابھی ساری قوموں کو بھائی بھائی بنا کر دینے کا وقت نہ آیا تھا۔ وہ ایک ادنےٰ حیثیت کو قبول کرنے کی صورت میں دُوسروں کو بھی ملنے کی امید ہوگئی۔ پولوس کے دل میں ضرور اس قسم کے خیالات موجزن ہونگے۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہودی تو مسیح کے پیغام کی پروا نہیں کرتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا نام ہی دُنیا میں نہ رہے۔ اس تعلیم سے اگر یہودی فائدہ نہیں اُٹھاتے تو کیوں غیر اسرائیلیوں کو اس دائرہ کے اندر داخل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ بہرحال اس تعلیم کا زندہ رکھنا ضروری ہے اور کنعانی عورت کے ساتھ جو معاملہ مسیح کا ہوا وہ اُس کے ذہن میں ہوگا۔ جیسا کہ ذیل کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے +

"دوسرے سبت کو قریب سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوئے کہ خدا کا کلام سُنیں۔ مگر اتنی بھیڑ دیکھ کے یہودی ڈاہ سے بھر گئے اور خلاف کہتے اور کفر بکتے ہوئے پولس کی باتوں سے مخالفت کی تب پولس اور برنباس نڈر ہوکے بولے کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے لیکن جس حال کہ تم نے اُس کو رد کیا اور آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے لائق نہ سمجھا تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔" (اعمال باب ۱۳ ورس ۴۴ تا ۴۶)

پولوس کے یہ الفاظ کہ ضرور تھا۔ کہ خدا کا کلام پہلے تمھیں سنایا جائے۔ صاف بتاتے ہیں کہ اُس نے حضرت مسیح کے کنعانی عورت والے قصہ کی یوں تاویل کی کہ اصل اور مقصود بالذات تو یہودی کی اصلاح ہی تھی۔ لیکن جب اُنھوں نے انکار کیا۔ اور مسیح کے پیغام کو قبول نہیں کیا۔ تو اب دوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ پولوس ہی اس تحریک کا اصل بانی ہے جس نے

بعد میں عیسائی مذہب کا اصل نقشہ بالکل بدلدیا اور ایک طرف اگر اُس کو عالمگیر مذہب بنا دیا تو دوسری طرف ان اصُول حقہ پر بھی اس کو قائم نہ رہنے دیا جن پر حضرت مسیح قایم تھے۔ اس طرح پر دونوں پہلوؤں میں حضرت مسیح کی تعلیم کی مخالفت کی۔ مگر وہ صریح مخالفت نہ تھی۔ بلکہ تاویل کے رنگ میں مخالفت تھی پھر جب یہ دروازہ کھل گیا تو یہودیوں سے علیحدگی بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وُہ توحید کی تعلیم بھی ترک کر دی گئی۔ جسے مسیح لائے تھے اور بُت پرست مذاہب کا جو اس وقت رُومی سلطنت مروّج تھے۔ رنگ عیسائیت پر چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر یہ مذہب ایک بالکل نیا اور عالمگیر مذہب بن گیا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کا منشار تو پورا نہ ہُوا مگر ان کا نام خوب کام دے گیا۔ اور محض اس نام کے نیچے بُہت سی وہ باتیں اس مذہب کے اندر داخل کر دی گئیں جن کی غرض غیر اسرائیلیوں کے گلے سے اس کڑوی گولی کو نیچے اُتارنا تھا۔ اس طرح پر ایک طرف اگر یہودیوں کی بجائے غیر یہودی اس مذہب کے پیروؤں میں بڑھتے چلے گئے تو دوسری طرف خود یہودیت کے اجزاء اس میں سے مفقود ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ نئے نئے اعتقادات ابنیت اور کفارہ و تثلیث نے لے لی۔ مگر باایں وسعت جو بانئ مذہب کی منشار کے سراسر خلاف تھی۔ عیسائیت وہ حقیقی اخوت کی رُوح اپنے پیروؤں میں پیدا نہیں کر سکی جو ہر قسم کی غیریت اور تفریق قومی کے خیالات کا قلع قمع کر دے۔ بلکہ تفریق قومیت کا مٹانا تو بڑا بھاری مرحلہ تھا۔ دنیوی مرتبہ کی تفریق کو بھی عیسائیت نہیں مٹا سکی۔ اور وہ اخوت کا وسیع خیال جو اسلام نے دُنیا میں آکر پیدا کیا کہ ایک بادشاہ اور فقیر خدا کے حضور دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ گرجا کے اندر اس قدر مساوات انسانی مسیحیت پیدا نہیں کر سکی۔ کیونکہ وجاہت اور مرتبہ کی تفریق کا اثر گرجا کے اندر اسی طرح ہے جیسے باہر۔

کامل اور عالمگیر اخوت اور نسل انسانی کی وحدت کی بُنیاد ڈالنے کا کام اللہ تعالےٰ نے اس نبی کے لیئے مقدر کر رکھا تھا جس نے سلسلہ نبوت کو اس کے کمال تک پہنچا کر ختم کرنا تھا۔ اور اسی نبی پر خدا کا وہ کلام اُترا جس نے آخر اس بات کو کھول کر بتا دیا۔ کہ خدا کی سلطنت میں ہر ایک قوم اور رنگ کے لوگ بیٹھے ہیں۔ کتا کوئی نہیں۔ اور وہ دروازہ جس کے ذریعہ سے انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے وہ سب کے لیئے یکساں کھلا ہے۔ یہی معنے تھے اس آیت کے جس کے متعلق بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصارٰے

والصابئین من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلہم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ اور جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی ۔ جو کوئی بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے ۔ تو اُن لوگوں کا اجر اُن کے رب کے حضور ہے اور اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے ۔ غرض خاتم النبیین نے خدا کی بادشاہت کا دروازہ سب کے لیئے کھولدیا ۔ اور حق بھی یہی تھا ۔ کہ جو نبی اپنی اپنی قوموں کے لیئے آتے رہے انکا ساری نسل انسانی سے کیا کام تھا ۔ اس کے سامنے ایک قوم اور اسی کی اصلاح تھی اسلیئے ان اصلاحات کے باوجود کل نسل انسانی کی وحدت کو قائم کرنیکا کام اسیطرح باقی چلا آتا تھا ایک ایک قوم کی اصلاح ایک ایک نبی نے کی کل کی اصلاح کا کام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا اور اسلیئے آپ نے مختلف اقوام کے حقیقی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ دراصل سارے انسان ایک ہی ہیں ۔ یا ایھا الناس ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (النساء)

اے لوگو حفاظت کرو اپنے رب کی (حقوق کی) جس نے تم کو ایک ہی جی سے پیدا کیا اور اسی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور حفاظت کرو اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کے (حقوق کی) اللہ تم پر نگہبان ہے ۔

کس قدر وسعت نسل انسانی کی یگانگت اور اتحاد کی اس آیت میں پائی جاتی ہے سارے کے سارے انسان عرب ہوں یا عجم ۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم ۔ خواندہ ہوں یا جاہل ۔ امیر ہوں یا غریب سیاہ ہوں یا سپید بڑے ہوں یا چھوٹے سب کے سب ایک ہی اصل سے ہیں ایک ہی جی سے پیدا ہوئے اور سب کے درمیان رشتہ داری کے تعلقات ہیں ۔ گویا ساری نسل انسانی اس آیت کے رُو سے ایک کنبہ ہے ۔ اور اس لیئے ان سب کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق رشتہ داری ہیں ۔ اللہ ان سب کا رب یعنی ان کی ربوبیت کرنے والا ہے ۔ جو ان کو طرح طرح کے سامانوں سے ادنے حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف لیجا رہا ہے ۔ اور اس عظیم الشان بادشاہ کے حضور یہ انسانوں کے چھوٹے چھوٹے اختلاف قوم کے ہوں یا رنگ کے مرتبے کے ہوں یا

وجاہت کے۔ دولت کے ہوں یا جتھے کے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسلام کی عالمگیر اخوت کی بنیاد ہے۔ جس میں کل کے کل انسان داخل ہیں اور سب کے ایکدوسرے پر حقوق اور سب کے ایکدوسرے کے متعلق ذمہ داریاں ہیں۔ جیسے ایک رشتہ دار کے دوسرے رشتہ دار پر اور وہ سب ایک ہی شاہنشاہ کی رعایا اور ایک ہی خالق کی مخلوق ایک ہی ہاتھ سے ان سب کی ربوبیت ہوتی ہے۔

دوسری جگہ یہ بھی بتادیا کہ قوموں اور قبیلوں کے اختلافات کیا ہیں اور اُن کی اصل غرض کیا ہے۔ چونکہ یہ اختلافات بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے ان کو بھی لیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کی حقیقی غرض کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر (الحجرات ۱۳)۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو قومیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہی ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ اللہ جاننے والا اور خبردار ہے۔ انسانوں کی اخوت۔ کا اصول یہاں بھی ایک عالمگیر بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ یہاں خطاب مسلمانوں یا الذین آمنوا سے نہیں بلکہ کل نسل انسانی سے ہے اور تمام کو ایک ہی لفظ میں مخاطب کر کے ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ تم سب کو ہم نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ گویا تم ایک ہی ماں باپ کی نسل ہو۔ گو تم جانو یا نہ جانو تم میں وہی تعلق ہے جو ایک ماں باپ کے بیٹوں میں ہوتا ہے۔ یعنی تم سب کے سب بھائی ہو۔ اس سے بڑھ کر اخوت کی عالمگیر بنیاد نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ پھر فرمایا۔ کہ ہم نے ہی تم کو قومیں اور قبیلے بھی بنایا ہے۔ گویا یہ بھی نسل انسانی کی ترقی کی ایک ضرورت تھی۔ اس لیئے اللہ تعالٰے نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ لیکن قوموں اور قبیلوں کے امتیازات اس غرض کے لیئے نہ تھے۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ۔ اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ فرمایا کہ ہماری تم کو قومیں اور قبیلے بنانے سے یہ غرض ہے لتعارفوا تا تم ایک دوسرے کی معرفت حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو پہچانو اور جانو۔ اور میل ملاقات اور ربط کے طریقوں کو بڑھاؤ۔ یہ لفظ تعارف کا قرآن کریم نے کیوں استعمال فرمایا۔ اس لیئے کہ قومی تفریقات اور قومی بغض و عناد کی اصل جڑ اسی تعارف کا نہ ہونا ہے۔ باہم تعارف سے ایک قوم دوسری قوم

کی خوبیوں کو اور بالمقابل اپنے نقصوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن تعارف کے نہ ہونے سے ایک دوسرے سے اجنبیت بڑھتے بڑھتے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک قوم دوسری قوم کی بیخکنی کے درپے ہو جاتی ہے۔ جس طرح افراد میں جب میل ملاقات کے تعلقات زیادہ ہوتے ہیں تو اخوت اور ہمدردی کے خیالات ترقی پاتے ہیں۔ اسی طرح قوموں میں بھی تعارف کے بڑھنے سے ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ چیز جس نے قوم کو قوم کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اس کے دور کرنے کی راہ اسلام نے بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعارف بڑھاؤ۔

اس کے بعد اسی آیت کے آخر میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی۔ جب ساری نسل انسانی ایک ہوئی اور قوموں اور قبیلوں کے امتیاز بھی ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیئے نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی فرمایا لا یسخر قوم من قوم عسے ان یکونوا خیرا منہم۔ ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے یعنی ان کو حقیر نہ جانے (کیونکہ تمسخر حقارت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اس لیئے قومی بڑائی ایک غلط راہ ہے۔ تو آخر اس وسیع انسانی کنبہ میں ایک کو دوسرے پر بڑائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا تو ضرور ہوگا۔ اس لیئے نسل انسانی کی وحدت اور قومی تفریقات کی غلطی کو بتا کر اب یہ بتایا کہ بڑائی تو وہی ہے جو خدا کی نگاہ میں بڑائی ہو جو سب کا مولیٰ اور مالک ہے۔ ایک کا دوسرے کی نظر میں بڑا ہونا یہ کوئی قابل فخر بات نہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بڑائی کے معیار ان کی نظر کی تنگی کی وجہ سے ادنے ہونے کے علاوہ ایکدوسرے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ مگر جب ساری نسل انسانی ایک کنبہ ہوئی تو ان سب کے لیئے کوئی ایک معیار بھی ہونا چاہیئے جو ایک کی دوسرے پر حقیقی بڑائی بتا سکے۔ وہ معیار یہی ہو سکتا ہے کہ سب کے مالک و خالق کی نگاہ میں بڑا کون ہے اور چھوٹا کون۔ عزت کے قابل کون ہے اور ذلت کے کون۔ اس عظیم الشان شہنشاہ کے حضور رنگوں اور ملکوں کے فرق۔ دولت اور طاقت کے فرق مرتبہ اور وجاہت کے فرق کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ سارے انسانوں کی ساری دولت بھی اسکی سلطنت میں اتنی وقعت نہیں رکھتی جتنی سمندر میں ایک قطرہ کو یا بیابان میں ایک ذرہ ریگ کو حاصل ہے پس جو چیز خدا کی نگہ میں وقعت نہیں رکھتی وہ خدا کی نگہ میں قابل عزت ہونے کا معیار بھی نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے بتایا کہ حقیقی معیار یہ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ خدا کی نگہ میں سب سے زیادہ اکرام اور عزت کے قابل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

متقی کون ہے وہ جو اپنے آپ کو ہر ایک بُری راہ سے بچاتا اور ہر اچھی راہ پر لگاتا ہے۔ جو حفاظت کرتا ہے ان حقوق اللہ کی جو اس کے ذمہ ہیں اور ان حقوق العباد کے جن کا وہ جواب دہ ہے پس تمام مادی اور جسمانی معیاروں کو چھوڑ کر عزت اور بڑائی کا معیار جو قرآن نے پیش کیا ہے وہ اخلاقی معیار ہے۔ اب غور کرو کہ کیسی خوبصورت یہ عالمگیر اخوت کی عمارت ہے۔ جس کی بنیاد نسل انسانی کی یگانگت کی مضبوط چٹان پر ہے۔ جس کے سب حصے ایک دوسرے کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے والے ہیں اور جس کی خوبصورتی وہ شے ہے جس پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ اور وہ مادی اشیاء نہیں جو ہر دم معرض تغیر میں ہیں۔ یہ وہ عالمگیر اخوت ہے جو اسلام نے دنیا میں قائم کی۔ اور اسلام کے جھنڈے تلے اس اخوت کا زندہ نمونہ نظر آتا ہے۔ اور گو مسلمانوں کی حالت بہت کچھ قرآن کو چھوڑ دینے سے گر گئی ہے مگر پھر بھی اس اخوت کا جو نظارہ اسلام میں پایا جاتا ہے کسی دوسرے مذہب میں اس کی کوئی مثال ہم نہیں دیکھتے۔

اور یہ کون شخص تھا جس نے ایسی عظیم الشان عمارت اخوت کی بنیاد ڈالی اور اس کو ہر پہلو سے اس طرح سے مکمل کیا۔ اور ہر ایک قسم کی تفریقات کو مٹا کر سب کو فرزندوں میں داخل کیا۔ اور نہ کسی کے لیئے ایسی تحقیر باقی رکھی کہ وہ خدا کی بادشاہت میں کتے سے تشبیہ پائے۔ نہ کسی کو ان فوائد سے محروم رکھا جو اللہ تعالےٰ نے سب کے لیئے یکساں پیدا کیئے ہیں۔ یہ مہذب یورپ کا کوئی انیسویں یا بیسویں صدی کا فلاسفر نہیں۔ گو ان مہذب فلاسفروں نے تو نسل انسانی کی وحدت قایم کرنے کی بجائے اور بھی تفریقات قومی کو جن کو زمانہ مٹاتا چلا جا رہا تھا نمایاں کر دیا ہے۔ بلکہ یہ سارے مہذب ممالک سے کٹے ہوئے ایک ریگستانی ملک عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک اُمی تھا۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا میں گذر چکا ہے۔ جب قومی تفریقات باعث فخر تھیں۔ جب یہودی غیر یہودی کو اور عیسائی غیر عیسائی کو مردود اور ملعون اور ہمیشہ کے جہنم کا وارث ٹھیراتا تھا۔ ہاں یہ انہی عربوں میں سے ایک عرب تھا۔ جو غیر عربوں کے عجم کے نام سے پکار کر اُن کی اس طرح تحقیر کرتے تھے کہ وہ گویا گونگے انسانیت سے عاری ہیں۔ بلکہ اُن کو حیوانات سے مشابہت دیتے تھے۔ عرب خود

سارے ممالک سے علیحدہ اور بے تعلق ایک کونہ میں پڑا ہوا اس ابتدائی جہالت کی حالت میں چلا آتا تھا۔ اور اس کے مشرق و شمال میں جو قومیں اس کی حد کے ساتھ ملی ہوئی رہتی تھیں اُن سے بھی اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ دُوسروں کے تعلقات کو چھوڑو اس ملک کے اندر رہنے والے لوگ جو ایک ہی شخص کی اولاد اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے۔ ان میں اتحاد اور یگانگت کی بو تک نہ تھی۔ بلکہ ایک دُوسرے کے دشمن۔ ہر وقت ایک دُوسرے کا گلا کاٹنے کے لیئے تیار شب و روز ایک دُوسرے کے ساتھ جنگ میں مصرُوف۔ اس ملک میں ان حالات کے اندر ایک عربوں کے اتحاد کو قائم کرنا بھی کسی انسان کے وہم و گمان میں نہ آسکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سرزمین میں ایک شخص انہی حالات کے اندر کھڑا ہو کر ساری کی ساری نسل انسانی کے اتحاد اور یگانگت کی بُنیاد رکھتا۔ کس قدر حوصلہ اور کس قدر ہمّت ہے کہ منوانی تو ہے یہ بات کہ ساری قومیں ایک ہی ہیں اور سب عرب ہوں یا عجم۔ کوئی رنگ ہو کوئی مذہب ہو بھائی بھائی ہیں اور پہلے ان لوگوں سے منوانے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جو ایک ہی نسل اور قوم ہو کر دن رات آپس میں کٹ مر رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو بتاتی ہے کہ یہ عالمگیر اخوت کا پیغام جو ملک عرب میں دیا جاتا ہے وُہ ایک انسان کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس قادر مطلق نے جو عجائب سے عجائب کام اپنی قدرت سے کر دکھاتا ہے۔ یہ مقدر کر رکھا تھا۔ کہ یہ عجیب کام ایک اِس قسم کے انسان کے ہاتھ سے کر دکھائے۔ تا لوگ جان لیں کہ اس پیغام کا دینے والا ایک عاجز انسان نہیں بلکہ وہ قادر مطلق خدا ہے جس کے سامنے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس سے بڑھ کر معجزہ کیا ہوتا ہے کہ وہ بات جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکتی تھی ایک شخص کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ اور سب سے پہلے اتحاد نسل انسانی پر ان لوگوں کو قائم کیا جاتا ہے جن میں جب سے تاریخ اُن کے حالات کا کچھ تھوڑا بہت پتہ دیتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصُود تھا۔ کہ جب ایسے خطرناک حالات میں اتحاد کا بیج سرسبز ہو سکتا ہے۔ تو پھر بہتر حالات کے ماتحت اس کا سرسبز ہونا کیا مشکل ہے +

یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کے حالات میں ابتدائے دعوائے نبوت سے ہی کسی قسم کی تفریق عرب اور غیر عرب میں نظر نہیں آتی۔ بائبل میں یہ فقرہ بار بار دُھرایا

گیا ہے۔ خداوند بنی اسرائیل کا خدا۔ مگر قرآن میں یا حدیث میں یہ لفظ کبھی نہ پاؤ گے کہ بنی اسمٰعیل کا خدا یا عربوں کا خدا۔ بلکہ جہاں پاؤ گے رب العالمین یعنی ساری قوموں کا خدا ہی پاؤ گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دعوے کی ابتدا کے ساتھ ہی نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد رکھی گئی۔ ایسا ہی جس قدر لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے اُن میں عرب و غیر عرب کی کوئی تفریق نہ تھی حبشی غلام اسی طرح اسلام میں داخل کیئے جاتے تھے جیسے بڑے بڑے عرب سردار اور اسلام میں داخل ہو کر سب امتیازات اٹھ جاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب یکساں تھے۔ خواہ کوئی عرب کے بڑے سرداروں میں سے ہو۔ اور خواہ ادنے سے ادنے حبشی غلام ہو۔ پس آپ کا پیغام لفظوں میں بھی اور عملاً بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کی اصلاح کے لیئے اور قومی تفرقوں کے مٹانے کے لیئے تھا۔ اسی لیئے آپ ایک قوم کے لیئے رحمت بنکر نہیں آئے بلکہ رحمۃ للعالمین ہو کر آئے یعنی ساری قوموں کے لیئے رحمت۔ اسی طرح پر آپ ایک قوم کو برائی کے نتیجہ سے ڈرانے والے نہ تھے۔ بلکہ ساری قوموں کو جیسا کہ فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ بابرکت ہے وہ جس نے فرقان کو اپنے بندہ پر اُتارا تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح پر آپ ساری قوموں کے لیئے خوش خبری بھی لائے۔ کہ جو نیکی اختیار کرے گا وہ نیک نتیجہ پانے گا۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔ اور ہم نے تجھ کو سب کے سب لوگوں کے لیئے بھیجا۔ تاکہ تو اُن کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو (سبا - ۲۸)

اس طرح پر اس عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھی گئی جو ایک دن موجودہ تفرقوں اور عداوتوں کو مٹا کر انشاء اللہ تعالے کل قوموں کو اسی طرح بھائی بھائی بنا دے گی۔ جس طرح عرب کے پراگندہ قبیلوں کو بھی ایک قوم بنا دیا تھا۔

کیا جنگ خدا تعالیٰ کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟

جنگ نے مختلف دلوں میں مختلف قسموں کے خیالات پیدا کر رکھے ہیں۔ چونکہ یہ آگ ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیئے ساری دُنیا ہی اسکے متعلق کچھ نہ کچھ خیالات رکھتی اور اُن کا اظہار کرتی ہے۔ جن لوگوں کے طبائع کا میلان مذہب کی طرف زیادہ ہے وہ کہتے ہیں مادیت کا غلبہ ہے وہ اصل وجہ ہے جو اس ساری خونریزی۔ اس انقلاب عظیم اس مصیبت اس مال و دولت کی تضیع اور ایسے انسانوں کے ضائع ہونے کا موجب ہے جو اگر زندہ رہتے تو دنیا کے لیئے بڑے بڑے کام کر سکتے تھے۔ یونیورسیٹیوں کے وہ نوجوان جن کی ذہانت اور محنت کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں میدان جنگ میں مارے گئے۔ اعلےٰ درجہ کے قابل اور ذہین آدمی اسکی نذر ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جذبات روز بروز تیز ہوتے جارہے ہیں انسان کو جو عقل اپنی بہتری کے سامانوں کے لیئے دی گئی تھی۔ اس کا استعمال بھی اس لیئے ہو رہا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ہلاکت کا آلہ ایجاد کیا جائے۔ اس لیئے مذہبی آدمی تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کر رہا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ہیں بالخصوص مسیحی مذہب کے دائرہ کے اندر جو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی ہستی بھی موجود ہے جو سراسر محبت ہی محبت ہے۔ جیسا کہ عیسائی مذہب کی تعلیم ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یا تو خدا محبت نہیں اور یا وہ قادر نہیں۔ اگر وہ محبت بھی ہوتا اور قادر بھی۔ تو ضرور اس خونریزی کو کسی نہ کسی طرح روک دیتا۔ وہ شیطان کو سمندر میں غرق کر دیتا۔ تاکہ وہ پھر لوگوں کو گمراہ نہ کرے اور ایسی خونریزی دوبارہ نہ ہو۔ یورپ میں بہت لوگ ہیں جنھوں نے خدا کے رحم پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بوڑھے ماں باپ ہیں جن کا اکلوتا بیٹا گولی کی نذر ہو چکا ہے۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے عاشق میدان جنگ میں کام آچکے ہیں وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔ وفادار بیبیاں ہیں جن کے خاوند اُن کو داغ مفارقت دے گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے کنبے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔

بلجیم۔ سرویا مانٹی نیگرو پولینڈ اور فرانس کے بعض اضلاع کے باشندے سخت مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے تخت اور تاج کھو چکے ہیں۔ کروڑپتی اپنے کروڑ ہا روپے برباد کر چکے ہیں۔ بڑے بڑے نوابوں کے ورثا، باقی نہیں رہے۔ یہ سب خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں اس لیئے اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیا جنگ یا اسی قسم کی دوسری مصائب کا آنا واقعی خدا کی صفت رحم و محبّت کی منافی ہے اور ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک مہربان اور قادر خدا پر ایمان لانا محال ہو جاتا ہے۔ چونکہ اب لوگ اس بات کو تو مان نہیں سکتے۔ کہ خونریزی کے بھی کوئی دیوتا ہو سکتے ہیں۔ اور انسانوں کو دکھ پہنچانے والا بھی کوئی خدا ہو سکتا ہے۔ اس لیئے وہ خود خدا کی ہستی پر معترض ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ان حالات کے ہوتے ہوئے اپنی رائے میں خدا کا مہربان ہونا نہیں مان سکتے۔ یہ ایک دلیل ہے جو خدا کی ہستی کے خلاف پیش کی جاتی ہے۔ اور گو یہ دلیل کسی حقیقی نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ بلکہ ایک عقیدہ کے اوپر بطور ایک اعتراض کے واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم اس پر اسی رنگ میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ آج خدا کے قائلوں اور علم الٰہیات کے ماہرین کے لیئے خدا کی ہستی کے سوال پر بحث کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ سائنس دانوں نے خود یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس عالم میں ایک ایسی چیز ہے جو غیر مخلوق ہے۔ غیر محدود ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہے۔ اس سے پہلے متشککین اسی قدر دلیل خدا کے خلاف پیش کر دینا کافی سمجھا کرتے تھے۔ کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اب خود ان کے اوپر وہی سوال ہو سکتا ہے کہ مادہ کو کس نے پیدا کیا۔ خدا کی ذات کا واجب الوجود ہونا مادہ کے واجب الوجود ہونے کی نسبت زیادہ صاف امر ہے۔ جبکہ اس عالم کی پیدائش اور اُس کے نظم کو دیکھا جائے تو اس کے لیئے ایک ایسی ہستی کا ماننا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور نظم کے سارے قوانین بنائے۔ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ مانا جائے کہ مادہ نے خود بخود ہی یہ صورتیں اور یہ صفات حاصل کر لی ہیں +

اس مضمون میں صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ جنگ ہمیں مجبور نہیں کرتی۔ کہ ہم خدا کے رحم یا اُس کی طاقت پر حرف رکھیں۔ مذہبی نقطۂ خیال سے موجودہ سوال کو حل کرنے کے لیئے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ اوّل خدا کی ذات اور صفات۔ دوسرے اس عالم کا نظم۔

خدا کی ذات اور صفات کے متعلق جس کو بدھ لوگ اعلےٰ طاقت کے نام سے جو میٹریلسٹ غیرفانی مادہ
کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ خدا کو اعلےٰ طاقت یا غیرفانی
مادہ کہنا خدا کی ذات اور صفات کو بہت محدود اور تنگ دایرہ میں لانا ہے۔ جب ہم اس عالم کے
رازوں پر غور کرتے ہیں تو ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں کہ طاقت اور مادہ دونو
مل کر بھی اس عالم کو موجودہ شکل میں نہ لاسکتے تھے۔ جب تک کہ کوئی ذی عقل ہستی ان کو کام میں لانے
والی نہ مانی جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کا نظام ایسے اعلےٰ درجہ کے قوانین اور ایسی ترتیب
کے ساتھ کام کر رہا ہے کہ کوئی غیرذی عقل ہستی خود بخود اس نظام اور ترتیب کو قایم نہیں کرسکتی صرف
ایک آنکھ کی بناوٹ کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ علم بصارت کے نہایت ہی لطیف اور اعلےٰ قوانین
پر اس کی ساخت ہے۔ اس کے مختلف حصص کچھ روشنی کی شعاعوں کو ایک مرکز پر لاکر ایک تصویر
سامنے قائم کردیتے ہیں۔ اور بعض حصص پھیلی ہوئی روشنی کو روک رکھتے ہیں اور جو روشنی قبول
کی جاتی ہے اس کو ایک نظام کے ماتحت لاتے ہیں۔ یقیناً یہ آنکھ بلاکسی مجوز کے خود بخود ہی یوں
نہیں بن گئی۔ پھر زندہ مخلوقات میں جو ایک طاقت یعنی قوت ارادی ہے اور انسان کے اندر
جو عقل ہے یا آنکھ کے ذریعہ دیکھنے کے بعد جو ایک احساس پیدا ہوتا ہے یہ غیر مدرک مادہ کی کیفیات
نہیں ہوسکتیں۔ جب ایک دوربین یا عکس لینے کا آلہ ایک تصویر کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو انکو
احساس کوئی نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتے نہیں۔ حالانکہ جب آنکھ سے ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ تو فوراً
ایک خاص کیفیت اس سے ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر خود خالق عالم میں احساس اور قوت
ارادی نہیں تو مادہ میں یہ احساس اور قوت ارادی کہاں سے پیدا ہوگئے۔ فطرت انسانی اس روشنی
کے زمانہ میں کسی ایسی طاقت یا مادہ کے سامنے سر نہیں جھکا سکتی جو خود اس سے بھی نچلے درجہ کی ہے
جس میں نہ ارادہ ہو نہ دیکھنے کی قوت نہ احساس کی طاقت۔ جب انسان عقل و دانست کے لحاظ
سے بچپن کی حالت میں تھا تو اس وقت توہم پرستی کی طرف اس کا میلان زیادہ تھا۔ جو چیز عجیب
یا طاقتور نظر آتی تھی۔ وہ اس کی قوت واہمہ پر خاص اثر ڈالتی تھی اور اُسے مرعوب کردیتی تھی
کون جانتا ہے کہ دوسرے حیوانات کی اب بھی یہی حالت ہو۔ کون جانتا ہے کہ وہ انسان کو بھی
اس مخلوقات کا سردار نہ جانتے ہوں کچھ وقت کے بعد انسان کو ان اشیاء کے متعلق جو اس کے

گرد و پیش تھیں۔ ان توہم پرستی کے خیالات سے نجات مل گئی۔ مگر جو چیزیں اس سے بہت بعد پر واقع تھیں ان کے متعلق اسی قسم کے خیالات باقی رہ گئے۔ اور اس طرح پر زمینی اشیاء کی پرستش سے قدم آگے بڑھا کر وہ ستارہ پرستی کے مرحلہ پر پہنچا۔ مگر اس اعتقاد نے بھی ایک زیادہ معقول عقیدہ کو جگہ دیدی۔ ستارہ پرستی کا قطعی صفایا آخری مذہب اسلام نے کیا۔ جب ستاروں کی پرستش کی بجائے یہ تعلیم دی کہ یہ ستارے اور سورج اور چاند سب انسان کے لیئے مسخر کیئے گئے ہیں*۔ اس تعلیم کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ ابتک بھی دنیا نے اس کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا۔

بڑے بڑے یوروپین پروفیسروں کو بھی ایک قسم کا صدمہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسلام کی اس منادی کو سنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اس مخلوقات میں ایک بے حقیقت ذرہ سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کی اپنی ہستی کا انحصار سورج کی گرمی پر ہے۔ پھر وہ سورج کا اپنا خدمت گذار کس طرح کہہ سکتا ہے۔ لیکن عقل انسانی اور سائنس کی تھوڑی سی اور ترقی کے ساتھ وہ اس آواز کا جو تیرہ سو سال ہوئے اسلام نے بلند کی حتی بہتر مفہوم سمجھنے لگیں گے۔ اب بھی ہم سورج سے

*۔ قرآن کے یہ الفاظ اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ یہ مضمون قرآن کریم نے بہت مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ ہم ناظرین کی ذیل کی آیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھر وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار (ابراہیم ۲ ۳-۳۳) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادل سے پانی اتارا۔ پھر اسکے ساتھ پھل نکالے۔ تمہارے لیئے رزق اور تمہارے لیئے کشتیوں کو مسخر کیا جو سمندر میں اس کے حکم کے ساتھ چلتی ہیں۔ اور تمہارے لیئے دریاؤں کو مسخر کیا۔ اور تمہارے لیئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو اپنے راہ چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لیئے رات اور دن کو مسخر کیا۔ کیا لطیف ترتیب رکھی ہے۔ پہلے فرمایا کشتیوں کو مسخر کیا۔ پھر دریاؤں کو پھر سورج چاند کو۔ پھر رات دن کو۔ اسمیں یہ سمجھایا ہے۔ کہ جس طرح کشتی کو اپنے کام میں لاتے ہو اسی طرح ان تمام چیزوں کو اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ حتیٰ کہ آخر رات دن پر ختم کر کے یہ سمجھایا کہ مکان کیا زمانہ کو بھی تمہارے لیئے مسخر کیا +

یہ کام لیتے ہیں کہ وہ ہمارے لیئے لذیذ پھل اور ہماری غذا کا سامان غلہ پیدا کرتا ہے۔ ایک ذہین ہندوستانی نے ایک چولہا ایجاد کیا ہے۔ جس میں وہ سورج کی گرمی سے اپنا کھانا پکاتا ہے جب ہم اپنے ہوائی جہازوں کو زیادہ کمال کی حالت پر پہنچا سکیں گے تو اگر ہم چاہیں تو ہر وقت سورج کے سامنے رہ سکیں گے۔ ہم بادلوں کے پردوں کو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہم گویا سورج کو بھی اپنے اوپر اگر چاہیں تو غروب نہ ہونے دیں گے۔ جب ہم اس کو ایک جگہ غروب کی طرف مائل پائیں گے۔ تو ہم اس کرہ کے کسی دوسرے ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں سورج چڑھ رہا ہوگا اس طرح سورج ہمیشہ ہم پر اپنی روشنی ڈال سکے گا۔ گویا ہم سورج سے زیادہ طاقتور ہیں۔ وہ قوت ارادی نہیں رکھتا۔ وہ ایک مقررہ راہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم اگر اس عقل کو جو خدا نے ہمیں دی ہے تکمیل کی حالت کو پہنچائیں تو ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں چاہیئے کہ سورج ہماری عبادت کرے نہ یہ کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ انسان میں جیسے جیسے عقل کی تدریجی ترقی ہوتی گئی۔ وہ اپنی طاقت کو محسوس کرنے لگا جب تجربہ نے اسے سکھایا کہ وہ دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کو اس میں بھی شبہہ نہ رہا کہ وہ خود بالکل بیکس ہے کہ اس نے اس دنیا کی کسی چیز کو کبھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی عقل بھی جس کے ذریعہ وہ مخلوقات پر حکومت کر سکتا ہے اس کی اپنی نہیں۔ وہ ہوا جس سے وہ سانس لیتا ہے وہ خوراک جو وہ کھاتا ہے۔ وہ پانی جو وہ پیتا ہے یہ تمام چیزیں خود اس نے اس عالم میں مہیا نہیں کیں۔ بلکہ انکا مہیا کرنے والا کوئی اور ہے۔ تو ایک طرف جب اُس نے ان بھوتوں اور دیوتاؤں کے تصرف سے نجات حاصل کی جو اس کے لیئے باعث خوف اور عزت کرنے کے قابل تھے۔ دوسری طرف اس نے اپنا سر اس طاقتور ہستی کے سامنے جھکا دیا جو عقل کے مطابق اور قانون کے ذریعہ سے اس مخلوقات پر حاکم ہے۔ ہاں جو خود انسان پر بھی حاکم ہے۔

اب اس ہستی کی ذات اور صفات کے متعلق دوسرے مذاہب اور بالخصوص عیسائی مذہب نے اس قسم کے عقاید تجویز کیئے ہیں۔ جو نہ صرف خلاف عقل ہیں۔ بلکہ ایسے حالات ہیں جیسے مثلاً اب جنگ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ طرح طرح کے شبہات خود ذات باری کی ہستی کے متعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں گو اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ کا خیال اعلیٰ پایا جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے

خدا کو قومی خدا سے بڑھ کر خیال نہیں کرسکے۔ بلکہ اُن کے ذہن میں خدا صرف اسرائیل کا خدا ہی تھا عیسائی ایک انسان خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی طرف جذبات منسُوب کرتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ بعض لوگ دُنیا میں اس خیال کے بھی گذرے ہیں۔ جو کہتے تھے کہ خدا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ پھر عیسائیوں کے نزدیک خدا "محبت" ہے وُہ اسکو باپ کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں۔ کہ سوسائٹی میں ان صفات کے باپ کو پسند نہیں کیا جاتا تو وہ "خدا باپ" کی طرف منسُوب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں جو اپنے بچوں کی ہر ایک خواہش کو بغیر کسی روک ٹوک کے پورا کرتا جائے۔ جب عیسائی خدا کو "محبت" کہتے ہیں تو ان کا منشاء یہ خیال ظاہر کرنے کا ہوتا ہے کہ وہ ایسا محبت کرنیوالا ہے۔ کہ اُس کی محبت نے یہ تقاضا کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردے مگر یہ پسند نہ کیا کہ انسان ان بدیوں کے بدنتائج کو پائیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اِس اعتقاد کی وجہ سے اُن کو یہ مُصیبت پیش آتی ہے۔ کہ جب وُہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی ایک دُوسرے کو ذبح کر رہے ہیں۔ گھروں کے گھر اور ملکوں کے ملک ویران اور بے آباد ہوئے جا رہے ہیں تو وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ خدا محبت کرنیوالا نہیں۔ اور یہ اعتراض جو اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے ان کے عقاید کے رُو سے درست ہی کیونکہ جب اُن کا مذہب اُن کو یہ سکھاتا ہے کہ خدا ایسا محبت کرنے والا ہے کہ اُس نے خود اپنی ذات پر دُکھ برداشت کرنے کو اس بات پر ترجیح دی کہ انسانوں کو کسی قسم کا دکھ پہنچے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اب خدا اس محبت کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔ اب تو اس کو یہ ضرورت بھی نہیں۔ کہ اپنے اوپر کوئی دُکھ اور مصیبت لے۔ وُہ اپنی طاقت سے کام لے کر ساری خونریزی اور تباہی کا ایک آن میں فیصلہ کرسکتا ہے۔ پھر وُہ کیوں اپنی طاقت کو نہیں برتتا یا واقعی اُس میں محبت نہیں اور یا اُسے طاقت نہیں کہ اِس خونریزی کا خاتمہ کرے۔

اس قسم کے تمام غلط خیالات کا ازالہ اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح نقشہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِس قسم کی تمام باتوں کو خدا کی ذات پاک کیطرف منسُوب کرنے سے انکار کیا ہے جن سے خدا کی عظمت و جلال میں نقص نظر آئے۔ تکان کا محسوس کرنا یا آرام چاہنا۔ دُکھ کا برداشت کرنا وہ جذبات جو انسان کے سلسلہ توالدو تناسل میں کام

کرتے ہیں۔ یعنی خدا کی طرف بیٹے یا بیٹی کا منسوب کرنا یا اور انسانی جذبات کا اس میں پایا جانا۔ ان سب باتوں کا انکار کیا ہے۔ خدا کی صفات کے متعلق اسلام کی تعلیم کا بنیادی پتھر لیس کمثلہ شیٔ ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی مثل جیسی بھی کوئی چیز نہیں گویا وہ تمام خیالات اور جذبات انسانی سے اس قدر اعلےٰ اور ارفع ہستی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہ صرف اس جیسی ہی نہیں بلکہ اس کی مثل جیسی بھی نہیں۔ اس لیئے جب ہم کہتے ہیں کہ خدا سنتا ہے دیکھتا ہے علم رکھتا ہے ارادہ رکھتا ہے۔ محبت کرتا ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہماری مثل حواس ہیں جن سے اس کو یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ حیّ یعنی زندہ ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ ہماری طرح سانس لیتا ہے یا ہماری طرح ہوا کا محتاج ہے یا کہ اس کا کوئی دل ہے جو حرکت کرتا ہے یا اس کے اندر دورانِ خون ہوتا ہے پس جب کوئی شے اس کی مثل جیسی بھی نہیں تو تمام صفات جو ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اگر ہم اس کو باپ کہیں تو محض ان معنوں میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارا خالق ہے اسی نے ہم کو وجود بخشا اور ہمیں ہستی میں لایا۔ لیکن ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم یا کوئی اور سچ مچ اس کا بیٹا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ محبت کرتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ کہ وہ سچ مچ ہم پر فریفتہ ہو رہا ہے۔ یا کہ وہ ہماری خاطر انکی اوپر دُکھ اور تکلیف اٹھانے کے لیئے تیار ہے۔ اسلام میں خدا تعالےٰ کے اسمائے حسنےٰ میں سے ایک صفاتی نام ایسا خوبصورت ہے کہ دوسری کسی زبان میں کوئی ایک لفظ اِس مفہوم کو ادا کرنے والا موجود نہیں۔ اِس نام کا مفہوم "محبت" سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام خدا کو الرحمٰن کہتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا کی محبت اور رحم اس قدر وسیع ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیئے قبل اِس کے کہ وُہ مخلوق عالم ہستی میں آئے۔ ہر قسم کی ضروریات کو پہلے سے ہی مہیّا کر دیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو بہتر تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سارے نام امتیازی ہوتے جیسا کہ عربی زبان میں دو نام اللہ اور رحمٰن ہیں کہ وہ کسی دُوسرے پر بولے نہیں جاتے +

لیکن انسان کی قوت بیانی محدود ہے۔ اس لیئے وہ مجبوراً وہی لفظ خدا کی صفات کے اظہار کے لیئے بولتا ہے جن کا استعمال وہ اپنی صفات کے لیئے کرتا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات

کے متعلق اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بہتر سے بہتر اور اعلےٰ سے اعلےٰ صفات جو انسان
قیاس میں لا سکتا ہے۔ وہ خدا میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار قرآن کریم میں ان
الفاظ کیا گیا ہے۔ لہ الاسماء الحسنیٰ۔ یعنی اس کے وُہ اسماء ہیں جن کے اندر اعلےٰ سے
اعلےٰ حسن موجود ہے وہ رحیم یا رحم کرنے والا۔ ودود یا محبت کرنے والا۔ رؤف یا مہربانی کرنے
والا بھی ہے۔ مگر وہ حکیم اور قدیر بھی ہے۔ اور وہ انصاف بھی فرماتا ہے۔ اس لیئے اگر ہم
اس کی صفات کے تقاضا کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے اوپر محبّت کا اظہار کرے
تو ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ صفت حمیت کا اظہار کسی دوسری صفتِ الہٰی کو باطل کر کے
نہیں ہو سکتا یا محبت اس کے انصاف اس کی حکمت اس کی طاقت کے خلاف نہیں ہوگی۔ اگر
ہم اس کے قوانین پر عمل نہیں کرتے تو اس خلاف ورزی کی سزا بھی اس کے صفات کے تقاضا
میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جب دُعاء کرتا ہے تو وہ یہ دُعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اسے یہ طاقت دے کہ وہ سیدھی راہ پر چلے۔ اور اُس کو یہ سمجھ حاصل ہو کہ وُہ غلط راہ سے
بچ سکے۔ اس عالم میں جو چیز قانون کو توڑتی ہے وہ خلاف ورزی قانون کی سزا بھی ضرور
پاتی ہے اور بسا اوقات وہ سزا اسی مالک کی پُوری طاقت کے ساتھ انسان کے سر پر آ رہتی
ہے۔ اس لیئے خدا کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وُہ قہار ہے اور یہ بھی کہ وہ جبّار ہے
لیکن ان صفات کے متعلّق یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں کہ انسان کے
اندر جب ان کا ہونا بیان کیا جاتا ہے تو وُہ اچھّی معلوُم نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا میں انہی صفات
کا بیان کیا جانا ایک خوبی رکھتا ہے۔ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلوق۔ خدا کے رحم پر اسکا حق
بطور دعوے قائم نہیں۔ ہم عالم ہستی میں آنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے۔ خدا نے
ہر چیز اپنے ارادہ سے اپنی مرضی کے مطابق پیدا کی نہ ایک چیونٹی کو یہ حق ہے کہ وُہ سوال کرے
کہ اُسے ہاتھی کیوں نہیں بنایا گیا اور نہ ہی ایک معمولی بندر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ
مجھے اس کمال کی صورت تک کیوں نہیں پُہنچایا گیا۔ جہاں تک ڈاروِن کے خیال کے مطابق
ایک دوسری قسم کا بندہ پُہنچ چکا ہے۔ یا خالق یا رب کا ارادہ ہے کہ ایک مخلوق اس کی بندر
ہونے کی حالت تک پُہنچی ہے اور دُوسرے اُس کی ربوبیت کے ماتحت انسان کی حالت

تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی طرح پر جب ایک چیز اپنے مادی وجود کو کھو دیتی ہے یا بالفاظ دیگر
جب موت اس پر وارد ہو جاتی ہے تو اس سے خدا کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ جب
ایک باغبان ان پودوں کو جو اُس نے خود لگائے تھے جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے یا کاٹ ڈالتا
ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اب ان کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتا یا اُسے معلوم ہو جاتا ہے
کہ جس غرض کے لیئے اس نے انھیں لگایا تھا اُس غرض کو اُنھوں نے پورا نہیں کیا۔ اس
لیئے اِس عالم کا خالق اور بنانے والا خوب جانتا ہے کہ کون انسان یا کون قوم اس قابل ہے کہ
اسے بڑھایا جائے اور اس کی تربیت کی جائے۔ اور کون اس لائق ہے کہ اُسے دنیا سے مٹایا
جائے یا کم کیا جائے۔ جس شخص کو یا جن لوگوں کو دُنیا سے نابود کیا جاتا ہے اُن کا یہ حق نہیں
کہ وہ شکایت کریں کہ ہماری زندگیوں کو لمبا کیوں نہیں کیا جاتا۔ ٹھیک جیسا کہ ان پودوں
کو جن کو ایک باغبان کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ انھیں
کیوں کاٹا جاتا ہے۔ بعض وقت باغبان بعض پودوں کو اِس لیئے نکال دیتا ہے۔ تاکہ
باغ کی حالت بحیثیت مجموعی بہتر ہو جائے۔ اِسی طرح پر خدا تعالےٰ بعض وقت ایک قوم
کو اس لیئے تباہ کرتا ہے کہ تا عام دُنیا کی حالت بہتر ہو جائے۔ بظاہر یہ فعل ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ اس کو ظالمانہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقتًا وہ رحم اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔
اب دوسرے سوال کو لو یعنی اس عالم مخلوقات کے نظم کو۔ سائنس دان اور علم الٰہیات کے ماہر
دونوں یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظم مقررہ اصول پر ہے۔ خواہ وہ مختلف چیزیں جن کا وجود ہم دُنیا
میں دیکھتے ہیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی گئی ہیں اور خواہ وہ ایک ہی حالت سے ترقی کر کے مختلف
مدارج کمال پر پہنچ کر مختلف ہو گئی ہیں۔ اس میں کسی کو شک نہیں کہ اس عالم کا نظم ان قوانین
معینہ پر ہے جو ایک بال بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ایک حکیم خالق اور موجد نے نہ صرف
اس عالم کو اعلےٰ درجہ کے اصولوں کے مطابق ایجاد اور خلق کیا ہے۔ بلکہ وُہ اس پر حکومت بھی
حکمت اور قانون کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم کو ہر صورت میں وہ قانون جو کام کر رہا ہے سمجھ آئے
یا نہ آئے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام واقعات جن کا ظہور اس عالم میں ہو رہا ہے کسی
قانون سے وابستہ ہیں +

وہ کاریگر جو ایک ایسی کل بنائے جس کا آج ایک پرزہ درست کرنے کی ضرورت ہے تو کل دوسرا اسے کوئی کاریگر نہیں کہتا۔ پس بصیر و قدیر صانع عالم نے اس عالم کی خلق اور ایجاد میں اس قسم کے نقص باقی نہیں چھوڑے۔ کہ آئے دن اس کے پرزوں کو درست کرنے کی ضرورت پیش آتی رہے۔ جو کچھ طاقت اس عالم کے کسی جزو میں ہے۔ جو کچھ تدریجی ترقی اور کمال یہ حاصل کر سکتا ہے ان سب کو اس نے مدِنظر رکھا ہے۔ پس سورج گردش کرتا ہے۔ چاند ایک خاص راہ پر چلتا ہے زمین گھومتی ہے۔ گرمی کے ذریعہ سے سبزیوں کی تقسیم اور اُن کا پیدا کرنا عمل میں لایا جاتا ہے۔ سبزیاں اور گھاس بھیڑوں کے لیئے چارہ مہیا کرتی ہیں۔ بھیڑ خود اِنسان کے جسم کو نشو و نما دینے میں کام آتی ہے۔ صناع عالم نے اس تمام نظم میں کوئی ایسا نقص باقی نہیں چھوڑا جو اس کو خود پھر بار بار مداخلت کی ضرورت پیش آتی رہے۔ کیونکہ اس کی قوت ایجاد و خلق نہایت درجہ کی کامل ہے۔ اس لیئے وہ قوانین اور اصُول جن پر اس سارے عالم کا دارو مدار ہے خدا کو ضرورت نہیں کہ موسموں کے تغیر و تبدل کا انتظام کرتا رہا کرے۔ اُس نے زمین کو سورج کے سامنے ایک خاص حالت میں رکھا ہے۔ جس سے ہمارے موسموں کا تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہر چیز ایک مقررہ قانون پر کام کرتی ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی ان قوانین کو روک نہیں سکتی انسان بھی اسی طرح ان کے ماتحت ہے جس طرح دُوسری مخلوقات* +

* قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان قوانین کی طرف جن کے ماتحت نظام عالم کام کر رہا ہے بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور سورہ مُلک کی ابتدا میں نہایت وضاحت سے اس بات کو بیان فرمایا ہے ما تری فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور یعنی رحمٰن کی مخلوقات میں جو قوانین کام کر رہے ہیں ایں کسی قسم کا فرق نہیں۔ جتنا زیادہ غور انسان کرے گا۔ اُسی قدر زیادہ صفائی سے اس بات کو دیکھ لے گا کہ اس کے قوانین میں کون نقص ایسا نہیں کہ ایک جگہ قانون کام کر رہا ہو۔ تفاوت کے نہ ہونے سے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رنگ کے قوانین کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا درحقیقت ایک ہی قانون سارے عالم میں کام کر رہا ہے اور فطور کے نہ ہونے سے منشا یہ ہے کہ قوانین کے عمل میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوتا۔ کہ بعض جگہ تو قانون عمل کر کے ایک نتیجہ پر پہنچا دے اور بعینہٖ انہی حالات کے ماتحت دوسری جگہ عمل کر کے اس نتیجہ پر نہ پہنچائے۔ اس لیئے یہاں بار بار زور دیا ہے کہ پھر دیکھو اور پھر غور کرو۔ کیونکہ قانون کے عمل کو دیکھنے کے لیئے بہت غور اور وسیع نظر درکار ہے +

انسان اس وسیع مخلوقات کے اندر کیا حیثیت رکھتا ہے وہ ایک تل کے برابر ہے بلکہ اتنا بھی نہیں
پھر انسان کو کیا حق ہے کہ اگر کسی وقت دنیا اس کے منشا کے مطابق نہ چل رہی ہو تو وہ شکایت
کرے۔ ڈریپر نے خوب کہا ہے۔

"مگر اس طرح اصولی قوانین تک پہنچ جاتے ہیں اور اس عالم کے نظام میں اُن کے اندر لا محیط
اور سب سے فائق ہونے کو مان لینے میں انسان کے ازلائے فعل کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا تمام
چیزوں کی ظاہری صورت کا اظہار اس نقطۂ خیال میں ہے جس سے ہم اُن کو دیکھتے ہیں جو شخص
ایک کھچا کھچ بھرے ہوئے شہر کے اشغال میں منہمک ہے۔ وہ سوائے انسانوں کی مخلوق کے اور
کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اگر اُس نے اپنے ہی تجربہ سے رائے لگائی ہو تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ واقعات
عالم کے رخ کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے جو کبھی ایک پہلو بدلتی ہے اور کبھی دوسرا۔ لیکن
جو شخص ذرا بلندی کے مقام سے نظر ڈالے گا۔ روزمرہ کے جھگڑے اس کی آنکھوں کے سامنے
نہیں آئیں گے اور نہ انسانوں کے باہمی مباحثات اس کے کانوں تک پہنچیں گے وہ دیکھ لیگا
کہ جوں جوں وہ اُوپر چڑھتا جاتا ہے اور اس طرح اس کی آنکھ کے نیچے کا منظر وسیع ہوتا جاتا ہے
ساتھ ہی انسان کے انفرادی کاموں کی وقعت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر وہ صحیح فلسفیانہ یعنی
عام نقطۂ خیال پر پہنچ جائے اور اپنے آپ کو سارے زمینی اثروں اور پیچیدگیوں سے الگ
کرے اور اس قدر بلند ہو جائے کہ اس سارے کرہ زمینی پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال سکے
تو اس کی تیز سے تیز نگاہ بھی انسان اور اس کی آزادی خیال اور اس کے افعال کا اثر نہ دیکھ
سکے گی۔ زمین کی اس تیز رفتاری میں جسے کوئی چیز روک نہیں سکتی اس کی شب و روز کی تکلیف
بات کی باقاعدگی میں اس کے براعظموں اور سمندروں کی خوبصورتی میں جسے ہر نگاہ پہچان سکتی ہے
اور جن میں اب کسی قسم کی تاریکی نہیں بلکہ روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ وہ اپنے
آپ سے یہ سوال کرے گا کہ ان تمام تمناؤں امیدوں اور تفکرات کا۔ اور زندگی راحت و
غم کا کیا حشر ہوا؟ جیسا کہ وہ کام جن کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے
سے غائب ہوتے جائیں گے اور وہ امور اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے جائینگے
جن پر انسان کا تصرف نہیں اور ہر لمحہ زیادہ روشنی پیدا ہوتی جائے گی۔ وہ خود اپنے ہی

تجربہ کی صحت پر شک کرنے لگے گا اور اس کے دل میں یہ سوال اُٹھے گا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وُہ مقام جو اس قدر لازوال شان وشوکت کی جگہ ہے۔ وہیں اس قدر انسانی بے ثباتیاں بھی موجود ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک حرکت کرنے والے عالم کے وسیع طاقتور اور لاتبدیل طریق میں کچھ انسانی کمزوری اور ناتوانی بھی چھپی ہوئی اپنا کام کر رہی ہے۔ غور کرو کہ صرف نقطۂ خیال تبدیل ہؤا ہے۔ مگر اس سے کس قدر انقلاب ہمارے خیال میں پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ہندو فلاسفر نے سچ کہا ہے کہ جو شخص دریا کے کنارے کھڑا اس کے بہاؤ کے منظر کو دیکھ رہا ہے وہ اس کی تمام لہروں کو یکے بعد دیگرے آگے گذرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ایک مرتفع مکان سے اس نظارہ کو دیکھے گا اُسے وسیع میدانوں کے اندر صرف ایک بے حرکت سفید چمکتا ہؤا دھاگا نظر آئے گا۔ ایک کی نظر میں انسان کا وہ بڑھتا ہؤا علم اور تجربہ ہے جو کہ رفتار زمانہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ دوسرے کی نظر میں خدا کا نوری اور اجتماعی علم ہے"۔

اب جب ہم نے خدا کی ذات وصفات کا اور اس عالم میں واقعات کے کام کرنے کا کچھ علم حاصل کر لیا ہے۔ تو ہم بہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جنگ یا اس قسم کے دُوسرے وسیع مصائب انسانی سے خدا کی ہستی یا خدا کے رحم پر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جس قسم کا خدا عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ جس کو وہ باپ کہتے اور صرف محبت ہی محبت بتاتے ہیں وہ عقیدہ واقعات کے رُو کے سامنے قایم نہیں رہ سکتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ انسان کو یہ کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ واقعات عالم کے اختیار صرف اسی کی بہتری کیلئے ہونی چاہیئے یا اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہونا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خدا نے محض اپنے رحم سے انسان کو چن لیا کہ وہ اسے اشرف المخلوقات بنائے۔ یہاں تک کہ وُہ سورج جیسی عظیم الشان چیز کو بھی اپنے کام میں لا سکے اور اپنے مطلب کے موافق اس سے کام لے سکے۔ ایک بہت ہی حقیر سی ہستی کو اُس نے محض اپنے رحم سے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ یقیناً انسان کو اس مرتبہ تک پہنچنے میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ اور نہ اپنی مرضی سے یہ مقام اُس کو حاصل ہؤا۔ بلکہ محض خدا کے رحم نے اس کو اس مقام تک پہنچایا۔

جو دماغی اور ذہنی قوائے انسان کو دیئے گئے نہ وہ ہاتھی کو دیئے گئے اور نہ کسی دُوسری بڑی سے بڑی زمینی مخلُوق کو۔ یہ انسان کے جسم کا بنیادی چھوٹا سا قالب ہے جس میں اس قدر طاقت رکھ دی گئی ہے کہ وہ آہستہ اور باقاعدہ خاص اصُول کے اوپر چل کر ترقی کرتا کرتا ایک ایسے مکمل انسان کی صورت اختیار کرے جو بلند پروازی کرتا ہوُا آسمان تک بھی پُہنچ سکے۔ اسکے علاوہ اس دُنیا کے نظام حیات حیوانی میں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ یہ کہ زندگی کے لیئے ایک مسلسل جد وجہد جاری ہے ایک مخلوق کی موت پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔ جب ہم گوشت کھاتے ہیں یا گوبھی کھاتے ہیں ہم یقیناً ایک زندگی کو مٹاتے ہیں۔ کیا ایک بھیڑ جب ہم اسے اپنے کھانے کے لیئے ذبح کرتے ہیں۔ خدا کے رحم کے خلاف اعتراض نہیں کرسکتی کہ اس نے ہمیں کیوں اس کے مارنے کی اجازت دی ہے؟ کیا ایک سبز گھاس کا پودہ اسی طرح پر اعتراض نہیں کرسکتا کہ کیوں اُس نے بھیڑ کو اسے کھا جانے کی اجازت دی ہے؟ اگر ایک بھیڑ یا ایک گھاس کا تنکا اعتراض نہیں کرسکتا تو ہم کیونکر اعتراض کرسکتے ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک دوسرے کو مار ڈالتا ہے یا ایک شیر ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا ہے ٭

میری رائے میں تو یہ اصول کہ ایک کی موت سے دوسرے کی زندگی بنتی ہے۔ ہمارے دل پر خدا کے رحم کا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ یہ اس تمام مخلوقات کو جس میں زندگی ہے اور جس میں ہم بھی شامل ہیں یہ بتاتا ہے کہ ہماری زندگی نہ اپنی کوشش سے بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔ انسان کی مثال کو لو۔ باوجود اپنے ذہنی قوائے کے باوجود اپنی طبی ایجادات کے وہ زمینی مخلوقات میں سے سب سے لمبی عمر والا نہیں ہے۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی زندگی کا یقین کامل نہیں رکھ سکتا۔ ایران کی اس قابل عزت شاعر شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ جب وہ سانس لے خدا کا دو دفعہ شکر یہ ادا کرے۔ کیونکہ جب وہ اپنے سانس سے ہوا خارج کرتا ہے تو وہ ایک ایسی زہر باہر نکال پھینکتا ہے۔ جو اگر نہ نکالی جاتی تو اسے ہلاک کردیتی اور جب وہ سانس کے ذریعہ سے ہوا اندر لیجاتا ہے۔ تو زندگی بخش آکسیجن لے جاتا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح تمہاری زندگی کا ہر لمحہ ہلاکت کو پہنچانے والے واقعات کے امکان سے پُر ہے تو پھر تم کو سمجھ آئے گا۔ کہ ہم صرف خدا کے رحم سے ہی

زندگی بسر کر رہے ہیں +

اللہ تعالےٰ نے تم کو ایک حد تک آزادیٔ فعل بھی دی ہے۔ تم اپنی قسمت کو اچھا یا بُرا بنا سکتے ہو۔ خدا کی کتاب ارشاد الٰہی ہمیں یوں پہنچاتی ہے۔ وکل انسان الزمنٰہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیٰمۃ کتابا یلقاہ منشورا ۝ اقرأ کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا ۝ من اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخرٰی وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل ۱۳-۱۵)

اور ہر ایک انسان کے عمل نامہ کو ہم نے اس کی گردن کے ساتھ لگا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لیئے ایک ایسی کتاب نکال لائیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھو۔ آج تیرا اپنا نفس ہی تیرے محاسبہ کے لیئے کافی ہے۔ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لیئے ہی سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اُسکا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ پہلے رسُول مبعوث نہ کرلیں +

اگر ہم ایک دوسرے کو مارنے کی ہی ٹھان لیں اور سرسبز ملکوں کو تباہ کرنے پر تُل جائیں تو اس کے لیئے خدا کو الزام کیوں دیا جائے۔ خدا نے یہ زمین اس قدر وسیع بنائی ہے کہ سب انسان آرام سے اس پر گذارہ کرسکتے ہیں۔ اگر اُن کا منشا آرام سے رہنے کا ہو اور اگر انسان کے لالچ اور طمع کی کوئی حد بندی ہو۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ اس کی سزا پائیں۔ خدا تو اپنی سب مخلوق پر یکساں مہربان اور رحم کرنے والا ہے لیکن جو شخص دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ ضرور ہے کہ اُس کی سزا پائے۔ اس صُورت میں یہ سزا بھی خدا کے رحم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ جس نے ساری دنیا میں آگ لگا دی ہے وہ خود کس بات کا نتیجہ ہے؟ انسانوں کے اپنے جذبات اور اعمال کا نہ کسی اور چیز کا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی مصیبت انسان پر نہیں آتی۔ مگر کسی نہ کسی رنگ میں اس کے اپنے ہاتھ ہی اس کو پیدا کرتے ہیں۔ اس سے خدا کے رحم اور محبت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ وہ رحیم اور مہربان ہے۔ وہ

بدی کو پسند نہیں کرتا۔ بدی صرف ان طاقتوں اور قوتوں کے بُرے استعمال کا نام ہے جو ہم کو دی گئی ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی بن کر رہیں۔ ایک دُوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بنے رہیں۔ اس نے ہم کو قوائے عقلی اور ذہنی اس لیئے دیئے تھے کہ ان کو ہم ایکدوسرے کی ہمدردی کے لیئے کام میں لائیں۔ لیکن انسان انہی قوائے کو اپنے ہی بنی نوع کی بربادی کیلیئے استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وُہ یہ نہیں چاہتا کہ دُوسرے بھی آرام سے رہیں بلکہ اپنی طاقت کو سب کو سبع کرنا چاہتا ہے۔ اس کشمکش میں اس جد وجہد میں ضروری ہے کہ انسانوں پر تباہی بھی آئے۔ یہ تباہی بھی اس لیئے نہیں کہ خدا تعالے انتقام لینا چاہتا ہے بلکہ اس لیئے کہ بدی اور ظلم دُنیا سے مٹ جائیں . . . .

یقیناً اللہ قادر مطلق ہے۔ جب ہم اپنے لیئے آزادی فعل کے اختیارات چاہتے ہیں تو ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس مخلوقات کی ساری ہیئت کو بدل دے۔ وہ اگر چاہے تو ایک لمحہ میں ساری تباہی اور بربادی کو جو اسوقت دُنیا پر ہو رہی ہے روک دے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرے۔ وُہ جانتا ہے کہ ہماری آزادی فعل پہلے بھی بہت سی حد بندیوں کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ کیا پھر وُہ اسے بالکل ہی اڑا دے۔ کیا ہم اسے پسند کر سکتے ہیں۔ کیا ہم میں سے کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو اچھی یا بُری جگہ لگانے کا جو اختیار حاصل ہے وہ اس سے چھین لیا جائے۔ کیا خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو ہم کھو دینا پسند کرتے ہیں۔ یہ ہماری آزادی فعل کا ہی نتیجہ ہے کہ ساری مخلوق پر ہم حکمرانی کر رہے ہیں اور سورج تک کو اپنے کام میں لا رہے ہیں۔ اس لیئے اگر ہم سے یہی چھین لی جائے تو کون کہیگا کہ یہ خدا کے رحم کا ظہور ہے۔ میں اپنے لیئے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ مجھے آزادی فعل حاصل رہے۔ خواہ کبھی کبھی اس کے غلط استعمال کے لیئے مجھے اس کی سزا بھی اٹھانی پڑے بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے یہ چھین لی جائے۔ اور مجھے یہ کہا جائے کہ اب تمکو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی سزا نہیں دیجائے گی۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم کو جو سزا ملتی ہے وہ بھی خدا کے رحم کا ہی نتیجہ ہے۔ جب آپ بستر مرگ پر تھے تو آپ نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلعم) کی جان ہے کسی مومن پر کوئی مصیبت یا

بیماری نہیں آتی۔ مگر یکہ اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتّے +

خود اس جنگ کے متعلق بھی ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نری مصیبت ہی مصیبت نہیں۔ ایک انگریز نے کہا ہے کہ ان جزائر یعنی برطانیہ کلان میں کوئی عورت یا مرد ایسا نہیں جو اس جنگ کی وجہ سے اپنے اندر ایک اچھی تبدیلی نہیں پاتا۔ اس کا خیال ہے کہ ساری آبادی اس آگ کی وجہ سے ہر قسم کی آلائش سے صاف ہو کر نکلے گی +

....

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اس ہولناک مصیبت کے بعد خدا کے رحم سے ایسا ہو کہ یورپ پہلے سے اچھی حالت میں نکلے اور دوسرے لوگ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ خدا کرے کہ آئندہ تہذیب کی بنیاد مادیت پر نہ ہو بلکہ مذہبی اور اخلاقی اصول پر ہو تاکہ وہ مضبوط عہدنامے جو قوموں اور قوموں کے درمیان یا حاکم و محکوم کے درمیان ہوتے ہیں۔ آئندہ اُن کی عزّت کی جائے۔ ایسا ہو کہ آئندہ کمزور قومیں محض اپنی کمزوری کی وجہ سے طاقتور قوموں کے پاؤں تلے نہ روندے جائیں۔ کہ ایک کی دولت اور زمین پر دوسرے کے دندان طمع تیز نہ ہوں .... کہ ایک عام اخوت ایک انسان اور دوسرے انسان میں۔ ایک قوم اور دوسری قوم میں قائم ہو جائے۔ جو اگر جنگ کو ہمیشہ کے لیئے ختم نہ کردے تو کم از کم آئندہ اس میں اس قسم کے مظالم اور وحشیانہ پن پیدا نہ ہونے دے جیسا کہ موجودہ جنگ میں ہُوا ہے یہ مہیب جنگ انسانوں کے اختیار سے بالکل باہر چلی گئی ہے۔ آؤ ہم سب دُعا کریں۔ کہ اس سے ایک ایسی صلح پیدا ہو جو ہمیشہ کے لیئے ہے خواہ وہ ایک سال میں آئے یا دس سال میں۔ اور یہ کہ خدا اپنے رحم سے ہماری زیادتیوں سے درگذر فرمائے۔ اور ہمیں صراط مستقیم پر چلائے تاکہ آئندہ نسلوں کے لیئے ہم اپنے پیچھے اقبال اور اتفاق کو چھوڑیں۔

(قدوائی)

سب نبیوں کا موعود رسولؐ

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ

جیساکہ قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا ہے اللہ تعالےٰ نے ہر ایک قوم میں اور ہر ایک امت میں ایک رسول مبعوث کیا۔ یا بعض قوموں میں ایک سے زیادہ رسول بھی مبعوث کیے لیکن اسمیں شک نہیں کہ یہ جس قدر رسول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آتے رہے۔ یہ سب خاص خاص قوموں کی طرف آتے رہے۔ کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیئے مخصوص رکھا گیا۔ جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیئے آیا۔ تو چونکہ اس رسُول نے ساری قوموں کو ایک دین پر جمع کرنا تھا۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ساری قوموں سے بذریعہ اُن کے نبیوں کے یہ عہد لیا کہ جب وہ رسول آجائے تو تم سب نے اس کے دین پر چلنا ہوگا۔ کیونکہ اصل غرض یہی تھی کہ نسل انسانی کے اندر سے قومیت کی تفریقوں کو مٹایا جائے اور سب کو بھائی بھائی بنایا جائے۔ مگر مختلف قوموں میں مختلف نبیوں کے آنے سے قومی امتیازات ایک حد تک مضبوط ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ ہر قوم ہدایت کے لیئے اپنے ہی نبی کو دیکھتی تھی اور اسکو دُوسری قوم کے نبی کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور چونکہ تعلقات بین الاقوام بھی اس وقت نہ تھے۔ سب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیئے ان حالات کا اقتضا بھی یہی تھا۔ کہ ہر قوم کے اندر جدا جدا نبی مبعوث ہو۔ مگر یہ علیحدگی جو ملکوں اور قومیتوں کی حدبندی سے پیدا ہوئی ہمیشہ کے لیئے رہنے والی نہ تھی۔ اس لیئے یہ ضروری ہُوا کہ جب وہ وقت آجائے کہ تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھل جائیں تو قومی رسُولوں کی بجائے ایک ہی رسول ساری دُنیا کی طرف مبعوث ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسول دُنیا میں ہُوا جس نے علی الاعلان بار بار کہا کہ میں کل عالمین کی طرف آیا ہوں۔ اور جس کے متعلق ارشاد ہُوا کہ ہمنے تم کو کافۃ للناس بھیجا ہے جس نے قومیتوں کی ساری تفریقوں کو مٹایا اور نسل انسانی کو وہ حکم خداوندی سُنایا جو ان کو بھائی بھائی بنانے والا تھا۔ یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثٰی وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اے لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایکدوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ تو چونکہ اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور یہ عہد ہر ایک قوم سے بذریعہ اُن کے نبی کے لیا گیا

یہی وہ مضمون ہے جس کو آیت مذکورۃ الصدر میں بیان فرمایا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں آیا ہے انا اوّل النبیین خلقا و اٰخرھم بعثا۔ کیونکہ اگر آپ اوّل النبیین خلقا نہ ہوتے تو آپ کے متعلق ہر نبی سے وعدہ کس طرح لیا جاتا۔ اور بعثت میں آخری اس لیئے ہوئے۔ کہ تا کل نبیوں سے آپ کے متعلق عہد لیا جائے اور آپ بھی کل کی تصدیق کریں +

اس رسول کی سب سے بڑی علامت جو یہاں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ مصدق لما معکم ہے یعنی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلی قوموں کے پاس ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے جو رسول عربی فداہ امی وابی میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی ایک رسول ہے جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ہے۔ ابتدا ہی میں قرآن میں ہی فرمایا یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا اس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور قبیلوں پر اور اس پر جو دیا گیا موسےٰ اور عیسےٰ اور سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہیں کرتے۔ پس یہاں درحقیقت بتادیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس طرح پر قرآن نے خود ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رسول مصدق لما معکم سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی دنیا میں ایک رسول ہوا ہے۔ جس نے دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے +

حضرت مسیح کے حواریوں نے بھی اس بات کی شہادت دی ہے۔ کہ وہ نبی مثل موسےٰ جس کی پیش گوئی استثنا ۱۸-۱۵ و ۱۸ میں ہے۔ اس کے متعلق دنیا کے کل نبیوں نے شہادت دی ہے چنانچہ اعمال رسل باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے "ضرور ہے کہ آسمان اسے لیئے رہے۔ اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے ایک نبی میری مانند اٹھاوے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو" اس سے صاف معلوم ہے کہ حضرت مسیح کے بعد تک اس پیشگوئی کا انتظار تھا۔ اور دنیا میں ایک ہی شخص ہوا ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا۔ کہ میں وہ نبی ہوں جس کی بابت کل نبیوں نے خبر دی تھی۔ اور جس طرح اس کی خبر سب نبیوں نے دی۔ اسی طرح اس نے سب نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا +

امرت پرواہ — امرت پرواہ

ریکا یا پلٹ یا اکسیر اعظم یا تریاق سموم

آبحیات

یہ تمام نام اوصافی ہیں چونکہ بالخواص روح الکل کی موجودگی کے باعث کل شدید بیماریوں میں داخلاً وخارجاً استعمال کر کے کل انسانی اور حیوانی اور نباتاتی امراض کو دور کرتا ہے اس لئے مندرجہ بالا ناموں سے مشہور ہے:۔

میرا حلفیہ بیان کہ خدا کو حاضر ناظر جانکر سچ سچ حال لکھتا ہوں یہ چند نباتاتی اجزا سے تیار کیا جاتا ہے جو بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ میرا ہرگز یہ دعوے نہیں کہ یہ بوٹیاں خاص میرے ہی باغ میں پیدا ہوتی ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں البتہ یہ بات ضرور کہتا ہوں کہ اس میں زہریلی بات کوئی نہیں میری دیرینہ پریکٹس کا یہ نتیجہ ہے۔

یونانی و ڈاکٹری علم و عمل باقاعدہ حاصل کر چکنے کے بعد آجتک قریباً نصف صدی سے لاہور جیسے صدر مقام میں مطب رکھتا ہوں اور آجتک شہر و بیرونجات میں ۳۰ لاکھ مریضوں کا علاج کر چکا ہوں رجسٹر باقاعدہ موجود ہے صرف کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ بقاعدہ علم کیمسٹری اور دواسازی اجزا میں کمی بیشی کیمسٹری کے اصول پر کرتا ہوں جس سے ثالث کیفیت یعنی روح الکل پیدا کیا جاتا ہے۔ جو قلیل المقدار کثیر المنفعت ہوتا ہے میں لوگوں میں اسلئے سستا فروخت نہیں کرتا کہ ملک پر احسان کرتا ہوں یا رفاہ عام کا دعوے کر کے جھوٹا ادعا کروں بلکہ ارزاں قیمت پر آب حیات فروخت کرنے میں خاص ذاتی غرض رکھتا ہوں کہ شفا خانہ کا نام اور زیادہ وسیع حلقہ پر لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اس کے ذریعہ فائدہ اٹھانیوالے قائل ہو جائیں کہ اسکے تمام مرکب ویسے ہی مفید ہوں گے جیسے ایمانداری سے میں نے بتلا دیا ہے کہ اس مرکب کے اجزا عام بازاروں میں بکتے ہیں کوئی آسمانی دوا اس میں شامل نہیں پھر کیا وجہ کہ عام لوگوں کی دوائیں ایسی مفید نہیں جیسا یہ مرکب۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عام لوگ دواسازی و کیمسٹری نہیں جانتے لہذا وہ ثالث کیفیت ان کی دواؤں میں پیدا نہیں ہوتی جو کر مسیحائی کام کرے۔ دیکھئے سب جانتے ہیں۔ کہ گندھک پارہ وغیرہ سے شنگرف بنتا ہے۔ ایک سفید دوسرے زرد۔ مگر ترکیب استاد سے تیسرا رنگ سرخ چمکدار ان میں سے پیدا ہو کر علیحدہ شنگرف بنجاتا ہے جسکے فوائد خاص علیحدہ ہوتے ہیں کیا ہر ایک شخص اسکو بنا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اسی طرح آبحیات کو بنانا کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک بنا سکے۔ کیونکہ اجزا کے کم و بیش کا علم بجز کیمسٹ ہر ایک نہیں جانتا اس لئے ان لوگوں کی دوائیں اکثر مضر ہوتی ہیں اگر یہ راز دواسازی میں ضروری نہ ہوتا تو ہر پنساری ہر عطار کیمیا گر یا حکیم حاذق بن جاتا کیونکہ انکے پاس دوکانوں میں ہزاروں دوائیں موجود ہوتی ہیں جن سے وہ کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے پھر کیا یہ سوال فضول نہیں کہ فلاں مرکب میں یہ دوائیں ہونگی اسلئے بلا آزمائش مضر و مفید کہدینا کم عقلی ہے یا نہیں۔ بلکہ ہر ایک ذی تعلیم کا فرض ہے کہ آزما کر موجد کے علمی کارنامے کی داد دے۔

فوائد مصدقہ آب حیات

بخار ہر قسم۔ درد حیض۔ درد کمر۔ درد شکم۔ چھپاکی۔ مسوڑھوں سے خون جانا۔ گرمی دانے۔ قے۔ درد داڑھ۔ منہ میں چھالے۔ تشنج مقعد۔ ناسور۔ مرگی۔ نکسیر۔ زکام۔ کھانسی۔ ہچکی۔ ہیضہ۔ طاعون۔ کرم شکم۔ درد سینہ۔ درد پہلو۔ درد دل۔ درد کان۔ درد سر۔ آگ سے جلنا۔ درد گردہ۔ ورم معدہ۔ بیخوابی۔ چوٹ لگنا۔ سل۔ تپدق۔ داد۔ چنبل۔ سرسام۔ دمہ۔ نقرس۔ قولنج۔ کمی اشتہا۔ باؤگولہ۔ درد دانت۔ پھوڑے پھنسیاں۔ ہر قسم کا درد۔ وصحت زہریلا ڈنگ بھڑ بچھو سانپ وغیرہ۔

قیمت فی شیشی ایکروپیہ (عہ) درجن عسہ۔ اہل خرچی

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکما شاہی سند یافتہ لاہور روڑی دار

ج

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل۔ دوائیوں کے تیل کے دو تین
پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں۔ اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔
اور آسانی سے پی سکتے ہیں ٭

(۱) **روغن صندل**۔ سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی (۶ر)
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔ (۵ر)

(۲) **اجوائن کا تیل**۔ قے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی (۶ر) محصول (۵ر)

(۳) **روغن سونٹھ**۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے۔ اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی (۵ر)
محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ (۵ر)

(۴) **روغن سونف**۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیے مفید ثابت ہوا ہے فی شیشی ۴ر محصول ا تا ۴ (۵ر)

(۵) **روغن دال چینی**۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے۔ اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے
قیمت فی شیشی (۶ر) محصول ایک سے چار تک (۵ر)

(۶) **روغن لونگ**۔ متلی اور ریاح کو دفعہ کرتی ہے۔ اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے قیمت فی شیشی ۴ر محصول ۵

(۷) **روغن لیمو**۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیموں کا خوشبو دیتا ہے قیمت فی شیشی ۸ر محصول ۵ر

(۸) **روغن پیپرمنٹ**۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت
مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۰ر محصول ۵ر

(۹) **روغن الائچی**۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے۔ اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت
فی شیشی (۶ر) محصول ۵ر

المشتہر
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

اشاعت اسلام بک ڈپو

مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام ہے اردو قیمت (۱۰/

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو قیمت دس آنے .... (۱۰/

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" اردو (۴/

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت (۲/

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے ..... (۴/

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت دو آنے ...... (۲/

بنگال کی دلجوئی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/

مسلم مشنری کے ولائیتی لیکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/

اور تین عدد انگریزی لیکچر قیمت تین آنے (۳/

مسلم اٹی چیوڈ ٹورڈ گورمنٹ انگریزی۔ کرشن اقرار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ ...... (۱/

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (عہ/ جلد سنہ ۱۹۱۴ء (عہ/

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کی سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت (عہ/

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو قیمت فی جلد ... (۶/

نکات القرآن حصہ دوم ایضاً " .... (۶/

" " حصہ سوم " " .... (۸/

عصمت انبیاء (۸/) غلامی " " .... (۴/

ویسٹرن اویکنگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے (۱۲/

التوحید یعنی لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر ہے مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس قیمت (۱/

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا، انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے ..... (۱۲/

اسلام اینڈ سوشیلزم ایضاً .... (۱عہ/

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت (۱/

النبوۃ فی الاسلام یعنی نبوۃ کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے قیمت .... (عہ/

حدوث مادہ " " " .... (۴/

مکمل جلد اول سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت فی جلد تین روپے .... (للعہ/

پتہ

منیجر خواجہ عبدالغنی۔ عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:- ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

اجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دایرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اسکا دایرہ اشاعت دس ہزار ہوجائیگا۔ مشتہرین کیلیے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھکر نادر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا

مینیجر

اندازِ صفحہ	یک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
پورا	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نوٹ:۔ باقی صورات خط و کتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب

یعنے

ام الالسنہ

معروف بہ زندہ و کامل الہامی کتاب

اس نادر کتاب میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان نہ صرف کل دنیا جہان کی زبانوں کی ماں ہی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ الہامی زبان بھی ہے۔ دلایل بالکل فلالوجی (علم اللسان) کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ یورپین ماہرین علم اللسان کے دلایل پر ناصحانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ پھر ایسے ادق مضمون کو نہایت ہی دلچسپ اور سلیس زبان میں لکھا ہے قیمت صرف دس آنے (۱۰ر) جو اب تخفیف کردہ ہے

اسوہ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی۔

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھکر یا سننے کے سوا ریب باقی نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپکی ذات پاک ہی ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا + قیمت ۱۴ر

پتہ:۔ خواجہ عبد الغنی مینیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی - اے - ایل - ایل - بی) و مولوی صدرالدین (بی - اے - بی - ٹی)

جلد (۲) بابت ماہ جولائی ۱۹۱۶ء نمبر (۷)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جون ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات .... (۲۸۹) ⁂ (۲) مسئلہ زندگانی مسیح ..... (۲۹۲)
(۳) افریقہ میں اسلام (۳۰۱) ⁂ (۴) مختلف تمدنی اور مذہبی قوتوں کے باعث عورت کی حالت .... (۳۰۶)
(۵) پادریوں کی غلط بیانیاں .... (۳۱۴)
(۶) کثرالازدواجی (۳۱۷) ⁂ (۷) اسلامی نماز کا فلسفہ (۳۲۲)
(۸) پیغمبر صلعم اور عیسائی .... (۳۲۷)
(۹) صفات باری .... (۳۳۳)
(۱۰) خطبات عربیہ (۳۳۶)

ماہ جولائی ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب

قیمت سالانہ تین روپے

نوٹ - ناظرین کرام صفحہ ۳۳۶ - اور سرورق کے صفحہ ۳ و ۴ ضرور ملاحظہ فرمائیں -

ضروری اطلاع

بغرض توسیع اشاعت رسالہ اسلامک ریویو انگریزی ماہواری و رسالہ اشاعت اسلام ماہواری و دیگر اغراض مسلم ووکنگ مشن۔ جناب حکیم اللہ یار خان صاحب متخلص بہ جوگی (واصل) و خلیفہ عبد المجید صاحب کلرک دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور ہماری طرف سے ایجنٹ مقرر کیے گئے ہیں وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کریں گے۔ اُن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر دو رسالہ جات کے خریدار پیدا کریں اور خریداروں سے قیمت وصول کریں۔ یا دیگر اغراض ووکنگ مشن کے لیے ہر قسم کی امداد حاصل کریں۔ جو صاحب اُنھیں کسی قسم کا روپیہ دیں اُن سے رسیدلیں۔ رسید بک بصورت ثمنہ اُن کے پاس ہے۔ اور اُس پر میرے دستخط انگریزی میں ثبت ہیں +

خواجہ کمال الدین

ایڈیٹر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام

قابل توجہ ناظرین کرام

ہم ناظرین کرام میں سے ہر ایک کی خدمت میں فرداً فرداً مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ اس کی اشاعت کی وسعت سے جو اعلیٰ نتائج مترتب ہونگے۔ وہ احباب پر عیاں ہیں۔ اگر رسالہ کی اشاعت تین دس ہزار ہو جائے تو رسالہ نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجات اعظم کا بوجھ ہلکا کرنے اور اس کی ترقی پر بھی کفیل ہو سکتا ہے۔

ہم اپنے مربیان رسالہ کے مرہون احسان ہیں جو ہمہ تن ہر وقت رسالہ کی توسیع اشاعت کو ملحوظ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اس اسلامی خدمت کا احسن جزا عطا فرمائے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کرام ہمارے ایجنٹوں کو توسیع اشاعت کے کام میں ہر قسم کی سہولت دیں گے + مینیجر رسالہ

تصاویر نو مسلمانان لندن۔ فی درجن ۱۰ ار + فی تصویر ا ار +
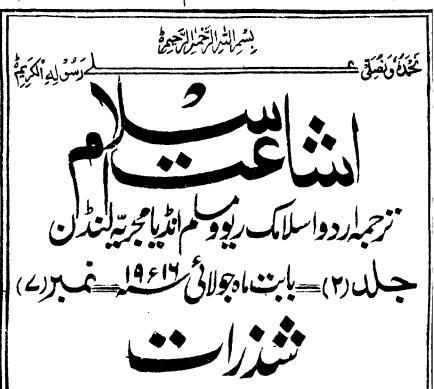
اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ جو تصویر شائع ہوتی ہے وہ ایک نئے مسلمان مسٹر لوگرووکی ہے۔ جن کا اسلامی نام حبیب اللہ رکھا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کو اسم بامسمےٰ کرے اور اللہ تعالےٰ کی محبت میں وہ اس قدر ترقی کریں کہ حبیب اللہ بن جائیں۔ اُن میں سعادت اور نیکی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کے چہرہ سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ رب العالمین ہے اور اس کی محبت اور رحمت کسی خاص قوم سے وابستہ نہیں بلکہ جو شخص بھی اس کی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور اس کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے۔ وہ اس کی محبت اور رحمت سے حصہ پا لیتا ہے۔ اور اولیاء اللہ میں داخل ہو جاتا ہے +

ایسی قوم میں لارڈ سٹینلے مرحوم جیسا انسان پیدا ہوا جس کے متعلق ایک مسلمان سیاح نے لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے انگلستان میں لارڈ سٹینلے کا مہمان ہوا پچھلی رات کو جو اُسے جاگ آئی تو اس مکان میں کسی کے قرآن کریم کے بڑے درد کے ساتھ پڑھنے کی آواز آئی اور اُس کو حیرت ہوئی۔ کہ اس تثلیث کی سرزمین میں کہاں سے یہ آواز آرہی ہے۔ یا آیا یہ کوئی خواب ہے۔ آخر اس سے نہ رہا

گیا اور اُٹھ کر مکان کے ارد گرد اور اندر پھر کر آواز کا سراغ لگایا تو دیکھا کہ خود لارڈ ہیڈلے نماز تہجد میں مصروف قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرقی ممالک میں رہنے اور تعلقات کی وجہ سے اسلام کی صداقت اُن کے دل میں ایسا گہرا اثر کر چکی تھی کہ وہ دل سے مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمان بھی ایسے پختہ کہ تہجد تک کی نماز ادا کرتے تھے ٭

درحقیقت اسلامی نماز کی سادگی اپنے اندر وہ دلکشی کا سامان رکھتی ہے کہ بڑے بڑے بھڑکدار لباسوں اور خوبصورت چہروں اور خوش آواز باجوں کے اندر بھی وہ دلکشی نہیں۔ وہ طبائع جو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ اسلامی نماز کے سادہ منظر کو دیکھ کر ہی اسلام پر شیدا ہو جاتی ہیں۔ تعلیمیافتہ مسلمان تو نمازوں کو ترک کر رہے ہیں۔ مگر خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی نماز کی محبت اور عظمت پیدا کر دی ہے۔ جن کے نقش قدم پر چلکر ان مسلمانوں نے نماز کو چھوڑا ہے۔ ووکنگ کی مسجد میں اُن انگریز مردوں اور خواتین کا آکر نماز میں شمولیت اختیار کرنا جنہوں نے ابھی تک اسلام کا اعلان نہیں کیا بتا رہا ہے کہ اسلامی نماز ہی آخر ان کو مسلمان کرنے کا ذریعہ ہو گی۔ انسانی فطرت میں اپنے مالک سے تعلق پیدا کرنے کی تڑپ ہے اور اسلامی نماز درحقیقت یہی حقیقی تعلق انسان کا اللہ تعالیٰ سے پیدا کرتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ترک صلوٰۃ کو اپنا فیشن قرار دے لیا ہے۔ اور نماز کے پاس پھٹکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت سے کیونکر آگاہ ہوں ٭

اس ماہ میں یعنی ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں پانچ اور نومسلمین کا اضافہ انگلستان کی نومسلم جماعت میں خدا کے فضل سے ہوا یعنی مس روز کو پر جن کا اسلامی نام فرحت رکھا گیا اور ٹامس جارج بیلرڈ جنکا اسلامی نام مبارک رکھا گیا۔ ایک شخص نے عربی افریقہ سے اعلان اسلام کی فارم پُر کر کے بھیجی۔ ایک صاحب ثروت خاتون مس فلپ صاحبہ نے نماز جمعہ میں جماعت کے سامنے اعلان اسلام کیا اور ایک انگریز فرنیک وسرڈ نام سے خط و کتابت ہو کر معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے ہیں اور اب ووکنگ کے سلسلہ اخوت اسلامی کو معلوم کر کے اُنھیں بہت خوشی ہوئی ٭

خاتون مس فلپ صاحبہ کے اسلام کے متعلق ووکنگ کی رپورٹ حسب ذیل مظہر ہے :۔

"اس جمعہ شریف جو ناظرین جانتے ہیں کہ لندن میں ادا ہوا ہے بہت بڑی رونق تھی۔ مصری، ہندی اور انگریزی نژاد مسلمان رونق افروز تھے اور اس اخوت اسلامیہ کے ممبروں کی مسرت قلبی اور

ازدیاد ایمان کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایسا سامان کیا کہ ایک ذی وجاہت نوجوان خاتون مس فلپ صاحبہ نے خطبۂ جمعہ میں کلمۂ توحید پڑھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا اور پاک اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ ان کی امارت ان کی فطری نزاکت سے تو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجمع کے سامنے بمشکل کھڑی ہو سکیں گی۔ اور شاید دبے الفاظ مُونھ ہی مُونھ میں امام کے کہنے پہ دوہرائیں گی۔ لیکن ایمان عجب شوکت پیدا کرتا ہے۔ اُنھوں نے بڑے زور کے ساتھ اخلاص بھرے الفاظ میں خوبی کے ساتھ ان کلمات کو دوہرایا جن کے اقرار کے لئے راقم الحروف نے ان سے التماس کی۔

جون کے انگریزی پرچے میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کا انگریزی کا حصہ قریباً پورا ہو چکا یعنی اس کے پروف وغیرہ نکل چکے ہیں۔ اب جس قدر التوا ہے وہ عربی حصہ یعنی خود قرآن کریم کے لیئے ہے جو ہندوستان میں خوشنویسوں سے لکھوایا جا رہا ہے۔ اور اس سے بلاک تیار ہو کر ولایت میں چھپے گا۔ ترجمہ کے جلدی نہ نکل سکنے میں بڑی رُکاوٹ عالمگیر جنگ کی وجہ سے رہی ہے۔ بلکہ اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر پبلک کے شوق انتظار کا خیال نہ ہوتا تو اختتام جنگ تک اسے ملتوی کر دیا جاتا۔ ہر قسم کے سامان اور خود مزدوری کی اجرت بہت بڑھ گئی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں دو چند سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا اس سے زیادہ نکلا اور باوجود سائز کو کسی قدر بڑھا دینے کے تیرہ سو سے اُوپر صفحات کتاب کے ہو جائیں گے۔ اس صورت میں مناسب یہ سمجھا گیا کہ انڈیا پیپر ہی استعمال کیا جائے تاکہ کتاب آسانی سے ہاتھ میں آنیوالی ہو اور اس کا بڑا حجم اس کے مطالعہ میں مانع نہ ہو۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو عمدہ عربی ٹائپ قرآن کریم کے لیئے میسّر آجاتا۔ مگر چونکہ حالات موجودہ میں عربی ٹائپ نہ مل سکا اس لیئے ماہران فن خوشنویسی کے ذریعہ سے یہ کام کرانا پڑا اور ان تحریروں کے فوٹو لیکر ان کے بلاک تیار کرائے جائیں گے۔ اس تمام وجوہات سے اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں۔ کہ اب پندرہ روپے سے کم قیمت پر کتاب فروخت نہ ہو سکے گی۔ اگر ممکن ہُوا تو ہندوستان کے لیئے ایک الگ ایڈیشن نکالنے کی کوشش کی جائے گی جو کسی قدر کم قیمت پر فروخت ہو سکے ✦

مسئلۂ زندگانی ۳

لنگر کی حرکت اور قانون گردش زمانہ پر چند الفاظ

گردش دہر نہیں گردش پرکار سے کم + ختم ہوتا ہی نہیں دیکھا کبھی اس کا محیط

نیچر کے عمل میں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو مستقل طور سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کے نتائج عمومیت کا اثر رکھتے اور جو عام طور سے عاید ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ وجوہ اگر ان کو قوانین یا مسائل نیچر کے نام سے موسوم کیا جائے تو مناسب اور درست ہوگا +

اس رسالہ میں مینے ناظرین کے سامنے دو مسائل پیش کیے تھے۔ اور اب میری خواہش ہے کہ آپ تیسرے مسئلہ پر بھی غور و خوض فرمائیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کسی طرح کم یا غیر اہم نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کیا ہے یعنی قانون مد و جزر دورِ زمانہ جس کے متعلق مینے اپنے دوسرے مضمون میں اشارہ کیا تھا۔ یہ ان چند واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو خود اپنی ہی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دورِ زمانہ میں اس کے مد و جزر کا وقوع ایک دفعہ سے زیادہ ہو چکا ہے +

تمدن اور علم کی ترقی اور زوال کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تغیر و تبدل اور مذاق کے اختلاف اور زمانہ کے گذرنے کے باعث کبھی تو یہ علم حاصل ہوا۔ کبھی بھلا دیا گیا اور اب پھر تازہ ہو گیا۔ ایک صدی سے کچھ زیادہ ہوا کہ یہ علم مفقود ہو گیا یا بالکل بھلا دیا گیا تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ بعض کے سامنے اس کے چہرے کا نقش و نگار کچھ تاریک سا نظر آیا اور اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بہت تھوڑے واقعات پر حاوی ہے۔ لیکن موجودہ سائنس کے تجربات سے ثابت ہو گیا۔ کہ قانون دورِ زمانہ اپنے اندر عمومیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی گردش یکساں نہیں ہوتی اور واقعات بھی بہت کم ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں مد و جزر گھنٹوں میں آتے ہیں اور بعض حالات میں سالوں کا دورہ ہوتا ہے۔ مثلاً سیارگان اور آفتاب کا دورہ یا زلزلہ اور دیگر مظاہر قدرت کا دورہ۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی اب تک تفہیم نہیں ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک دلچسپ کتاب ہے۔ جس کے بعض حصص ابھی مطالعہ نہیں کیئے گئے ہیں۔ اور جہانتک ہم نے سمجھا ہوا ہے

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس قانون کے متعلق اور کامل علم حاصل کرنا ہے۔ جن سے بعض ایسی باتیں واقع ہونگی جو سرِدست تاریکی میں ہیں +

زمانہ دراز گذرا کہ اس قانون کے وجود سے پردہتوں۔ نجومیوں اور طلبا کو واقفیت ہوئی۔ تاریخ دنیا کے ابتدائی زمانہ میں چین اور ہندوستان کے فلسفیوں اور مصر اور ایران کے مجوسیوں کو بھی اس کا علم ہو گیا لیکن بدقسمتی سے اُن کے علم کا بُہت ساحصہ بیسویں صدی کے لوگوں کیلئے مفقود ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اس رائے سے متفق نہیں ہونگے۔ لیکن یہ کون بتلاسکتا ہے کہ کون یا کتنا علم اُن پرانی تحریروں اور نسخوں کی بربادی سے ضائع ہو گیا ہیں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جس قدر علم جن لوگوں کو اس وقت حاصل ہُوا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علما ایسے بھی ہیں جو غلط راہ پر قدمزن ہو گئے۔ اور بجائے صحیح اور درست علم کے انھوں نے ناکمل اور غلط علم کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ محض اس لیئے تاکہ ان کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے اور وہ انبیار کی وضع اختیار کرلیں یا یہ ظاہر کریں کہ اُن کو دیگر انسانوں سے بالاتر طاقت عطا کی گئی ہے۔ اور کم علم والے لوگوں پر چند آئیندہ کی باتیں کہہ کر اپنا رنگ جمالیں اور اُنھوں نے اس بات کا دعوےٰ کیا کہ ہم میں ایسی طاقت موجود ہے جس کی وجہ سے ہم مستقبل کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فی الواقعہ وہ اس علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اگرچہ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اُس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ آئیندہ کے اسرار سے کچھ بھی آگاہی ہو جائے خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اور وہ یہ خیال کرتا اور کہتا ہے کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا جس سے یہ مراد ہے کہ اُس وسیع علم سے لامحدود فوائد حاصل ہو جاتے۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ زندگی بالکل یاس کے لیئے ایسی شئے نہیں ہے کہ اُس کی آرزو کی جائے۔ اس میں رنج و تکلیف کا بھی زمانہ ہے۔ جسے ہم خوشی سے بھول جاتے ہیں یا کم از کم اُسے ہم گذرا ہُوا دیکھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کا تصور دلخراش ہوتا ہے۔ لیکن آئیندہ کی مصایب کا انتظار نہایت جانگداز ثابت ہوگا۔ میں اس مسئلہ سے یہاں تک متاثر ہُوا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ اگر نسلِ انسانی میں ہر ایک شخص کو ابتدائے زندگی میں یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی میں فلاں فلاں مصایب پیش آنے والے ہیں یا کل خلقت کو یہ علم ہو جائے کہ نہ بنی نوع پر یہ یہ باتیں گذرنے والی ہیں تو پھر

میرا گمان ہے کہ شاید اس دُنیا میں کوئی بھی خوش و خرم نظر نہ آئے گا۔ بلکہ نسل انسانی کا کل یا بیشتر حصّہ سخت مصیبت اور خوف کی حالت میں زندگی گذاریگا۔ اور بقیہ حصۂ زندگی میں بذریعۂ خود کشی ان تکالیف سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔ الغرض ارحم الراحمین خدا کی مصلحت کا یہ تقاضا تھا۔ کہ انسان کے لیئے آیندہ کی تمام باتوں کا جان لینا مناسب نہیں۔ اس لیئے اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے اور مستقبل کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا۔ اگرچہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس پردہ کے دوسری جانب کیا ہے۔ تاہم اتنا تو ضرور جانتے ہیں۔ ؎

دور ہو جائیں گی اپنی مشکلاتِ راہ سب ۔ سعی کامل سے ہو گر مہتاب کی تم کو طلب
اوڑ کے عالم سے ستاروں تک چلو گے بیقصور ۔ گر نہ پُہنچو گے وہاں تک پھر بھی اتنا ہے ضرور
ابر تک تمکو پُہنچنے میں ہو ناکامی کہیں ۔ گر ستاروں تک پُہنچتے ہیں تو کوئی شک نہیں

فی الحقیقت بنی نوع کی اس کمزوری کا ایک علم تھا۔ اور اس علم یا فرضی علم کی تو تعت نے زمانہ سلف کے علم ہیئت دانوں کو محض نجومی بنا دیا۔ جو کہ زمانہ حال کے رمّالوں سے بڑھ کر نہیں تھے اسجگہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے دعوے کی بنا اور جو کچھ حاصل ہُوا تھا۔ اس کا کالعدم ہو جانا اس وجہ سے واقع ہُوا۔ کہ یہ علم مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہی تک محدود کر دیا تھا اور جبتک کہ عوام اس سے بے خبر تھے۔ اُنھوں نے اس طاقت اور دانائی کو ایک نہایت اعلےٰ پیمانہ میں ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ خدائی درجہ کے قریب بن بیٹھے۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ چونکہ عام لوگ بھی اس علم کو حاصل کرنے لگے۔ اور اُن کی اپنی حیثیت میں فرق آنے لگا۔ تو پھر اُنھوں نے اس کا تدارک کیا اور یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص سوائے اُن کی جماعت کے ممبر کے اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے بُہت سی تحریریں جو محفوظ رکھی تھیں ضائع کر دیں حالانکہ ان میں علم معلومہ کے واقعات مندرج تھے۔

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ لنگر اپنے انتہائی نقطۂ زوال کو پُہنچ کر پھر بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔ اور کہ علم حق کی طرح اگر بظاہر پاش پاش بھی ہو جائے تو بھی پھر ترقی کرے گا۔ اور قوانین قدرت کا مطالعہ اور اُس کا فہم جیسا فی زمانہ ہو رہا ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہُوا۔ گو بناوٹی اور جعلی چیزوں کا بھی اکثر ظہوُر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دھوکا کھانا بھی انسان کے مرغوب خاطر معلوم ہوتا ہے۔

تاہم اسرار قدرت کا ہم صحیح علم بھی حاصل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی ملونی نہیں پائی جاتی اور جو سچے طالب العلم ہیں ان کو یہ علم اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں ملتا ہے ◆

اب میں نئی تحقیقات کے وسیع میدان کو چھوڑ کر اس قانون کی چند مشہور اور سہل الفہم مثالوں پر نظر ڈالتا ہوں جو کہ ہر شخص اور ہر طالب العلم کے مشاہدہ میں برابر آتی رہتی ہیں۔خواہ وہ اُن پر دھیان نہ دیتا ہو اور اُن سے کبھی کوئی سبق نہ حاصل کرتا ہو۔ اسجگہ میں دن رات یا روشنی تاریکی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ غالباً یہ سب کو معلوم ہے کہ دُنیا کے تمام حصص میں اُن کی تقسیم برابر نہیں ہے۔ بلکہ کسی کسی مقام پر گھنٹوں اور مہینوں کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن ان کا دور یا گردش زمانہ جو میرے مضمون کا اصلی موضوع ہے یکساں اور عام ہے۔اور دُنیا کے زیادہ حصّوں میں گھنٹوں ہی کا حساب ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں جہاں دن اور رات برابر ہوتے گئے ہیں وہاں کے لوگ زیادہ قوی۔ جحتور اور ترقی یافتہ پائے گئے ہیں۔ مستثنیات کا دایرہ بہت محدود ہے۔ اور اس میں لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور جو نتائج اس میں پائے گئے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر دور زمانہ میں ترتیب اور باقاعدگی زیادہ ہے۔اور جس قدر اس دور میں شدت اور طوالت کم ہے اسی قدر ان لوگوں کی جن کا تعلق اس دور سے ہے بہتری اور بہبودی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ سائنس نے ہمیں ایک ایسی چیز دی ہے جس سے ہم رات کو دن بنا سکتے ہیں یعنی روشنی کے ذریعہ سے۔لیکن اگرچہ روشنی سائنس کے برکات میں سے ایک ہے۔لیکن یہ بھی آمیزش سے پاک نہیں ہے اور اس کی وجہ سے قانون قدرت کے ٹوٹنے کا احتمال ہوتا ہے ◆

اس کے بعد موسموں کا دور آتا ہے۔گرمی اور سردی بالیدگی کے لئے دن اور رات نشوونما اور آرام۔کمال اور زوال کے لئے ہیں۔ یہ قانون کتنا عام اور سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔اب میں دوسری طرف جاتا ہوں یعنی بالیدگی اور زوال کو لیتا ہوں۔ نیچر جب ایک چیز کو کمال تک پہنچا دیتی ہے تو پھر خاموش نہیں بیٹھتی۔جب اُس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو مخلوق کو پھر آرام اور بعد ازاں تنزل کی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔لیکن اس تنزل سے تباہی مراد نہیں ہے پتیوں کے گرتے۔ پھولوں کے مرجھانے۔ ستاروں کے غروب ہونے کا زمانہ آتا ہے۔لیکن یہ

سب پھر اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب لنگر کی حرکت دوبارہ اوپر کی طرف ترقی کرتی ہے۔ جیساکہ بارش کے بعد دھوپ نکلتی ہے +

اب میں الفاظ "تباہی نہیں" کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم فاضل اور سائنسدان کو یہ کہتے سُنا کہ "تباہی" اپنے اصلی معنوں میں غیر ممکن ہے۔ ہم کسی چیز کی شکل یا صورت کو بدل سکتے ہیں لیکن کوئی چیز بھی جو ایک مرتبہ وجود میں آگئی تباہ نہیں ہوسکتی۔ تمام چیزیں زمین سے نکلکر پھر زمین میں واپس چلی جاتی ہیں۔ اور پھر گردش کھاکر نمودار ہوتی ہیں۔ ایک باریک نکتہ ہے مگر میں اسے طول دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اس لیے میں اسے چھوڑکر فقرہ "بارش کے بعد دھوپ" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ ہم انگریز نیچر کی اِس تقسیم پر جو دھوپ اور بارش کی صورت میں ہمیں ملتی ہے کتنا چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ذرہ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ کیونکہ ہم بہت ہی تنگ اور محدود نگاہ سے دیکھتے ہیں +

میں ایک قصبہ کا رہنے والا ہوں اور آج میں نے وعدہ کیا۔ کہ فلاں شہر میں جاؤں گا۔ اور اتفاق سے بارش ہونے لگی۔ اس وقت میں سخت مایوس ہوکر کہتا ہوں "کہ یہ کیا واہیات ہے۔ ہمیشہ بارش ہی ہوتی ہے"۔ لیکن اُسی وقت اور اسی کھیت میں جہاں میں جانے والا ہوں بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اور کاشتکار اس بارش کے لیے خدا کا شکریہ ادا کررہا ہے۔ الغرض ہماری خواہشات انصاف کو بدل دیتی ہیں اور کسی شئے کا موازنہ ہمارے نقطۂ خیال سے تبدیل ہوجاتا ہے۔

نظم

ہے حدِ نگاہ جس کی محدود
ہیں خوبی و عیب اُسکے معدود
قدرت کی نگاہ لطف ہے عام
ہو چین کہ ہند یا کہ ہو شام
ہے مدِ نظر ہر اِک کی بہبود
راہ اُس کی نہیں کسی پہ مسدود
اُس ذات پر نکتہ چینی ہیہات
ہے چھوٹی زبان اور بڑی بات

ناظرین کیا آپ کو کبھی اس بات کے سوچنے کا موقعہ ملا ہے کہ اگر ہماری خواہشات جو بلا سوچے سمجھے یا جہالت سے پیدا ہوئی ہیں پوری ہوجائیں تو پھر کیا ہو مثلاً ہم اکثر سنتے ہیں + ۵

وہ سرزمین جہاں پر خزاں کا نام نہیں
بجز بہار جہاں اور کسی کا کام نہیں
نہ سردی اور نہ بارش نہ ابر باد وہاں
فقط چمکتا ہے مُدت سے آفتاب جہاں

ذیل میں ایک ایسی سرزمین کا بیان ہے جو ایک امریکن مصنف کی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ اسی سرزمین میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے۔ یہاں نو ماہ تک موسم گرم رہتا ہے کیونکہ متواتر ہر روز دھوپ نکلتی ہے۔ ایک مہینے تک ہم نے خیال کیا کہ یہ تو دنیا میں ایک بہشت ہے لیکن تین ہی مہینے میں ہم سخت بیزار ہو گئے اور روز روز کی چمک سے اکتا گئے۔ اور پھر دل میں یہ تمنا ہوئی کہ ذرہ سی بارش ہو جائے تاکہ اس پیاس اور مردہ دل زمین میں تروتازگی پیدا ہو جائے اور یہانتک حالت ہوئی۔ کہ ہمنے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم دینے کے لیئے تیار ہیں۔ اگر ایکدن بارش ہو جائے یہی حالت تمام بنی نوع کی ہے۔ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے اُس کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں لیکن جو چیز موجود ہے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن خدائے علیم و قدیر تمام امور سے آگاہ ہے۔ چنانچہ اُسنے اس قانونِ گردش کو قائم کر دیا تاکہ تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہیں۔ جو ہماری صحت جسمانی اور دماغی زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ جس نے کبھی کڑوا پھل نہیں چکھا وہ شہد کے ذائقہ سے نفرت کرے گا۔ جس شخص نے یہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بنظر تعمق غور کیا ہے۔ ؎

خوانِ عالم پر ہیں رنج و خوشی — ہیں مزہ دیتے ہم مِل کر سبھی۔
ہے کہیں تلخی کہیں تُرشی کہیں — تھوڑی شیرینی کہیں رکھی ہوئی

مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے تھوڑا وقت اور دیں گے۔ اگرچہ مینے نیچر کے مدوجزر کے وجود اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیئے بہت کافی لکھدیا ہے۔ شائد سب سے زیادہ عجیب لیکن کم غور کن مثالوں میں اب گردش بیماری کا مسئلہ ہے۔ یہ دور بیماری پہلے چند ایک مرضوں میں پایا جاتا تھا۔ لیکن اب تو تمام مرضوں میں اُس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رسل نے تحریر کیا ہے۔ کل بیماریوں کے تین درجے ہیں۔ (۱) پوشیدگی۔ (۲) ابھار کا درجہ (بخار)۔ (۳) زوال یا کمی کا درجہ۔ یہ مرض کو ختم کر دیتے ہیں یا بعض حالات میں کچھ عرصہ تک آخری دو درجے بدلا کرتے ہیں +

یہ حالت دوسری بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً تپ محرقہ۔ گرمی اور دق کے بخار میں یا زیادہ نمایاں طور پر انسان بیماریوں میں جو نوبتی ہیں۔ جیسے وہ بخار جن میں کچھ عرصہ کے لیئے وقفہ ہو جاتا ہے اور ان کا نام بھی وقت کی میعاد کی رُو سے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ روزانہ بخار۔ تیسرے دن اور چوتھے دن کا

بخار۔ ایک عقلمند انسان جوان کی علامتوں سے واقف ہے۔ دفعہ کے درمیان حملہ شدہ حقوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ایسی دوائیں دیتا ہے جس سے جسم میں طاقت پیدا ہو کر دوسرے حملہ کو اچھی طرح برداشت کر سکے۔ پھر اسی قسم کی مثال ہمیں کام اور آرام کے وقت ملتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیچر بھی اسی قانون کے ماتحت ہے۔ ینگ صاحب کا خیال کہ نیچر بھی کبھی تھک جاتی ہے۔ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ گو وہ ابھی صاف عیاں نہ ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس سے بڑے بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر سردست اُسے زیر بحث نہیں لایا جاتا۔ یہ ضروری اور لابدی ہے کہ انسان کو کام کے بعد آرام کا وقت ملنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جسمانی یا روحانی یا دونوں صحت کا ستیاناس ہو جائیگا۔ مجھے یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو کبھی کام نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی زندگی میں آرام ہی آرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ جو الفاظ کام اور آرام کے غلط مفہوم سے پیدا ہوتی ہے۔ اس قانون کا لب لباب باری باری یا تبادلہ ہے۔ اور وہی بات جو ایک حالت میں کام ہے دوسری حالت میں آرام کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ نیند میں سب سے زیادہ آرام کا وقت ہوتا ہے تاہم ایک شخص بہت زیادہ سو کر نیند سے تھک سکتا ہے۔ بہت سے لوگ بھی ہیں جنکی زندگی کی علت غائی صرف راحت و آرام ہے۔ اکثر اپنی راحت و خوشی کو نہایت محنت اور مشقت سے تلاش کرتے ہیں اور اس میں اس قدر خستہ ہو جاتے ہیں کہ کسی دستکار کو بھی اس قدر تکان نہیں ہوتا لیکن آخر میں وہ خسارہ اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ؎

ہر شب تار و روز روشن باد ہمکو دیتی ہے ایک پند سعد
ہر خوشی رنج سے بدلتی ہے ابر و رحمت کے ساتھ ساتھ ہے بعد

تاہم تالور میں ہمنے محنت اور آرام کی مثال ایسی دی ہے۔ نیچر اپنے نہایت سادہ الفاظ میں ہمیں سکھاتی ہے۔ دن اور روشنی کام اور محنت کے لیے۔ رات اور تاریکی سونے اور آرام کرنے کے لیے ہے۔ ڈان کیوزو میں نیند کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔ تجدد و کامت اس پر نازل ہوں جس نے پہلے نیند کی ایجاد کی نیند تن بادہ کے انسان کو خواہ طرف سے ڈھانکتی ہے بھوکے کے لیے گوشت ہے پیاسے کے واسطے پانی۔ سردی میں آگ ہے ہوئے کے لیے گرمی اور

گرمی میں جھلسے ہوئے کے لیئے ٹھنڈک ہے۔ کوئی شخص عرصہ تک اچھی طرح کام نہیں کر سکتا۔ تا وقتیکہ اچھی طرح آرام نہ کرے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک ہی مقدار چاہیئے بعض ایسے ہیں کہ جنھیں ۲۴ گھنٹے میں صرف ۵ گھنٹہ کافی ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جن کو ۹ گھنٹے سونے کی ضرورت ہے لیکن ۷ گھنٹے اوسط ہے۔ اور عام طور سے لوگ اسی پر کاربند ہیں۔ آوڈ نے بھی اپنی کتاب میں نیند کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔ اے نیند تو سب چیزوں سے زیادہ آرام بخش ہے پیاری نیند تو سب دیوی دیوتاؤں سے حلیم اور شریف ہے تو قلب کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے اور تمام قسم کے صدمات کو دور کر دیتی ہے۔ جو لوگ محنت کر کے چور ہو جاتے ہیں اُن کو تقویت دیتی ہے اور پھر کام کے قابل کر دیتی ہے +

پھر کام کے قابل کر دیتی ہے یہ ایک عجیب اور عمدہ خیال ہے۔ اکثر واقعات اس قسم کے سُننے میں آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص محنت شاقہ کی وجہ سے بیکار ہو گیا یا مر گیا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ عدم آرام کی وجہ سے ایسا ہوا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ایک کام محنت سے کرے اور نیچر کے قانون کی پابندی بھی کرے۔ یعنی آرام بھی کر لیا کرے تو پھر اس میں فایدہ ہے لیکن اگر وہ برابر کام کرتا چلا جائے اور نیچر کے لنگر کی حرکت کا مقابلہ کرنے بیٹھے تو انجام کار اس کو نقصان اور خسارہ اٹھانا پڑے گا نہ اس لیئے کہ اس نے حد سے زیادہ کام کیا بلکہ اس لیئے کہ اُس نے نیچر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ کہہ سکتے اور میں بھی مانتا ہوں کہ بعض اوقات ایسی مجبوری ہو جاتی ہے کہ آرام کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ ہاں نیچر مستقل تو ہے لیکن سخت نہیں ہے۔ وہ ایک مہربان مہاجن کی طرح ہے۔ جو کہ زیادہ روپیہ لینے کی اجازت کبھی دیدیتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی محدود رعایت ہے۔ تھکاوٹ ایک حد تک نقصان نہیں کرتی۔ لیکن حد سے زیادہ گذرنے سے ضرور نقصان ہوتا ہے تھکاوٹ اگر بہت زیادہ ہو جائے تو پھر لاعلاج ہوتی ہے۔ بظاہر تو ہم تندرست نظر آنے لگتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک کمزوری باقی رہجاتی ہے۔ جو زیادہ محنت کرنے سے کہ پیدا ہو کر نقصان کرتی ہے۔ انسان یا گھوڑے کا علم اس بات کو خوب جانتا ہے اور وہ آپ کو بتلائے گا کہ صرف کسی انسان یا جانور کو صدمہ پہنچانا ہی اس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ سکائنیر ہمیشہ اس بات پر نگراں رہتا ہے کہ کس وقت کام سے ٹھہر جانا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ زیادہ کام سے نقصان ہو جائے۔ کیا آپ نے

کبھی ورزش کرنے والوں اور گھوڑوں کی نسبت نہیں سُنا ہے کہ بعض وقت وہ عجیب نادر کرتب دکھلاتے تھے لیکن کبھی نامراد ہو کر پھر اُس اصلی حالت کو نہیں پہنچے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے بہت زیادہ روپیہ نکال لیا اور آخر نیچر نے ان کا دیوالہ نکال دیا۔

یہاں تک نیچر اور اُس کے قانون کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ پس ہم بحیثیت انسان کس طرح ان امور کو لے کر اُسی پر عمل پیرا ہیں۔ جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ چار قسم کے لوگ ہیں +

اوّل۔ وہ ہیں جو بباعث لاعلمی ٹھوکر کھاتے اور بعض وقت دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض وقت خوش قسمتی سے یا اتفاقیہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جن کو علم ہوتا ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور جب اُن پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک ان کی اس تکلیف میں شریک ہو۔ حالانکہ اُن کو دوسرے کے رنج اور تکلیف کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ یہ عموماً خود غرض لوگوں کا طبقہ ہے۔ جو کہ صرف اپنی خواہش اور آرام کے طالب ہوتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہے کہ "بلا سے کوئی ڈوبے میں تو تیرتا ہوں" لیکن اگر وہ خود بھی ڈوبیں تو کیا اس میں کوئی ناانصافی ہوگی۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وُہ محض اپنے مطلب کے بندے ہیں اور دُنیا غریب اور لاچار نہیں ہوگی۔ اگر ان لوگوں کو بھی مصائب جھیلنے پڑیں

تیسرا وہ گروہ ہے جو قانون کو جان کر بھی بالارادہ اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس گروہ میں ایزاد اس وجہ سے ہو گئی ہے کہ آجکل مصنوعی طریق زندگی کا چاروں طرف زور پھیلا ہے۔ خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں اکثر راتیں دِن میں بدل جاتی ہیں۔ یعنی ارزاں روشنی ملنے کی وجہ سے راتوں کو کام یا دوسرے مشاغل ہُوا کرتے ہیں۔ حالانکہ نیچر نے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ کام چھوڑ کر استراحت اور آرام کیا جاوے۔ مینے بارہا اِس بات کو بیان کیا اور پھر کہتا ہوں کہ ان تمام بیماریوں کا سبب یہی ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے رات کو دن بنا لیا اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قوانین قدرت ہماری سہولت کے مناسب حال ہو جائیں۔ بجائے اس کے ہماری سہولیت قوانین کے ماتحت ہے اور یہ وہ راہ ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک ہوگا۔ قوانین قدرت ہی پر چلنے سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم اسکے مطابق عمل پیرا نہ ہوں تو پھر نیچر اپنا انتقام لینے پر مجبور ہوگی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہماری صحت اور دماغی طاقتیں خراب اور زائل ہو جائیں گی اور ہماری زندگی کم ہو جائے گی +

چوتھے وہ لوگ ہیں جو نیچر اور خدائے نیچر کو جانتے اور اُس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اور لنگر کی حرکت کے دور میں نتیجہ خیز کام کرتے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وقت پر کام کرتے وقت پر کھیلتے اور وقت پر آرام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ؎

نادان ہیں جو کہ ہیں سمجھتے ایسا — آرام نہیں ہے ترک شغلِ دُنیا
نالی نہ رہے شغل سے کوئی لمحہ — داناؤں کے نزدیک یہ ہے راحت عین

الغرض یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کو اچھے طور سے استعمال میں لاکر خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتے ہیں خوشی کے ساتھ محنت کرتے اور خوشی سے کام کرتے اور خوشی سے آرام بھی کرتے ہیں۔ اور جب وہ آخری بلاہٹ جو سب کے لیئے آنے والی ہے۔ اور جو تمام محنت کا خاتمہ کرنے والی ہے آجائیگی تو پھر وہ امن و آرام کی نیند سوئیں گے۔ اور خوشی کے ساتھ پھر بیدار ہونگے +

افریقہ میں اسلام

از دوستی محمد صاحب

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز جس نے وہاں کے عیسائیوں میں کچھ عرصہ ہوا ایک کھلبلی سی پیدا کردی تھی اور جس کا آخری نتیجہ مشہور و معروف کیکیو کی کانفرنس تھی۔ اِس دین کی سادگی میں اور فطرت انسانی کے ساتھ مناسبت میں ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت اسے فوراً قبول کرنے کے لیئے تیار ہو جاتی ہے +

اُن لوگوں کا جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جو کچھ اُن کے مونھ سے نکل جائے وہ اٹل ہے یہ فتوٰے ہے کہ اسلام ایک ناقابل ترقی مذہب ہے جو صرف ادنےٰ حالت کے انسانوں کے لیئے موزوں ہے پس یہ لوگ افریقہ میں اسلام کی ترقی کی یہی وجہ گردانتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو دِل کو تسلی دینے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ اور اصل راز اسلام کی کامیابی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیم کو انسان آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور دوسرے مذاہب میں جو کچھ لاینحل عقدے

اور معمے ہیں ان سے یہ بکلی پاک ہے ٭

اسلامی واعظ کا طریق نہایت سادہ ہے۔ وہ اِن سارے سامانوں کے بغیر جاتا ہے جن کو دوسرے مذاہب کے مشنری ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا سارا سامان صرف ایک قرآن کریم ہے۔ وہ جب ایک گاؤں کی حدود میں پہنچتا ہے تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور اپنی پاک کتاب کو کھول کر اسے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب فارغ ہوتا ہے پھر قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ نہ ان لوگوں کی زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے پاس خوراک کا سامان ہوتا ہے۔ اتنے میں اِدھر اُدھر سے کوئی گاؤں کا رہنے والا آجاتا ہے۔ وہ پہلے دُور سے اس اجنبی کی حرکات کو دیکھتا ہے اور پھر گاؤں میں جا کر اطلاع دیتا ہے کہ کوئی اجنبی شخص درخت کے نیچے پڑا ہے۔ گاؤں کا نمبردار گاؤں کے بوڑھے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور وہ سب اکٹھے ہو کر اس واعظ کے پاس آتے ہیں اور اشاروں سے اُس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بھی اشاروں سے ہی جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کا کوئی پیغام لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ تب وہ اِس سے غذا کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور اُس کی ضرورت کو سمجھ کر فوراً غذا کا انتظام اُس کے لیئے کیا جاتا ہے۔ نمبردار اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ گاؤں کے اندر چلے۔ مگر واعظ اس بات کو نامنظور کرتا ہے ایک یا دو دن گذر جاتے ہیں۔ اور اس کو اسی طرح خوراک کا سامان پہنچتا رہتا ہے۔ تب پھر نمبردار اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ گاؤں کے اندر چل کر رہے تب وہ اُسے منظور کرتا ہے اور نمبردار کے احاطہ میں جا ڈیرا کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ افریقہ میں ایک نمبردار کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف نمبردار ہی ہوتا ہے۔ بلکہ خاندان کا سردار بھی ہوتا ہے۔ اور قریباً سب افریقہ کے لوگ اسی طرز پر رہتے ہیں۔ اس کے لوگ اس کے بچوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہر ضروری معاملہ میں خواہ وہ نہائی امر ہو یا [illegible] تعلق رکھتا ہو اسکا مشورہ لیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واعظ کی کبھی نمبردار کے احاطہ میں رہنے کی وجہ سے خاص عزت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذاتی تقدس کی وجہ سے اس کا خاص رعب گاؤں والوں کے دلوں پر ہوتا ہے۔ اب یہ واعظ ایک طرف تو خود اس گاؤں کی زبان میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

اور دوسری طرف تھوڑا تھوڑا علم زبان عربی کا نمبردار اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے احاطہ میں رہتے ہیں دینا شروع کرتا ہے۔ اس کی توجہ اور دلسوزی کا بھی ان لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اس لیئے وہ اس کے مذہب کی نسبت اس سے سوال کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس وقت تک وہ بھی ان کی زبان کو اس حد تک سیکھ لیتا ہے کہ مذہب کے موٹے اور اہم اصول کو اُسکے سامنے بیان کر سکے۔ پس وُہ سب سے پہلے اُن کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو بتاتا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ جس کا اثر ان لوگوں کے دلوں پر بہت ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ساری تعلیم نہایت سیدھی سادی اور اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔ نمبردار اپنے خاندان سمیت مذہب اسلام اختیار کر لیتا ہے۔ آہستہ آہستہ سارا گاؤں ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص جھونپڑی بنائی جاتی ہے۔ جو مسجد کا کام دیتی ہے۔ نماز کے لیئے پانچوقت اذان دی جاتی ہے۔ اور گاؤں کے لوگ پکے اور سچے مسلمان بنائے جاتے ہیں ✦

افریقہ میں شاید کوئی ہی ایسا گاؤں ہوگا جو کسی نہ کسی قسم کی مشنری کوشش سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اس لیئے ہر ایک افریقی عموماً اس خاص مذہب کا کچھ خاص علم رکھتا ہے۔ جس کی بجائے ایک سچا مذہب قائم کرنا اسلام کی اصلی غرض تھی۔ مگر ان پرانے عقاید کی بنا پر جو نئے عقاید کا ایک گورکھ دھندا بنا لیا گیا ہے۔ وہ غریب افریقیوں کو پریشان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مغرب میں بھی لوگوں کو پریشان کر کے اس گورکھ دھندے نے آخر مادہ پرستی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بلا وجہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ایک افریقی غور و فکر نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وُہ اپنی بت پرستی کو جس کے ساتھ بہت سی قیود اور پابندیاں لگی ہوئی ہیں اس مذہب پر ترجیح دیتا ہے جو انسان کے دل کو تشفی تو نہیں دیتا مگر اس کے سامنے کچھ لاینحل عقدے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو عملی ثبوت بھی اس بات کا ملجاتا ہے۔ کہ سفید لوگوں کا مذہب ذو وجہین ہے۔ اور ہمیشہ اس کے وہ مختلف پہلو دیکھتے ہیں جو یوروپین کے حق میں ہوں۔ ایک طرف گورے رنگ کا تاجر ہوتا ہے جو اسی مذہب کا پیرو ہے۔ مگر وہ ہر قسم کی ناجائز کارروائیوں سے ایک افریقی کا مال لے لینا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف گورے رنگ کا مشنری ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تو چوری نہ کرنا۔ اور اس خدائی حکم کی فصیلت پر اپنی ساری فصاحت خرچ کر دیتا ہے پھر یوروپین مشنری تو تعداد ازواج کو برا بتاتا ہے مگر حیرت یہ ہے یوروپین عورتوں کے معاملہ میں افریقی سے بھی بڑھ

جاتے ہیں۔ اور وہ بدقسمت اولاد جو اس قسم کی ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو افریقی اور یوروپین دونوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر پادری تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سارے انسان خدا کی نگاہ میں یکساں ہیں مگر خدا کے گھر میں یوروپین کو پادری کے قریب جگہ ملتی ہے۔ اور افریقی کو اگر گورے آدمیوں کے خاندان میں جانے کی اجازت بھی ملے تو اُسے کہیں آخر پر بٹھایا جاتا ہے۔ مشنری کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیونکہ ہم خدا کے آگے سب بھائی بھائی ہیں۔ مگر اس خدا کے محبت کے گھر کی چار دیواری کے اندر بھی محبت اور اخوت کا نام ونشان نظر نہیں آتا +

اس لیئے افریقی اگر اس مذہب کو قبول کرتا ہے تو یا تو کسی ذاتی غرض کی بنا پر اور یا اس لیئے۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی اصول پوجا سے بہتر سمجھتا ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں کی مذہبی کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ یا وہی ہر قسم کی اشیاء کی پوجا جو اُن کے بڑے کیا کرتے تھے اُسی میں وہ پھنسے رہتے ہیں۔ اور یہ بات ساحل کے شہروں کے بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں پر صادق آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افریقہ میں عیسائی لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے عیسائیت کو اپنے غلام باپوں یا یا بوڑیوں کے اثر سے ورثہ میں پایا۔ جب ابھی اسلام اس ملک میں نہیں پہنچا تھا۔ اور یہ اثر مغرب اور جنوب میں نظر آتا ہے اور دوسری وہ قومیں جو تلاش روزگار میں مغرب کی طرف ساحل پر یا جنوب کی طرف کانوں پر آتی ہیں۔ ان لوگوں نے اکثر حالات میں غالب مذہب کو اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ گورے آدمیوں کا مذہب ہے۔ اور جب وہ واپس اندرون ملک میں جاتے ہیں تو اپنے باپ دادا کے مذہبی رسم ورواج کی پابندی اختیار کرتے ہیں۔ مگر اسلام کا وعظ اس کے سرگرم واعظین کے ذریعہ سے افریقی لوگوں پر سیدھا اثر کرتا ہے۔ اور افریقی دیکھتا ہے کہ اسلامی واعظ کو نہ تو کسی مشن ہاؤس کی ضرورت ہے نہ ہی مسلمان کے دین کی مذہبی اخوت اور مساوات محض ایک قصہ ہے بلکہ یہ عملی رنگ کی مساوات ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کی خانگی زندگی میں بھی کوئی ہرج پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی وہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک نقطہ خیال سے اسلام ایک معقول مذہب ہے اسلیئے یہ جلدی قبول کیا جاتا ہے۔ اور افریقی مسلم فوراً اپنے لکڑی کے خداؤں کو خیر باد کہکر ایک طرف کا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی تعلیم اور حکومت کو تمام معاملات میں قبول کر لیتا ہے حق تو یہ ہے کہ افریقی

مسلمان کا سادہ مذہب اپنی عظیم الشان سادگی میں ابتدائی اسلام سے بہت زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے جو اسلامی دنیا کے کسی دوسرے کونہ میں پایا جاتا ہو۔ کیونکہ یہ پریشان کرنے والی تفسیروں سے پاک ہوتا ہے +

افریقی مسلمان کی یہ یکسوئی صرف اسی حد تک نہیں کہ وہ قرآن کریم کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جاتا ہے۔ بلکہ وہ تعلیم وغیرہ کے معاملہ میں بھی اسی کی پیروی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے اندرون ملک کے عام افریقی مسلمان کتابی تعلیم سے بہت حد تک بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ عیسائی مشن سکول سے بچتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی ایسی محبت اس کے دل میں جاگزین ہوتی ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچوں پر اس تعلیم سے اس مذہب کا کچھ اثر پڑ جائے جس کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ عیسائیت سے اس لیئے بیزار نہیں ہوتا کہ یہ مسیح کا مذہب ہے۔ کیونکہ مسیح کی تو اسے سچّے دل سے عظمت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی حقارت اور تنفر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پچھلے لوگوں نے مسیح کی سادہ تعلیم پر کیسے کیسے زوائد بڑھا کر اس کو اصلیت سے پھیر دیا۔ اس کو یہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسلامی مدرسے اس کے قریب نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تعلیم سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اس کے بچّے ان عیسائی بچوں سے دنیا کی دوڑ اور ترقی میں پیچھے رہجائیں گے۔ جن کو تعلیمی فوائد سے فائدہ اُٹھانے کا بہت بڑا موقعہ حاصل ہے +

مگر اس کی اس کمی کو جو کتابی تعلیم میں اس کے لاحق حال رہتی ہے۔ اس کی راست بازی اور دیانتداری پورا کردیتی ہے۔ کیونکہ خود یوروپین عیسائی تاجر ہزار ہا روپے کا مال بغیر ضمانت کے ایک افریقی مسلمان کو دیدیں گے۔ مگر کسی دیسی عیسائی کو ضمانت لیئے بغیر وہ ایک کوڑی کا مال بھی نہیں دیتے خواہ وہ کتنا ہی مشہور ہو۔ افریقی مسلمان کا قول و قرار ایسا پختہ ہے کہ خود عیسائی بھی اس پر پورا اعتبار کر لیتے ہیں مگر افریقی عیسائی کے اعتبار کا نہ ہونا ایک ضرب المثل ہے سطحی نظر سے دیکھنے والا اس پر تعجب کریگا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود عیسائیوں کو اس بات پر کس قدر کم اعتبار ہے کہ انکا مذہب دیانتداری اور راستبازی کی صفات کو فوراً پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یوروپین لوگوں کی یہ طرز معاملہ افریقی عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ نہیں۔ میں خود ایسے افریقی عیسائیوں کو ملا ہوں اور ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے جو بڑے دیانتدار تھے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں انکو اپنے دوستوں میں سے

شمار کرتا ہوں۔ اس کے برخلاف میں ایسے مسلمانوں سے بھی ملا ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ اُن کا چال چلن دیانتدارانہ نہ تھا۔ انسان آخر انسان ہے۔ اور اچھے اور بُرے آدمی سب مذاہب میں ملتے رہیں گے +

وہ افریقی عیسائی جن کی حالت اچھی نہیں وہ درحقیقت کسی ایسے یورپین عیسائی کے زیر اثر رہے ہیں جس کا اپنا چلن اچھا نہیں اور افریقی چونکہ قدرتاً جلدی اثر قبول کرتا ہے۔ وہ ایک یورپین کو اپنے سے بہت بڑا سمجھ کر اس کے بدحالات سے بھی جلدی متاثر ہو جاتا ہے +

اسلام ایک صلح کا مذہب ہے یہ ہمیشہ اپنے آپ کو صلح کے طریق سے ہی آگے بڑھاتا رہا ہے ہمارے ہاتھ میں کوئی صحیح اعداد نہیں مگر اندازہ کیا جاتا ہے کہ افریقہ میں کوئی قریباً بیس ملین یا دو کروڑ مسلمان ہیں۔ اور یہ تعداد سال بسال بڑھتی چلی جارہی ہے۔ عیسائی مشنری اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسلام کی قبولیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہت سے ایسے افریقی عیسائی تو ہیں جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ مگر جو افریقی مسلمان ہو گئے ہیں اُن میں سے کوئی عیسائیت کی طرف نہیں گیا۔ تخم ڈال دیا گیا ہے اور لاکھوں افریقہ کے احاطوں سے یہ آواز بلند ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ +

مختلف تمدنی اور مذہبی قوانین کے ماتحت عورت کی حالت

(از مشیر حسین قدوائی)

(۱) ابتدائی تاریخ

نسل انسانی اور اس کی ترقی کی طویل تاریخ میں نسل انسانی کی افزائش اور دنیا کے تمدن میں عورت ایسا ہی ضروری جسز و ہے جیسا کہ مرد۔ مگر اس کو ہمیشہ ایک کم حیثیت کی مخلوق سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ عرب کے بیابان میں ایک یتیم نے اس الٰہی ارشاد کی منادی کی (التقوا

الارحام یعنے عورتوں کی عزت کرو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ انگریزی لفظ وومن جس کے معنے عورت ہیں۔ خود اس بات پر شاہد ہے کہ عورت کی تاریخ احتیاج اور ماتحتی کی ایک لمبی داستان ہے سب سے قدیم تاریخ جسکا ہمکو علم ہے وہ ہمیشہ کے لیئے اس واقعہ پر گواہ رہے گی کہ عورت کو ہمیشہ ماتحتی میں رکھا گیا۔ اور حقوق اور اختیارات کے معاملہ میں اُسے مرد سے کم درجہ پر سمجھا گیا۔ گبن لکھتا ہے کہ قدیم قوانین کا اصل منشا یہ تھا کہ عورتیں پروہتوں خاوندوں یا ولیوں کی مدامی طور پر غلامی میں رہیں۔ گویا یہ جنس محض خوش کرنے اور حکم ماننے کے لیئے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس عمر کو کبھی یہ پہنچ ہی نہیں سکتی جس میں اپنی عقل اور تجربہ سے انسان کام لے سکتا ہے +

رومی قانون میں عورت بالکل ماتحتی کے رنگ میں رکھی جاتی تھی۔ ایک لڑکی کی قسمت میں جبکہ اُس کا بیاہ نہ ہوا ہو وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہمیشہ کے لیئے اس کی غلامی میں اور اُس کے مرنے کے بعد اس کے مرد رشتہ داروں یا متبنیٰ کی غلامی میں رہتی تھی۔ بیاہا جانے پر وہ اور اُس کی ساری جایداد اس کے خاوند کے قبضہ اور تصرف میں چلی جاتی تھی۔ بلکہ فی الواقع وہ خود خاوند کی جایداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور اس کا اختیار اس سے بڑھ کر نہیں تھا جس قدر ایک زرخرید غلام کا۔ رومی قانون کے بعض مراحل پر ایک خاوند کو یہ حق دیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی عورت کو مار ڈالے۔ اگر اُسے معلوم ہو کہ اُس نے کسی شخص کو زہر دی ہے یا کسی شخص کو شراب پلائی ہے۔ یا کسی اور کے بچہ کو لے کر اپنا متبنیٰ کر لیا ہے۔ انگریزی قانون یورپ کے دُوسرے بہت سے قوانین کی طرح رومی قانون پر مبنی ہے۔ پس انگلستان کی صنف نازک کو شکرگذار ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے سخت اور جابرانہ قوانین رومی قوانین میں سے برطانیہ کلان کے قوانین میں داخل نہیں ہوئے۔ تاہم یہ معلوم ہوگا۔ کہ انگریزی قانون نے رومی قانون کے قواعد کی کہاں تک پابندی کی ہے۔ جب ہم رومی قوانین اور رواجات کی تاریخ کو پڑھیں۔ رومی اپنی عورتوں کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی قسم کا کام سول یا پبلک عہدہ کے متعلق کر سکیں۔ بلکہ ایک عورت بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ نہ کسی کو متبنیٰ کر سکتی تھی اور نہ خود متبنیٰ ہو سکتی تھی اور نہ وہ ضامن ہو سکتی تھی۔ آج سے تیس سال پیشتر کی

اپنی انگلستانی بہن کی طرح اُس کی کوئی ذاتی جائیداد اس کے خاوند سے علیحدہ نہ تھی وہ نہ وصیت کر سکتی تھی اور نہ معاہدہ کر سکتی تھی +

مضبوط اولاد حاصل کرنے کی غرض سے لائی سرگس نے بیاہ کی عمر کو جس کی حد نو مانے بارہ سال رکھی تھی بڑھا دیا۔ قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق خاوند اپنی زوجہ کو اُس کے والدین سے خرید کر لاتا تھا۔ اور عورت بھی اس میں اس طرح پر شرکت حاصل کرتی تھی کہ وہ تین تانبے کے سکّے ادا کر کے اُس گھر میں داخل ہوتی تھی۔ لیکن یہ شراکت عورت کی جانب سے سخت اور نا مساوی تھی۔ کیونکہ اسکو اپنے باپ کے گھر کے دیوتاؤں کی پوجا اور نام دونوں کو عاق کرنا پڑتا تھا۔ اور ایک نئی غلامی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خاوند اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا تھا جیسا بچوں کے ساتھ۔ بلکہ خود اُس کے اپنے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہی اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اور خاوند ہونے کی حیثیت میں اس کو اسی قدر اختیار اپنی زوجہ پر حاصل تھا۔ جس قدر باپ کو بیٹی پر۔ وہ اپنی مرضی سے اُس کے سلوک کو پسند کرتا یا بُرا سمجھتا یا اُس کی وجہ سے اُسے سزا دیتا۔ بلکہ موت اور زندگی کے اختیارات بھی اُس کے اوپر حاصل تھے اور اُسے اجازت تھی کہ اگر وہ زنا کرے۔ بلکہ اگر صرف شراب کو چکھے یا اس کو ٹھڑی کی چابی چرالے تو وہ اُسے جان سے مار سکتا تھا۔ وہ جو جائیداد خود حاصل کرتی اور جو کچھ ورثہ میں پاتی وہ صرف اپنے آقا اور مالک یعنی اپنے خاوند کے لیئے حاصل کرتی اور عورت کو کھُلے طور پر مال کا ایک حصّہ سمجھا جاتا تھا۔ نہ کہ ایک شخص کی حیثیت رکھنے والا۔ اس لیئے اگر اس پر قبضے کا پہلا حق اپنے اندر کوئی نقص رکھتا تو دوسری جائیداد غیر منقولہ کی طرح ایک سال کے قبضہ سے اُس پر ملکیت کا دعوےٰ ہو سکتا تھا +

راقم الحروف نے جب پمپیائی کے ان مقامات کو دیکھا جو کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اور وہ بیحیائی کی تصویریں گھروں کے صحنوں میں دیکھیں جو معزز اور آسودہ حال لوگوں کے رہنے کے مکانات معلوم ہوتے تھے جب اُس نے بڑے بڑے کمروں کی دیواروں پر نہایت گندی تصویروں کو دیکھا تو وہ ذیل کے دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور تھا۔ یا تو رومی سلطنت کی تاریخ کے اس زمانے میں عورت کو علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ اور وہ مکان کے اس حصہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی جہاں مرد رہتے تھے۔ یا مردوں کو صنف نازک کی حیاداری اور خیالات کی کوئی پروا نہ تھی۔ پھر افعال قبیحہ

کے ازتکاب کے لیئے مکانات کا مخصوص کیا جانا اس وقت کی رومی سوسائٹی کی تمدنی حالت پر خود روشنی ڈالتا ہے +

گسٹا ولیبان کہتا ہے کہ روما میں خاوند کی حکومت عورت پر بالکل خود مختارانہ تھی۔ عورت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ جیسا غلام کے ساتھ اور خانہ داری میں اُس کا کوئی حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کے سواء کسی شخص کو اختیار نہ تھا۔ کہ اس کے چال چلن پر کوئی رائے لگائے۔ اور وہ اس کو جان سے بھی مار سکتا تھا۔ روم کی بعد کی تاریخ میں بھی اس قسم کا جبر عورتوں پر روا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے۔ کہ شارلیمن کی اپنی بہن کے ساتھ کچھ بحث ہوگئی اور انجام اس کا یہ ہؤا کہ اُس نے اپنی بہن پر حملہ کیا۔ اُس کے سر کے بال نوچ ڈالے۔ خوب زدوکوب کی اور تین دانت بھی نکال دیئے +

تعدد ازدواج بھی کسی قدر روما میں مروّج تھا۔ گو ابتدا میں اس کو عام طور پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ یہ امر واقع ہے کہ مارک انٹونی کی دو بیویاں تھیں اور اس وقت سے یہ رسم زیادہ پھیلتی گئی۔ گرد ونواح کی ریاستوں میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت تھی۔ رومیوں میں شادی کے لیئے باپ کی منظوری ضروری تھی۔ گو وُہ پاگل بھی ہو۔ طلاق کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف وجوہ تھیں۔ ابتدائی زمانوں میں باپ کو اختیار تھا۔ کہ وُہ اپنی اولاد کو بیچ دے اور عورت بھی چونکہ بچوں میں شامل تھی وہ بھی بیچی جا سکتی تھی۔ اگر وہ کسی قسم کی تکلیف دے تو وہ اس پر موت کا فتوےٰ بھی صادر کر سکتا تھا۔ یا اگر رحم کرے تو اُس کو اپنے گھر سے نکال دے۔ مگر اس بدبخت جنس کی غلامی ہمیشگی کی تھی اور وہ اس سے آزادگی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ اگر خاوند خود ہی اپنی آسائش کے لیئے طلاق کے حق کو نہ برتتے۔ یہ عورت کی وہ تاریخ ہے جیسا کہ گبن اور دوسرے مصنفوں نے دی ہے جو پُرانے زمانے کی ایک نہایت ہی مہذب اور شاندار سلطنت میں پائی جاتی ہے۔ اور جس سے اس زمانے میں یورپ نے بہت سے رواجات اور قوانین کو لیا ہے۔ اور اس لینے پر اُس کو فخر بھی ہے +

عورت کی حالت قدیم زمانے کی دوسری مہذب قوموں اور ممالک میں اس سے بہتر نہ تھی جیسا کہ روما میں تھی۔ سپارٹا میں لڑکیاں اور ایسی عورتیں جن سے یہ امید نہ ہو کہ وہ تندرست اولاد پیدا

کر سکیں گی مار ڈالی جاتی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی نسبت مردوں سے بہت کم ہوگئی اور ایک ایک عورت کے کئی کئی خاوند تھے۔ ایک آدمی کا اپنی عورت دوسرے کو بطور عاریت اچھی نسل حاصل کرنے کے لیئے دیدینا بھی جائز تھا۔ قدیم ایتھنز کے رہنے والوں میں عورت کو محض ایک جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جو ایک مرد سے منتقل ہوکر دوسرے کے پاس جا سکتی تھی۔ بذریعہ وصیت بھی اس کو مال متروکہ کی طرح دوسروں کے تصرف کے لیئے چھوڑا جا سکتا تھا۔ وہ مہذب قوم عورت کو ایک خطرہ یا بدی کی قسم سے سمجھتے تھے۔ یونانی تہذیب جب اپنے معراج پر تھی تو اس وقت بھی سوائے بازاری عورتوں کے اور کسی عورت کی عزت نہ کی جاتی تھی اس لیئے اگر کوئی تعلیم یا تہذیب پائی جاتی تھی تو صرف بازاری عورتوں میں پائی جاتی تھی۔ ان میں یہ اجازت تھی کہ ایک مرد جتنی عورتیں چاہے رکھے۔ پروفیسر وسٹرمارک کہتا ہے۔ کہ یونان میں مرد عورت کی پیدائش کی غرض صرف اسی قدر سمجھتے تھے کہ وہ ان کو خوش کرے یا انکے بچوں کی ماں بنے یہ بھی عام خیال تھا۔ کہ عورت زیادہ شریر ہے اور حسد میں بُرا بولنے میں ضد میں مرد سے بڑھ کر ہے۔ افلاطون نے عورتوں کو بچّوں اور نوکروں کے ساتھ شمار کیا ہے اور اس کا بیان ہے کہ ہر ایک پیشہ میں عورتیں مردوں سے بہت کم درجہ پر ہیں۔ ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ عورتیں نیک کاموں کے کرنے کے بالکل ناقابل ہیں۔ لیکن ہر ایک قسم کی بدی کی تجویزیں کرنے میں بڑی ماہر ہیں۔ ایران میں جو اس ملک کے بہت قریب ہے۔ جہاں سے عورت کو اپنی آزادی کے اعلیٰ سے اعلیٰ حقوق ملے اور جہاں سے اس کی عزت اور ادب قائم ہوئے۔ مرد عموماً عیاش تھے۔ اور ان کے نزدیک عورت کی غرض صرف اسی قدر تھی کہ اُن کی گری ہوئی شہوات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہو۔ ہر ایک دولتمند اپنے گھر میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی رکھتا تھا۔ اور عیسائیت کی چھٹی صدی میں مزدک نے یہ قانون بنایا۔ کہ عورت کو بالکل دوسری جائیداد کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ وہ اپنے آپ کو زردشت کے مذہب کا مصلح ظاہر کرتا تھا۔ اور دو خداؤں کے عقیدے کو اُس نے بہت پھیلایا۔ اُس کی تعلیم تھی کہ اعمال کی کوئی ضرورت انسان کو نہیں سب لوگ مرتبہ میں یکساں ہیں۔ اور جائداد اور عورتیں سب کا مال مشترکہ ہے اور قریبی سے قریبی رشتہ داروں میں شادی ہو سکتی ہے ٭

قدیم مصر اور بابل کے تمدنی قوانین اور رواجات کے متعلق ہمکو بہت علم نہیں لیکن تھوڑا علم جو ہم کو حاصل ہے اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عورت کو عزت کا مقام نہ دیا گیا تھا چنانچہ امیر علی لکھتا ہے کہ تھریس اور لیڈیا وغیرہ کی رہنے والی قوموں میں جو یورپ اور مغربی ایشیا کے مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ بہت سی شادیاں کرنا ایسی افراط کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ دوسری قوموں میں یہ رواج اس کے بالمقابل گویا بہت ہی خفیف تھا +

ہندوؤں کے قوانین اور رواج عورت کے حق میں بہت ہی نقصان رسان تھے۔ وہ مرد سے بہت کم درجے پر سمجھی جاتی تھی۔ ان کا بڑا قانون بنانے والا منو کہتا ہے کہ دن اور رات عورت کو اُس کی حفاظت کرنے والوں کی ماتحتی کی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ کہ عورت جب بچہ ہو تو اپنے باپ کی ماتحتی میں رہے۔ بیاہی جائے تو خاوند کی ماتحتی میں۔ اور اُس کے بعد اپنے بیٹوں کی ماتحتی میں۔ اگر بیٹے کوئی نہ ہوں۔ تو اپنے مرد رشتہ داروں کی ماتحتی میں۔ کیونکہ کوئی عورت ایسی نہیں جو اس قابل ہو کہ وہ مرد کی ماتحتی سے الگ رہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ عورتیں اپنے بستروں سے اور زیورات سے محبت رکھتی ہیں۔ اُن کی خواہشات بہت گری ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کا مزاج بہت بُرا ہوتا ہے۔ وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہیں۔ اور کبھی راستی پر قائم نہیں رہتی ہیں۔ پس اُن کو ہمیشہ ماتحتی اور تصرف کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ ہر قسم کی بدشگنی۔ طوفان موت دوزخ۔ قید خانہ۔ سانپ غرض کوئی چیز ایسی خوفناک نہیں جیسی کہ عورت۔ یہ سچ ہے کہ کچھ وقت کے بعد جائداد میں اپنی زندگی کے لیئے اُن کو تصرف کا اختیار دیا گیا تھا۔ اسی رواج کی رو سے جس کا نام ستری دھن ہے۔ لیکن ستی کی رسم کی وجہ سے یہ حق ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا بیوہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ اور یہ خوفناک رسم اس مقام کی جو عورت کو ہندوؤں کی خانہ داری میں دیا گیا۔ نہایت ہی تاریک تصویر پیش کرتی ہے۔ بعض اوقات ایک عورت ایک ہی وقت میں کئی بھائیوں کی بیوی بنادی جاتی تھی۔ بعض وقت قماربازی میں اسے ہار دیا جاتا تھا۔ آج تک بھی ہندوؤں کے اندر تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں۔ نہ کوئی بیوہ کسی بیٹے کو متبنٰے کر سکتی ہے۔ جب تک کہ اُس کے خاوند نے اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔ جائداد کے انتقال کرنے کا اُس کو کوئی اختیار نہیں۔ چار یا پانچ سال کی ہو تو اُسے

بغیر اس کی مرضی کے بیاہ دیا جاتا ہے۔ دوسری مرتبہ شادی کی اجازت نہیں۔ ایک دفعہ بیاہی جاوے تو طلاق نہیں حاصل کر سکتی۔ باپ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کے گھر کا کھانا بھی کھائے وغیرہ۔ چین کے دانشمندوں نے خاوندوں کے فائدہ کے لیئے یہ کھلی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ اپنی عورت کے مشورہ کو سن لو مگر کام اُس کے خلاف کرو۔ روس کے قدیم بزرگوں کا قول ہے۔ کہ دس عورتوں میں صرف ایک رُوح ہے۔ ہسپانیہ والے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو شریر عورتوں سے بچانا چاہیئے۔ اور کسی خوبصورت عورت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اٹلی والے اس سے ایک قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح گھوڑے کو خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا مہمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری زدوکوب کی ضرورت ہے۔ جاپان میں عورتوں کو پرانے وقت میں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ نمازیں یا کسی دوسری مذہبی عبادت میں شامل ہوں چین میں اُن کو اجازت نہ تھی کہ وہ مندروں میں جائیں۔ ہندوستان میں وہ دیوتاؤں کو چھو بھی نہ سکتی تھیں +

عربوں کی اپنی یہ حالت تھی کہ اس عظیم الشان مصلح کے پیدا ہونے سے پہلے وہ عورتوں سے دُوسری قوموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے بلکہ لڑکی کا پیدا ہونا ایک بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد عورت کی وہی حالت ہوتی تھی جو اُس کی دُوسری جائیداد کی۔ اور بعض وقت خود بیٹے اُس کو بطور ورثہ عورت بنا لیتے تھے۔ معصوم لڑکیاں بتوں پر بطور قربانی چڑھائی جاتی تھیں۔ یتیم لڑکیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ولیوں سے شادی کریں۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہ تھی۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ بعض قبیلوں میں ایک عورت ایک سے زیادہ خاوند بھی رکھ سکتی تھی۔ مورخین عرب کی شہادت پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب جاہلیت مدت سے اس وحشیانہ رسم پر عامل تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ تاکہ اُن کو ان کے لیئے رزق مہیا کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ یا ایسا نہ ہو کہ کسی جنگ میں قید ہو کر وہ اُن کے لیئے موجب ذلت بنیں۔ یا اپنے چال چلن کی خرابی سے بدنامی کا موجب ہوں۔ اس لیئے لڑکی کی پیدائش بڑی بدنصیبی خیال کی جاتی تھی۔ اور لڑکی کی موت پر خوشی منائی جاتی تھی +

صرف عرب میں ہی دختر کشی کی رسم جاری نہ تھی۔ جاپان۔ چین۔ ہندوستان میں خود والدین بچوں کو مار ڈالتے تھے۔ سلائی سرگس کے قانون کے مطابق یہ اجازت نہ تھی کہ بغیر پبلک افسروں کی رضامندی کے کسی بچے کی پرورش کی جائے۔ لیکن ایام جاہلیت کے عرب اپنی لڑکیوں کو بڑے ظالمانہ طریقوں سے ہلاک کر دیتے تھے۔ جب کسی عرب کے گھر میں کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ اس کی پرورش کرے تو وہ اسے ایک اون کے کپڑے میں لپیٹ کر جنگل میں اونٹوں یا بھیڑوں کی حفاظت کے لیے بھیج دیتا۔ لیکن اگر وہ اُسے مارنا چاہتا تو اُسے چھ سال تک معمولی طور پر نشو و نما پالنے دیتا اور پھر اُس کی ماں کو کہتا کہ اس کو خوشبو لگادو اور بنا سنوار کر دو تاکہ میں اسے اس کی ماؤں کے پاس لے جاؤں۔ اور جب اُس کی زینت وغیرہ ہو جاتی۔ تو اس کا باپ اُس کو ایک گڑھے کے پاس لیجاتا جو اس غرض کے واسطے پہلے سے کھودا گیا ہوتا۔ اور اس کو یہ کہکر کہ گڑھے کے اندر دیکھ پیچھے سے دھکیل دیتا۔ اور پھر گڑھے کو مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیتا۔
غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ساری دُنیا میں عورت کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تھی۔ اور قریباً سب کے سب تمدنی قوانین اس کے خلاف تھے (باقی آیندہ)

پادریوں کی غلط بیانیاں

(از لارڈ ھیڈ لے)

مارچ کے اخیر مجھے ایک لیڈی کی چٹھی ملی جس نے مشرق میں سفر کیا ہے اور مسلمانوں کے متعلق جن سے وُہ ملی ہے کچھ رائے لگائی ہے۔ وہ لکھتی ہے:

"۱۸۔ مارچ ۱۹۱۶ء۔ جناب من۔ کل کے ڈیلی گرافک میں "ایک مسلم یادگار" کے عنوان سے آپکی چٹھی پڑھ کر میں نے محسُوس کیا ہے کہ آپ بڑی خطرناک زمین پر چل رہے ہیں۔ اور بہت سے کاہل اور بے خبر انگریزوں کے لیئے ایک دام بچھا رہے ہیں میں کچھ وقت مشرق میں رہی ہوں اور خوب سمجھتی ہوں کہ مذہب اسلام انگریزوں کو کیوں پسند آتا ہے۔ جن کو عیسائی ہونے کی حیثیت میں صرف ایک ہی بی بی سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ میں سُنتی ہوں کہ آپ بھی مذہب اسلام

کے پیرو ہیں۔ کیا میں دریافت کرسکتی ہوں کہ آپ ان سچے اصلی مذہب کے پیرو کیوں نہیں جو ہمکو خدا کے اکلوتے بیٹے نے دیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں اس قدر نیو ہیں کہ آجکل کے انگریز اس سے خوش نہیں ہوسکتے۔ میں مشرق سے گھر کو واپس آتی ہوئی آپ کے بعض ہم عقیدہ لوگوں سے ملی ہوں اور بعض ان میں سے ایسے جاہل مطلق تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ مذہب اسلام عیسائی مذہب سے پہلے کا ہے بیشک مشرق میں رہتے ہوئے لوگوں کو اس مذہب کا اپیل کرنا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے +
میں تعجب کرتی ہوں۔ جب میں آپ جیسے آدمیوں کو دیکھتی ہوں کیا کبھی آپ نے ہماری کتاب مقدس کو بھی پڑھا ہے۔ مسیح کا حکم ہمارے لیئے یہ تھا۔ کہ کتب مقدسہ کو تلاش کرو (اس سے مراد پرانا عہد نامہ تھا) کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ ان میں ابدی زندگی ہے۔ اور یہی وہ کتابیں ہیں جو میری شہادت دیتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان کتب مقدسہ کو تلاش کیا ؟ اگر کیا ہے تو میں یقین رکھتی ہوں کہ آپنے رُوح کی آنکھ کو بند کرکے ایسا کیا ہے۔ رُوح کی چیزوں کو صرف رُوح ہی معلوم کرسکتی ہے "
اس لیڈی نے اس کے بعد بھی مجھے خط لکھا ہے اور گو اُس نے کتب مقدسہ سے میری ناواقفیت کے متعلق اپنے بیان کی ترمیم کی ہے۔ تاہم وہ اس خیال پر بہت مضبوط ہے کہ مذہب اسلام کے لیئے بڑی کشش کا موجب تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اب تک اس بات کو محسوس نہیں کرسکی کہ خدا کی توحید کا عظیم الشان مسئلہ اس کے تمام عقائد سے بہت پرانا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہم ان ساری تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔ جو ہم کو بہت سے قدیم ذرائع کی وساطت سے پہنچی ہیں۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسےٰؑ اور مسیحؑ سب اپنے اپنے زمانہ میں وہ خدا کے پیغام لائے۔ جو ہم تک پہنچے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ نبی عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخری پیغام لائے۔ اور آپ نے اپنی ساری طاقت نسل انسانی کی قوتوں کی بہتری کے لیئے اور بُت پرستی کو مٹانے کے لیئے خرچ کی۔ آپ کی تعلیم نہایت سادہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور آپکا نمونہ نہایت اعلےٰ درجہ کا تھا۔ پھر یہ لیڈی اپنی آخری چٹھی میں لکھتی ہے۔
"میں خیال کرتی ہوں کہ کوئی ملک دُنیا میں اپنی عورتوں کی ایسی عزت اور ادب نہیں کرتا۔ جیسا کہ ہم انگلستان میں کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے لیئے بہت ہی افسوس کا دن ہوگا۔ اگر ہم اس اعلےٰ حالت سے گر جائیں گے۔ آپ کا پیغمبر اپنے لیئے خود قوانین بنا سکتا تھا۔ یعنی جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اور

یہ ماننا پڑتا ہے کہ گو اس بات کے تسلیم کرنے میں تو ہمیں تامل نہیں کہ وہ بہت سے ان لوگوں سے جو اُس کے ارد گرد تھے۔ بڑھ کر تھے۔ مگر اُنھوں نے عصمت کے اصُول کی تعلیم نہیں دی۔ اسکے خلاف یہ مجھے صاف نظر آتا ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات کو پوری کرنے والا تھا۔ اور میرا مذہب یہ ہی کہ صرف قربانی ہی سے ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔"

اس تمام تحریر میں لکھنے والی نے نہ اسبات کو مدنظر رکھا ہے کہ عرب کو آپ نے کس حالت میں پایا اور نہ اس کو کہ آپ کے روحانی اثر سے کیسا انقلاب عظیم اُن لوگوں کی حالت پر آیا۔ اور اس امر واقعہ کو تو بالکل دبا دیا گیا ہے کہ آپ نے عورت کی حالت میں کس قدر ترقی کی بُنیاد رکھی۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ کہوں کہ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ عمداً ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش ہے۔ میں یہ کہوں گا۔ کہ اس تحریر کے لکھنے والی ان زنجیروں سے نکلنے کے ناقابل ہیں جن میں اُن کی عقل بہت لمبے عرصہ کی مشنری غلط بیانیوں سے جکڑی گئی ہے۔ میں آئندہ کسی مضمون میں اس خط کے بعض بیانات پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور نیز یہ بھی میرا ارادہ ہے کہ گذشتہ جنوری میں جو مضمون اخبار کرسچین میں بعنوان "پرشیا نزم اور اسلام" (یعنی موجودہ جرمن خیالات اور اسلام) نکلا ہے اس پر بھی کچھ بحث کردں۔ یہ مضمون اس وقت بڑی دلچسپی کا موجب ہے کیونکہ اس میں تاریخ اسلام پر۔ صلیبی جنگوں کے حالات پر۔ برلن کی لامذہبی پر۔ جرمن قلب پر اور لوتھر کے پیغاموں پر قابل نوٹ طریق میں ذکر کیا گیا ہے +

ہمیں حیرت ہے کہ اس تہذیب کے زمانہ میں ایک عورت ہو کر کس قدر گستاخی سے مقدسین کے سردار پر ناپاک حملے کیئے گئے ہیں۔ عصمت کی تعلیم اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تو کیوں مسلمانوں کے اندر عورت کی عصمت کو اس کا سب سے اعلےٰ جوہر اور سب سے بڑا وصف سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر مسیح کی تعلیم میں عصمت پر کوئی خاص زور دیا گیا ہے جس کا پتہ ہمیں کم از کم انجیل سے تو ملتا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج روئے زمین کی ساری عیسائی قوموں میں عصمت کو عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک عیسائی اخبار نے اپنے قارئین سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر کیا ہے تو عصمت کا جوہر بلحاظ تعداد جواب دینے والوں کے پانچویں یا چھٹے نمبر پر تسلیم کیا گیا تھا۔

پھر کیا مشنری لیڈی صاحبہ کو اپنے گھر کا علم نہیں کہ اکثر عیسائی ممالک میں کس قدر بازاری عورتوں کی وجہ سے بدکاری پھیل رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی ممالک میں اس قسم کا پیشہ سُننے میں نہیں آتا۔ ایسا ہی جو کثرت ناجائز تعلقات مرد و عورت کی اور جو کثرت ولدالحرام بچوں کی بعض عیسائی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اسلامی ممالک بہت حد تک پاک و صاف ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طبیب حاذق کی طرح جو بیماری کو سمجھتا اور اُس کی دوا کو جانتا ہے۔ ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کیا اور جو دوائی جس بیماری کے لیئے موزون تھی وُہ تجویز فرمائی۔ چند فرضی دل خوش کُن فقروں سے لوگوں کو خوش کر کے اصل بیماریوں کی طرف سے غافل کرنا نہیں چاہا۔ یہی وجہ ہے کہ اور کچھ بھی مسلمانوں پر الزام ہو کہ وُہ اپنی عورتوں کو تعلیم نہیں دیتے۔ حالانکہ اسکے لیئے بھی مذہب اسلام ذمہ دار نہیں جس کا صاف حکم ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ لیکن تمام اسلامی ممالک میں عورت کی عصمت کی جو عزت ہے۔ وُہ غیر اسلامی ممالک میں نہیں۔ تعدد ازدواج کو محض ایک خطرناک بیماری کے علاج کے لیئے بطور دوا اسلام نے جائز رکھا۔ اور وہ وقت دور نہیں جب خود یورپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس علاج کے سوائے سوسائٹی کی بیماریوں اور ضرورتوں کا اور کوئی علاج نہیں۔

ہاں بے شک آپ نے بلا خوف لومۃ لائم حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور خود دونوں حالتوں پر عامل ہو کر بتا دیا کہ ضرورت حقہ کے مقابل کس طرح سارے خیالات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی قربانی یہی تھی کہ کم فہموں کے طعن کا فکر نہ کریں۔ بلکہ ایک حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کردیں۔ گو اس کے عوض صدیوں تک اپنی ذات پر ناپاک حملے بھی برداشت کرنے پڑیں۔ اس سے بڑھ کر قربانی کیا ہے۔ ہاں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا وہ انسان ہے جو لوگوں کی زبان کے خوف سے چند دل خوش کُن باتیں کہدیتا ہے اور سوسائٹی کی اصل امراض اور اُن کے حقیقی علاج کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

ایڈیٹر

رسالہ اشاعت اسلام

کثیر الازدواجی۔

از ہر ہائی نس حضور عالیہ فرمانروائے بھوپال۔

میرا مضمون زیر بحث (زوجیت فی الاسلام) نامکمل رہجائے گا۔ اگر میں کثیر الازدواجی پر کچھ نہ لکھوں اس مضمون کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم فضلا تک بھی اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ یہ خیال کر لینا کہ اسلام میں کثیر الازدواجی ایک ضروری اور لابد چیز ہے۔ ایک قسم کی ناقابل عفو غلطی ہے۔ بلکہ تعلیم قرآن تو اس کے اُلٹ ہے۔ اور ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کے لیئے تاکید کرتی ہے۔ اسلام نے عالمگیر ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ مذہب کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کی ضروریات کے علاج کے لیئے تو نازل نہیں ہؤا تھا۔ بلکہ اپنے ہمہ گیر اور عالمگیر مشن کے لیئے اسلام کا فرض تھا کہ وہ تمام ممالک تمام اقوام ہر قسم کی تہذیبوں اور زمانوں کی ضروریات کو زیر نظر رکھ کر تعلیم دے۔ علاوہ ازیں اسلام نے جو ضابطہ قانون تجویز کیا ہے اُس میں جیسے کہ ہر مہذب اور عقلمند سوسائٹی کے قوانین میں ہوتا ہے۔ علاوہ قوانین ضروریہ کے کہ جن پر چلنا ہر ایک کے لیئے فرض ہوتا ہے۔ بعض ایسے قوانین بھی ہوتے ہیں جن کا نام قوانین علاجیہ ہو سکتا ہے۔ جو حسب ضرورت وقت و زمان کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ یعنی بعض ضروریات کے پیدا ہونے کے وقت اُن قوانین سے تمسک ہو سکتا ہے۔ اور جب وہ ضرورت نہو تو وہ قوانین کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ سو اسلام نے قانون کثیر الازدواجی کو ایک علاجی قانون کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایک طرف اس کی بد استعمالی کو بُری نگاہ سے دیکھا ہے۔ دوسری طرف اس کے استعمال کو بعض قیود و شرائط سے مقید کر دیا +

دُنیا میں بعض وقت ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے فرقہ ذکور کی تعداد میں معتد بہٖ کمی واقعہ ہو جاتی ہے۔ قومی اور ملکی لڑائیوں سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور صنف ضعیف کی ان گنت تعداد ایسی رہجاتی ہے کہ جن کا نہ کوئی والی نہ وارث اور نہ کوئی سنبھالنے والا رہجاتا ہے۔ ایسی حالت میں خواہ کوئی ہم تجویز سوچیں۔ خواہ کتنی ہی وسعت قلب سے کام لیں لیکن

بہترین علاج شادی ہی ہے۔ مختلف وقتوں میں مختلف تجاویز سوچی بھی گئی ہیں۔ اُن پر عمل بھی ہؤا ہے۔ لیکن ناگفتہ بہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام جس کی ہر ایک تعلیم میں پرہیزگاری اور تقویٰ کا لحاظ کیا گیا ہے پسند ہی نہیں کرتا کہ کوئی عورت کسی ایسے مرد کے گھر میں پناہ لے جو نہ اُس کے نکاح میں ہو نہ ایسے رشتہ میں ہو جس پر محرّمات ابدیہ کا اطلاق ہو سکے۔ اسلام کی اس حکمت پر ہمارا روز کا تجربہ بھی صاد کرتا ہے۔ مذکورہ بالا ضرورت کے دفعیہ کا بہترین علاج کثیر الازدواجی ہی ہے لیکن جس پر بھی اسلام نے عورت پر نہ کوئی مصیبت ڈالی نہ اُس کے اختیار کو محدود کر دیا۔ اگر ایک بی بی اپنے امن و آسائش اور آرام کے لیئے اس بات کی محتاج نہیں کہ وہ کسی مرد سے مدد لے۔ یا کسی ایسی جگہ جا کے پناہ لے جو اُس کے پسند طبع نہ ہو۔ اسلام نے کسی عورت کو مجبور نہیں کیا کہ کسی مرد کی دوسری بیوی جا کر بنے۔ لہذا رسم کثیر الازدواجی تو اسلام میں ایک قانون علاجیہ ہے۔ جہاں ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے۔ جہاں اُس کی حاجت نہیں وہاں کوئی مجبوری نہیں۔ نہ صرف سوشل اغراض کے لیئے ہی مرد اور عورت کا تعداد میں برابر ہونا لازمات سے ہے۔ بلکہ زندگی میں بعض ایسے مصائب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جنکا مقابلہ مرد ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی قوم پر کوئی مصیبت پڑے جس سے اُس قوم کے مرد کثرت سے لقمۂ اجل ہو جائیں تو پھر فرقہ مذکور کی اس کمی کو کس طرح پورا کیا جائے۔ ایسے نازک وقت میں دو ہی طریق برتے جا سکتے ہیں۔ یا کثیر الازدواجی کو اختیار کر لیا جائے یا ناجائز ولادت کو بے عزتی کی نگاہ نہ دیکھا جائے۔ جس میں تھوڑی بھی شرافت طبع ہو طریق مؤخر الذکر کو پسند نہ کرے گا۔ یہ بات بھی ہمیں کبھی سمجھ نہیں آئی کہ مغرب میں جس بات کو قانون کثیر الازدواجی کے ماتحت ناجائز قرار دیا ہے۔ عملاً و کلیم ہر طرف جائز رکھا گیا ہے۔ شادی کیا ہے۔ سوسائیٹی یا معروف کے ماتحت مقررہ شکل میں مرد اور عورت کا جمع ہونا۔ پھر کسی وقت کی ضروریات اور حالات اس بات کے متقاضی ہوں کہ آبادی کی تعداد بڑھ جائے۔ تو کیوں نہ اُسی رواج اور رسم کو قانون کے ساتھ اجازت دی جائے۔ جو عملاً اور رواجاً اس وقت بھی ہو رہی ہے۔ اور اس اجازت کا بہتر نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزار در ہزار بچوں پر سے جو اپنی خوشی سے دُنیا میں نہ آئے داغ ولادت ناجائز اُٹھ جائے گا۔ کیوں ایسے بچوں کو اُس شرعی حیثیت سے روکا جائے کہ جس کے ماتحت

وہ اس انسان کی جائداد کے ہی وارث ٹھیریں۔ جس کا ورثہ انھوں نے جسم میں پایا۔ اس سے نہ صرف سوسائٹی کے اخلاق ہی بہتر ہو جائیں گے۔ بلکہ صنف لطیف کا تقدس بھی بڑھ جائیگا۔ اور انکے حقوق بھی محفوظ رہجاویں گے۔ اس طرح سے کثیر الازدواجی بعض وقت نہ صرف قومی ضرورت ہو جاتی ہے بلکہ رحمت بھی ہے +

بعض وقت کثیر الازدواجی فرداً فرداً بھی بعض گھروں میں اپنی جائے ضرورت پیدا کر لیتی ہے۔ جس گھر میں بچہ نہیں وُہ گھر ایک قبرستان کی طرح سنسان رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بقائے نسل انسانی شادی کی ایک بڑی بھاری غرض ہے۔ تو اب اگر پہلی بیوی کے ذریعہ کوئی امید اولاد نہ رہی تو پھر تین ہی راہ ایک مرد کے لئے کھلے ہیں۔ یا تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے یا اپنے سر سے ہی صاحب اولاد ہونے کی خواہش نکال دے یا نہایت صبر اور استقامت سے اپنی بیوی کی موت کا منتظر رہے۔ جو ممکن ہے کہ اُس کی موت خود اُس کی ضعیفی سے پہلے واقع ہو جائے۔ کیا ان تینوں حالات پر پہلی عورت کی زندگی میں دُوسری کر لینا قابل ترجیح نہیں۔ اسکے علاوہ بعض انسانوں کو قومی اور سیاسی ضروریات بھی مجبُور کر سکتی ہیں کہ وُہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کریں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی سے ازراہ محبت سخت وابستہ ہے تو پھر اُس کے لئے امور بالا اختیار کر لینے کس قدر مشکل ہیں۔ نپولین کی مثال ایک عمدہ اس امر کی تشریح ہے۔ اُسے اپنی بیوی جوسفین سے ایک قسم کا تعشق تھا۔ وہ بیوی بھی بڑی صاحب عصمت و شرافت تھی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے گرویدہ تھے۔ لیکن جوسفین سے کوئی اولاد نہ ہو سکی اور مُلکی ضروریات چاہتی تھیں کہ نپولین کا بچہ ہو۔ اِس لیئے مُلک نے نپولین کو جوسفین کے طلاق پر مجبُور کیا۔ اس طلاق کا واقعہ نہایت ہی دردناک ہے۔ نپولین نے دوسری بیوی بھی کر لی۔ نہائت شان و شوکت سے وہ سلطنت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب مصیبت کے دن آئے تو اُس مصیبت کو بٹانے والی جوسفین اُس کے ہمراہ نہ تھی۔ اگرچہ میاں بیوی میں طلاق ہو چکا تھا لیکن اُن کی محبت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جوسفین اسی پیار کے ساتھ نپولین کو یاد کرتی رہی اور اُس کے ایام تکلیف میں بھی اس کی ویسی ہی ہمدرد تھی جیسے ایام راحت میں لیکن وُہ مضبوط زنجیر جو اُس کو جوڑ سکتی تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اگر فرانس میں قانون کثیر الازدواجی

ہوتا تو نپولین کو کیوں یہ ایام مصائب دیکھنے پڑتے۔ ایسے حالات میں جہاں ضرورت اولاد لاحق ہو مسلمان بیبیاں تو خود اپنے خاوندوں کے لیئے تو دوسرے نکاح کا انتظام کرا دیا کرتی ہیں۔

اسلام نے کیوں ایک سے زیادہ خاوند کی اجازت نہیں دی

مرد تو دوسری بیوی کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اسلام نے اجازت نہیں دی کہ دوسرا خاوند کر سکے۔ اوّل تو عورت کے ذمہ وہ صعوبت ناک فرائض بھی نہیں ڈالے گئے۔ مثلاً جنگ وغیرہ کہ جس سے عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی اور نہ اُس کی زندگی میں وہ حالات واقعہ ہوتے ہیں مردوں کو دُوسری بیویاں کر لینی پڑتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی ضرورت بھی ہو تو پھر عورت خاوند سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ اُس کو شریعت میں خلع کہتے ہیں۔ لیکن شریعت نے یہ نہیں اجازت دی کہ کسی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ اور فطرت انسانی بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں شادی کی غرض بڑی بھاری یہ ہے کہ بچّہ کی ولدیت کا تحقق ہو سکے۔ تاکہ بچّہ کی پرورش اور اُس کی تربیت کی ذمّہ داری کسی پر ڈالی جا سکے۔ ایک مرد کی اگر زیادہ عورتیں ہوں تو تحقیق ولدیت میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔ اور اس طرح سے ایک مرد کے ورثہ کا بھی سوال آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کوئی قانون اجازت دیوے کہ ایک عورت بہت سے خاوند کر سکے تو نہ صرف سوسائیٹی میں ہی بداخلاقی کا ایک طریق جاری ہو جائے گا بلکہ تعلیم و تربیت اور پرورش اور ورثہ کے معاملہ میں ہزارہا قسم کے فساد و مجادلہ ہونگے کہ کون کس کا بچّہ ہے۔ اور کس بچّہ کا کون ذمّہ دار ہے +

ہر حالت میں کثیر الازدواجی جائز نہیں

جو لوگ بلا ضرورت شرعیہ ایک سے زیادہ بیوی کر بیٹھتے ہیں اور شرعی حدود کو توڑ دیتے ہیں وہ پبلک میں نفرت اور حقارت کے مستحق ہیں۔ ہر ایک حالت میں تو اسلام کثیر الازدواجی کو جائز نہیں رکھتا۔ اسلام نے تو اس پر ایسی جکڑ بند شرائط اور قیود لگا دی ہیں کہ جس سے کثیر الازدواجی عملاً رُک جائے۔ اور زیادہ حصّہ اسلامی دُنیا کا ایک ہی بیوی کرے۔ چنانچہ یہی حالت مسلمانوں میں ہے۔ کثیر الازدواجی کی بہترین روک دراصل قرآن کی اُسی آیتہ میں ہے جو آیتہ ان شاء اللہ دوں

کی اجازت دیتی ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ ۔ تم دو دو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں کر سکتے ہو لیکن اگر تمھیں خوف ہو کہ تم اُن میں برابری کا سلوک نہ کر سکوگے تو ایک ہی کرو۔ اب اس آیۃ میں کثیر الازدواجی پر عمل کی شرط لگادی ہے۔ جو بیویوں میں ہر قسم کے سلوک میں برابری کی رعایت ہی نہیں رکھ سکتا اُس کو حکم ہے کہ ایک ہی بیوی کرے +

آیۃ مذکورہ بالا میں لفظ خوف خصوصًا قابل توجہ ہے یعنے اگر کوئی شخص شرائط مذکورہ کی تعمیل سے خوف میں ہے تو پھر ایک ہی بیوی کرے۔ اور یہ امر بدیہی ہے اگرچہ ناممکن تو نہیں۔ لیکن دو بیویوں میں عدل کر لینا نہایت ہی دشوار امر ہے۔ بہت ہی تھوڑے ایسا کر سکتے ہیں بلکہ قرآن تو کھلا کھلا اشارہ کرتا ہے۔ کہ کثیر الازدواجی کی اس شرط کو پورا کرنے کے انسان ناقابل ہے۔ اِس طرح قرآن نے دراصل زور دیا ہے کہ شادی ایک ہی ہونی چاہیئے۔ وہ آیۃ یہ ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا و تتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما ۰

آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جہاں مرد ایک سے زیادہ بیوی کرے اور محبت میں ایک کی طرف جُھک جائے اور دوسری سے بے اعتنائی کرے۔ حتیٰ کہ ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر مرد اور عورت کے لیئے مندرجہ بالا آیات ایک عمدہ ہدایت نامہ ہے طلاق کے ذریعہ زندگی تلخ کرنے کی بجائے اُس کے لیئے بہتر ہے کہ وہ آپس میں ایک من سمجھوتہ کرے۔ بلکہ شادی کرنے سے پہلے بھی ایسی فہمید ہو سکتی ہے +

ایک عورت کثیر الازدواجی کے مضرات سے کسطرح بچ سکتی ہے

کثیر الازدواجی میں تلخیاں اور بدمزگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس سے بچنے کا بہترین علاج اسلام نے عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چونکہ اسلام میں نکاح ایک قسم کا شرعی معاہدہ ہے۔ جس کے ماتحت بعض ایسی شرائط لگائی جا سکتی ہیں۔ کہ اُن شرائط کے فوت ہونے پر شادی کالعدم ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی عورت کو خطرہ ہو۔ کہ اُسکا خاوند کبھی آئندہ دُوسرا نکاح کرکے اُس کی تکلیف کا مُوجب ہوگا۔ تو شادی کے وقت اُس تکلیف سے بچنے کا علاج کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ معاہدہ نکاح میں یہ شرط لگا سکتی ہے۔ کہ اگر

اس کا خاوند دُوسرا نکاح کرے تو وہ ایک کافی ہرجانہ دینے کا ذمہ وار ہوگا۔ یا اُس کو حق ہوگا۔ کہ وہ کافی گذارہ خاوند سے لے اور خاوند کے ساتھ نہ رہے۔ یا وُہ جب چاہے دُوسری شادی پر خاوند سے طلاق لے لے۔ اور ہرجانہ بھی لے اور ایک آزاد زندگی بسر کرے۔ ایک بیوی اختیار رکھتی ہے۔ کہ کسی کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ شرائط لگا دے +

الغرض کثیر الازدواجی بعض مجلسی یا قومی دقتوں کا ایک علاج ہے۔ اسکا ایک جائز استعمال ہے اور بد استعمالی بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی بد استعمالیوں کو روک دیا ہے۔ اور جہاں اجازت دی ہے۔ وہاں مختلف شرائط اور قیود لگادی ہیں جُوں جُوں فطرت انسانی اور ضروریات سُوسائٹی کا علم اور احساس لوگوں میں بڑھتا جائے گا۔ کثیر الازدواجی جیسے قانون کی ضرورت کا بھی احساس بڑھتا جائے گا ہاں انھیں حالات اور شرائط کے ماتحت جو اسلام نے تجویز کیئے ہیں +

اسلامی نماز کا فلسفہ

۴

پیش ازیں کہ میں نماز کے فلسفہ پر بحیثیت مجموعی کچھ روشنی ڈالوں اور نماز کی جوازیت اور ضرورت پر کچھ لکھوں۔ میں اسلامی دعا صلوٰۃ کی ایک اور حیثیت پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کل دُنیا کے مُسلمان خواہ وہ کہیں رہے۔ ٹرکی میں یا چین میں۔ یورپ میں ایشیا میں نئی دُنیا میں یا پرانی دُنیا میں وہ سب کے سب اپنی نماز عربی میں پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ یہودی عبرانی زبان میں۔ یہ نماز نہ صرف عربی زبان میں ہی ہوتی ہے بلکہ خاص قرآن کے الفاظ میں جو خدا کا آخری عہد نامہ ہے اور ایک عالمگیر بشارت ہے۔ اور اسکی نماز کی ہیئت و صورت آج بھی وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم نے اپنے وقت میں قائم کی اور وہی لفظ جو خدا کے نبی کے مُونھ سے نماز میں نکلے۔ وہی آج ہر ایک مسلمان نماز میں ادا کرتا ہے۔ اِس طرح تمام

دُنیا میں ایک ہی طرز ایک ہی نہج رکھنے سے اس خیال کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے کہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہے اور ایک ہی عالمگیر اخوت کل انسانوں میں ہے۔ خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں۔ خواہ ہماری مادری زبان ملائم شیرین اردو ہو یا سخت نا ملائم انگریزی۔ ہماری عبادت اور نماز کا وہی ایک خدا مُدعا اور مقصد ہے۔ چینیوں کی زبان میں اللہ کا کوئی اور نام ہوگا۔ ہندوستانیوں کا کوئی اپنے ہاں نام ہوگا ایسا ہی امریکہ والوں کا اپنا۔ گویا کہ مختلف زبانوں میں مختلف نام ہیں۔ بلکہ مختلف نکتہ خیال انگریزی لفظ گاڈ۔ اور فارسی لفظ خدا ایک ہی مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ اور اسی طرح وُہ خدا کے متعلق مختلف خیالات ذہن میں لے آتے ہیں۔ ایک فارسی دان کا معبود اگر خدا ہے اور انگریز کا گاڈ۔ فرانسیس کا ڈیو۔ اور جرمن کا کاٹ۔ اور اسی طرح مختلف زبانوں میں مختلف نام۔ چونکہ ان لفظوں کے مفہوم میں کچھُ نہ کچھ فرق ہے۔ اِس لیئے مختلف قوموں کو سامنے نماز کے وقت مختلف کیفیات کا خدا ہوگا۔ اسلام نے نماز میں ایک رنگی رکھ کر ان اختلافات کی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ ایرانی مسلم۔ انگریز مسلم۔ فرانسیسی مسلم۔ جرمن مسلم۔ ان سب کا معبود ایک اللہ ہے اسی کے آگے وُہ اپنی دُعائیں پیش کرتا ہے۔ اِسطرح سے نماز میں تمام اور زبان کا یہ اتحاد نمازی کے دِل میں یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ کل نسل انسانی کا معبود وہی ایک ہے۔ جس کے آگے ہم سب نے جھکنا ہے وہی ایک رب العالمین ہے وہی سب قوموں اور انسانوں کا بنانے والا ہے۔ اس طرح خدا کی [illegible] اور اُس کی توحید کا اثر پیدا ہو جاتا ہے +

اِس سے تمام انسانوں کے دِلوں پر انسانی اخوت کا بھی سکہ جم جاتا ہے۔ خواہ وہ مختلف رنگ و زبان و شکل کے ہوں۔ خواہ وہ مختلف قوم و اقوام سے تعلق رکھتے ہوں خدا کے متعلق ان کے خیالات اُن کے جذبات ان کے متاثرات ایک ہی ہیں۔ لہذا جب وہ اُس خدا کے حضور نماز کے لیئے حاضر ہوں۔ تو ایک ہی زبان ایک ہی طرز سے نماز ادا کرے خواہ انسان ایک دوسرے سے جنگ ہی کرے۔ پھر بھی وہ خدا کی نگاہ میں دایرۂ انسانیت میں ایک ہی ہیں۔ ممکن ہے ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرے۔ ایک دوسرے کی زبان کو

بُرا جانیں لیکن پھر بھی وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں تو وہ ایک ہی زبان سے پکاریں جس سے وہ سمجھ جائیں کہ وہ فی الواقعہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اون کی دشمنی چند روزہ ہے۔ ایک مشترک زبان کا ہونا بھی مختلف قوموں میں ایک مستقل وحدت پیدا کر سکتا ہے +

جب کسی ملک کا ایک غیر مسلم کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے۔ تو اُسے نماز کی ادائیگی کے لیئے گرجا یا معبد کی ضرورت پڑتی ہے جہاں نماز اُس کی اپنی مادری زبان میں ادا ہوتی ہو۔ لیکن مسلمان کو یہ دقت نہیں ہے خواہ کسی اجنبی ملک میں چلا جائے۔ وہ نزدیک کی مسجد تلاش کر لیتا۔ اور وہاں وہ اپنے آپ کو اپنے وطن میں پاتا ہے۔ کل دُنیا جہان کی مسجدوں میں وہی ایک زبان یعنے زبان قرآن استعمال کی جاتی ہے۔ کل مسلمانوں میں ملنے کے وقت وہی سلام علیک کا ایک نشان فری میسنوں کے نشان کیطرح قائم ہے۔ بکسر کی بغاوت پر جب ہندوستان سے مسلمان سپاہی چین میں گئے۔ اور چینی مسلمانوں سے سلام علیک کی تو چین کے مسلمانوں نے اُن سے برادرانہ سلوک کیا۔ اور اپنی مسجد میں لے گئے ابھی اگلے دن ہندوستان کے مسلم سپاہی جب ووکنگ میں عید کی نماز ادا کرنے آئے تو اگرچہ ایک بھی لفظ انگریزی کا نہ جانتے تھے اور نہ ہی ووکنگ کے مسلمان اردو جانتے تھے۔ لیکن وہ صرف سلام اور نماز کے اشتراک سے ایک دُوسرے کے بھائی بن گئے +

تمام قوموں اور ہر مزاج کے انسانوں میں نماز کے وقت ایک ہی زبان کا استعمال ہونے سے ایک قسم کی وحدت مراتب بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب سلطان ایک طرف اور ہندوستان کا دہقان ایک طرف اور ایسا ہی افغانستان کا ایک ناجر قادر مطلق کے حضور اپنی نماز میں ایک ہی الفاظ اور ایک ہی زبان میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نگاہ میں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں +

مقررہ نمازوں میں قرآن کے الفاظ کا استعمال انسانوں کو اس بات سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ نماز میں بُرے خیالات لیئے ہوئے کھڑے ہوں۔ یا وہ ایک دوسرے کے خلاف بدُعائیں کریں۔ ہم ہر ایک لفظ اور ہر ایک فعل کے لیئے خدا کے حضور ذمہ وار ہیں۔ پہلے جب ہم قرآنی الفاظ میں نماز ادا کرتے ہیں تو ہمیں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم نامناسب الفاظ نہیں استعمال کر رہے ہیں۔ رابعہ بصری ایک بڑی مسلم خاتون گذری ہیں۔ اُنکے متعلق مشہور ہے کہ وہ تیس سال تک قرآن کے الفاظ میں گفتگو

کرتی رہی۔ حتیٰ کہ معمولی سوالوں کا جواب بھی قرآنی الفاظ میں دیا کرتی تھیں +

مذہبی نکتہ خیال سے بھی قرآنی دعاؤں سے بہتر دُعائیں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً اس سے بہتر اور کیا دعا ہوسکتی ہے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة۔ اے ہمارے رب ہمکو اس جہان میں بھی خیر عطا کر اور آئیندہ جہان میں بھی جب ہمیں قادر مطلق غفور الرحیم خدا سے کچھ عرض کرنا ہو تو اس سے بہتر الفاظ نہیں ملتے۔ ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به۔ اے رب ہمارے ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں +

کم از کم میں اس امر پر مطمئن ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالیٰ میری یہ دُعا سُن لے۔ دراصل وہی چیز تکلیف دہ ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری۔ جو قابل برداشت نہ ہو۔ بیسیوں باتیں اس دُنیا میں ہمارے قابو سے باہر ہیں۔ ہم خواہ کتنے ہی صاحب طاقت ہوں پھر بھی بہت کمزور ہیں۔ ہم بے یار و مددگار ہیں اپنے معاملات پر قابو چھوڑ۔ اپنی ذات پر بھی بعض وقت حکومت نہیں کر سکتے۔ کیا ہم اپنے ارادہ کے مطابق اپنے دل پر حکومت کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم تو اپنے بھی مالک نہیں۔ بعض وقت محض کسی قدر محبت یا نفرت سے اپنے ارادہ کے خلاف ہم سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ جنکو ہم یقیناً نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ بعض وقت حالات بھی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہذا ہمیں ہمیشہ قادر مطلق خدا کے آگے یہی عرض کرنی چاہیئے۔ ولا تحملنا مالا طاقة لنا به ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں +

قرآن کی وہ آیات جو میں اکثر اپنی نمازوں میں تلاوت کرتا ہوں اور جو میری تسکین کا موجب ہوتی ہیں یہ ہیں للہ ما فی السموات وما فی الارض۔ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء والله علی کل شیٔ قدیرہ۔ امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل امن بالله وملئکته وکتبه ورسله لا نفرق بین احد من رسله۔ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیرہ لا یکلف الله نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا۔ ربنا ولا تحملنا مالا [illegible] لنا به۔ واعف عنا۔ واغفر لنا۔ وارحمنا۔ انت مولینا۔ فانصرنا

علیٰ القوم الکافرین ۝ - ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف اُس کے
پروردگار اُس کے سے - اور مسلمان تمام ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور فرشتوں اس کے کے اور
کتابوں اس کی کے اور رسولوں اُسکے کے - نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے
سے - اور کہا اُنھوں نے سُنا ہمنے اور مانا ہم نے - بخشش مانگتے ہیں تیری اے رب ہمارے اور طرف
تیرے ہی ہے پھر آنا - نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو - مگر طاقت اُس کی پر واسطے اس کے ہے جو کچھ
کمایا اُس نے اور اوپر اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے - اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھُول
گئے ہم - یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے - اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ - جیسا رکھا تو نے
اُس کو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب ہمارے - اور مت اُٹھوا ہم سے وہ چیز کہ
نہیں طاقت واسطے ہمارے ساتھ اُس کے اور عفو کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر
تو ہی ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم کافروں کے +

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اصلی الفاظ کی
کیفیات و معانی ادا ہو سکے - ترجموں نے ہی انجیل اور توریت کو محرّف اور مبدل کیا - چونکہ مسلمان
خواہ کسی اصلی الفاظ سے ہی تسدید طریق پر وابستہ ہے - اس لیئے خدا کا آخری کلام محفوظ رہا
دُنیا میں یہی ایک کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جاتی ہے وُہ یہی ایک کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ
تیرہ سو برس سے اپنے اصلی صورت میں رہا - جب مسلمان نماز کو قرآن کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں
تو وہ اس طرح قرآن کریم کو محفوظ اور اُسکی تحریف سے بچنے میں مدد دیتے ہیں -

جیسے کہ میں نے پہلے کہا : اب بھی کہتا ہوں کہ اسلام نے کوئی ایسا شعار یا شکل کسی امر کی
اختیار نہیں کی جو اُس موقعہ کے لحاظ سے حسب ضروری ہو - اور جس کو چھوڑ کر دوسری شکل
اختیار ہی نہیں ہو سکتی - یہی میں نماز کو عربی زبان میں ادا کرنے کے متعلق کہتا ہوں -
اسلامی نماز میں ایک روحانیت شروع سے اخیر تک مضمر ہے +

(القدوائی)

پیغمبر صلعم اور عیسائی

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس وسعت قلبی کی بنیاد رکھی ہے جب اُنھوں نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ وہ کل دُنیا جہان کے پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ سورہ بقرۃ کی تیسری آیت میں متقیوں کی شان میں یہ کہا گیا ہے۔ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک یعنی متقی وہ ہے جو اس کتاب پر جو تجھ پر نازل ہوئی اور ایسی ہی کتابیں جو تجھ سے پیشتر نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس اصول کی تشریح اسی سورۃ آیۃ (۱۳۶) میں حسب ذیل ہے۔ قل اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسےٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم۔ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر جو ہم پر نازل ہُوا۔ اور اُس پر بھی جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہُوا۔ ہم اُس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جو موسےٰ اور عیسےٰ اور رب کی طرف سے کل نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

ایسی ہی قرآن کریم میں اور آیات ہیں۔ جہاں ان انبیاء علیہم السّلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور خصوصًا جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کی نبوتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اس سے بڑی غرض یہ تھی کہ عیسائی اور یہودی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلعم کی غرض ایک اخوۃ عامّہ اور عالمگیر مذہب قایم کرنے کی ہے۔ اسی تعلیم کے ماتحت آنحضرت صلعم نے جناب مسیح کی ہمیشہ عزت کی اور اُن تمام الزامات سے جناب مسیح کی تطہیر کی جو یہودی ان پر لگایا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت کے متعلق آنحضرت صلعم نے یہودیوں کی تکذیب کی اور ظاہر کیا کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح پاک تھے۔ آپ نے فرمایا جناب مسیح کی والدہ مریم ایک راستباز مقدس صدیقہ تھیں۔ اور مسیحؑ دراصل ایک پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیے آئے تھے۔ جیسے کہ خود آنحضرت صلعم تھے۔ اور جنھوں نے جناب مسیح کو تکلیف دی یا الزام لگائے وہ سب گنہگار تھے۔ دُنیادی نگاہ سے اور حکمت اور پالسی کے اصول پر تو آنحضرت صلعم کا اس طرح یہودیوں کو الزام دینا ٹھیک نہ تھا۔ عیسائیوں کی عرب

میں اُس وقت حقیقت ہی کیا تھی۔ مُٹھی بھر آدمی تھے۔ کوئی طاقت یا اقتدار بھی نہ رکھتے تھے اور
اُن کو نظرانداز کر دینا کوئی آسان امر تھا۔ بالمقابل یہودی ایک بڑی مضبوط اور طاقتور قوم تھی۔
بڑا رسوخ اور اقتدار بھی رکھتے تھے۔ یہودیوں کی رعایت یا خاطرداری کرنے سے بالعموم آنحضرت
صلعم کی حمایت بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم اصول کے پابند تھے۔ اور پالسی کو حرام سمجھتے
تھے۔ جو کچھ آپ سچ سمجھتے تھے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا۔ آپ نے جناب مسیح کی عزت
قائم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ آج چالیس کروڑ سے اوپر مسلمان دُنیا کے مختلف حصص میں
جناب مسیح کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلعم نے کی۔ اور جو کوئی جناب مسیح پر الزام
دے اُس سے ویسا ہی مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کبھی وہ مسیح کا نام لیتے ہیں اُس کو صلوٰۃ اور سلام
بھیجتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلعم نے اس طرح عیسائی دُنیا کو اپنا مرہون احسان نہیں کیا۔ کیا اس سے
وہ اعلےٰ شرافت نفس جو اُن میں تھی ظاہر نہیں ہوتی۔ در اصل اسی سے اُس اعلےٰ مقصد کا بھی
پتہ چلتا ہے جس سے آپ مسلمانوں اور عیسائیوں میں عمدہ رشتہ پیدا کرنا چاہتے تھے +

آنحضرت صلعم کا عیسائیوں سے سلوک

آنحضرت صلعم کا جیسا سلوک اور آپکے مراعات جیسے مسلمانوں سے تھے ویسے ہی عیسائی اور یہودیوں
سے تھے۔ یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نہ صرف نبی ہی تھے بلکہ بادشاہ بھی تھے
اور اس وقت عرب میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے تھے جو آپ کی رعایا تھے۔ دونوں ہی
آپ کے مخالف تھے۔ اور آپ کے دعوےٰ نبوت سے منکر بھی تھے۔ لیکن آپ کا سلوک اور برتاؤ
دونوں سے فیاضانہ تھا۔ ایک لڑائی میں ایک عیسائی عورت آپ کے سامنے اسیر ہو کر آئی۔ وہ مشہور
سخی حاتم طائی کی لڑکی تھی اُس کے ساتھ قید کی حالت میں اور بہت سی ہمجولیاں تھیں وہ ط
اُس وقت نہایت مغموم اور سراسیمہ تھی وہ نہ جانتی تھی کہ اس سے کیا پیش آنے والا ہے آنحضرت
صلعم نے جب اُس سے واقفیت پائی تو آپ نے اُس کے باپ کی پاسخاطر سے اپنی چادر کو بچھایا
اور آپ اُس سے یوں متکلم ہوئے۔ تمہارا باپ ایک کریم النفس آدمی تھا۔ اس لیئے اُسکی عزت
میں مَیں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ مسلم خوبیاں کوئی مسلمان
تک محدود نہیں۔ بلکہ اور مذہب والوں میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ عورت آخر ایک بامروّت انسان

کی لڑکی تھی۔ اُس بی بی نے آزاد ہونے سے انکار کیا۔ درآں حالیکہ د . راُس کی اور رفیقہ قید میں رہیں۔ آنحضرت نے اس بات کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ کہ اگر تم اس لیئے قید سے رہا ہونا نہیں چاہتی کہ تیری دیگر رفیقہ بھی قید میں ہیں تو میں نہیں پسند کرتا کہ تو اُن کی خاطر اسیری میں رہے۔ اسلیئے میں تیری خاطر اُن سب کو آزاد کرتا ہوں۔ وہ سب کی سب قیدی تھیں۔ آنحضرت صلعم بطور ایک فاتح کے اُن سے ایسا سلوک بھی کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہ تو اُن عیسائی عورتوں سے قیدیوں کا سا سلوک کیا اور نہ اُس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حق الامر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمان کرنے میں کبھی بھی جبر اور اکراہ سے کام نہیں لیا۔ رہا صنف لطیف سے مراعات کرنا حسن سلوک سے پیش آنا۔ سو ہر ایک مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے نیک سلوک کرے اور اُن کی عزت کرے۔ اس طرح آنحضرت صلعم نے حاتم کی لڑکی اور اس کے ساتھی کل عورتوں کو آزاد کر دیا۔ اسکا نیک اثر اس پر ہوا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا کہ اُس کو معہ دوسری عورتوں کے نہایت حفاظت کے ساتھ گھر تک پہنچا دیا +

ایک اور موقعہ پر ایک عیسائی وفد نجران سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُنکی کامل عزت اور تکریم میں اپنی مسجد کے جوار میں ہی جگہ دی۔ اتفاقاً وہ اتوار کا دن تھا۔ اور یہ عیسائی رومن کیتھولک عیسائی تھے اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ بڑے مشوش تھے کہ کس جگہ عبادت کریں۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی گھبراہٹ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کی کہ یہ اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں وہ اپنی رسم و رواج کے مطابق عبادت کر سکیں۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ اسی مسجد میں تم اپنا گرجا کر لو۔ کیونکہ یہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا گھر ہے +

آنحضرت صلعم کے متعلق آپ کے جانی دشمن کی شہادت

ایک دفعہ بادشاہ شام کے دربار میں آپ کا ایک خطرناک دشمن ابوسفیان موجود تھا یہ وہی ابوسفیان ہے۔ جس نے آپ کے اور آپ کے صحابہ کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا ہرقل بادشاہ شام نے آنحضرت صلعم اور اسلام کے متعلق چند سوال کیئے۔ اور ہم ذیل میں اُن سوال و جواب کو اسی ترتیب سے لکھ دیتے ہیں:۔

س۔ محمدؐ کے آباؤ اجداد کیسے تھے +

ج۔ وہ ایک شریف خاندان سے ہے۔ اُس کے باپ اور ماں اعلےٰ اخلاق اور حیثیت رکھتے تھے

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے دعوے نبوت کیا +

ج۔ میں اُنہی کی قوم میں سے ہوں۔ اور مجھے علم ہے کہ اُس سے پہلے اُس کے کسی بزرگ نے دعوے نبوت نہیں کیا +

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب ملک ہو چکا ہے جسکی سلطنت کھوئی گئی ہے

ج۔ نہیں +

س۔ کیا دولتمند یا درمیانی درجہ کے لوگ ہی عموماً اُس کے مرید ہوتے ہیں +

ج۔ عموماً دولتمندوں سے زیادہ درمیانی درجہ کے لوگ اُس کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔

س۔ کیا دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے +

ج۔ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں +

س۔ کیا جو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اسلام کو چھوڑ بھی دیتے ہیں ؟

ج۔ نہیں جس نے محمد صلعم کے مذہب کو قبول کیا اُس کو کبھی نہیں چھوڑا +

س۔ کیا اس دعوے کرنے سے پیشتر کبھی اُس نے جھوٹ بولا +

ج۔ اس وقت تک کبھی اُس نے اپنے وعدوں کو نہیں توڑا۔ ہاں آئندہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا +

س۔ کیا تمہارے جنگ بھی اُن سے ہوئے۔ اور جنگوں میں سے کون کامیاب ہوا کرتا ہے۔

ج۔ بعض وقت وُہ فتحمند ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ہم کامیاب ہوتے ہیں +

س۔ اُس کی تعلیم کیا ہے +

ج۔ ایک خدائے واحد کی عبادت اور تمام بتوں سے انکار۔ اور کسی اور معبود کو خدا کے مقابل کھڑا نہ کرنا۔ اور نہ بت پرستوں کی اتباع کرنا۔ وہ ایک خدا کی عبادت اور پرستش کی تاکید کرتا ہے۔ سچ بولنے کے لیئے حکم دیتا ہے۔ بُرے کاموں سے بچنا اور صلہ رحمی کی تاکید کرتا ہے +

اس پر بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ تم نے محمد صلعم کا نقشہ بتلایا ہے اُس سے مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ وُہ ایک سچا نبی ہے۔ اور ایک صادق نبی کی ساری علامات اس میں موجود ہیں ایک اور موقعہ پر جب مکّہ والے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ پر سخت ظلم اور تشدّد کرتے تھے تو چند مُسلمانوں نے شاہ حبش کے ہاں پناہ لی۔ ایک دن بادشاہ کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے جو اُن مسلمانوں میں کے سر کردہ تھے۔ ایک تقریر کی جو ہم ذیل میں بہ الفاظ درج کرتے ہیں:۔

"اے بادشاہ ہم ایام جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے مردار کا گوشت کھاتے تھے بشہوت رانیاں کرتے تھے۔ قطع رحمی ہمارا سلوک تھا۔ اپنے ہمسائیوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور ہم میں کا جو صاحب طاقت ہوتا وہ ہمیشہ کمزوروں کو ستاتا تھا حتی کہ اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک نبی پیدا کیا۔ ہم اُس کے آباؤ اجداد سے واقف ہیں۔ اور ہم ہمیشہ سے اُس کی صداقت اور عفت کے قایل ہیں۔ اُس نے ہمیں ایک خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں حکم دیا کہ اُس کے ساتھ شرک نہ کریں اور اپنے بتوں کو چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں تاکید کی ہے۔ کہ ہم سچ بولیں۔ ہم سے کسی کا حق ہو وہ ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ اور اپنے ہمسائیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور جو باتیں منع کی گئی ہیں اُن سے پرہیز کریں اور کشت و خون سے بچیں اُس نے ہر ایک قسم کی بدی اور شرارت کرنے سے ہمیں روکا اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ ایسا ہی یتیموں کا مال کھانے سے بھی روکا اور اُس نے تاکید کی ہے۔ کہ ہم نماز اور روزہ حج اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ ہم نے اُسے قبول کر لیا اور اُس کی نبوت پر ایمان لائے +

یہ تقریر بادشاہِ حبش پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔ جو آخر کار مسلمان ہو گیا۔ مذہب اسلام کی تعلیم اسی طرح اس کی دلربائی کی موجب تھی۔ جس طرح وہ تعلیم انگریزی بولنے والے اور دیگر مہذب باشندگانِ دُنیا کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اسلام کو اپنے قبول کرانے میں کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے اصول ہی طبعًا دلکش واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کی بُنیاد صداقت پر ہے۔ نہ کہ جبر اور اکراہ سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ جسے آنحضرت صلعم نے ہمیشہ ناپسند فرمایا +

عیسائیوں کے حق میں آنحضرت صلعم کیطرف سے دستاویز حقوق

جو دستاویز آنحضرت صلعم نے کوہ سینا کے راہبوں کو دیا اُس سے بڑھ کر کوئی مثال یا نظیر نہیں

آزادی کی نظر نہیں آتی۔ یہ ایک معاہدہ امن تھا جو عیسائیوں کو دیا گیا۔ وہ دستاویز یا معاہدہ تمام وکمال حالت میں اسلامک ریویو بابت ماہ جون ۱۹۱۵ء کے صفحات میں درج ہو چکا ہے لیکن اُس کے بعض فقرات ہم یہاں بھی درج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں اُسکے چار فقرے دئیے جاتے ہیں:۔

۱۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا معبدوں سے نکالے +

۲۔ ایسے عیسائی جو اپنے مال و دولت سے جزیہ دے سکیں۔ اُن سے اور کچھ مطالبہ نہ ہوگا +

۳۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرلے تو مسلمان اُسے گرجا میں جانے یا اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں روک نہ ڈالے گا +

۴۔ کسی شخص کو حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ عیسائیوں کو اپنے گرجوں کی مرمت وغیرہ سے روکے۔ بلکہ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی مرمت میں یا کسی اور مذہبی اُمور میں انھیں امداد کی ضرورت ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے +

پیغمبر عرب کسی خاص ملک اور قوم کی طرف تو مبعوث ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ وہ کافۃ للناس کے لیئے آئے تھے۔ اس لیئے آپ نے دعوت نامے عیسائی اور دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے۔ آپ سے پہلے جو نبی آیا وہ کسی قوم یا ملک کی طرف آیا۔ لیکن آپ کی بعثت کل دُنیا کے لیئے تھی۔ آپ کا مشن خدائے رب العالمین کی طرف سے تھا۔ اور اس لیئے آپ کا پیغام سب کی طرف تھا۔ آپنے ایک خط ہرقل شاہِ شام کو لکھا۔ اور ایسا ہی ایک خط مقوقس شاہ مصر کو۔ آپ نے انھیں دعوتِ اسلام کی اور یہ لکھا۔ کہ اُن کا اسلام اُن کے لیئے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ ان خطوط کے اصل اب مل گئے اور جو چٹھی شاہ مقوقس کو لکھی گئی تھی اُس کا فوٹو ہندوستان۔ امریکہ اور برطانیہ کلاں اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی شایع ہو چکا ہے۔ ان خطوط کے جواب بھی تحایف کے ساتھ اُن بادشاہوں نے آنحضرت کی خدمت میں بھیجے۔ وہ اُس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں اُنھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کی رعایا اب تک حلقہ بگوش اسلام ہے +

قرآن کریم سورہ آل عمران آیۃ (۵۷) میں ایک نمونہ ہمیں ملتا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلعم ان عیسائی بادشاہوں کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ یا اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ

اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو تمہارے ہمارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں سوا اللہ کے ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) الٰہ نہ سمجھے

سورہ (۲۱) آیتہ (۵۴) میں مسلمانوں کے لیئے ایک طریق عمل لکھا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک شارع اسلام مسلمان اور عیسائیوں کو یکجا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے کہ مسیح اور محمد علیہما السلام دونوں ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیئے بھائی بھائی ہیں۔ دراصل جو مسیح نے مذہب تعلیم کیا وہ بھی یہی تھا۔" تو صرف اپنے خداوند خدا کی عبادت کیجو اور اسی ایک کی عبادت کیجو اور ابدی زندگی یہی ہے۔ کہ تجھ سے جو تو ایک ہی خدا ہے پہچانا جائے اور مسیح کو جس کو تو نے بھیجا ہے۔" (یوحنا باب ۱۷، ۳) یہی دراصل اسلام کا حقیقی مقام ہے۔

ہم آئے دن سن رہے ہیں کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں ملانیکی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن اسلام نے دراصل ایک وسیع پیمانہ پر کل دنیا کے مذاہب کو ملا دیا۔ اسلام کی غرض یہ ہے کہ دنیا جہان کے تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک خدائے واحد کی عبادت اور اس پر ایمان لانے پر مستعد کرے۔ اور وہ پیغام اُن سے سوائے جو مسیح محمد اور دنیا جہان کے تمام پیغمبر خدا کی طرف سے لائے +

۷۸۶

صفات باری

اسلامی نقطۂ خیال سے

(از محمد صادق ڈڈلے رائٹ)

مسلمانوں کا ایمان خدا پر ایک خالی عقیدہ ہی نہیں۔ نہ سائے کی طرح یہ ایک بے حقیقت شئے ہے۔ یہ تو ایک مضبوط و راسخ عقیدہ ہے۔ یہ اکثر سُننے میں آتا ہے۔ کہ مذاہب دنیا میں اسلام نے مختصر سے مختصر عقاید تعلیم کیئے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن خدائے قدوس کی ذات پر ایک مسلم کا ایمان اس قدر مضبوط ہے۔ کہ وہ ہر ایک ایسی کوشش کو نہایت ہی نفرت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور دراصل اسے کفر ہی سمجھتا ہے کہ جس میں خدائے واحد کے

ساتھ شرک لازم آجائے۔ اور دراصل یہ تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ خدا بھی ہو۔ اور کوئی اُسکے ہم پلہ بھی ہو۔ یا وہ کس طرح کسی اور کو اپنی صفات میں شریک کر سکتا ہو وُہ ہی ایک خدا ارفع و اعلیٰ ہے۔ وُہ ہی ایک معبُود ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے مقابل کسی کا یہ کہنا۔ کہ تین یا دو کامل قدرت کے مالک ہو سکتے ہیں مسلمان کے نزدیک بالبداہت ایک قسم تضاد ہے۔ سینٹ اتھنے نوسیس کا عقیدہ جو اس وقت مسیحی عقیدہ کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "ایک اقنوم باپ دوسرا اقنوم بیٹا تیسرا اقنوم رُوح القدس۔ لیکن خدا باپ اور خدا بیٹا اور روح القدس الوہیت میں متحد پھر اُن کا جلال یکسان اور شوکت ازلی و ابدی" یہ عقیدہ ایک مسلم کی نگاہ میں بے معنیٰ لفز اور مجموعہ تضاد ہے عیسائی مذہب کے حامی و زینت دھندگان علی العموم کہا کرتے ہیں کہ اسلامی الٰہیات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے ماتحت خدا کو باپ کر کے پکارا جائے یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان انسان اور خدا میں وہ رشتہ تسلیم کرتے ہیں۔ جو اُن تعلقات سے بہت ہی ارفع ہے کہ جسے باپ اور بیٹے کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ لفظ باپ ان پدرانہ فرائض کی ادائیگی کیطرف اشارہ کرتا ہے جو باپ کے ذمہ پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن خدا تو انسان کے مقابل کسی ایسی ذمہ داری کے ماتحت نہیں۔ وہ ازلی ابدی بادشاہ ہے۔ اس کی مرضی ہر انسان کی مرضی پر غالب ہر مرد اور عورت کو اسی کی رضا جوئی مدنظر ہونی چاہیئے۔ اسلام ایک ذومعنی لفظ ہے۔ رضاء الٰہی کی اطاعت اور امن و سلامتی کو حاصل کرنا در اصل پہلی بات سے دُوسری بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک مقصد اور دُوسرا ذریعہ حصُول مقصد۔ اسلامی خدا کسی قوم کے فرقہ کا خدا نہیں اور نہ ہی اسلام کسی قوم یا فرقہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کل بنی نوع کا مذہب ہے۔ اسلام میں اللہ کو رب العالمین پکارا گیا ہے۔ لہذا اگر اور بھی مسکونہ ممالک و دنیا ہے تو اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اور انسانی اخوت ان تمام دُنیاؤں کے باشندگان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ اخوۃ اسلام کا ایک مضبُوط اصُول ہے جس نے عملی جامہ بھی پہن رکھا ہے۔

عیسائی مذہب جو انسان اور خدا میں رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے خالق اور مخلوق میں ایک اس قسم کی مفروضہ یگانگت پیدا کرنی چاہی ہے جس سے رُوح کو نفرت ہوتی ہے اور جس میں نہ کوئی آداب کا لحاظ رہتا ہے نہ عبادت۔ جب ایک انسان دعا کرتا ہے اور اُسکے مقابل خدا کے افضال اپنے پر نازل ہوتے دیکھتا ہے تو وُہ قرب الٰہی کو محسُوس کر سکتا ہے

کیا ایسی حالت ایک خوش باشی کی حالت ہے۔ نہیں بہتر یہ کہنا ہوگا۔ کہ ایک انسان جُوں جُوں اُس کے فضلوں کو دیکھے۔ توں توں رُعب الٰہی اُس پر طاری ہو +

الرحمٰن۔ الرحیم۔ ان الفاظ میں وہ شان وشکوہ وجبروت ہے۔ کہ جو کسی اور لفظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اِس کی رحمت کی کوئی حد ہی نہیں۔ تو پھر جب مسلمان خدا کی رحمت اور افضال کو اِس قدر وسیع سمجھے ہوئے ہیں۔ اور جب اُس کے ایمان میں اُس کا جلال وشوکت اس قدر عظیم الشان ہے۔ تو کیا یہ عجب ہے۔ کہ وُہ ایسے خدا کی عبادت وستائش میں سربسجود ہوکر اپنی پیشانی زمین پر رکھدے۔ اِس تمام جہانوں کے بادشاہ کے لیئے مُسلمانوں نے اللہ کا نام تجویز کیا ہے۔ یہ وہ نام ہے جو سوائے اس ایک معبُود کسی پر آج تک استعمال ہی نہیں ہؤا۔ یہ وہ نام ہے کہ جس میں تمام ایسے اسماء حسنہ آجاتے ہیں۔ جو کوئی گن سکتا ہے +

اسلام جیسے کہ بیان ہؤا محض عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک زندگی ہے۔ جس پر چلنا ہوگا۔ قرآن میں ہدایات زندگی ہیں۔ جن میں بعض ایسی ہیں کہ جن کو روزانہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے امُور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انھیں چھوٹی باتیں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب یہ خیال کرلیا جاوے کہ انسان نے خدا کے لیئے ہی زندگی بسر کرنی ہے مُسلمان خدا کے لیئے ہی جیتا ہے۔ خدا ہی اُس کی تمام امیدوں۔ تمام تسلیوں وخوشیوں کا مرکز ہے۔ مُسلم زندگی کا مقصد ہی حبل اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا اور علمِ الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ گہوارہ سے چل کر قبر تک مُسلمان خدا اور صرف خدا کے لیئے جیتا ہے +

خوشخبری! خوش خبری!! خوشخبری

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خطبات غربیہ

زیر طبع

از

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مسلم مشنری۔ ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرّف کرانے اور اُن پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیئے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر سرمن۔ لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ اس کے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اسکے اصولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اُسے اسلام کی افضلیّت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے اُنھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے:۔

سلسلۂ خطبات غربیہ ۱

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جن کے ذریعہ اسلام سے قطعی ناآشنا اہل انگلستان کو اسلام سے معرف کرایا گیا۔ اور انھیں چار خطبات سے جو قریباً یکے بعد دیگرے ہوئے۔ مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کے لیئے بھی مستقل معبد بن گئی۔ اور اُنھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ بتفصیل ذیل:۔ (۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) [illegible] جسم انسانی [illegible] ہے۔ (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے

مفید کتابیں

رہنمائی ریلوے — ہر شخص کو ریل کے سفر میں اس مفید کتاب کو ہمراہ رکھنا چاہئے کرایہ و قواعد ریلوے سب اسمیں درج ہیں قیمت ۱۲ر

گھر کا درزی — جو چیز چاہو کرتہ پاجامہ قمیض کچھ بھی ہو گھر بیٹھے اس کے ذریعہ سی لو یہ کتاب بڑا کام دیتی ہے قیمت ۵ر

پیام عاشق — اس کتاب کے دو حصے ہیں اور نہایت دلچسپ طریقے سے عاشقانہ خط و کتابت درج ہے قیمت حصہ اول ۲ر دوم ۲ر

زندگی کی بہار — از حکیم محمود خان صاحب دہلوی جسمیں کل کیفیت عیش و عشرت مرد و عورت کے تمام مفصل حالات مع علاجات درج ہیں قیمت ۱۲ر

صابن سازی — اس کتاب میں انگریزی دیسی صابن بنانے کے صدہا نسخے درج ہیں بغیر مدد استاد جتنا دل چاہے صابن بنالیجئے قیمت ۵ر

کھیتی باڑی — ہر قسم کے پیداوار کے بافراط ہونے کی ترکیبیں زمینداروں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے قیمت ۸ر

رنگ ریز — جس رنگ کے کپڑے رنگنے ہوں اس کتاب کو سامنے رکھکر رنگ لیجئے قیمت صرف ۲ر

معلم انگلش — انگریزی سکھلانے والی عجیب کتاب ہے استاد کی ضرورت نہیں نہایت ہی مفید کتاب ہے قیمت ۱۲ر

ذخیرۂ دستکاری — اس نایاب کتاب میں ہر چیز کے بنانے کی آسان ترکیبیں درج ہیں ہر شخص بلا مدد استاد جو چیز چاہے بنا سکتا ہے مصنف کا حلفیہ دعوے ہے کہ اگر کوئی ترکیب معمولی یا جھوٹی بتائے تو اسکو مبلغ سو روپیہ انعام دیا جائیگا قیمت صرف ۸ر

قیافہ — علم قیافہ جس سے ہر شخص ہاتھ دیکھکر تمام حال بتا سکتا ہے اسکی تمام ترکیبیں اس مفید کتاب میں لکھی گئی ہیں شائقین ضرور ملاحظہ فرماویں قیمت صرف ۳ر

مجربات الم — اس کتاب میں تمام بیماریوں کا علاج نہایت مختصر و دلچسپ مطلب اردو عبارت میں تحریر کیا گیا ہے واقعی اگر اسکو علم طب کی پاکٹ بک کہیں تو بجا ہے۔ خوبی یہ کہ جو نسخہ ہے وہ آزمودہ اور مجرب ہے قیمت صرف ۵ر

وعظ سکھانیوالی — اس کتاب کے ذریعہ ہر شخص پورا واعظ بن سکتا ہے بہت ہی مفید اور قابل دید کتاب ہے قیمت صرف ۱۲ر

ناظم مکتبہ عالیہ دار السلطنت دہلی

دوائیوں کے تیل

مذکورۂ ذیل دوائیوں کے تیل۔ دوائیوں کے تیل کے دو تین بُوند پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔ اور آسانی سے پی سکتے ہیں۔

(۱) روغن صندل — سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے۔ قیمت فی شیشی ... (۶؍) محصول ایک سے چار شیشی پانچ آنہ ... (۵؍)

(۲) روغن اجوائن — قے اور بدہضمی کے ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۲؍ محصول چار تک (۵؍)

(۳) روغن سونٹھ — یہ بھوک کو بڑھاتا ہے اور ریاح کو خارج کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی ... محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنے ... (۵؍)

(۴) روغن سونف — پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لیئے مفید ثابت ہوا ہے قیمت فی شیشی (۴؍) محصول ایک سے چار شیشی تک ... (۵؍)

(۵) روغن دارچینی — یہ دارچینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے قیمت فی شیشی (۱۲؍) محصول ایک سے چار تک ... (۵؍)

(۶) روغن لونگ — متلی اور ریاح کو دفع کرتی ہے اور دردِ شکم و بدہضمی کو مفید ہے قیمت فی شیشی (۱؍) محصول (۵؍)

(۷) روغن لیموں — ہر گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیموں کا خوشبو دیتا ہے۔ " " (۸؍) " (۵؍)

(۸) روغن پیپرمنٹ — پیٹ کے درد و بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت مشہور دوا ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۰؍ محصول ... (۵؍)

(۹) روغن الائچی — متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت فی شیشی (۶؍) محصول ایک سے چار شیشی تک ... (۵؍)

پتہ

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

سلسلہ خطبات غربیہ ۲

اسمیں ذیل کے چار خطبہ درج ہیں

(۱) توحید الٰہی (بمقام وائیٹ سٹی شیفرڈ بُش) (۲) اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ دُعا (بمقام ووکنگ) اسمیں سورہ فاتحہ کی ایک لطیف تفسیر ہے۔ (۳) دُعا اور استجابت دعا (بمقام لنڈسی ہال لنڈن) (۴) تصوف (بمقام فوکسٹن)*

سلسلہ خطبات غربیہ ۳

خطبات عیدین

(۱) عمل میں آزادی (بمقام کنگسٹن ہال لنڈن) (۲) قربانی اور اُس کی حقیقت (بمقام مسجد ووکنگ) (۳) سنت ابراہیم (بمقام مسجد ووکنگ) نوٹ:۔ اسمیں تیسرا خطبہ حضرت مولوی صدر الدین صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے*

سلسلہ خطبات غربیہ ۴

موجودہ جنگ

(۱) موجودہ جنگ اور شارع اسلام (بمقام ووکنگ)* (۲) موجودہ جنگ اور عیسائیت (بمقام لنڈن) (۳) موجودہ جنگ اور تہذیب (بمقام ووکنگ)*

یہ تین خطبات جنگ کے چھڑنے کے دُوسرے ہفتہ کے بعد دیگر دیئے گئے اور بہ اسلامک ریویو کے ذریعہ عام طور پر مغربی دنیا میں پھیلائے گئے۔ انکے مضامین نے وہاں کے پبلک پریس میں ایک خاص انتشار پیدا کرکے امریکہ اور انگلستان کے بعض اہل قلم سے اسلام کی حمایت میں زبردست مضامین لکھوائے*

سلسلہ خطبات غربیہ ۵

دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۱) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصول اور اُنکا مقابلہ۔ کیمبرج کا دو مشہور و معروف لیکچر جو ایک ملحدین کی کلب کی فرمائش پر طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کو دیا گیا۔ (۲) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (۱) (۳) دہریوں کے لیئے ایک دلچسپ مطالعہ (۲)

دوسرا تیسرا لکچر مسجد ووکنگ میں اتوار کے خطبات میں بعض خواتین کی فرمائش پر دیا گیا*

سلسلہ خطبات غربیہ ۶

اسلام اور دیگر مذاہب

(۱) خصوصیات اسلام (بمقام پیرس) + (۲) اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب (بمقام اڈنبرا)
(۳) عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت (بمقام لنڈن) +

پہلا خطبہ۔ وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو جولائی ۱۹۱۳ء میں بمقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں کی گئی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کو سُن کر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی۔

سلسلہ خطبات غربیہ ۷

حقوق نسوان

(۱) عورت نے یہودیت سے چل کر اسلام تک کیا کیا انقلاب دیکھے +

یہ وہ معرکہ کا لکچر ہے جو اعلےٰ طبقہ کی خواتین کی فرمایش پر لائسیم کلب پکیڈلی لنڈن میں ۲۰ مئی ۱۹۱۳ء کو دیا گیا۔ اس لکچر سے انگلستان میں فرقہ اناث کو اسلام کی طرف خاص توجہ ہوئی +

(۲) ایک خطبہ نکاح جو مسجد ووکنگ میں ہوا۔ یہ خطبہ پڑھا گیا + منیجر رسالہ

نوٹ۔ امید واثق ہے کہ خطبات غربیہ کا سلسلہ جو آجکل زیر طبع ہے عنقریب شائع ہو جاوے گا جن کی قیمت غالباً فی خطبہ چار یا پانچ آنے ہوگی۔ یہ در نایاب قابل مطالعہ ہیں احباب درخواست خریداری ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔

ہم اپنے ناظرین کرام کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ہمنے اشاعت اسلام بک ڈپو کو وسیع پیمانہ پر کھولدیا ہے۔ ہم ہر ایک قسم کی اسلامی کتاب اپنے قارئین کرام کو بہم پہنچائیں گے اس کام کا اجرا ان شیدائے اسلام کا بار بار تقاضہ ہے جو ہم سے ہندوستان کے دور دراز گوشہ میں مقیم ہیں جہانتک اسلامی کتب کا میسر آنا امر محال ہے +

والسلام

تمام درخواستیں بنام منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل۔ نولکھا لاہور

رجسٹرڈ ایل (بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۶ء) نمبر ۹۰۸

اردو ترجمہ اسلامک ریویو لنڈن

معروف بہ

اشاعت اسلام

جلد [illegible] — نمبر ۹

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین — مسلم مشنری — مولوی صدر الدین

اس سے بڑھکر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمدنی سے اب تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی دو ہزار اشاعت خریدار ووکنگ مشن کے ایک ثلث خرچ کی ذمہ وار ہوسکتی ہے

قیمت سالانہ — تین روپیہ

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ اگست ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات	۳۸۵	(۲) نئے عہد نامے کا زمانہ	۳۹۰
(۳) سیرت نبوی	۳۹۸	(۴) شاعر و مذہب	۴۰۴
(۵) عربی علمی سوسائٹی	۴۰۵	(۶) اسمائے قرآن	[illegible]
(۷) انگلستان میں نماز عید الفطر	۴۱۱	(۸) [illegible] امن	۴۱۶

مسلم کانفرنس ... ۱۹۱۶ء ۴۲۳

[illegible] پرنٹر ... مطبوعہ ... لاہور باہتمام ... شائع ہوا

خطبات غربیہ

قیمت فی خطبہ صرف ۵؍ از علاوہ محصولڈاک

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی مسلم مشنری اڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لنڈن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لنڈن میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لئے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹ لینڈ کے مختلف مقامات پر سرمن لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دئے۔ اس کے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اُس کے اصولوں سے واقف ہوجاتا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی افضلیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی باربار فرمائش پر اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انہیں سات جلدوں میں حسب ذیل نام پر ترتیب دیا ہے۔

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۱۔ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

(۲) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۲۔ موسوم بہ توحید الٰہی۔ تفسیر سورہ فاتحہ۔ تصوف۔ دعا اور استجابت دعا

(۳) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۳۔ موسوم بہ خطبات عیدین

(۴) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۴۔ موسوم بہ موجودہ جنگ

(۵) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۵۔ موسوم بہ دہریوں اور ملحدین کو خطاب

(۶) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۶۔ موسوم بہ اسلام اور دیگر مذاہب

(۷) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر۷۔ موسوم بہ حقوق نسواں

احباب درخواست خریداری ارسال کرنے میں عجلت فرمائیں

المشتہر

خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل۔ نولکھا لاہور

اشاعت اسلام

ترجمان اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

جلد (۲) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۶ عیسوی نمبر (۹)

شذرات

تشریح تصاویر - اس نمبر کے ساتھ دو نہایت ہی دلچسپ تصاویر شایع کی جاتی ہیں۔ جن میں عیدالفطر کے موقعہ پر ووکنگ کی جمعیت اسلامیہ کے مصروف عبادت ہونے کا فوٹو کھینچا گیا ہے - پہلی تصویر میں دائیں جانب حضرت مولوی صدرالدین صاحب خطبہ پڑھ رہے ہیں - اور ان کے سامنے نومسلم اور دیگر برادران اسلام تشریف فرما ہیں پیچھے کرسیوں پر ناظرین بیٹھے ہوئے آپ کا خطبہ سن رہے ہیں۔ دوسری تصویر میں جو کسی دوسری جگہ چھپا ہے۔ اس موقعہ کا فوٹو لیا گیا ہے جب یہ تمام جماعت نماز میں رکوع کی حالت میں تھی - امید کہ یہ ہر دو تصاویر ناظرین کرام کی دلچسپی کا باعث ہونگی*

الحمدللہ کہ اس ماہ کے رسالہ اردو کے ساتھ ہم بطور نمونہ چار صفحات انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن کریم کے شایع کرنے کے قابل ہوئے ہیں - یہ چار صفحات اسلامک ریویو کے اگست کے پرچہ کے ساتھ شایع ہوئے ہیں - کاغذ جس پر یہ نمونہ شایع ہوتا ہے - اس کاغذ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا

جس پر قرآن کریم چھپے گا - اس لئے چھپائی کی پوری خوبصورتی اسی کاغذ پر نمایاں ہوگی - اور یہ کتاب حسن ظاہری و باطنی کو لئے ہوئے انشاء اللہ تین ماہ کے اندر اندر ہندوستان میں پہنچ جائیگی - جنگ کی وجہ سے ہر قسم کے اخراجات دوچند سے بھی زیادہ ہوگئے ہیں - او راسی وجہ سے ارزاں ایڈیشن بھی نہیں نکلوائی جاسکتی - صرف ایک ہی ایڈیشن اعلیٰ درجہ کے انڈیا پیپر پر نہایت خوبصورت جلد کو لئے ہوئے شایع ہوگی - جسکی قیمت غالباً اخراجات طبع و اشاعت کو مدنظر رکھ کر پندرہ روپے کے قریب ہوگی - اس قیمت کے تجویز کرنے میں منافع کا کسی قسم کا خیال نہیں رکھا گیا ॰

عید الفطر انگلستان میں یکم اگست کو ہوئی - اور نماز ووکنگ مسجد میں ادا کی گئی - دنیا کے مختلف حصص سے لوگ اس مبارک تقریب پر شامل ہوئے - انگلستان - سکاٹلینڈ - آئرلینڈ کے علاوہ فرانس بلجیم - روم - ایران - روس - سوڈان - مصر - ہندوستان - جنوبی اور وسطی افریقہ کے رہنے والے مسلمان موجود تھے برٹش مسلم ایسوسی ایشن کے بہت سے ممبر مع اپنے پریزیڈنٹ لارڈ ہیڈلے کے موجود تھے اور مختلف ممالک - مختلف قوموں - مختلف رنگوں - مختلف جنسوں اور عمر کے اشخاص کے اس مجمع سے اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کا ثبوت مل رہا تھا - بلاتفریق رنگ و قومیت سب بھائی ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے - مفصل حالات دوسری جگہ درج ہیں ॰

ماہ جولائی ۱۶ء میں انگریز نومسلمین کی تعداد میں سات کا اضافہ ہوا - جن میں سے چھ کس نے ایک ہی جلسہ میں اظہار اسلام کیا - جس کے متعلق مولنا مولوی صدرالدین صاحب کا خط گذشتہ اشاعت میں شایع ہوچکا ہے - اس لئے یہاں مزید توضیح کی ضرورت نہیں ॰

چھ شخصوں کا ایک ہی جلسہ میں اسلام قبول کرنا یہ بھی ایک نیا اور مبارک واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی قبولیت اس تھوڑے ہی عرصہ میں اور باوجودیکہ ابھی ہماری طرف سے کوشش بھی نہایت کمزور ہے کس قدر دلوں کے اندر پیدا ہوچکی ہے - یہ ایک خوش خبری ہے - کہ وہ وقت دور نہیں جب ہماری طرف سے اگر کافی کوشش ہو - تو یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا نظارہ پھر ہم اپنی

آنکھوں سے دیکھیں۔ اور ہمیں کیوں اس سے مایوس ہونا چاہئے۔ جب ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ عرب جیسے ملک میں جہاں جہالت اور تاریکی اور بت پرستی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور جہاں مخالفت اسلام پر ہی نہیں بلکہ اسکے مٹا دینے پر سارا ملک متفق ہوچکا تھا۔ آخر وہ نظارہ بھی دکھایا گیا۔ کہ قوموں کی قومیں اور گروہوں کے گروہ اسلام کے اندر داخل ہوئے۔ تو اب جبکہ بہت سے روشن خیال لوگ خود بخود کئی اسلامی اصول کو قبول کر چکے ہیں۔ اور ہر ملک میں بیٹھ کر ہم تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اور کوئی طاقت بجبر تبلیغ اسلام روکنے والی نہیں۔ کیوں ہم امید نہ رکھیں۔ کہ وہ وقت بھی آئیگا۔ جب ایسی رپورٹوں میں دو دو چار چار کا اضافہ دکھانے کی بجائے ہم سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد بتا سکیں +

یہ آواز جو آئے دن ہم کسی نو مسلم کے منہ سے سنتے ہیں "افسوس کہ ہمیں اسلام کے متعلق بہت غلط خبریں دی گئی تھیں۔ اب جو کچھ اسلام کے متعلق سنا یا پڑھا تو وہ عین وہی ہے۔ جو میری فطرت کا تقاضا ہے۔ اور جو نقشہ کسی عمدہ سے عمدہ مذہب کے متعلق میرے تصور میں آتا تھا۔ وہ میں نے اس فطری مذہب میں دیکھا" یہ بجائے خود مسلمانوں کے لئے ایک بڑی خوشخبری ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں عقاید باطلہ سے بیزاری کا وقت آپہنچا ہے۔ اور خود بخود طبائع میں صداقت کی تلاش ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اسلام کو تو دل اندر ہی اندر قبول کر چکے ہیں۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ مذہب جسکی موٹی تصویر انہوں نے اپنے دلوں میں کھینچی ہے۔ وہ اکمل اور احسن طور پر قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ آج کیسی ان پاک الفاظ کی صداقت ہمیں نظر آتی ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔ کیونکہ خود انسانی فطرت صدیوں کی غلطیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اسلام کی شیدا ہو چکی ہے۔ کاش مسلمان اٹھیں اور دیکھیں۔ کہ محض الٰہی فضلوں نے کس قدر میدان اُن کے سامنے صاف کر دیا ہے۔ کس قدر خار و ارجھاڑیاں دور ہو چکی ہیں۔ اور زمین تیار پڑی ہے۔ اب بھی اگر ہم اس باغ کے لگانے میں تساہل سے کام لیں۔ اسکی طرف سے غافل ہو کر اپنے دنیوی تفکرات میں ہی اپنی زندگیوں کو کھو دیں۔ تو پھر ایسا نہ ہو کہ یہ قوم اس کام کے ہی ناقابل سمجھی جائے +

اُسی رپورٹ سے جو پچھلی اشاعت میں شایع ہو چکی ہے یہ بھی ظاہر ہوگا۔ کہ ووکنگ میں اگویا

تین خاندان سالم کے سالم مسلمان ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ووکنگ کے اسلامی مشن کی تبلیغ کا دائرہ ووکنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ خود انگلستان تک بھی محدود نہیں۔ اور آئے دن دور دور کے ملکوں سے اسلام کی قبولیت کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ مگر چونکہ ووکنگ کے لوگوں کو زیادہ موقعہ ہے۔ کہ وہ ہفتہ وار لیکچر کو سن سکتے۔ پھر خود سوال کر کے اُن کے تسلی بخش جواب فوراً پا سکتے ہیں۔ اس لئے زیادہ اثر ضرور تھا کہ یہاں نظر آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس قدر تبلیغ اسلام کا میدان وسیع ہے۔ اگر یورپ کے ہر ایک بڑے شہر میں ایک شاخ ہو۔ تو کس قدر مفید کام دنوں میں ہو سکتا ہے۔ اور کس قدر جلدی ہم اصل مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں +

"نئے عہد نامہ کا زمانہ" کے عنوان سے جو مضمون یحییٰ النصر پارکنسن کے قلم سے اس رسالہ میں شائع ہو رہا ہے۔ وہ ایک نہایت قیمتی مضمون ہے۔ اس کے اندر جو بعض خطوط کا ذکر آتا ہے۔ اس ذکر سے غرض یہ ہے۔ کہ بعض پرانی تصانیف میں جو خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اناجیل کے حوالے موجود ہیں۔ اور اس لئے اناجیل مروجہ یعنی متی مرقس وغیرہ کی اناجیل حواریوں کے زمانہ کی ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ پارکنسن صاحب نے نہایت قابلیت سے اس غلطی کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے۔ کہ یا تو وہ خطوط جعلی ہیں اور عیسائیت کے ابتدائی زمانہ میں کثرت کے ساتھ ایسی جعلی تحریریں پائی گئیں۔ جو کسی پہلے زمانہ کے بزرگ کے نام پر بنا لی گئیں۔ اور یہ درحقیقت عیسائی مذہب پر ایک دھبہ ہے۔ اور یا ان تحریروں میں جو حوالجات ہیں۔ وہ موجودہ اناجیل کی طرف نہیں +

اس مضمون کے اسی نمبر میں ایک اور بات قابل تذکرہ ہے اور وہ یہ کہ قدیم تحریروں سے ثابت ہے۔ کہ متی نے مسیح کے اقوال کو عبرانی زبان میں اکٹھا کیا تھا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ وہ مجموعہ موجودہ متی کی انجیل نہیں۔ کیونکہ یہ انجیل اقوال مسیح کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ مسیح کی ساری تاریخ ہے۔ پھر علاوہ ازیں اس کا اصل یونانی میں موجود ہے۔ مگر اس حوالہ سے ایک اور بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اور وہ یہ کہ مسیح کے اصل اقوال عبرانی زبان میں تھے۔ ورنہ متی کا اقوال مسیح کو عبرانی میں جمع کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس ساری تحقیقات سے یہ ظاہر ہے۔ کہ مسیح کی انجیل جو کوئی ہوگی۔ جو درحقیقت حضرت مسیح کی تعلیم کا مجموعہ ہونا چاہئے۔ وہ عبرانی زبان میں ہوگی۔ اور اس میں سے صرف بعض حصے بہت تھوڑے

اور وہ بھی ترجمہ کی صورت میں تبدیل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں۔ ہاں ایک فقرہ اب تک اناجیل میں اپنی اصلی صورت میں موجود ہے۔ ایلی ایلی لما سبقتانی +

پروفیسر مارگولیتھ نے حال میں ہی ایک تجویز ایک عربی علمی سوسائٹی کے قایم کرنے کی غرض سے شایع کی ہے جس کا نام "عربک لٹریری ایسوسی ایشن" تجویز کیا ہے۔ جو دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہے یہ ہم جانتے ہیں کہ یوروپین فضلاء کی بعض ایسی تجاویز میں کچھ اغراض مخفی بھی ہوتی ہیں لیکن بہرحال یہ اسلام کی ایک خدمت ہے۔ اس کی غرض عربی کتب اور انکے تراجم کا بالخصوص انگریزی زبان میں شایع کرنا ہے۔ چونکہ یہ لوگ کام کرنا جانتے ہیں۔ اور قومی اغراض کے سامنے اپنے مالوں کو اور اوقات کو قربان کرنے کے عادی ہیں۔ اس لئے غالب امید ہے۔ کہ پروفیسر صاحب کی تجویز جلد عملی جامہ پہن لیگی

لیکن یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ وہ تجاویز جن کے حامل مسلمانوں کو ہونا چاہئے تھا۔ مسلمان اب تک اُن سے بے خبر ہیں۔ یہودیوں کو دنیا میں ایک مغضوب قوم سمجھا گیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس قوم کی کوئی سلطنت ہی دنیا میں نہیں۔ اسکی عزت باقی کیا رہ سکتی ہے لیکن اب بھی قومی کاموں میں موجودہ مسلمانوں سے وہ آگے نظر آتے ہیں۔ چند سال ہوئے ایک یہودی انسائکلوپیڈیا لکھا گیا۔ تو یہ کام کل کا کل قریباً یہودیوں کے ہاتھوں سے ہوا۔ اور انہی کا سرمایہ خرچ ہوا۔ لیکن ایک اسلامی انسائکلوپیڈیا بھی اب یورپ میں تیار ہو رہا ہے۔ جس کے نامہ نگاروں میں کسی مسلمان کا نام تک نہیں بلکہ شاید اکثر مسلمان تو اس سے بے خبر ہی ہونگے۔ پھر مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کے ترجمے یا خود مذہبی کتابیں دوسری زبانوں میں اگر شایع ہوئیں۔ تو ان کے شایع کرنے والے بھی اکثر دوسرے لوگ ہی ہیں مسلمان ان امور کو اپنے فرایض میں داخل نہیں سمجھتے مسلمان سلطنتیں اور امراء موجود ہیں قابل قدر مسلمان کام کرنے والے موجود ہیں۔ مگر نہ اول الذکر کو ان امور کے لئے روپیہ خرچ کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ نہ مؤخر الذکر کو اپنے اوقات گرامی کو ان کاموں میں صرف کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ انگریزی کو چھوڑو۔ اردو زبان میں عربی کے تراجم کو چھپانے کا اب تک کوئی انتظام نہیں ہوا۔ حالانکہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی یہ زبان ہے +

نئے عہدنامے کا زمانہ

۳

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

اب ہم ایک دوسرے خط کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کا اگنیشس کے خطوط سے گہرا تعلق ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ اگر ان میں سے ایک کو پایۂ اعتبار سے ساقط ثابت کر دیا جائے۔ تو دوسرا خود ہی گر جاتا ہے۔ اگر اگنیشس کے خطوط جعلی ہیں۔ تو ایسا ہی وہ خط بھی ہے جس کا ہم اب ذکر کرتے ہیں۔ یعنی

پالیکارپ کا خط فلپیوں کے نام

اس خط کا ذکر پہلے پہل آئرینیس نے کیا ہے۔ اور اس لئے دوسری صدی کے پچھلے نصف حصہ میں یہ موجود ہوگا۔ گو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ وہ خط جو اب ہمارے سامنے ہیں۔ کل کا کل یا اس کا کوئی جزو وہی ہے۔ خود پالیکارپ کا ہم کو بہت تھوڑا حال معلوم ہے۔ اسکی حالت دوسرے ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کی طرح ہے۔ یعنی تاریخ کی روشنی میں وہ کچھ بھی نہیں رہتا۔ یہ خیال کیا گیا ہے۔ کہ وہ سمرنا کی کلیسیا کا بشپ تھا۔ اور کہ قریب ۱۶۶ء وہ شہید ہوگیا۔ ایک خط بھی مروج ہے جس میں اُسکی شہادت کا تذکرہ ہے۔ اور اس کا ذکر یوسی بی ایس نے کیا ہے۔ جس حالت میں ہم کو یہ خط پہنچا ہے۔ اس میں عجیب غریب اعجازی واقعات بھرے ہوئے ہیں۔ جن میں سے اکثر کا ذکر یوسی بی ایس نہیں کرتا۔ اور غالباً یہ بعد میں ایزاد کئے گئے ہیں۔ بہت سے فاضلوں نے اس خط کے مستند ہونے پر شبہ کیا ہے۔ لیکن عام رائے میں وہ قابل اعتبار ہے۔ گو اس میں الحاقات تسلیم کئے گئے ہیں۔ اس تاریخ کا فیصلہ کرنا مشکل ہے جب اس کا سب سے پُرانا حصہ لکھا گیا ہو۔ لیکن اندرونی شہادت کی بنا پر یہ عموماً تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ دوسری صدی کے نصف سے پہلے کا نہیں ہو سکتا۔ بعض الفاظ کی بنا پر جیسے شیطان کا پہلوٹا جو اس میں استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض محققین کا یہ خیال ہے۔ کہ یہ خط جعلی ہے۔ چونکہ اندرونی شہادت کے دیگر حصص سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ میری رائے میں خط کا اکثر حصہ تو ضرور قابل

تسلیم نہیں اور درحقیقت سارا ہی مشتبہ ہے۔ اور اگر اس کو اصلی مانا جائے۔ تو جو کچھ اس کے اندر اگنیشس کے متعلق لکھا ہے وہ ۱۱۵ء کے قریب کا لکھا ہوا ہونا چاہئے لیکن چونکہ خط کے دوسرے حصے اس نتیجہ کو غلط ٹھیراتے ہیں۔ اس لئے سارے خط کا جعلی ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ یہ مدت سے تسلیم شدہ ہے۔ کہ تیرھواں باب الحاقی ہے۔ اس خط کے بہت سے فقرات کے متعلق یہ دعوے کیا گیا ہے۔ کہ ان سے خط لکھنے والے کا اناجیل سے واقف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس دعویٰ میں وہی معمولی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ کوئی فقرہ ایسا نہیں جو ہماری اناجیل کے کسی فقرہ کے پہلو بہ پہلو رکھا جا سکے۔ ہاں بعض خیالات میں ضرور تشابہ ہے۔ چنانچہ سب سے اہم فقرہ جو دوسرے باب میں ہے۔ وہ میں نیچے دیتا ہوں :-

"اس بات کو یاد رکھتے ہوئے جو خداوند نے کہی یہ تعلیم دیتے ہوئے کہ معاف کرو تاکہ تمہیں معاف کیا جائے۔ رحم کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے جس پیمانہ سے تم ناپو گے اسی پیمانہ سے تم کو ناپ کر دیا جائیگا۔ اور جو غریب ہیں۔ اور جن کو راستبازی کی خاطر ایذا دی جاتی ہے۔ انہی کے خدا کی بادشاہت ہے"۔

اب اس قسم کا کوئی ایک فقرہ موجودہ اناجیل میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کو بنانے کے لئے ہمیں مختلف مقامات سے فقرات اکٹھے کرنے ہونگے۔ یعنی لوقا ۶:۱۱:۱۲ و ۶: ۱۴ اور ۷: ۷ و ۲: ۵ و ۳: ۵ و ۵: ۱۰ - اور ان سب مقامات سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے کر پھر بھی حوالہ مندرجہ بالا میں اور اس میں بہت سا فرق رہ جاتا ہے۔ اور یہ فرق اصل یونانی عبارت کے ملاحظہ سے اور بھی زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ترجمہ میں آکر یہ فرق پڑ جاتا ہے۔ اگر ہم کلیمنٹ آف روم کے خط کو دیکھیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ تو اسی قسم کا فقرہ ہم وہاں پاتے ہیں جس میں وہ خاص فقرہ بھی نظر آتا ہے۔ رحم کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جس سے ہماری اناجیل بالکل ناآشنا ہیں۔ اب کوئی محقق اس بات کو نہیں مانتا۔ کہ کلیمنٹ نے متی یا لوقا سے یہ فقرہ نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں حوالہ مندرجہ بالا ایک مسلسل فقرہ ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ فقروں کا مجموعہ نہیں۔ خط کا لکھنے والا ہماری اناجیل کا کہیں حوالہ نہیں دیتا۔ نہ وہ اس کے فرضی مصنفوں میں سے کسی کا نام لیتا ہے۔ یہ صرف گمنام فقرے ہیں۔ جو یسوع کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اور اس میں کچھ شبہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس قسم کے بہت سے فقرات مختلف عیسائی جماعتوں کا مشترکہ

مال تھے اور ممکن ہے۔ اس وقت وہ صرف زبانوں پر ہی مشہور ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کہیں تحریر میں بھی موجود ہوں۔ مگر غالباً زبانوں پر ہی مشہور تھے۔ اب یہ خط خواہ اسے پالیکارپ نے لکھا ہو یا کسی دوسرے شخص یا دوسرے اشخاص نے ہماری اناجیل کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ نہ ان لوگوں کے متعلق جن کی طرف ان کا لکھنا منسوب کیا گیا ہے۔ نہ ہی تاریخی نگاہ سے ان کے قابل اعتبار ہونے کی کوئی شہادت پیش کرتا ہے۔ بلکہ درحقیقت شہادت اس کے خلاف نتائج پر ہمیں پہنچاتی ہے۔ گویہ کہا جائیگا کہ یہ شہادت صرف مخفی رنگ کی ہے۔ یعنی بعض واقعات کو ذکر نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہماری اناجیل دوسری صدی کے پہلے نصف حصہ میں موجود تھیں جنکی کوئی تحریری شہادت ہم کو نہیں ملتی۔ توکم ازکم اتنا تو ثابت ہوتا کہ ابتدائی بزرگوں کے نزدیک ان اناجیل کو کوئی خاص وقعت حاصل نہ تھی۔ اور نہ ہی ان کو وہ الہامی سمجھ کر خاص عزت دیتے تھے۔

اب ہم اس کے بعد پیپئس اور جسٹن مارٹر کی شہادت پر غور کرتے ہیں۔ اور پہلے پیپئس کو لیتے ہیں۔

عیسائیت کے دوسرے قدیم بزرگوں کی طرح پیپئس کے حالات کی ہم کو بہت کم اطلاع ملتی ہے زبانی روایات بتاتی ہیں۔ کہ دوسری صدی کے پہلے نصف حصہ میں وہ ہائرو پولس کا بشپ تھا۔ اور ۱۶۴ء سے ۱۶۷ء کے درمیان مارکس ایریلیس کی حکومت میں وہ شہید ہوا۔ بعض اس کے مقام شہادت کو رومہ قرار دیتے ہیں بعض پرگیمس۔ یوسی بی ایس کہتا ہے۔ کہ اس نے ایک تصنیف پانچ کتابوں پر مشتمل کی جس کا نام "خداوند کی پیشگوئیوں کی تفسیر" رکھا۔ بدقسمتی سے یہ تصنیف گم ہو گئی۔ مگر اس کے بڑے اہم اقتباسات دوسرے مصنفوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو اس کے پیچھے آئے۔ اس کتاب کی تمہید میں سے یوسی بی ایس حسب ذیل عبارت نقل کرتا ہے:-

"لیکن میں اس میں کوئی ہرج نہیں دیکھتا۔ کہ اپنی تفسیر کے ساتھ ان ہدایات کو بھی درج کردوں۔ جو وقتاً فوقتاً بڑی احتیاط کے ساتھ میں نے بزرگوں سے حاصل کیں اور جن کو بڑی احتیاط سے اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا۔ اور ساتھ ہی تم کو ان کی صداقت کا بھی یقین دلاتا ہوں۔ کیونکہ سواد اعظم کی طرح میں ان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا تھا۔ جو بہت باتیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے جو سچی باتوں کی تعلیم دیتے تھے۔

نہ اُن سے خوش ہوتا تھا جو عجیب و غریب احکام سناتے تھے۔ بلکہ ان سے جو اُن احکام کو بیان کرتے جو خداوند نے ایمان کے لئے دئے تھے۔ اور جن کا منبع صداقت تھا۔ اس لئے اگر کوئی شخص جو بزرگوں کے ساتھ رہا ہوا آتا تو میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس سے ان کے اقوال کو دریافت کرتا۔ اینڈریو یا پطرس نے کیا کہا یا فلپ یا تھوما یا جیمس یا یوحنا یا متی کیا کہتا تھا۔ یا خداوند کے کسی دوسرے شاگرد نے کیا باتیں کہیں جو آرسٹیشن اور یوحنا پرسبٹیر خداوند کا شاگرد کہتے ہیں۔ کیونکہ میں خیال کرتا تھا۔ کہ جو کچھ کتابوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ میرے لئے ایسا مفید نہیں جیسا جو ایک زندہ اور موجود آواز سے حاصل ہو"۔

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پیپئس تحریروں پر زبانی روایات کو زیادہ ترجیح دیتا تھا۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ تحریریں موجود تو تھیں۔ مگر پیپئس ان پر اعتبار نہ کرتا تھا۔ نہ ہی کسی مصدقہ مجموعہ نئے عہدنامہ کا اُس کو علم تھا۔ یوسی بی ایس ذکر کرتا ہے۔ کہ پیپئس عجیب عجیب تمثیلیں اور تعلیمات اور اور بہت سی باتیں ہمارے نجات دہندہ کے متعلق بیان کرتا ہے۔ جو سراپا افسانہ کی طرز کی ہیں۔ ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ ہماری اناجیل سے وہ کوئی فقرہ نقل نہیں کرتا۔ پیپئس کے اسی قدر حالات پر ہم بس کرتے اگر بعض بیانات سے جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ دوسرے ضروری سوال پیدا نہ ہوتے۔ ایرینئس کہتا ہے کہ اس نے یوحنا حواری سے باتیں سنیں۔ اور وہ پالیکارپ کا ایک رفیق تھا۔ اس خیال کی بنیاد تمہید کا وہ فقرہ معلوم ہوتا ہے۔ جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ اس فقرہ کے ایسے معنے درست نہیں ہو سکتے۔ وہ صاف طور پر کہتا ہے۔ کہ میں ان لوگوں سے باتیں دریافت کرتا رہتا تھا۔ جو بزرگوں کے ساتھ رہے ہوں۔ اگر وہ یوحنا کے پاس رہا ہوتا۔ تو اس کو ایسے اشخاص سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو غالباً دو نسل پیچھے آنے والے تھے۔ یوسی بی ایس ایرینئس کی تردید کرتا ہے۔ اور منقولہ بالا فقرہ کو ہی بطور سند پیش کرتا ہے۔ پادری ای۔ اے ایبٹ اور پروفیسر شمیدل انسائکلوپیڈیا ببلیکا میں عنوان اناجیل کے ماتحت ان تمام دلائل پر مفصل بحث کی ہے۔ اور جس نتیجہ پر وہ پہنچے ہیں۔ وہ مختصر الفاظ میں یہ ہے۔ کہ پیپئس نے یوحنا حواری کی باتوں کو نہیں سنا۔ نہ وہ پالیکارپ کا رفیق تھا۔ نہ اس نے مسیح کے کسی شاگرد کی باتوں کو سنا۔

یوسی بی ایس اس کی تصنیف سے ذیل کا اقتباس یوحنا پرسبیٹر کی روایت سے دیتا ہے۔

"مرقس نے پطرس کا مترجم ہو کر جو کچھ یاد تھا صحت کے ساتھ لکھا۔ مگر اس نے مسیح کے

لکھ دے۔ اور جب اُس نے یہ انجیل بنالی۔ تو اُس نے لُت ان لوگوں کو دے دیا۔ جنہوں نے اُس سے درخواست کی تھی۔ یہ جب پطرس کو معلوم ہوا۔ تو اُس نے نہ تو اُسے قطعی طور پر روکا اور نہ ہی اُسکی تحریص دی"۔

طروٹلیین اسی روایت کو دُہرا کر اس قدر اور اضافہ کرتا ہے۔

"اور جو انجیل مرقس نے شائع کی۔ اُسے پطرس کی انجیل کہہ سکتے ہیں جس کے خیالات کا مرقس مترجم تھا۔ کیونکہ یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ تصنیفات جو شاگرد شائع کریں۔ وہ اُن کے اُستادوں ہی کی ہوتی ہیں"۔

اریگن کہتا ہے۔

"دوسری انجیل مرقس کے مطابق ہے۔ جو پطرس کی ہدایت کے مطابق لکھی گئی ہے"۔

یوسی بی ایس لکھتا ہے۔

"نیکی سے بھرپور ہو جانے کی وجہ سے ان رومیوں کے دل جنہوں نے پطرس کی باتوں کو سُنا تھا اس قدر منوّر ہو گئے تھے۔ کہ اُن کو ایک دفعہ سُن لینا کافی معلوم نہ ہوا۔ اور نہ اس بات پر صبر آیا۔ کہ وہ الٰہی تعلیم بغیر لکھے ہوئے ہونیکے رضامند ہو جائیں۔ بلکہ بار بار درخواستوں کے ذریعے انہوں نے مرقس سے التجا کی جسکی طرف بوجہ پطرس کا رفیق ہونے کے انجیل منسوب کی جاتی ہے کہ وہ تعلیم جو اس طرح پر ان کو زبانی دی گئی تھی۔ وہ اسے تحریر میں لے آتے۔ اور وہ اسی طرح التجا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُس شخص کو ترغیب دینے میں وہ کامیاب ہو گئے اور اس طرح پر اس انجیل کے لکھے جانے کے وہ موجب ہوئے۔ جو مرقس کے مطابق کہلاتی ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ پطرس حواری کو جب اس بات کی اطلاع روح کے الہام کے ذریعہ ملی کہ کیا ہو گیا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کے جوش کی وجہ سے بہت خوش ہوا۔ اور اسی تصنیف کی اُس نے تصدیق کی۔ تاکہ یہ گرجاؤں میں پڑھی جاوے۔ یہ بیان کلیمنٹ نے اپنی انسٹیٹیوشنز کی چھٹی کتاب میں دیا ہے جسکی شہادت کی تائید پیپئس بشپ آف ہائیر یپولس کرتا ہے"۔

اور جس قدر حوالجات دیئے گئے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوگا۔ کہ یوسی بی ایس کا آخری فقرہ غلط ہے جو تفصیلات اُس نے دی ہیں وہ دونوں مصنف جن کا وہ ذکر کرتا ہے۔ ان کی تائید نہیں کرتے۔ یہ بیائی

بزرگ صرف پیپئس کے بیان کو صحیح تسلیم کر کے پھر اس پر خود نکتہ ریزی کرتے ہیں۔ اس جگہ لڑھکنے والے پتھر کی طرح جس کی ہر گردش پر کچھ اور کائی اس پر جم جاتی ہے پیپئس کی کہانی پر ہر نسل کے ساتھ کچھ تفصیلات بڑھتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ اسے مداومت حاصل ہو کر عیسائیوں کا عقیدہ اسی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ یہ کوشش نہیں کی جاتی۔ کہ ایک بیان کے اجزا کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے۔ کوئی تنقیدانہ نگاہ اس پر نہیں ڈالی جاتی۔ تاریخی تحقیق کی قوت ہی مفقود نظر آتی ہے۔ اور آنکھیں بند کر کے ہر ایک بیان کو جو کسی نے پہلے لکھ دیا ہے۔ صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کو کبھی یہ خیال نہ آیا۔ کہ وہ یہ تحقیق کریں۔ کہ آیا پیپئس کا بیان درست بھی ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر درست ہے۔ تو آیا جن تصنیفات کا پیپئس ذکر کرتا ہے۔ وہ متی اور مرقس کی موجودہ اناجیل ہی ہیں یا کوئی اور +

ڈبلیو آر کاسلز نے ان سارے واقعات کا خلاصہ بڑی قابلیت سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"یہ ظاہر ہے کہ سارے مصنف کسی قدر اختلاف کے ساتھ پہلی دو انجیلوں کے متعلق اسی روایت کو دہراتے چلے جاتے ہیں جسکی ابتدا پیپئس نے کی۔ ارینیس مرقس کی تحریر کی تاریخ [illegible] بعد پطرس اور پولوس کے وفات کے بعد [illegible] بیان کرتا ہے۔ کہ مرقس نے پطرس کی زندگی میں کتاب کو لکھا مگر وہ اس پر بالکل خاموش رہا۔ نہ اسکی تائید کی نہ [illegible] یوسی بی ایس کے زمانہ تک پہنچ کر اس روایت میں نئے اور معجزانہ اجزا داخل ہو جاتے ہیں اور اسکی طرز بیان زیادہ یقینی ہو جاتی ہے۔ اب پطرس کو روح القدس کے الہام کے ذریعہ [illegible] کی تحریر کی خبر ملتی ہے۔ اور اس پر وہ خوشی اختیار کرنے کی [illegible] کی تائید کرتا ہے۔

...... اس طرح پر روایات کا [illegible] ہوتا چلا جاتا ہے۔ [illegible] سارے بیانات میں جو انداز کی طرز دوسری انجیل کے متعلق اختیار کی گئی ہے۔ اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے"

پھر پیپئس کے بیان کی طرف توجہ کرو۔ اور اس پر ہر پہلو سے غور کرو تو معلوم ہوگا۔ کہ پیپئس محض ایک زبانی روایت کو محض تحریر میں لاتا ہے۔ وہ خود [illegible] علم نہیں رکھتا۔ مرقس اور متی کی تحریروں کا صرف اس لئے ذکر کرتا ہے۔ خود دیکھیں نہیں۔ بلکہ جو کچھ وہ مرقس کی تحریر کے متعلق لکھتا ہے۔ وہ ہماری دوسری انجیل پر صادق نہیں آتا۔ کوئی عیسائی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ بے ترتیبی سے لکھی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسی کچھ ترتیب دوسری اناجیل میں پائی جاتی ہے۔ وہ [illegible] میں موجود ہے۔ اور [illegible] مرقس کی انجیل پطرس

کا اثر اس سے کم نظر آتا ہے جس قدر متی میں نظر آتا ہے۔ پھر جب ہم اس کے بیان کو جو متی کے متعلق ہے لیتے ہیں۔ جہاں یہ لکھا ہے۔ کہ متی نے مسیح کے اقوال کو عبرانی زبان میں لکھا۔ تو کسی طرح بھی اس تحریر کو متی کی انجیل قرار نہیں دے سکتے۔ ہماری متی کی انجیل صرف مسیح کے اقوال نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں افعال کی بھی تفصیل اسی طرح پر ہے جس طرح اقوال کی بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ اقوال دوسرے درجہ پر ہیں اور مقدم واقعات ہی کئے گئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم امر غور طلب یہ ہے۔ کہ ہماری انجیل متی عبرانی زبان کا ترجمہ نہیں ہے۔ یہی دوسری اناجیل کا حال ہے۔ بہت سی وجوہ ہیں۔ جو ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہیں۔ ان میں بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ان اناجیل میں جو حوالے دئے گئے ہیں۔ وہ سپٹوجنٹ یعنی عہد نامہ عتیق کے یونانی ایڈیشن سے لئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان مقامات پر بھی یہ حوالے یونانی کے ہی ہیں۔ جہاں عبرانی اور یونانی ایڈیشنوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بالآخر اگر پپیئس کو ہماری پہلی اور دوسری انجیلوں کا علم ہوتا۔ اور اس کو یقین ہوتا کہ وہ متی اور مرقس کی ہیں۔ تو وہ انہیں رد نہ کرتا۔ اور اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ بزرگوں سے یا دوسرے لوگوں سے تحقیق کرتا پھرتا۔ اور نہ وہ ایسی روایات کو لیتا۔ جو ان کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ ان کے بیانات سے تخالف رکھتی ہیں +

متی لکھتا ہے۔

''اور اس نے چاندی کے درہم ہیکل میں پھینک دئے۔ اور چلا گیا۔ اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دے دی'' (باب ۲۷۔ درس ۵)

پپیئس لکھتا ہے

''یہودا اسکریوطی کی ایک افسوسناک مثال ہے کہ اس دنیا میں پھرتا رہا۔ کیونکہ اس کا جسم اس قدر موٹا ہوگیا۔ کہ جہاں سے ایک گاڑی آسانی سے گذر سکتی تھی۔ وہاں سے وہ نہ گذر سکتا تھا اور وہ ایک گاڑی سے کچلا گیا۔ اس طرح پر کہ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں +

تھیوفلیکٹ اور پکی عبارت نقل کرکے اور تفصیلات بڑھاتا ہے۔ جو معلوم ہوتا ہے پپیئس سے ہی لی گئی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہودا کی آنکھیں اس قدر پھول گئی تھیں۔ کہ وہ روشنی کو دیکھ نہ سکتا تھا اور کہ وہ اس قدر نیچے بیٹھ گئی تھیں۔ کہ وہ خوردبین کے ذریعہ بھی نظر نہ آتی تھیں۔ اور کہ اس کا باقی جسم لکیروں اور کیڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور یہ بھی بیان کرتا ہے۔ کہ وہ ایک تنہائی کی جگہ میں مرا جو آ سکے

(یعنی لکھنے والے کے وقت تک شہرت پڑی تھی۔ اور کوئی شخص اوس سے گریز نہ کر سکتا تھا جب تک کہ اپنی ناک
کو ہاتھ سے بند نہ کرے۔ پھر انجیل یوحنا ہے جس میں یسوع کے ایسے اقوال [illegible] انجیلوں میں
نہیں پائے جاتے۔ مگر جن میں ایسے خیالات کا اظہار موجود ہے۔ جو ابتدائی تین انجیل پر جیسے ایک [illegible]
بارہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے پیپس کی شہادت بڑی وزنی ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جو اس بات کا ذکر
کرتا ہے کہ متی اور مرقس کے متعلق یقین کیا جاتا تھا کہ انہوں نے کوئی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر وہ ان کو مستند
تسلیم نہیں کرتا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انجیل نہیں بلکہ [illegible] کا بھی نام نہیں لیتا۔ جیسا کہ [illegible]
کہتا ہے۔ اسکی عام شہادت ان ادعاؤں کو جو ہماری انجیل کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت
اور اسناد حواریوں کے زمانہ تک پہنچتا ہے۔ زبردست طاقت کے ساتھ کچل ڈالنے والی ہے۔ باقی آئندہ

سیرت نبوی

نمبر ۱

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰ نومبر ۵۷۱ء بعد مسیح [illegible] مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ
کے والد کا نام عبداللہ تھا جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ اور آپ کی والدہ آمنہ بھی ایک
معزز خاندان کی خاتون تھیں۔ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معزز ترین
خاندان سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب جیسا کہ سب لوگ مانتے ہیں حضرت ابراہیم تک ملتا ہے۔ جن کی
نسل کا ایک حصہ فاران کے بیابان میں آباد ہو گیا تھا حضرت ابراہیم [illegible] ہیکل جو
خدا کی توحید کو قائم رکھنے والی عبادتگاہ تھی [illegible] مگر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل
نے از سر نو بنایا تھا۔ محافظت کعبہ کے فرائض نے قریش کے قبیلہ میں ہاشم کے خاندان کے لئے اس
حصہ ملک پر شاہی حقوق پیدا کر دئے تھے۔ اور اس خاندان میں بڑے بڑے نامور لوگ پیدا ہو چکے تھے
جیسا کہ مشہور مؤرخ گبن لکھتا ہے "آپ کے [illegible] اور خالص [illegible] گذر
چکی تھیں۔ آپ قریش کی قوم میں سے ہاشم کے خاندان [illegible] زیادہ تھا"

تھا۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جانوروں اور پرندوں کے لئے غذا رکھی جاتی تھی۔ اس قدر وسیع فیاضی کا ہی یہ نتیجہ تھا۔ کہ آخر اس خاندان میں تنگی کی حالت پہنچی ؂

فیاضی۔ عفت۔ ضبط وغیرہ کی تمام صفات عالیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا ورثہ میں ہی پائی تھیں۔ آپ نے ان صفات کو ایک وسیع پیمانہ پر عمل میں لاکر دکھایا۔ آپ اپنے مذہب کا خلاصہ ہی یہ پیش کرتے تھے۔ کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ اور اسکی ساری مخلوق سے محبت کرو۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم ان احکام سے بھرا پڑا ہے کہ عورتوں بچوں مسکینوں یتیموں۔ راہ چلتوں۔ محتاجوں۔ سائلوں۔ قیدیوں یتیمی کے چارپایوں تک سے نیکی کرو۔ یہاں تک کہ آپ کی یہ بھی تعلیم ہے کہ کسی جانور یا کیڑے کو زندہ نہ جلایا جائے۔ آپ بھی غار حرا کی تنہائی میں ماہ رمضان بسر کیا کرتے اور اس قدر عبادت کرتے تھے۔ کہ آپ کے صحابہ نے بارہا آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کیوں دن کو روزہ میں اور رات کو قیام میں گزارتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں بھی سوج جاتے۔ آپ کا جواب صرف یہی ہوتا۔ افلا اکون عبداً شکوراً۔ کیا میں خدا کا شکرگزار۔ اسکی نعمتوں کی قدر کرنے والا بندہ نہ بنوں ؂

آپ کے دادا کو آپ سے بہت محبت تھی۔ کیونکہ ابتدا سے ہی آپ کے اندر ان صفات عالیہ کی چمک نظر آتی تھی جنہوں نے دنیا کو منور کرنا تھا۔ ایک موقعہ پر آپ کچھ وقت کے لئے کھو گئے۔ تو آپ کے دادا کو بہت غم ہوا۔ اور جب آپ مل گئے۔ تو اس قدر خوشی اس کو ہوئی۔ کہ اسی وقت ایک ہزار اونٹ ذبح کرکے غربا میں تقسیم کر دیا۔ اور اس کے علاوہ پچاس رطل سونا غربا کو دیا گیا ؂

آپ کے والد آپ کی پیدایش سے چند ماہ پیشتر فوت ہو گئے۔ اور جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ابھی بہت عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ دادا بھی گزر گیا۔ اور آپ کا کفیل آپ کے چچا ابو طالب نے کیا۔ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسکی اور اسکی اولاد کی بہت عزت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ آپ کے نیک سلوک کا ذکر آگے آئیگا۔ آپ اسکی ایسی ہی عزت کرتے تھے جیسے بیٹا ماں کی عزت کرتا ہے۔ اور اسکی لڑکی کے ساتھ آپ نے ایسی شفقت دکھائی جیسی ایک بھائی بہن کے ساتھ دکھا سکتا ہے۔ اس طرح پر آپ کی محبت قلوب میں اور بڑھ گئی۔ کیونکہ یہ واقعات اس وقت کے ہیں۔ جب آپ بادشاہ تھے۔ مگر بادشاہ ہو کر آپ نے چھوٹے درجہ

کے لوگوں سے ایسا سلوک کیا جسکی بڑے آدمیوں سے بہت کم توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کی شرافت اس اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ کہ آپ کو اعلیٰ او راد نیٰ حیثیت کا خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ آپ کے نزدیک سب انسان اچھے کپڑوں میں ہوں۔ یا پھٹے پرانوں میں۔ کسی قوم کے رئیس ہوں یا ادنیٰ سب یکساں تھے ✦

تعلیم کا جو مفہوم عام طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آنحضرت صلعم نے کوئی تعلیم نہیں پائی۔ ہاں وہ تعلیم جو نظارہ قدرت سے انسان حاصل کرتا ہے۔ وہ آپ کو حاصل تھی یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کی تعلیم ہر قسم کی تنگ خیالیوں سے اور نا قابل عمل در آمد باتوں سے پاک ہے۔

آپ کا چچا ابو طالب جو زمانہ نبوّت میں آپ کا بڑا معاون رہا۔ ایک دو دفعہ آپ کو ملک شام میں تجارت کے لئے لے گیا۔ اور آپ نے عرب سے باہر بھی اس طرح لوگوں کے حالات کو دیکھ لیا۔ یہی آپ کی تعلیم تھی۔ جو ہوئی۔ اور آپ کے معاملات دنیا میں بھی دیانت داری راست بازی اور دور اندیشی کا اس قدر اثر تھا۔ کہ عرب کی ایک امیر عورت نے اپنے تاجرانہ کاروبار آپ کے سپرد کر دئے۔ جس میں آپ کو کچھ سفر بھی کرنے پڑے۔ اور ان سفروں میں آپ نے سب لوگوں کے حالات اور خیالات کا بھی مطالعہ کیا۔ اور ان کاروبار نے آپ کی مسلمہ شہرت کو اور بھی امتیاز دے دیا ✦

عرب کے لوگ تاجرانہ کاروبار اور اشتغال میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور تجارت کے سوائے دوسرے اشتغال کو معزز نہ سمجھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے آپ کو کسی کام میں لگانے کا خیال کیا۔ تو آپ کے چچا نے یہ مشورہ دیا۔ کہ تم خدیجہ سے درخواست کرو۔ مگر آپ نے غیرت اور حیا کی وجہ سے خود درخواست کرنا پسند نہ کیا۔ گو ابو طالب نے آپ کو یقین دلایا۔ کہ اگر خدیجہ کو آپ کی خواہش کا علم ہو تو خود آپ کو جگہ پیش کریگی۔ کیونکہ آپ کی دیانت کی شہرت سب تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب خدیجہ کو اس بات کا علم ہوا۔ تو اس نے خود آنحضرت صلعم کو بلا کر اپنے کاروبار تجارت کو آپ کے سپرد کیا۔ آپ ہمیشہ اس اصول پر قایم رہے۔ کہ تجارت میں نیک نیت اور معاملہ کی دیانت کا قایم رکھنا کامیابی کا سب سے بڑا اصول ہے۔ اور اسی اصول پر آپ نے خدیجہ کے کاروبار کو چلایا۔ جب آپ شام سے واپس آئے۔ تو خدیجہ آپ کی دیانت اور ہوشیاری پر اس قدر خوش ہوئیں۔ کہ جس قدر معاوضہ کا اقرار کیا تھا۔ اس سے دو چند خود بخود دیا ✦

خدیجہ ایک امیر بیوہ تھیں۔ اور آپ کے اخلاق ایسے اعلیٰ درجہ کے تھے۔ کہ ملک میں سب سے

بڑا آدمی آپ کے نکاح پر فخر کرتا۔ اس دانشمند بی بی نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی اور خوش معاملگی کو دیکھا۔ تو خود بخود آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آنحضرت صلعم کو اس بات پر تعجب ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں امیر آدمی نہیں ہوں۔ مگر خدیجہ نے جواب دیا کہ وہ مال کی محبت نہیں رکھتی۔ بلکہ خوبیوں کو چاہتی ہے +

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدیجہ سے شادی ہوئی۔ تو آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اور خدیجہ کی چالیس سال کی۔ اور یہ نکاح دو معزز خاندانوں میں تعلقات محبت پیدا کرنے کا موجب ہوا چنانچہ نکاح کے موقعہ پر دونوں طرفوں کے تعلقداروں نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ابوطالب کے الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں مجمع کو خطاب کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ کہ مال ایک عارضی چیز ہے لیکن اخلاقی خوبیاں ہمیشہ رہنے والی چیز ہیں۔ اور اگرچہ آنحضرت کا خاندان اس وقت اپنی فیاضی کی وجہ سے تنگی کی حالت میں ہے لیکن نیکی میں امانت اور راستبازی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔ مال اور کمالات انسانی ہمیشہ ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔ اور کمالات انسانی کے سامنے مال کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ ورقہ بن نوفل نے جو خدیجہ کا چچا تھا۔ اور نصرانی مذہب رکھتا تھا اس بارکت تقریب کی خوشی پر [illegible] کیا۔ خدیجہ سیدۃ الطاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الامین کے نام سے مشہور تھے۔ شادی کے موقعہ پر بڑے پیمانہ پر دوستوں نے دعوتیں دیں۔ اور [illegible] تقسیم کیا۔ [illegible] کے تعلق کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے [illegible] کی طرح کوتاہی نہیں کی۔ بلکہ مثل سابق آپ عبادت میں مصروف رہتے۔ چنانچہ جب کبھی آپ [illegible] غار حرا میں [illegible] رہتے تھے۔ اور خدیجہ آپ کیواسطے سامان مہیا کر دیا کرتی تھیں [illegible] آپ کا طریق ان عبادتوں میں راہبانہ نہ تھا۔ بلکہ [illegible] فرائض کی ادائیگی کے ساتھ آپ عبادت [illegible] کرتے تھے :

آپ [illegible] کی خاص طور پر مدد کرتے تھے [illegible] بھی [illegible] کرتے تھے آپ [illegible] سے جدا ہوا تھا۔ کہ آپ انسانی مصیبت کے [illegible] کو [illegible] نہیں [illegible] عورتوں کی عزت کرتے تھے۔ اور [illegible] آپ کو [illegible] جانتے تھے۔ اور آپ کی

نیکیوں کی وجہ سے آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ سب لوگوں کو آپ پر اعتبار تھا۔ اور سب ملک نے یک زبان ہوکر آپ کو الامین کا خطاب دیا۔ جو آپ کی راست بازی اور ہمدردی قومی کا حقیقی تقاضا تھا +

آپ کی پہلی عمر کے دو قومی کام عرب کی تاریخ میں نمایاں شہرت رکھتے ہیں۔ عبدالمطلب سخاوت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ مگر ان کی وفات پر اس معاملہ میں کچھ بدانتظامی واقع ہوئی۔ اور مسافروں اور باہر سے آئے لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس تکلیف کو رفع کرنے کے لئے آپ نے ایک جماعت بنائی جس کے روح رواں آپ ہی تھے۔ یہ حلف الفضول کے نام سے مشہور رہے۔ اس کی غرض مظلوموں اور مصیبت زدوں کی امداد تھی۔ دوسرا اہم قومی کام جو آپ نے اپنی ابتدائی عمر میں کیا۔ وہ ایک ایسے جھگڑے کی اصلاح تھی۔ جو اگر رفع نہ ہو جاتا۔ تو اس کا نتیجہ ایک خطرناک خانہ جنگی ہوتی۔ خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر ہوری تھی جب دیواریں زمین سے چار فٹ بلند ہوئیں۔ تو حجر اسود کے اپنی جگہ پر رکھنے کا سوال پیدا ہوا۔ قریش کے بہت سے خاندان اس بات کے مدعی ہوئے۔ کہ یہ ہمارا حق ہے۔ چونکہ ہر شاخ اپنے معاون بھی رکھتی تھی۔ اس لئے یہ خطرہ تھا۔ کہ اگر معاملہ باہمی رضامندی سے طے نہ ہوا۔ تو قومیں ایک دوسرے کے خلاف ایسی جنگ میں مبتلا ہو جائینگی۔ جو عرب کے سارے ملک میں آگ لگا دیگی۔ رؤسائے قوم نے جب اس حالت کو دیکھا۔ تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جو شخص مشرقی دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہو۔ اس سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرایا جائے۔ اس بات پر سب متفق ہو گئے۔ اور جب اس تجویز کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ [illegible] دروازہ سے داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ سب پکار اٹھے یہ الامین ہے۔ اور سب نے کمال مسرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ ان کو یقین تھا۔ کہ آپ ایسا فیصلہ کرینگے جس پر کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ چنانچہ تنازعہ آپ کے سامنے پیش ہوا آپ نے فوراً اپنی چادر اتاری۔ اسے زمین پر بچھادیا۔ اور حجر اسود کو اس کے اوپر رکھ دیا۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار ایک ایک کنارہ کپڑے کا پکڑلے اور اس طرح پر سب کے اتفاق سے حجر اسود اپنی جگہ پر رکھا گیا +

اس طرح پر خانہ جنگی رفع ہوئی۔ آپ اگر چاہتے۔ تو [illegible] فیصلہ کرتے۔ کہ میں خود اسے اپنی جگہ پر رکھوں گا۔ یا اپنی قوم کو یہ حق دیتے۔ تو کسی شخص کو اعتراض کا حق نہ ہوتا۔ لیکن آپ نے ایسی تدبیر کی جس سے علاوہ سب کے خوش ہو جانے کے آپ کی مدبرانہ دوراندیشی کا ثبوت ملا۔ آپ نے سب کو اس

مبارک کام میں یکساں شرکت کا موقعہ دیا۔ اور کسی قوم کو دوسری پر ترجیح نہ دی۔ یہ چند ایک اوصاف اُس شخص کے ہیں جس نے آیندہ دنیا کا ہادی بننا تھا۔ ان سے نہ صرف آپ کی سنجیدگی اور فہم اور امانت و دیانت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قبل از بعثت تمام لوگوں کے دلوں میں کس قدر آپ کی عزت تھی + باقی آیندہ

شاعر اور مذہب

(ایک انگریزی نژاد خاتون اہلیہ کے قلم سے)

اکثر بڑے بڑے شاعر مذہبی آدمی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ نظارہ ہائے قدرت کو دیکھ کر ان کو خالق قدرت پر ایمان حاصل ہوا ہے۔ اُنھوں نے مذہب کو گرجا میں اور کتابوں میں نہیں سیکھا۔ بلکہ قدرت کے مطالعہ سے سیکھا۔ اور قدرت کے تجربات اور واقعات میں خدا کا چہرہ ان پر منکشف ہوا۔ براؤننگ نے اپنی کتاب ایسٹ وو گلر میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس پر ایمان کے متعلق نہایت اعلیٰ درجہ کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنی ایک اور کتاب میں ناظرین کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ کہ انسان کی خوشی اور خوشحالی کے لئے خدا پر ایمان اور ذات الٰہی پر بھروسہ کیا ضروری ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے مصنفوں نے ایسے پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بڑے سے بڑا مقصد جو لکھنے میں ان کے مد نظر رہا ہے میں بھی خدا ہی اُن کا منتہائے مقصد نظر آتا ہے۔ اکثر لوگوں کی نسبت شاعر اس بات کو زیادہ محسوس کرتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے خواہشات جیسی ذلیل اور ادنیٰ کشش کیسی پستی کی طرف لے جانے والی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اصل چیز جس پر انسان کو اپنی توجہ لگانی اور اپنی ہمت صرف کرنی چاہئے۔ وہ عالم روحانیت ہے جسکی خوشیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ اور اس لئے وہ اس عارضی سلطنت پر خوش نہیں ہوتے۔ بلکہ خدا کی ہمیشہ رہنے والی سلطنت میں اُن کو خوشی ملتی ہے۔ شاعر نہ صرف اپنے الفاظ میں خدا پر اپنے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی زندگی میں بھی اور عملی رنگ میں اس ایمان کا ثبوت دیتے ہیں۔ اگر تم خوش ہو مطمئن ہو۔ اور تمہارے اندر یقین ہے۔ تو لوگ لازمًا ہی

سمجھیں گے کہ تمہارے ایمان کی وجہ سے تم کو یہ حالت نصیب ہوئی ہے۔ اگر تم تنگ دل متعصب ہو تو اس سے معلوم ہوگا کہ تمہارا مذہب عملاً کچھ قیمت نہیں رکھتا۔ انسان کو اسلام جیسا مذہب دے کر حضرت محمد مصطفےٰ نے (اللہ تعالیٰ اپنی بیشمار برکات آپ پر نازل کرے۔ دنیا کے سامنے ایک زندہ نصب العین رکھ دیا ہے۔ جو کبھی مر نہیں سکتا۔ اور جو ہر انسان خواہ کسی بھی حالت میں ہو۔ ہر وقت اپنے مدنظر رکھ سکتا ہے۔ اور اپنی عملی زندگی میں اس کو ظاہر کر سکتا ہے۔ کوئی شخص جس نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں کر سکتا۔ کہ اسلام ہی ایک حقیقی اور سچا مذہب ہے کیونکہ یہ دولت مند اور غریب دونوں کے لئے یکساں ہے۔ اور ہر حیثیت اور ہر مرتبہ کے انسان کے لئے ہر قسم کے پیش آمدہ حالات کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ یہ قدرت کا مذہب ہے۔ جو شخص حقیقی شاعری سے محبت رکھتا ہے۔ وہ قرآن کریم میں ان اعلیٰ اعلیٰ خیالات کو پائیگا جو شاعری کی زیب و زینت ہو سکتے ہیں۔ اسلام اگر روزمرہ کی زندگی کے لئے بھی مذہب دیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اپنا روحانی پہلو بھی رکھتا ہے۔ لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں بلکہ آپکو شاعر کہنا آپ کی ہتک ہے۔ آپ شعر نہ کہتے تھے۔ آپ خیالی اور وہمی باتوں کے پیچھے نہ لگ جاتے تھے۔ آپ نے کوئی فلسفہ نہیں لکھا آپ صحیح معنے میں نبی تھے۔ اور سب نبیوں سے بڑھکر نبوت کے مقام پر کھڑے تھے۔ آپ نے نہ صرف عرب کے ہی بلکہ دنیا کے مذہبی اخلاقی۔ تمدنی حالات کی اصلاح کرکے ان کا معیار بلند کیا۔ بلکہ دماغی اور ذہنی کیفیات میں بھی ترقی کا سامان عطا فرمایا۔ خدا کی رحمت آپ پر ہو۔

عربی علمی سوسائٹی

ذیل کی تجویز عربی علمی سوسائٹی کے قیام کے لئے پروفیسر مارگولیتھ اور اے زیڈ ابوشادی کے دستخطوں سے شایع ہوئی ہے:-

"عربی کی وسیع اہمیت کی وجہ سے جو اس کو کیا بلحاظ وسیع ممالک کے روزمرہ کی زبان ہونے کی اور کیا بلحاظ علمی زبان ہونے کے حاصل ہے۔ اور بالخصوص برطانیہ کی سلطنت اور برطانیہ کے حلقہ کے زیر حکومت ممالک میں۔ اور علاوہ بریں اس زبان کی وسیع علمی یادگاروں میں علم کے شایقین کے

لئے ایک بھاری ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ تجویز کیا گیا ہے۔ کہ بین الاقوامی سوسائٹی عربک لٹریری ایسوسی ایشن کے نام سے قایم کی جائے۔ جس کا مرکز لنڈن میں ہو۔ اور جسکی غرض بالخصوص برٹش امپائر کے اندر اسکی تحصیل کی تحریص دینا۔ اور عربی کتب اور دوسری زبانوں بالخصوص انگریزی سے عربی میں اور عربی سے انگریزی میں تراجم کا چھپوانا۔ اور اس میدان میں کام کرنے والوں کے درمیان اتحاد کا پیدا کرنا ہوگی +

اس بات کی امید کرنے کی وجوہات ہیں۔ کہ اگر یہ ایسوسی ایشن تسلی بخش طریق سے شروع کی جاوے۔ تو ایک وقت کے لئے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ ہو سکتی ہے جس کا تعلق مشرق کے تمام علوم سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ سال اس تجویز کے لئے کچھ غیر موزوں سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال تیاری بھی کچھ وقت ضرور لیلے گی۔ اس لئے غور کے واسطے اس تجویز کے پیش کرنے میں التوا کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی +

اس لئے ہم خوش ہونگے۔ اگر آپ ایسی سوسائٹی کو مفید سمجھ کر اس میں شمولیت کے لئے تیار ہوں جس شمولیت کے لئے صرف قریباً دس شلنگ یعنی ساڑھے سات روپے سالانہ چندہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اگر آپ کو یہ پسند ہے۔ تو آپ ڈویژنل سکرٹری کو اطلاع دیں۔ اور اگر کوئی تجویز ایسوسی ایشن کے متعلق آپ پیش کرنا چاہتے ہوں تو اس کی بھی مہربانی کرکے اطلاع دیں +

دستخط ڈی۔ ایس مارگولیتھ (پریزیڈنٹ تجویزی کمیٹی) ۳۵ فلوڈ ہوس۔ ہولبرن۔
اے زیڈ ابو شادی (پروزیڈنل سیکرٹری) لنڈن۔ ڈبلیو۔ سی۔

اسمائے قرآن

اسلام کی امتیازی خوبیوں میں سے ایک یہ خوبی ہے۔ کہ خود اس مذہب کا نام اس کی پاک کتاب کا نام پرمعنی اسماء ہیں۔ جو وحی الٰہی نے رکھے ہیں۔ اور اس مقدس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح پر یہ بھی بتانا مقصود تھا۔ کہ اس مقدس کلام کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی ضروریات

دین کی تکمیل فرمادی ہے۔ حتیٰ کہ مذہب یا کتاب کا نام بھی خود ہی تجویز فرمادیا ہے۔ اس جگہ میں قرآن کریم کے اسماء کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ کس طرح ہر ایک پہلو قرآن کریم کے کمال کا مختلف اسماء کے اندر ظاہر فرمادیا ہے۔ اور یہ سارے اسماء خود قرآن کریم کے اندر ہیں +

۱۔ سب سے پہلے **قرآن** ہے جس نام سے یہ پاک کتاب ساری دنیا میں عام طور پر مشہور ہے یہ نام وحی الٰہی کے اندر متعدد مرتبہ آیا ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن تلک آیات الکتاب وقرآن مبین۔ قرآنا فرقنٰہ لتقراہ علی الناس علیٰ مکث۔ ولو ان قرآناً سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتیٰ۔ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللّٰہ۔ انہ لقرآن کریم۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین۔ لفظ قرآن قرء سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کے ہیں یعنی اکٹھا کرنا یا ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملانا۔ اور چونکہ پڑھنے میں حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ اس لئے قرء کے معنے پڑھنے کے بھی ہیں اور اس معنے کے لحاظ سے قرآن کا نام قرآن فرمایا۔ اور اس پر خود قرآن کریم شاہد ہے۔ کیونکہ سب سے پہلی وحی جس میں نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا۔ یہ ہے۔ اقرء باسم ربک الذی خلق۔ یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ پس سب سے پہلا لفظ وحی نبوت کا اقراء ہے۔ اور اسی کے مطابق اس پاک وحی کا نام **قرآن** فرمایا یعنی وہ چیز جو پڑھی جاتی ہے یا پڑھی جانی چاہئے +

مگر قرآن کے الفاظ کے معانی اس حد تک محدود نہیں چنانچہ قرآن کے اندر اس کے ہمیشہ کے لئے پڑھا جانے کی پیشگوئی ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ کلام جو محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ دنیا میں ایسی عزت حاصل کریگا کہ ساری دنیا اس کو پڑھیگی اور اسی شکل میں پڑھیگی جس رنگ میں نازل ہوا۔ پھر کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی آج پوری ہوئی ہے۔ پھر قرآن کو پڑھا جانے کے لحاظ سے ایک امتیاز دیا ہے۔ کیونکہ اگر دوسری کتابیں بھی قرآن کی طرح ہی پڑھی جائیں۔ یا اسی طرح پڑھی جانے کے قابل سمجھی جائیں۔ تو وہ بھی اسم قرآن کی مستحق ہو سکتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ صرف اپنی ہی کتاب کے لیے مخصوص کیا

اسی لئے اسے یہ فخر حاصل ہے۔ کہ ساری دنیا میں کوئی کتاب نہیں جو قرآن کے برابر پڑھی جاتی ہو اور یہ وہ امر ہے جس کا اعتراف انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں کیا گیا ہے۔ کوئی کتاب نہیں جو ہر ایک بستی میں جہاں مسلمان آباد ہیں۔ یا ہر ایک مقام میں جہاں کوئی مسلمان موجود ہے۔ پانچ وقت باقاعدہ پڑھی جاتی ہو۔ اور جب سے قرآن نازل ہوا تب ہی سے اسے یہ عزت حاصل ہے۔ کہ پڑھا جانے میں دوسری کوئی کتاب اسکی برابری نہیں کرسکی پس کیسا پر معنی کیسا پر حکمت یہ لفظ ہے۔ جو اس کتاب کے نام کیلئے مخصوص ہوا۔ کہ یہ عزت دنیا میں کسی اور کتاب کو حاصل ہی نہیں ہوئی *

۲۔ دوسرا عظیم الشان نام قرآن کریم کا الکتاب ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی ابتداہی ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ آلمّ۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین۔ یہ نام بھی قرآن کریم کے اندر بار بار آیا ہے۔ اور کتب سے مشتق ہے جس کے معنے لکھنے کے ہیں۔ گویا اس میں اس کے لکھا جانے کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ اسی وقت سے آپ نے اس کے لکھنے کا بھی اہتمام فرمایا۔ بلکہ اس کے لکھنے والوں کے متعلق بھی ایک پیش گوئی ہے۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ۔ یعنی اس کے لکھنے والے بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچیں گے۔ چنانچہ اس کے اول کاتب حضرت ابوبکر جیسے انسان تھے۔ جو بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ پھر جس قدر بڑے آدمیوں نے قرآن کریم کی کتابت کی ہے ایسے معزز آدمیوں نے دنیا میں کسی کتاب کی کتابت نہیں کی۔ بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہ قرآن کریم کی کتابت کرتے رہے۔ جیسے عمر بن عبدالعزیز۔ اورنگ زیب *

۳۔ ایک نام قرآن کریم کا الذکر ہے۔ اور بعض جگہ دوسری صورت میں ذکری اور تذکرہ بھی آیا ہے۔ جیسے فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ذکر کے معنے عربی زبان میں یاد دلانے اور شرف کے ہیں۔ اول معنے کے لحاظ سے اس نام کے رکھنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اسکی تعلیم ان باتوں کو یاد دلاتی ہے۔ جو انسان کی فطرت کے اندر مستور ہیں۔ گویا اس نام میں اسلام کے فطری مذہب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے معنے کے لحاظ سے الذکر نام میں یہ اشارہ ہے۔ کہ اس کو قبول کرنے والے اور اسکی نصائح پر عمل کرنیوالے دنیا میں شرف حاصل کریں گے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا۔ فانہ لذکرلک ولقومک۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔

فیہ ذکرکم۔ جہاں ذکر کے معنے شرف کے ہیں +

۴۔ ایک نام الفرقان ہے۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ فرقان کے معنے ہیں فرق کردینے والا۔ اور مراد اس سے ہے حق و باطل میں فرق کردینے والا۔ گویا قرآن کریم کی تعلیم ایسی کھلی کھلی ہے۔ کہ حق و باطل میں کھلا فرق کردیتی ہے۔ اس لئے یوں بھی فرمایا۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی دین اسلام میں کوئی جبر نہیں۔ کیونکہ رشد اور گمراہی یعنی حق اور باطل کھلے کھلے الگ ہو گئے ہیں +

۵۔ ایک نام الھدیٰ ہے۔ یہ بھی کثرت کے ساتھ قرآن کریم میں آتا ہے۔ ہدایت سے یہ مراد ہے کہ یہ انسان کو راہ دکھا کر اس کے کمال تک پہنچاتا ہے +

۶۔ ایک نام التنزیل ہے۔ وانہ لتنزیل رب العالمین۔ گویا یہ انسان کا کلام نہیں۔ بلکہ منجانب اللہ وحی ہے +

۷۔ ایک نام حکم ہے۔ اور حکیم محکم اور حکمۃ بھی فرمایا۔ کذلک انزلناہ حکما عربیا۔ ان اسما میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ قرآن کریم مضبوط فیصلے کرتا ہے۔ اور اس کے اندر دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں +

۸۔ ایک نام الموعظۃ ہے۔ موعظۃ للمتقین۔ اس میں لوگوں کے لئے وعظ اور نصیحت کی باتیں ہیں +

۹۔ ایک نام الشفاء ہے۔ ھدی وشفاء۔ سارے جسمانی اور روحانی امراض کا علاج ہے۔ بلکہ ہر ایک بیماری کا علاج ہے۔ جو انسانوں اور قوموں کو تباہ کر دیتی ہے +

۱۰۔ ایک نام الرحمۃ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے +

۱۱۔ ایک نام الخیر ہے۔ یعنی انسان کی کل بھلائی کی باتیں اس کے اندر جمع کردی ہیں۔ یا یہ کہ سراسر بھلائی ہی بھلائی اس میں ہے۔ اور کوئی نقصان پہنچانے والی اور تکلیف پہنچانے والی بات نہیں ہے +

۱۲۔ ایک نام الروح ہے۔ کذلک انزلنا الیک روحا من امرنا۔ اس میں یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ انسان کو حقیقی زندگی اس کلام سے ملتی ہے +

۱۳ - ایک نام **البیان** ہے۔ اور تبیان اور مبین بھی فرمایا یعنی اس کے اندر ہر ایک ضروری بات کھول کر بیان کر دی گئی۔ اور اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے۔ کوئی اجمالی نہیں +

۱۴ - ایک نام **البرہان** ہے۔ قد جاءکم برھان من ربکم۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کے اندر نرے دعوے ہی دعوے نہیں۔ بلکہ دلایل بھی ہیں۔ گویا جس امر کا دعوے کیا ہے۔ اس کی دلیل بھی ساتھ دی ہے +

۱۵ - ایک نام **الحق** ہے۔ یعنی سچائی۔ گویا سب سچائیاں اس کے اندر ہیں۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ سب حق ہے۔ الحق نام میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ یہ دنیا میں مضبوط پاؤں جمائیگی۔ اور کوئی ہیرا پھیری اکھیڑ نہیں سکتی +

۱۶ - ایک نام **القیم** ہے۔ یعنی قایم رکھنے والی۔ درحقیقت اس کے ذریعہ سے دنیا کا قیام ہے۔ کیونکہ اگر اس کے ذریعہ سے دنیا میں روشنی نہ پھیلتی۔ تو دنیا تباہ ہو جاتی۔ پھر یہ صداقت کو بھی قایم رکھتی ہے۔ پھر ایک انسان کو بھی سیدھی راہ پر قایم رکھتی ہے۔ پھر اس کے اندر کوئی ٹیڑھا پن نہیں +

۱۷ - ایک نام **المہیمن** ہے۔ یعنی حفاظت کرنے والی۔ جیسا فرمایا انزلنا الیک الکتاب مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب و مہیمنا علیہ یعنی کل ما قبل کی کتابوں کی جو اس سے پہلے آئیں حفاظت کرنے والی ہے۔ ہر ایک صداقت جو ان کتابوں میں بیان ہوئی تھی۔ کہ اسے باقی رکھا جائے اسکی حفاظت قرآن کریم نے کر دی +

۱۸ - ایک نام **المبارک** ہے جس کے معنے ہیں۔ کثیر خیر والی رکت یعنی وہ کی برکات کبھی منقطع نہیں ہوتیں۔ جہاں توریت اور انجیل کے ساتھ قرآن کریم کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کوئی ایسا لفظ بھی بڑھا دیا ہے۔ بتانے کے لئے اس کتاب کی خیر و برکت ہمیشہ تک ہیں پہلی کتابوں کی طرح منقطع نہ ہو جا سکیں گی +

۱۹ - ایک نام **حبل اللہ** ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ یعنی اللہ تک پہنچانیکا ذریعہ ہے کیونکہ **حبل** کے معنے ذریعہ ہیں +

۲۰ - ایک نام [illegible] ہے جس نے دنیا کے ستا

نبیوں کی تصدیق کی۔ اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

۱۲۔ ایک نام اس کا النور بھی ہے۔ وانزلنا الیکم نوراً مبینا۔ نور وہ چیز ہے جس سے امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی جو روشنی ڈالی۔ اس نے سب چیزوں میں امتیاز پیدا کر دیا۔ کھرا کھوٹا۔ کامل ناقص۔ بھلا برا سب الگ الگ نظر آ گئے۔ اور یہ وہ نور ہے جس نے دین کی ساری تاریکیوں کو دور کیا۔ شرک کی ظلمت۔ توہمات کی ظلمت بت پرستی کی ظلمت انسان پرستی کی ظلمت۔ حرص و ہوا کی ظلمت [illegible] کی ظلمت۔ غرض سب ظلمتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اور بھی کئی ایک اسماء قرآن کریم کے آئے ہیں۔ سر دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان اسماء سے بھی ظاہر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پاک کتاب کے مختلف نام رکھ کر یہ بتا دیا ہے۔ کہ ہر ایک [illegible] ضرورت اس کے اندر پوری کر دی گئی۔ گویا کہ ایک طرف اکملت کا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کو دین کامل کر دیا تو دوسری طرف اس کے کمال کے مختلف پہلوؤں کو مختلف اسماء [illegible] ظاہر کر دیا ہے +

ووکنگ کی تازہ ڈاک

انگلستان میں نماز عید الفطر

مخدومی مکرمی [illegible] السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

الحمد للہ رب العالمین [illegible] جولائی ۱۹۱۶ء وارد ووکنگ [illegible] [illegible] بوجہ اشغال تبلیغ بہت کمزور ہو چکے ہیں [illegible] حالات عید الفطر تحریر کرنے کا اشارہ مجھے فرمایا۔ لہٰذا [illegible] کی فرحت قلبی کا موجب ہوگا +

حضرات عید مبارک سے ایک دن پہلے یعنی ۲ جولائی ۱۹۱۶ء کو یک بیک جناب مولانا صاحب کی طبیعت [illegible] ضعف ہو گیا تمام جسم برف کی طرح سرد ہو گیا نبض ساقط شدہ

خاندان مسٹر یحییٰ سٹود - خاندان مسز احمد سٹیبہ مع والدہ و ہمشیرہ و بچہ گان - مسٹر خالد شیلڈرک مسٹر شمس الدین
ثم - خاندان مسز جبیت گارڈنر مسٹر دوسی محمد مع اہلیہ و احباب - خاندان صفیہ مع بچہ گان مس میگاڈاہن
مع احباب - مس پال مس طاہرا مس نزہت مس حفیظہ مس عفیفہ مس امینہ سیکسی - رابرٹن
خاندان سیٹھ والہ - مسٹر فیلڈ مع مسز ایلڈر و احباب - مسٹر ولیم سیفیو - خاندان مرٹھ ہیج - مسٹر راڈمن

ہندوستانی مسلم - شیخ مشیر حسین بیرسٹر و اقبال حسین و مشیر حسین قدوائی صاحبان
سرو قدوائی سیٹھ سلیمان ممبئی - پرنس عبدالکریم کوچین - پارسی نشابورجی - عبدالغنی - عبدالواحد -
عبدالرحیم - فاروقی - مسٹر عرفان علی بیرسٹر - خواجہ محمد اسمٰعیل مع احباب - مسٹر یحییٰ بیگ حیدرآبادی
نواب زادہ محمد امین الدین صاحب بڑودہ - ملک فیروز خان ٹوانہ - ملک سلطان علی خان ٹوانہ
سید احسان البکری مصری - شیخ سلیمان مصری سوڈانی مع احباب خیر النساء ترکنی مع ہمشیرہ خود
صوفی عنایت خان مع سٹاف مسٹر عبدالمجید خان بلشا ایرانی - سرور خان وغیرہ وغیرہ +

مخصوص طور پر تمام مسلم احباب کی طرف سے خطوط اور تار وصول ہوئے جنہیں انہوں نے اپنے عدم
شمولیت پر اظہار افسوس فرمایا +

جنرل میجر ڈکسن کپتان عبدالرحمٰن مس گرے - کپتان نصر اللہ ڈگلاسن لفٹنٹ اسد اللہ خان
بیری گلفورڈ - کپتان کارڈان میجر نور جمال لیگ - عطاء الرحمٰن شیخ جلال الدین محمد - شہزادی صالحہ
مصری - لیڈی کیولڈ - پروفیسر امین واسے منٹ - پروفیسر نور الدین سٹیفن - پروفیسر ہارون مصطفیٰ
لیون مسٹر ڈڈلے رایٹ - لیڈی حمیدہ بیگم بیری گلفورڈ - عبدالقادر مستعد رضیہ +

اس مختصر جماعت میں برطانوی - ہندوستانی مصری فرانسیسی ڈیمی - انگریز وغیرہ ہر طبقہ
کے لوگ موجود تھے [illegible] اور صحیح بیان [illegible] ایک خدائے واحد کے پرستار بے تکلف
ملکے ہوئے تھے - سلامی حوض میں تیرتی - امیر و غریب [illegible] بلا امتیاز امارت وغیرہ زانو بزانو
فرش پر ملت جیسا فرحیاں کرتے تھے [illegible] دوران [illegible] مولوی صدر الدین صاحب امام مسجد
نے اسلامی اخوت اور محبت کی مثالیں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سوانح اور صحابہ
کرام کی عملی زندگی میں سے دکھلائیں خطیب کے کلمات طیبات کو اگر یہاں نقل کیا جاوے - تو یہ
رپورٹ بہت طویل ہو جائیگی ہاں اس کا لب لباب میں اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں +

خطیب نے اپنی مؤثر اور دلکش ایک لمبی تقریر میں اسلام کا خدا سامعین کو دکھلایا۔ جو تمام
عالموں کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر جملہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ جناب حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر روحانی معلم آئے۔ وہ سب کے سب ایک ایک قوم کے لئے آئے۔
اور ان کی تعلیم و ہدایت مختص الزمان و مکان کے لحاظ سے تھی۔ اور زمانہ بعد ان کے تابعین نے غلطی
سے ان بزرگوں کو خدا یا خدا زادہ قرار دیدیا۔ سید الانبیاء علیہ السلام نے جو سب سے آخر آئے فراخ
دلی سے تمام سابقین انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تائید کی۔ اور جو جو الزامات ان پاک لوگوں پر لگائے
گئے تھے تردید کی۔ اور اپنا مبعوث ہونا تمام جہان کی طرف بتلایا۔ چونکہ اس مجمع میں حضرت عیسیٰ
بن مریم کے پرستار بہت سے موجود تھے۔ خطیب نے خاص کر اس نیک اور بزرگ نبی کا ذکر کیا اور
کھول کھول کر بتایا۔ کہ ابن مریم میں کوئی خاص صفات الٰہی نہ تھے۔ ان کی پیدائش و حیات اور موت
عام ابن آدم کی طرح سے تھی۔ اور ان کی بعثت بھی ایک خاص قوم کی طرف تھی۔ جو توریت کے متبع تھے
پھر رسول پاک کے سوانح بیان فرمائے۔ اور آنحضور کی اس وسیع قلبی کا ذکر فرمایا۔ کہ کس طرح سے
آنحضور نے نجران کے پادریوں کے وفد کو جو آپ کی ملاقات کو آیا تھا۔ اتوار کے دن اپنی مسجد میں گرجا کرنے
کی اجازت بخشی۔ اور بتلایا کہ ہم اس محبوب خدا صلعم کی امت میں ہیں۔ جس نے یہ وسیع قلبی آج سے
سواتیراں صدیاں پہلے دکھلائی۔ آج اس مذہب دنیا میں مسلمان تو کیا۔ اگر کوئی عیسائی کسی ایسے
گرجا میں چلا جاوے۔ جس کے خیالات گرجا گھر کے پادری صاحب سے کسی ایک مسئلہ میں مختلف ہوں
تو وہ وہاں سے فوراً نکال دیا جاتا ہے۔ اور اس کے ابدی جہنمی ہونے کا فتوے دیا جاتا ہے۔ گویا بہشت
اور دوزخ پادری صاحب کے زیر فرمان ہیں۔ العجب۔ میں تمام دنیا کے جملہ مذاہب کو چیلنج دیتا ہوں
کہ وہ اپنی اپنی کتابوں میں سے قرآن کریم کی سورہ فاتحہ جیسی تعلیم نکال کر دکھلا دیں۔ وہ ہرگز ہرگز
نہ دکھلا سکیں گے۔ مذہب اسلام فطرتی مذہب ہے۔ جو بات منواتا ہے وہ دلیل سے اور جو چھوڑاتا ہے
وہ دلیل سے۔ پھر خطیب نے فرق اناث کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ گناہ عورت کی غلط
کاری سے دنیا میں آیا ہے۔ نقلی و عقلی دلائل سے حاضرین کے ذہن نشین کرایا کہ یہ عقیدہ بھی ویسا
ہی غلط ہے جیسا حضرت مسیح کا۔ اور بتلایا کہ مرد و عورت فطرتاً پاک پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور بتلایا بہشت
ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس موقعہ پر دائی حلیمہ سے جو سلوک حضرت نبی کریم نے فرمایا تھا مفصل بیان

کیا۔ پھر کفارہ مسیح کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ اور بتایا کہ یہ بات کسی ذی ہوش انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ کہ زید کے پھانسی پانے سے بکر کا گناہ معاف کس طرح ہو گیا۔ کسی عدالت نے آج تک فیصل کر کے نہیں دکھلایا۔ کہ زید قتل کرے اور پھانسی بکر دیا جائے۔ پھر خدا تعالیٰ ایسا لغو قانون کیسے رائج کر سکتا ہے۔ کہ اس کا نیک اور پاک بندہ دشمنوں کے ہاتھ سے ستایا جائے۔ اور صلیب پر کھینچا جائے اور وہ درد اور کرب کی حالت میں ایلی ایلی لما سبقتانی پکارے۔ اور لوگ اسکی موت سے نجات پا جائیں میں بڑے زور سے کہتا ہوں۔ کہ اگر کفارہ خون مسیح پر ایمان رکھا جائے۔ تو حضرت مسیح کی وہ تعلیم بالکل بے سود ہو جاتی ہے۔ جو انہوں نے واقعہ صلیب سے چند روز پہلے پہاڑی پر دی۔ اور جو انسان کو نیک اعمال کرنے کی طرف ترغیب دیتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پاک دل انسان خدا کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر اسلام کے دو اصول بیان کئے۔ تعظیم لامر اللہ و شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اسکی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ رسولؐ نے دیکھا۔ کہ ایک نے پیاسے کتے کو پانی پلانے کی خدمت میں بہشت حاصل کر لیا اور ایک نے بلی کو باندھ بھوک سے مار ڈالنے کے عوض میں دوزخ میں جگہ پائی۔ غرضیکہ ہر طرح سے خطیب نے اپنی بے بدل تقریر میں سامعین کو محظوظ کیا۔ نماز کی تکبیروں سے تمام میدان گونج اٹھا

اس سعید اور مبارک تہوار پر دو ہی خواتینوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان اس مجمع میں امام صاحب کے ہاتھ پر کیا۔ یہ ہر دو خواتین جمعہ اور اتوار کے جلسوں اور واعظوں میں شریک ہوتی رہتی ہیں۔ خدا تعالیٰ استقامت کی توفیق بخشے۔ آمین +

پلاؤ سیویاں قورمہ وغیرہ جو اس موقع کے واسطے تیار کرایا گیا تھا۔ حاضرین کے لئے میزوں پر چنا گیا جس کو انہوں نے نہایت خوشی سے تناول فرما کر شکور فرمایا۔ اس قدر جم غفیر کے واسطے اس قدر لذیذ اور زیادہ مقدار میں کھانا طیار کرانا اس ملک میں آسان بات نہیں ہے۔ اس کا سب کا سب کریڈٹ ہمارے مکرم امام صاحب کو ہی ہے جنہوں نے باوجود اپنی اس قدر نازک علالت کے وقت اپنے ہاتھوں کو بیمار ہدایت کر کے تیار کرایا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء +

ہماری نومسلم ہمشیرگان نے جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔ بکمال شفقت اور محبت سے کھانا کھلانے اور برتن وغیرہ کے اہتمام کو سرانجام دیا۔ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض خواتین نے اعلان نہیں کیا۔ مگر نمازوں میں شامل ہوتی ہیں +

شریفہ بیگم ہاول۔ سمیتھ۔ سلامت۔ زہرا۔ سعیدہ۔ زبیدہ۔ زیتون۔ حفیظہ۔ فرحت۔ عصیفہ۔ امینہ مس ۵ پال مس ۵ لوگرد۔ صفیہ۔ صدیقہ۔ نسیمہ۔ سیفہ۔ مسنہ سٹنگ۔ طاہرا۔

دو بجے کھانا ختم ہوا۔ تو پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک چاء نوشی کا انتظام کیا گیا۔ اس وقت حاضرین کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔ چاء کے بعد مہمانوں کی روانگی کا وقت آگیا۔ اگرچہ کمال اس پر فضا جگہ سے جانے کو نہ چاہتا تھا۔ آخر رفتہ برفتہ رخصت ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ رات کے کھانے پر ۸۰ مرد و زن موجود تھے۔ جو سب کے سب نومسلم تھے۔ ان میں شاید کوئی ہوگا جس نے اعلان نہ کیا ہوگا۔ جو لطف اس عید مبارک پر لوگوں نے حاصل کیا۔ اس کا نقشہ الفاظ میں بیان کرنا میری بے بضاعتی پر دال ہے فالحمد للہ اللھم زد فزد

(دستخط) عبدالقیوم ملک بی۔ اے علیگ

بقلم بلال نور احمد یکم اگست ۱۹۱۶ء

تختگاہِ امن

امن اور سلامتی کا مفہوم اسلام میں ایک غالب مفہوم ہے۔ یہاں تک کہ خود لفظ اسلام کے معنے میں صلح کا مفہوم ہے۔ اسلام سکھاتا ہے۔ کہ انسان اللہ تعالےٰ کے ساتھ کیونکر صلح رکھ سکتا ہے۔ اور اسکی مخلوق کے ساتھ کس طرح۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور اس ذات پاک کی کامل فرمانبرداری ہے یعنی کسی بات میں اسکی مخالفت نہ ہو۔ اور اسکی مخلوق کے ساتھ صلح یہ ہے۔ کہ انسان ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرے۔ چنانچہ انہی دو مفہوموں کو ادا کرنے کے لئے فرمایا۔ بلےٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ جو شخص کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ احسان کرتا ہے وہ اپنے رب سے اجر پائیگا۔ اور ایسے لوگوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ حزن کریں گے۔ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو ملتا ہے۔ اور وہ اس پر امن اور سلامتی کی دعائیں کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام کا تحیہ السلام علیکم ہے۔ بلکہ بہشت میں بھی مسلمانوں کا تحیہ یہی سلام ہے۔ فرمایا۔ دتحیتھم فیھا سلام

اور بہشت کے اندر سلامتی اور امن کا ایسا حسین نقشہ کھینچا ہے۔ کہ فرمایا۔ لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلاما سلاما یعنی کہ خود بہشت کا نام دار السلام ہی رکھا ہے۔ یعنی امن کا گھر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اسماء میں بھی ایک نام السلام ہے۔ یعنی ہر قسم کی سلامتی کا سرچشمہ +

اب تو ایک عالمگیر جنگ نے حالات کو بدل دیا ہے۔ اور اس وقت لوگوں کی ساری توجہ جنگ کی طرف ہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک عارضی بات ہے۔ موجودہ جنگ سے پہلے ایک وقت تھا جب دنیا میں ایک ہوا صلح اور امن کی خواہش کی چل رہی تھی۔ اور جنگ کے بعد ضروری ہے۔ کہ پھر وہی ہوا چلے۔ اس خواہش کے اظہار میں اس ضرورت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ کہ دنیا کے لئے ایک تخت گاہ امن بننا چاہیے۔ جہاں سب قومیں اپنے معاملات اور تنازعات کو امن کے ساتھ طے کر سکیں۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک کام کی بنیاد جو ہر ضرورت حقہ کا اصول اسلام نے ہی دنیا میں قایم کیا ہے۔ اسلام کی اس قدر صلح اور امن کی تعلیم چاہتی تھی۔ کہ وہ اس بارہ میں بھی کوئی پیش قدمی کرے چنانچہ اپنے تخت گاہ امن کی بنیاد تیرہ سو سال ہوئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں رکھی تھی۔ جب سے عرب کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ اسی وقت سے عرب کے اندرونی فسادوں اور خانہ جنگیوں کا نظارہ بھی نظر آتا ہے۔ خانہ جنگی سے تو کوئی ملک بھی خالی نہیں رہا۔ اندرونی جھگڑے بھی ہر جگہ ہوتے رہے۔ اور قوموں کے مختلف ٹکڑوں اور مختلف قبیلوں نے ہمیشہ اپنے ہمسروں پر غالب آنے کی کوشش کی لیکن جنگیں اور یہ جھگڑے ہمیشہ اور ہر جگہ غیر معمولی حالت تصور کی جاتی رہی ہے۔ اور معمولی حالت ہر ملک کی صلح اور اتفاق ہی کی رہی ہے۔ لیکن عرب میں اس کے خلاف تھا یعنی وہاں خانہ جنگیوں کی حالت معمولی حالت تصور ہوتی تھی۔ اور ان کا بڑا شغل یہی تھا۔ کہ ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کرے۔ اور اس کے اموال و املاک کو چھین لے۔ اور قوموں میں بعض خاص حوادث کے پیدا ہونے پر جنگ شروع ہوتا تھا۔ اور اس لئے یہ جنگ کے لئے کوئی نہ کوئی معقول وجہ ہوتی تھی مگر عرب میں کوئی معمولی سے معمولی بہانہ بھی جنگ کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ ایک موقعہ پر ایک گھوڑ دوڑ میں کسی کے گھوڑے کو نقصان پہنچانا ایک خطرناک جنگ کا موجب ہوا۔ دوسرے موقعہ پر ایک خوش خوامک نہ کو مار ڈالنے کا نتیجہ ایک بڑی لڑائی کی صورت میں ظاہر ہوا +

مگر ان تمام خوفناک حالات کے اندر اس شبانہ روز سلسلہ جنگ کے درمیان ایک خاص بات

عرب میں نظر آتی ہے۔ جو دنیا کے کسی ملک میں نظر نہیں آتی۔ اس ملک کے اندر جہاں ادنیٰ بہانہ پر جنگ شروع ہو جاتے تھے۔ ایک خاص مقام ایسا نظر آتا ہے۔ جو قدیم زمانہ سے ہر قسم کی جنگ کے شور و شغف سے پاک نظر آتا ہے۔ یہ مقام حرم کہلاتا ہے۔ اور یہ خانہ کعبہ اور اس کے گرد کے کچھ علاقہ پر مشتمل ہے۔ جس کے اندر جنگ قطعاً ممنوع ہے۔ اسکی حدود کے باہر اگر خطرناک جنگ بھی ہو رہی اور کوئی فریق ان حدود کے اندر آکر پناہ لے لے۔ تو اُسے کوئی تکلیف دینے کا مجاز نہیں۔ نہ صرف اس خاص مقام کو ہی یہ عزت حاصل ہے۔ بلکہ اس کے متعلق جو اور ضروریات ہیں۔ ان میں بھی اسی بات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ مقام یعنی حرم جہاں مشہور خانہ کعبہ واقع ہے۔ عرب کے تمام ملک کے لئے ایک سالانہ اجتماع کا مقام رہا ہے۔ اور اس مقدس فریضہ کا نام جو اس اجتماع کی صورت میں قائم کیا گیا ہے حج ہے۔ اس گھر کا نام زمانہ قدیم سے بیت اللہ چلا آتا ہے۔ بیت اللہ کے حج کے لئے جو لوگ آتے ہیں۔ وہ کامل طور پر امن میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جانور جو اس حج کے موقعہ پر قربانی کے لئے لائے جاتے ہیں۔ ان کو بھی کوئی چھیڑ نہیں سکتا۔ چار ماہ سال میں ایسے آتے ہیں جن میں سے کچھ حج کے مہینے ہیں۔ کہ ان مہینوں کے اندر سارے ملک عرب میں جنگ خود بخود بند ہو کر امن کی صورت قائم ہو جاتی ہے۔ عرب جیسی جنگجو قوم پر یہ روک کسی ایسی طاقت نے رکھ دی ہے کہ کسی شخص کو کسی قوم کو اسکی خلاف ورزی کی جرأت نہیں ہوتی۔ خواہ خطرناک سے خطرناک اشتعال ہو۔ جہاں حرمت والے مہینہ کا چاند دیکھا گیا۔ اب مجال نہیں کہ کوئی شخص اپنی تلوار جنگ کے لئے نیام سے باہر نکال سکے۔ تجارتیں قائم ہو جاتیں۔ رستے کھل جاتے۔ خطرناک سے خطرناک دشمن آپس میں مل سکتے۔ بلکہ حدود کے اندر جہاں ساری قومیں جمع ہوتی تھیں جمع بھی ہو جاتے اور ایک دوسرے کو کچھ نہ کہتے۔ یمن اور حضرموت کے رہنے والے خلیج فارس کے کناروں کے لوگ شام کے بیابان کے رہنے والے حیرہ اور عراق عرب کی حدود کے باشندے سب آپس میں ملتے مگر خاص اوقات سال کے ایک تہائی کے لئے اور خاص حدود کے اندر دشمن گویا دشمن نہ رہتے تھے۔ اور اس طرح مکہ معظمہ ملک عرب کا ہمیشہ سے تختگاہ امن چلا آتا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مکہ کو یہ عزت یہ شرف کس طرح حاصل ہوا۔ کیوں سارے کا سارا ملک زبردست سے زبردست اقوام اس طرح مکہ معظمہ کی عظمت کے سامنے گردنیں جھکاتی تھیں۔ کیا ان

سب قوموں نے کبھی اتفاق کر کے اس جگہ کو اپنے لئے تنگگاہِ امن قرار دیا لیا تھا - اور اب وہ اس عہد کی پابندی سے پھر نہ سکتے تھے - عرب کی اندرونی ملکی حالت ایسی تھی - کہ یہ بات ہمارے وہم میں بھی نہیں آسکتی - کہ کبھی ایسا معاہدہ قوموں کے درمیان ہوا ہو - اور اگر ہوا بھی ہوتا - تو عرب کے اندر معاہدہ کی پابندی کو اپنے لئے کون ضروری سمجھتا تھا - جو خطرناک اشتعال کے موقعہ پر طبائع پابندی عہد کو نہ چھوڑتیں - ایک طرف ان کے دن رات کے جھگڑے ایسی فہمید پر پہنچنے سے مانع تھے - دوسری طرف اگر کوئی ایسا سمجھوتہ ہوتا بھی - تو جسکی پابندی سے وہ لوگ اپنے آپ کو اس قدر آزاد سمجھتے تھے کہ اتنے بڑے عہد کا ان میں سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تک قایم رہنا محال نظر آتا ہے - پھر جنگ کی حالت میں جب ایک فاتح اپنی فتح کے جوش میں اندھا ہو کر دشمن کا تعاقب کر رہا ہو - اور اس کے پیش نظر صرف اپنے دشمن کا استیصال ہو - تو ایسا معاہدہ اسکی راہ میں کہاں حایل ہو سکتا تھا - ملک گیری کی ہوس میں بڑی بڑی مہذب قوموں نے اپنے معاہدات کی کیا عزت کی ہے - جہاں ادنیٰ ضرورت بھی پیش آ جائے - معاہدہ ایک کاغذ کے ٹکڑے سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں رکھتا - بڑے بڑے بین الاقوامی معاہدات کو ایک طاقت نے توڑ دیا ہے - اور دوسری نے اپنی خاموشی سے اس فعل کے جواز پر مہر لگا دی ہے - اُدھر معاہدہ توڑا جاتا ہے - ادھر اس کو ایک امر واقع شدہ قرار دیکر نئے حالات کے ماتحت نیا رنگ اختیار کر لیا جاتا ہے - پس ایک جاہل اکھڑ جنگجو قوم کے اندر معاہدہ کی وجہ سے ایسی حیرت انگیز پابندی ہرگز قرین قیاس نہیں ❊

دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے - کہ صرف مذہبی اعتقادات کی پابندی ہی ایک ایسی چیز ہے - جو سخت سے سخت رکاوٹوں کا مقابلہ کر سکتی ہے - ایک مذہبی عقیدہ جب پختہ طور پر دل میں گڑ جاتا ہے - تو پھر کوئی چیز اسے دور نہیں کر سکتی - اور سینکڑوں اور ہزاروں سالوں تک نسلاً بعد نسل یہ عقیدہ چلا جاتا ہے مذہبی عقیدہ ہی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایک ایسی چیز رہا ہے - جس کے سامنے سب گردنیں بلا چون و چرا جھک جاتی ہیں - اور کسی شخص کو جرأت نہیں ہوتی - کہ اسکو علی الاعلان توڑ سکے - پس مکہ معظمہ اور خانہ کعبہ کی جو عظمت عرب میں ہمیشہ سے رہی ہے - اسکی بنا ضرور ہے - کہ کوئی بہت قدیم مذہبی عقیدہ ہو - اس میں شک نہیں کہ کوئی زمانہ عرب کی روایات اور عرب کی تاریخ میں ایسا نہیں ملتا - جب خانہ کعبہ کو یہ عظمت حاصل نہ ہو - اور اس سے بھی مزید تائید اسی خیال کی ہوتی ہے - کہ خانہ کعبہ کی عظمت عرب میں کسی نہایت ہی قدیم مذہبی عقیدہ کی بنا پر رہی ہے - اس کے متعلق حسب ذیل شہادت سر ولیم میور کی قابل ذکر ہے - میور اپنی

کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے :-

"حرم یعنی وہ مقدس قطعہ زمین جو مکہ کے اردگرد چند میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کو پاک سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے اندر کوئی جنگ و جدل یا حملہ نہ ہو سکتا تھا۔ اور ایسے قدیم زمانہ سے جس سے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اسے ایسا ہی سمجھا جاتا تھا۔ سال میں چار مہینے مقدس سمجھے جاتے تھے۔ تین پے در پے آتے تھے۔ اور ایک علیحدہ تھا۔ اس عرصہ میں اتفاقی طور پر جنگوں کو ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ ہر ایک قسم کی عداوت کے خیالات دبا دئے جاتے تھے۔ اور سارے عرب کے اندر امن کی حکومت ہوتی تھی۔ ان اوقات میں عرب کے گوشہ گوشہ سے حاجی امن کے ساتھ مکہ میں آسکتے تھے اور مختلف مقامات پر میلوں میں کثرت سے وہ لوگ جاتے تھے جن کو تجارت یا شاعروں کا شوق یا قومی جھگڑوں کا خیال لے جاتا تھا"

ایک اور موقعہ پر میور لکھتا ہے :-

"روایات سب اس بات پر اتفاق رکھتی ہیں کہ ایسے قدیم زمانہ سے جس کے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ خانہ کعبہ عرب کے تمام کناروں تک کے لئے حج کا مرکز رہا ہے۔ اس قدر وسیع تابعداری ضروری ہے۔ کہ کسی بہت ہی بعید زمانہ سے شروع ہوئی ہو۔ اور ایسی ہی قدامت کا اعتراف مقامی عبادت (یعنی حج) کی ضروری رسومات کعبہ اور اس کے سنگ اسود زمین حرم اور مقدس مہینوں کے لئے کرنا پڑتا ہے"۔

یہ دونوں حوالے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مکہ کی عزت اور حرم مقدس کی حرمت کسی نہایت ہی قدیم مذہبی عقیدہ کی بنا پر تھی۔ اور وہ ایسا قدیم زمانہ تھا۔ کہ اس سے پہلے کسی اور روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی قدامت کی طرف ہی قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے۔ جب کہیں اس کو بیت العتیق کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور کہیں فرماتا ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین۔ بیت العتیق کے معنے ہیں قدیم گھر۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عرب کے اندر یہ گھر اس نام سے مشہور تھا۔ اور یہ جو فرمایا کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا۔ وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ اور جو مبارک اور سب قوموں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادتگاہ مقرر نہیں کی گئی۔ اور اسی لئے اسے یہ عزت

دی گئی۔ کہ اسکی حرمت کو تمام دنیا میں ایک ممتاز رنگ دیا گیا جو دنیا کی اور کسی عبادتگاہ کو حاصل نہیں تا کہ یہ اسکی قدامت پر ایک نشان ٹھیرے۔ اسکی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے۔ واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا۔ جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور اُن کے لئے امن کا مقام بنایا۔ اور پھر اس مقام کی عزت کے امتیاز کو ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا۔ اولم یروا انا جعلنا حرما امنا ویتخطف الناس من حولہم۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کا مقام بنایا۔ اور اس کے اردگرد تو یہ حال ہے۔ کہ لوگ اُچک لیئے جاتے ہیں۔ یعنی ایک ایسے ملک میں جہاں دن رات جنگ جاری ہے۔ اور خود مکہ کے اردگرد بھی امن نہیں۔ یہ کیسا عجیب نشان ہے۔ کہ اس حرم کی حدود کے اندر کوئی شخص جنگ نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کے اندر داخل ہوتے ہی خطرناک دشمن بھی ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کرسکتے۔ قرآن کریم نے جس قدر دعاوی خانہ کعبہ اور حرم کے متعلق کئے ہیں۔ ان پر تاریخ کی صریح شہادت ملتی ہے +

پس دنیا میں ایک ہی مقام کو یہ عزت ملی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ سے صلح کا مرکز اور تختگاہ امن رہا ہے اور خطرناک سے خطرناک جنگجو قوموں کو تاریک سے تاریک جہالت کے زمانوں میں یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس تختگاہ امن کی عزت کو توڑ سکیں۔ اور یہ مقام امن اس وقت سے چلا آتا ہے۔ کہ اس سے پیچھے تاریخ بار روایات قومی بھی نہیں چلتیں پس یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق آیندہ کے لئے بھی وثوق سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ ہمیشہ دنیا کی لڑائیوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہے گا۔ اور ساری دنیا کے لئے یہ امن کا مرکز رہ سکتا ہے۔ یہ صرف دنیا کی گذشتہ تاریخ کی بنا پر ہی یہ نتیجہ مبنی ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے صراحت سے پیشگوئیاں بھی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مکہ معظمہ کو ہمیشہ کے دنیا میں ایک امن کا مقام ٹھیرایا گیا ہے۔ اور گذشتہ تیرہ سو سال کی تاریخ اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر لگاتی ہے۔ یہ پیشگوئی قرآن کریم میں کئی جگہ ہے۔ یہاں صرف ایک موقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فیہ ایات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ یہاں مکہ معظمہ کو امن کا مقام قرار دینے کے علاوہ کچھ اور بھی نشان بیان کئے ہیں۔ اور وہ کل کھلے نشان نہیں ہیں۔ اس میں مقام ابراہیم اور اس کا مقام امن ہونا اور اس کا حج ہوتے رہنا مقام ابراہیم ایک تو ظاہر ہی خانہ کعبہ میں موجود ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ جو ہمیشہ سے اسی

نام سے موسوم چلا آیا ہے۔ ایک طرف بائیبل میں حضرت ابراہیم کے ذکر میں ہم کسی بیت اللہ کا ذکر پاتے ہیں۔ دوسری طرف کوئی ایسا معبد نہیں جس کے ساتھ ابراہیم کے تعلق کا کوئی ظاہری نشان موجود ہو سوائے خانہ کعبہ کے جس میں مقام ابراہیم موجود ہے۔ بلکہ خود بیت اللہ کے لفظ سے بھی دنیا میں صرف ایک ہی گھر مشہور ہے۔ یعنی خانہ کعبہ۔ پس ظاہری مقام ابراہیم تو یوں خانہ کعبہ کے لئے ایک نشان ٹھیرا کر اس نے بتا دیا۔ کہ ابراہیم والا بیت اللہ وہی بیت اللہ ہے۔ جو کعبہ کے نام سے مشہور ہے مگر ایک روحانی مقام ابراہیم بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم زمانہ قدیم میں جو دین کے سب سے بڑے امام ہیں۔ اور دنیا کی تین عظیم الشان قوموں میں وہ امام مانے جاتے ہیں۔ یعنی یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں میں۔ پس روحانی طور پر مقام ابراہیم اس طرح پر نشان ٹھیرا۔ کہ وہ عظمت جو ابراہیم کو حاصل تھی۔ اس لئے کہ ان کے ذریعہ سے کئی قوموں میں توحید پھیلی۔ وہ اب اس رسول کو حاصل ہوئی جس کا تعلق خانہ کعبہ سے ہے۔ اور دنیا کی مختلف قومیں توحید کا سبق اسی مقدس گھر سے سیکھیں گی گویا جس طرح ابراہیم توحید کا امام گذشتہ زمانے میں تھا۔ اسی طرح آیندہ نسلوں کے لئے خانہ کعبہ توحید کا مرکز ہوگا۔ دوسرا نشان اس کا مقام امن ہونا ہے۔ جو کوئی اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آگیا یہی وہ نشان ہے۔ جس کا ذکر خصوصیت سے ہم یہاں کر رہے ہیں۔ علاوہ اس ظاہری امن کے کہ جنگ وہاں نہیں ہوتی۔ اور اسکی حدود کے اندر خطرناک دشمن بھی آپس میں لڑ نہیں سکتے۔ ایک اور امن کا بھی ذکر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہونگے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ظاہر امن کے اندر ایک روحانی امن کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ جس طرح جنگ اور طاعون جسموں کو ہلاک کرتی ہے۔ اسی طرح دجال روحانی ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ پس خانہ کعبہ میں ایک تو ظاہری نشان امن یہ ہے۔ کہ یہاں لوگ آپس میں جنگ نہ کریں۔ مگر چونکہ اس بات کا تعلق صرف انسانوں کے خیالات سے تھا۔ اور لوگوں نے اس کو یوں ٹالنا چاہا۔ کہ باہمی معاہدہ سے ایسا امتیاز خانہ کعبہ کو حاصل ہو گیا ہوگا۔ اس لئے اسکی تائید میں ایک دوسرا ظاہری نشان امن کا بتا دیا۔ کہ طاعون کی مرض بھی یہاں کبھی نہ ہوگی۔ جس سے اللہ تعالےٰ کا عظیم الشان طاقت اور علم کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ شام کے ملک میں اکثر طاعون کا دورہ ہوتا رہا۔ اور مکہ والوں کے تعلقات آمد و رفت کے ہمیشہ وہاں رہے۔ مگر مکہ معظمہ کو خدا تعالےٰ نے طاعون سے ہمیشہ پاک رکھا ہے۔ اور اس

ظاہراً امن کے ساتھ باطنی امن کی طرف بھی اشارہ کیا۔ کہ یہاں دجال بھی داخل نہ ہو سکیگا۔ تیسرا نشان جو خانہ کعبہ کو دنیا میں ممتاز کرتا ہے۔ یہ ہے کہ اس کا حج ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ اور کسی حال میں کسی زمانہ میں حج نہیں رُکیگا۔ سو اس پر بھی تیرہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ دنیا میں کوئی طاقت خانہ کعبہ کے حج سے لوگوں کو نہیں روک سکی۔ اور جیسے گذشتہ میں نہیں روک سکی۔ آیندہ بھی نہیں روک سکیگی +

پس دنیا میں ایک مکہ معظمہ ہے۔ جو جسمانی اور روحانی طور پر ہمیشہ سے امن کا مقام رہا۔ اور ہمیشہ تک امن کا مقام رہیگا۔ گویا امن و امان کے لئے یہ دنیا کا جسمانی اور روحانی دونوں طور پر مرکز ہے +

مسلم کانفرنس پیکن ۱۹۱۶

یہ ایک بڑی مبارک علامت ہے۔ کہ ہمارے برادران دینی کل دنیا میں پر اس خطرہ کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ جو بعض دوسرے مذاہب کے واعظین اور پجاریوں کی غلط بیانیوں سے جو وہ اسلام کے متعلق کرتے ہیں پیدا ہو رہا ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو عقل اور نور قلب دونوں کو مطمئن کر سکتا ہے۔ جو تمام نسل انسانی کے لئے ایک سلسلہ اخوت قایم کرتا ہے خواہ وہ سیاہ رنگ کی یا سفید کی۔ اور جو سارے مذاہب کے بانیوں اور سارے انبیا کی عزت کرتا ہے۔ جو کوشش چین میں ہمارے بھائی کر رہے ہیں۔ اس پر ہم ان کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور ان کی کانفرنس کی رپورٹ اور قواعد کو خوشی سے شایع کرتے ہیں +

اڈیٹر اسلامک ریویو

اگر مذہب سچا نہیں تو وہ قایم نہیں رہ سکتا۔ اور اگر اس کے اصول نہیں تو یہ پھیلایا نہیں جا سکتا۔ اگرچہ ہمارا سلسلہ اخوت خوب مضبوط ہے۔ اور دور دراز تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اگر ہم صداقت کی اشاعت کے لئے کوشش نہ کرتے رہیں گے۔ اور نئی ضروریات پیش آمدہ کے مطابق طریق اختیار نہیں کرینگے۔ تو گو ہماری شوکت کتنی بلند نظر آئے۔ مگر یہ دیرپا نہ ہوگی +

موجودہ وقت بحث مباحثہ اور تحقیق کا زمانہ ہے۔ اور جو شخص آگے قدم نہیں اُٹھاتا۔ ضرور ہے کہ وہ پیچھے ہٹ جائے۔ جہاں ترقی رُک جائیگی۔ ضرور ہے کہ وہاں تنزل شروع ہو جائے۔ سچائی خواہ کتنی بھی عظیم الشان اور پرشوکت کیوں نہ ہو۔ اصول خواہ کتنے ہی گہرے اور وسیع کیوں نہ ہوں کوئی سلسلہ یا کوئی جماعت تھوڑے وقت میں بہت بڑی نہیں بن سکتی۔ نہ ہی زوال اور تنزل کے آثار پیدا ہونے سے محفوظ رہ سکتی ہے +

ہم مسلمانوں نے تمام اسلامی طریقوں کو بغور دیکھا ہے۔ اور ہم یقین کامل کے ساتھ صداقت اور اصول کے مالک ہیں جس وقت سے کہ ہمارے ہادی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ جس کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ آپ کے بڑے بڑے پیروؤں کی قابلیت سے ہم نے بہت فایدہ اُٹھایا ہے۔ اللہ ہی ہمارا ہادی و ناصر ہو۔ ہمارا مذہب مدت سے ہر ملک میں داخل ہو چکا ہے۔ ہمارے ہم مذہب زمانہ دراز سے ہر جگہ پہنچ چکے ہیں۔ چین میں ہماری تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہے یہاں اصل یعنی چینی زبان میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ پانچ کروڑ سے دس کروڑ تک تعداد ظاہر کرتا ہے) اور ان کے باہمی تعلقات نہایت ہی خوش گوار ہیں۔ وہ نہایت مضبوطی سے صحیح عقیدہ پر قایم رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی تمام ذمہ واریوں اور سارے فرایض کو احسن طریق پر سرانجام دیا ہے۔ وہ گورنمنٹ کے لئے بھی بڑے مفید اور اس کے بڑے معاون ثابت ہوئے ہیں۔ سوسائٹی کی عامہ بہتری اور اصلاح میں بھی انہوں نے بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ کون ہے جو ہماری عزت نہیں کرتا؟ کیا ہماری خوشحالی قابل رشک نہیں؟ لیکن تانگ خاندان کے خاتمہ سے لے کر آج تک رواجات کی پابندی میں سب چینی لوگوں میں انحطاط کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہماری سوسائٹی پر بھی اس کا ایک اثر ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں نے ایک قسم کی علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اور بیرونی لوگوں سے تعلق نہیں رکھا۔ ہم اپنی اچھی باتوں کو دیکھنے میں مصروف رہے ہیں اور دوسروں کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ہم اپنے فرایض کی ادائیگی سے بے خبر رہے ہیں۔ اور اپنے کام کی کامیابی اور ناکامی کی چنداں پرواہ نہ کرتے ہوئے علیحدہ کھڑے رہے ہیں۔ حالات کی یہ صورت موجودہ زمانہ تک چلی آئی ہے۔ اور اب ہم سب کو خطرہ صاف صاف نظر آ رہا ہے +

(باقی آیندہ)

اکیس فوٹو

دربار حبیب صلعم کے قابل دید مناظر کے عکسی تصاویر

یہ فوٹو نہایت محنت سے تیار کرائے گئے ہیں۔ پہلے دس فوٹو تیار تھے۔ اب (۲۱) فوٹو تیار تھے۔ اب اکیس فوٹو کا سٹ تیار ہے قیمت فی عدد (۳) اکیس فوٹو کا مکمل سٹ (تین) دس فوٹو ۱۲ علاوہ محصول ڈاک (۱) روضہ شریف حضرت سرور کائنات صلعم کا رنگین فوٹو (۲) کعبۃ اللہ بیت اللہ شریف کا فوٹو سیاہ ریشمی غلاف اور اس پر سنہری حروف جو فوٹو میں اچھی طرح پڑھے جاتے ہیں (۳) مدینہ منورہ کا نظارہ (۴) مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کا دلچسپ نظارہ (۵) میدان عرفات لوگوں کے خیمے اور قاضی صاحب کا جبل رحمت پر خطبہ پڑھنا (۶) شیطان کو کنکر مارنے کا نظارہ یعنی رمی (۷) میدان منا میں حاجیوں کے کیمپ اور مسجد خیف کا سین (۸) جنت المعلیٰ واقعہ مکہ معظمہ جس میں حضرت خدیجہؓ حرم رسول اللہ صلعم اور حضرت آمنہ والدہؓ والد حضرت سرور کائنات کے مزار کے فوٹو بھی ہیں (۹) جنت البقیع جس میں مزارات اہل بیت وامہات المومنین و بنات النبی حضرت عثمان غنی و شہدائے بقیع وغیرہ (۱۰) کعبۃ اللہ کے گرد حاجی طواف کر رہے ہیں (۱۱) کوہ صفا و مروہ اور وہاں جو کلام مجید کی آیت کریمہ منقش ہے۔ وہ فوٹو میں حرف بحرف پڑھی جاتی ہے (۱۲) روضہ شریف حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سادہ فوٹو (۱۳) مسجد حضرت عائشہ صدیقہ جہاں سے حاجی عمرہ باندھتے ہیں (۱۴) محمل شامی کا میدان عرفات میں قابل دید نظارہ (۱۵) محمل مصری کا شاندار سین (۱۶) مدینہ منورہ میں اسلام کی پہلی مسجد قبا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اول تیار کی اور کرائی (۱۷) سیدنا امیر حمزہؓ کا مزار جو جنگ احد میں شہید ہوئے (۱۸) بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ (۱۹) حرم شریف بیت المقدس میں رحمت اور توبہ کے دروازے (۲۰) صخرہ یعنی وہ بہشتی پتھر جو مسجد اقصیٰ میں معلق تھا اس کا فوٹو اور مسجد کے اندر کا قابل دید نظارہ (۲۱) بیت المقدس میں مسجد سیدنا حضرت عمرؓ اور شہر کا عام دلچسپ سین۔

یہ وہ نقشے نہیں جو بمبئی وغیرہ کے بازاروں میں عام طور پر فروخت ہوتے ہیں۔ یہ اصلی فوٹو ہیں۔ اس لئے آپ ان کو منگا کر اپنے مکانوں اور کمروں کو زینت بخشیں۔ روضہ شریف کا رنگین فوٹو قیمت فی عدد چھ آنے (۶؍) سائز ہر ایک فوٹو ۱۴ + ۱۱ انچ ہے لیکن مکمل سٹ کے ساتھ یہ رنگین فوٹو اسی قیمت یعنی دو روپے آٹھ آنے (۲؍۸) میں دیا جاتا ہے علیحدہ ہو کر ملتا ہے۔ مشاہیر ملک کی مختلف رائیں حسب ذیل ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ اماکن مقدسہ کے فوٹو نہایت عمدہ ہیں۔ کوچہ جاناں کی تصویریں عشاق کو کیوں پسند نہ ہوں گی۔ (۲) **آنریبل جسٹس خان بہادر میاں شاہ دین صاحب** جج چیف کورٹ پنجاب مقامات مقدسہ کے فوٹو گرانس اور مسجد نبوی کا خاکہ نہایت عمدہ اور دلچسپ ہیں (۳) **مولانا قادری شاہ سلیمان** صاحب پھلواروی۔ ہر مومن کو چاہئے کہ ان تصویروں سے مکان کو آراستہ کرے۔ (۴) **حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی** صاحب حرمین شریفین کے نقشے شمار ہیں گراں تصاویر میں جو بات ہے۔ وہ کسی نقشہ میں نہیں کیونکہ مطابق موقع اور صحیح ہیں۔ ملنے کا پتہ **منیجر دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب**

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

براہین نمبر۱ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم۔ ناطق اور عالمگیر الہامی ہے - اردو - قیمت .. .. .. (۱۰/)

ام الالسنہ - یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے اردو - قیمت - - - (۱۰/)

اسوۂ حسنہ - الموسوم بہ زندہ اور کامل نبی اردو (۸/)

احادیث نبوی کا نمونہ - اقتباس انگریزی (۲/)

مسلم پریئر " (۴/)

صحیفہ آصفیہ - تبلیغ بہ حضور نظام حیدر آباد دکن اردو - قیمت (۲/)

بنگال کی دکھونی - انگریزی و اردو - قیمت فی کتاب (۱/)

مسلم مشنری کے ولایتی لیکچروں کا سلسلہ اردو (۱/)

اور تین عدد " " " انگریزی (۳/)

مسلم انڈیا چیوڈ ٹو ورڈ گورنمنٹ انگریزی - کرشن اوتار اردو - قیمت فی کتاب (۱/)

اسلامک ریویو و انڈیا جلد ۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد ۱۹۱۳ء (۲/) جلد ۱۹۱۴ء (۲/)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء تا ۶ بغایت دسمبر ۱۹۱۴ء (۱/)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ - پارہ اول - مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے اردو (۶/)

نکات القرآن حصہ دوم (۴/) حصہ سوم (۸/)

عصمت انبیا (۸/) غلامی " " (۱/)

ویسٹرن او یکنگ ٹو اسلام - مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی (۱/۲)

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل - ایم - ایس (۱/)

طریق فلاح جس میں بت پرستی کی بنیاد اور اس سے بچنے کی آسان راہ مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل - ایم - ایس (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا - انگریزی (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشلزم " " (۱/)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ (۱/)

النبوۃ فی الاسلام - نبوت کی اصل غرض وغایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم - اے (۱/)

حدوث مادہ " " (۴/)

جلد اول ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام (۲/)

پتہ

خواجہ عبد الغنی مینجر اشاعت اسلام بک ڈپو - عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس - نولکھا - لاہور

نوٹ - نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ - ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں مفت تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں

یہ ہر سہ کتب مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں۔ جو تین خاص مضامین پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں۔ جو بتفصیل ذیل درج ہیں۔

(۱) براہین نیرہ حصہ اول (معروف بہ زندہ اور کامل الہام) قیمت ۔ ۔ ۔ (۱۰/)

اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جس میں تہذیب تمدن کے کامل نمونے موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقاید اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے ✚

(۲) ام الالسنہ معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۱۰/)

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے اپنی نوع کی پہلی کتاب ہے اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ✚

(۳) اسوۂ حسنہ (معروف بہ زندہ و کامل نبی) قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۸/)

اس میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عام حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے ✚

نوٹ ۔ محصولڈاک بذمہ خریدار ہوگا ✚

احباب ان ہر سہ کتب کے آرڈر ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔ ورنہ بعد ازاں مایوسی ہوگی

خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل نولکھا۔ لاہور

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ہم

اردو ترجمہ اسلامک ریویو لنڈن

معروف بہ

جلد (۲) نمبر (۱۲)

اشاعت اسلام

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی۔اے مسلم مشنری مولوی صدر الدین بی۔اے

اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آپ رسالہ ہذا کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انھیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے رسالہ ہذا کی ۱۰ ہزار اشاعت خریدار ووکنگ مشن کے یک ثلث کی ذمہ دار ہو سکتی ہے۔

قیمت سالانہ پنج (۵) روپیہ

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء

فہرست مضامین

(۱) شذرات ۵۲۱
(۲) قبولیت اسلام ۔ ۵۲۲
(۳) زندگی اور موت کا سوال ۵۲۳
(۴) خط بنام برادران اسلام ۵۳۱
(۵) ارتداد اور اسکے نتائج ۵۴۱
(۶) ابراہیم کا مذہب (ایک خطبہ جمعہ) ۵۴۹
(۷) تعدد ازواج ۵۶۰

[illegible] لاہور میں لالہ موتی چند پرنٹر کے اہتمام سے چھپکر مرزا یعقوب بیگ آنریری سکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

ناظرین کرام کی خدمت میں

ضروری التماس

(۱) جن اصحاب کا چندہ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر کے پہنچنے پر ختم ہوتا ہے۔ از راہ کرم مبلغ تین روپے چندہ سالانہ پیشگی بابت سال ۱۹۱۷ء بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں +

(۲) ہمارا جنوری ۱۹۱۷ء کا رسالہ اشاعت اسلام مولود نمبر ہوگا۔ جو بلحاظ مضامین کے اپنی طرز کا نرالا ہوگا۔ اور اس کے لئے خاص اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس کے مضامین نگار انگلستان و ہندوستان کے اہل قلم ہونگے۔ اور وہی نمبر بذریعہ وی پی اُن احباب کی خدمت میں ارسال ہوگا جن کا چندہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں ختم ہو جاتا ہے +

(۳) ناظرین کرام پر خوب روشن ہے کہ رسالہ اسلامک ریویو انگریزی اور اُس کے اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام کی آمد ہی بہت حد تک ووکنگ مُسلم مشن کے اخراجات عظیم کی کفیل ہے۔ رسالجات کی توسیع اشاعت گویا مشن کی استقامت کا موجب ہے۔ ناظرین رسالہ کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ از راہ شفقت سالانہ وی پی وصول فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۴) اس رسالہ کے ساتھ فہرست مضامین جلد دوئم ۱۹۱۶ء۔ رسالہ اشاعت اسلام کی بھی ملفوف ہے۔ اپنی اپنی جلد دوئم کے شروع میں لگا لیں +

الملتمس

خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل لاہور نولکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا مجریہ لینڈن

جلد (۲) بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر (۱۲)

شذرات

اس نمبر کے ساتھ عید الضحیٰ کی نماز کا فوٹو شائع ہوتا ہے۔ جس میں خواجہ کمال الدین صاحب امامت کرا رہے ہیں۔ اور مغربی اور مشرقی مسلمانوں کی ملی جلی صفیں پیچھے کھڑی ہو کر حمد الٰہی میں مصروف ہیں۔ یہ حالت بتا رہی ہے کہ مشرق و مغرب کو ملانے میں اسلام کس طرح کامیاب ہوا ہے۔ عید کے مختصر حالات پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اس نمبر میں ملک عبد القیوم بی۔ اے کی قلم سے نکلے ہوئے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جو نومبر کے انگریزی رسالہ میں شائع ہوا ہے *

رسالہ ہذا میں دو مضمون ناظرین کی خاص توجہ کے قابل ہیں۔ یعنی ایک خط بنام برادران اسلام اور دوئم زندگی اور موت کا سوال *

قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ و تفسیر بہت جلد چھپ کر مجلد ہو جائے گا۔ اور مولوی

صدر الدین صاحب اس کام کی تکمیل کے بعد جلد ہندوستان تشریف لانے والے ہیں غریبا جہاز کی غرقابی کی وجہ سے ایک پارہ کے پہنچنے میں کچھ التوا ہو گیا۔ ورنہ اخیر دسمبر تک کام ختم ہو گیا ہوتا۔ اب امید ہے کہ آخر جنوری تک کام تکمیل کو پہنچ جائیگا۔ خریداروں کی درخواستیں درج رجسٹر ہو رہی ہیں +

باوجود حالات نامساعد کے جس توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پیغام قرآن کو یہاں کے ذکور واناث سنتے اور پڑھتے ہیں اس کا اندازہ صرف ان تحریروں سے ہی ہو سکتا ہے جو آئے دن دفتر میں آتی رہتی ہیں۔ اور ایسا تو بارہا ہوا ہے۔ کہ جو زائرین شاہجہان مسجد کو دیکھنے آتے ہیں اپنی گفتگو میں صاف طور پر عیسائیت سے اپنی بے اطمینانی اور اسلام کے سیدھے سادے اصولوں سے دلبستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعضوں کی دلچسپی انہیں اسلام کے متعلق مزید استفسار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ عموماً مندرجہ بالا اعلانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مس مارگریٹ این ڈکسن ہماری ایک انگریز نومسلم بہن کی سہیلی ہیں۔ اسلامک ریویو اور دیگر مطبوعات ووکنگ مشن کا مطالعہ عرصہ سے فرما رہی تھیں اور قلبی اطمینان کا ذکر جو اس مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ ہماری بہن سے اکثر کرتی رہتی تھیں۔ چند روز ہوئے آپ نے اپنے ایمان در اسلام کا اقرار و اعلان بذریعہ تحریر دفتر میں بھیجا ہے۔ اور اپنی نئی زندگی کے لئے ایک اسلامی نام کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اُن کا نام رفیقہ اسلامی نام رکھا گیا۔ دوسری محترمہ ہم سے کہیں دور غربی افریقہ کے رہنے والی ہیں۔ لیکن اسلامی صداقت کے بیانات سے جو اسلامک ریویو میں درج ہوتے رہتے ہیں متاثر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہیں۔ لہذا اُن کا اسلامی نام کرامت رکھا گیا ہے +

مسٹر حبیب اللہ بھی اسی بلائی دُنیا کے رہنے والے ہیں۔ اور عرصہ سے ووکنگ مشن سے

خط و کتابت فرماتے رہے ہیں۔ اور آج اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بذریعہ تحریر فرماتے ہیں۔ پروردگار عالم سے دُعا ہے کہ وہ ذات پاک ان کے اعلانوں کو قبول فرماوے۔ اور استقامت بخشے۔ آمین۔

ان اعلانات کے علاوہ عموماً ایسے خطوط بھی آتے رہتے ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ مغربی دُنیا کے مختلف طبقہ کے لوگوں میں اسلامی حس موجود ہے۔ مثلاً ایک خط میں ایک نومسلم خاتون تحریر فرماتی ہیں کہ اُن کی ایک سہیلی نے اپنے منسوب سے جو فرانس میں جنگ پر گیا ہوا ہے مسجد ووکنگ کے وعظ و لیکچر سُننے اور اُن سے محظوظ ہونے کا حال لکھا جس پر نوجوان نے جواب میں اپنا اشتیاق متعلق اسلام نہایت جوش سے ظاہر کیا۔ اور مسجد میں جاتے رہنے کی تاکید کی۔ یہ اس دُنیا کا حال ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مذہبی ضرورت سے آزاد ہو چکی ہے۔ لیکن ان حالات سے صاف عیاں ہے کہ اس مذہب کی جو حقیقتاً انسانی بہبودی کا ضامن ہو اُنھیں اب بھی ضرورت ہے اور رہے گی +

اب بفضلہٖ تعالےٰ جناب مولوی صدرالدین صاحب کی طبیعت کو بہت حد تک آرام ہے اور کام ترجمہ انگریزی قرآن کریم میں ہمہ تن مصروف ہیں جو نہایت سرعت سے ہو رہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب ختم ہوا چاہتا ہے۔ مسجد لندن میں خطبہ جمعہ اور مسجد ووکنگ میں اتوار اور بدھ کے جلسے کامیاب دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ امام صاحب مسجد کو لنڈن کی ایک سپرچولسٹ سوسائٹی میں ایک لیکچر دینے کا اتفاق ہوا۔ جو بہت کامیاب لیکچر تھا +

عبدالقیوم (ملک بی۔ اے علیگ)

زندگی اور موت کا سوال

آج یہ ایک مسلّمہ امر ہے۔ کہ دُنیا میں کوئی چیز کامل سکون کی حالت میں نہیں اور نہ رہ سکتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرات سے لے کر جن کو ہم بغیر خوردبین کی مدد کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ بڑے سے بڑے ستاروں تک جن کے سامنے ہماری یہ زمین بھی

ایک ذرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر چیز ہر آن ایک تغیر کی حالت میں ہے۔ جمادات نباتات حیوانات اس تغیر میں یکساں شامل ہیں۔ پھر یہ تغیر بھی ایک بے معنی تغیر نہیں۔ بلکہ یہ تغیر یا تو کسی چیز کے نشو و نما کا باعث ہو رہا ہے یا اس کے انحطاط کا۔ ایک چیز کو اگر یہ ترقی کے اعلٰے سے اعلٰے معراج کی طرف لے جا رہا ہے تو دوسری کو تنزل کے اتھاہ گڑھے کی طرف۔ کیا سچ فرمایا ہے۔ ربنا ماخلقت ھذا باطلا۔ سبحانک فقنا عذاب النار غرض کہ کوئی چیز بھی حالت سکون میں نہیں۔ پھر انسان جو خلاصہ موجودات کہلاتا ہے وہ کیونکر اس تغیر سے بچ سکتا ہے۔ اور انسانوں کا وہ مجموعہ جسکو قوم کہا جاتا ہے۔ وہ کس طرح اس قانون الٰہی کی ماتحتی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ جو انسان ترقی نہیں کرتا وہ تنزل کریگا جو قوم اپنا قدم آگے نہیں بڑھاتی اس کا قدم ضرور پیچھے ہٹ رہا ہے۔ خواہ وہ اسے محسوس کرے یا نہ کرے۔ خدا کا قانون ان ٹل ہے۔ اگر تغیرات عالم پر ذرا اور گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تغیرات کے اندر ہر چیز ہر آن کسی دوسری پر غالب آنیکی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ہر فرد اپنی ہی نوع کے دوسرے افراد پر غالب آنا۔ بلکہ اُن کو کھا جانا چاہتا ہے۔ ہر نوع دوسری نوع کو معدوم کرنے اور خود آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ کسی چیز کو اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیئے ہر آن جنگ و جدال کی ضرورت ہے۔ ہر آن اُسے کسی نہ کسی دوسری طاقت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے نہ صرف دریاؤں کی بڑی مچھلیاں ہی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں۔ بلکہ ہر ایک طاقتور چیز کمزور چیز کو کھائے جا رہی ہے اور اس اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے جہاد میں وہی چیز غالب آتی ہے۔ جو اس جہاد میں عمدہ سے عمدہ سامان رکھتے ہوئے اپنا پورا زور اس غرض کے لیئے صرف کرتی ہے۔ یہی وہ جہاد کا مسئلہ ہے۔ جس پر نادانوں کو اس قدر اعتراض ہے مگر جو آج سے تیرہ سو سال بیشتر قرآن کریم نے ان الفاظ میں سکھایا تھا۔ وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا۔ اور۔ ان لیس للانسان الا ماسعی وان سعیہ سوف یرئ۔ یہ جہاد یہ سعی زندگی کی جڑ ہے۔ اس کو چھوڑ دینے سے زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھنے کے لیئے ایک اصول اُن کو بتایا تھا اور

اس کی بناء اسی اصول جہاد پر تھی۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئٰک ھم المفلحون۔ اور چاہیئے کہ تم میں ہر وقت ایک ایسا گروہ موجود رہے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور نیک باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (آل عمران ۔ ۱۰۳)
یہاں گویا کامیابی کا دار ومدار اس بات پر رکھا ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ داعیان اسلام کا موجود رہے۔ کیونکہ الخیر کا لفظ جس کی طرف دعوت کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم یا دین اسلام ہی ہے۔ کیونکہ سب بھلائی کی راہیں یہاں بتادیگئی ہیں تو یہاں گویا یہ بتایا ہے کہ اگر دنیا میں تم ایک کامیاب اور زندہ قوم رہنا چاہتے ہو۔ تو ضروری ہے کہ تم میں ایک گروہ مبلغین اسلام کا یا اشاعت اسلام کرنے والوں کا رہے۔ گویا اسی اصول سائینس کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کہ اگر تم اس کوشش میں نہیں لگے رہو گے کہ دوسروں کو دین اسلام میں داخل کرو تو پھر تم کامیاب بھی نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ اگر ترقی کی کوشش جاتی رہے گی تو تنزل اور انحطاط کا آجانا لازمی ہے

اب جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو اس اصول قرآنی کی صداقت بیّن طور پر نظر آتی ہے۔ ابتدائے اسلام کا زمانہ تو وہ تھا۔ کہ ہر ایک مسلمان کے اندر دعوت الی الاسلام کی ایک زبردست روح کام کرتی نظر آتی تھی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں نے دعوت الی الاسلام کو ہی اپنی زندگیوں کا اصلی مقصد سمجھ رکھا تھا۔ اس لیئے اسلام ایک حیرت انگیز سرعت کے ساتھ دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور اس جوش اور تڑپ نے جو وہ لوگ اشاعت اسلام کے لیئے رکھتے تھے۔ ان داعیان اسلام کو دور دور کے ممالک میں پہنچا دیا۔ اور اس طرح پر تھوڑے ہی سالوں میں ایک انقلاب عظیم انھوں نے دنیا میں پیدا کرکے دکھا دیا۔ پھر بعد اس کے ایک ایسا زمانہ آیا۔ کہ بادشاہ اولی الامر تو اس فرض کی طرف سے غافل ہو کر اپنے تعیشات میں گرفتار ہوگئے۔ اور علماء اپنے فروعی جھگڑوں میں مصروف ہوگئے۔ مگر پھر بھی بہت سے بزرگ دعوت الی الاسلام کے کام میں لگے رہے۔ اور وہ بزرگ جن کے ناموں پر آج لاکھوں لوگ قربان ہوتے ہیں

ان کی یہ عزت محض اسلام کی خدمتگذاری سے ہوئی۔ وہ درحقیقت روحانی بادشاہ تھے۔ اور جب دنیوی بادشاہوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کو چھوڑ دیا تو ان روحانی بادشاہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا۔ کہ یہ لوگ بھی دنیا سے گذر گئے اور اُن کے پیچھے وہ لوگ آئے جنھوں نے ان کی گدیوں کو پیسے کمانے کا ذریعہ بنایا۔ اور دعوت الی الاسلام کا کام قریبًا قریبًا بالکل ہی جاتا رہا۔ اس سے اسلام کو وہ سخت نقصان پہنچا جس کی تلافی دوسری طرح پر ہونی محال ہے۔ مسلمانوں کے ادبار کے دن وہی پاؤ گے جب اُنھوں نے جدوجہد کے اس مقدس فریضہ کو ترک کر دیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اب ہم بڑی قوم ہیں ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ مگر ادھر اُنھوں نے جدوجہد کو چھوڑا۔ اُدھر ترقی کی بجائے تنزل شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے اس زمانہ میں اسلام دوسرے لوگوں کے حملوں کا آماجگاہ ہو گیا۔ اور بہت سے اسلام کے نام لیوا دوسرے مذاہب میں چلے گئے۔ یہ ادبار اشاعت اسلام کے کام کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ تھا۔

کیسے کیسے پاک اصول فلاح کے مسلمانوں کو اس پاک کتاب کے اندر دیئے گئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا اور کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر مسلمانوں نے ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا کا مصداق اپنے آپ کو ہی ثابت کر دکھایا اور دوسرے قومیں تو قرآن کریم کے پاک اصول سے متمتع ہوئیں اور نہ ہوئے تو مسلمان۔ کس قوم کی مقدس کتاب میں اصول باندھا گیا۔ کہ تم میں ہر وقت ایک جماعت دعوت الی الاسلام کے لیئے رہے؟ سوائے قرآن کے یہ اصول کسی کتاب میں نہ پاؤ گے۔ مگر عملی طور پر کونسی قوم ہے جو آج دنیا میں اس اصول کی تارک نظر آتی ہے؟ سوائے مسلمانوں کے کوئی نہیں۔ ہر ایک قوم کو فکر لگی ہوئی ہے کہ دوسروں کو اپنا ہمخیال بنائے۔ ہر ایک قوم شب و روز جدوجہد میں ہے۔ اور سکوں کو اپنے لیئے موت سمجھتی ہے۔ مگر مسلمان جن کی پاک کتاب نے زندگی کا اصول ہی جدوجہد کو بتایا تھا۔ ایسے غافل ہیں کہ حالت سکون سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ اپنے مذہب کی تبلیغ سے کلیتہً بے فکر ہیں۔ اس کی ضرورت اتنی بھی نہیں سمجھتے جتنی اپنا دل خوش کرنے کے لیئے ایک مکان

بنانے کے۔ نہ مبلغ پیدا کرنے کا سامان ہے نہ دنیا کی ضروریات کی خبر ہے نہ اسلام پر حملوں کی پرواہ ہے نہ دوسرے مذاہب سے کچھ واقفیت ہے۔ دوسرے مذاہب کے واعظ مسلمانوں کے ملکوں کے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں پھر نکلے ہیں۔ دوسرے مذاہب کی کتابیں مسلمانوں کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر ان تک پہنچائی جا چکی ہیں۔ مگر خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ نہ صرف اُن کے واعظ اور اُن کی کتابیں دوسروں تک ہی نہیں پہنچتی۔ بلکہ اپنے گھر کے اندر بھی اُنھوں نے قرآن شریف کو عوام تک نہیں پہنچایا۔ اگر دوسری قومیں بھی اپنے اپنے مذاہب کی اشاعت کی طرف سے لاپرواہ ہوتیں تو پھر بھی مسلمانوں کی یہ غفلت شاید چنداں نقصان دہ نہ ہوتی۔ مگر جہاں ایک سخت جدوجہد لگی ہوئی ہے۔ اور ہر مذہب اس فکر میں ہے کہ دُوسرے مذاہب کو اپنے اندر لے لے۔ ایسے نازک وقت میں یہ غفلت اپنی موت کے فتویٰ پر خود مہر لگاتا ہے۔

بیشک قوم کی ضروریات بہت ہیں اور ان سب کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مگر زندگی اور موت کا سوال سب سے مقدم ہے۔ اگر دُوسری ضروریات قوم کی بعض بیماریوں کا علاج ہیں تو اشاعت اسلام کا سوال قوم کی بقا کا سوال ہے۔ پس پہلے زندگی کا فکر کرو جس ضرورت پر قوم کی زندگی کا مدار ہے اس کی طرف سے ایک لمحہ کی غفلت بھی مہلک ہے۔

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس قدر اس کام کی اہمیت ہے اسی قدر زیادہ عموماً مسلمان اس طرف سے غافل پائے جاتے ہیں۔ اِلّاماشاءاللہ۔ ووکنگ مشن جس کو قائم ہوئے اب چار سال کا عرصہ ختم ہوتا ہے۔ اِس تھوڑی سی مدت میں اگر اس عظیم الشان خدمت کو دیکھا جائے۔ جس کے لیئے محض اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے سامان پیدا کر دیئے۔ اور دوسری طرف اس حالت کو دیکھا جائے۔ کہ ابتک اس مشن کی طرف اتنی بھی مستقل توجہ قوم کی نہیں ہوئی کہ اس چار سال کے عرصہ میں جس قدر ترقی نشوونما اس میں ہونا چاہیئے تھا اس کے لیئے بھی کوئی مستقل انتظام ہو جاتا تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشاعت اسلام کی اہمیت کے سوال کو نہ صرف مسلمانوں نے سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ اس کی طرف ابھی توجہ بھی نہیں۔ رسالہ کی قیمت کو چھوڑ کر اشاید

بمشکل بارہ پندرہ ہزار روپے کا انتظام سال میں ہوجاتا ہوگا۔ اگر اس قدر خرچ پر ایک تعلیمگاہ قائم ہوتی جس کے ابتدائی مصارف گویا کچھ بھی نہ ہوتے۔ حالانکہ تعلیمگاہوں کے ابتدائی مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اس سے ہم کس قدر نتائج کی توقع کر سکتے تھے۔ اس قدر خرچ سے بمشکل ایک مڈل سکول قائم ہوسکتا اور وہ بھی ابتدائی چار سال میں کچھ کام کر کے نہ دکھا سکتا تھا۔ یعنی مڈل تک بھی پاس شدہ کوئی طالب علم نہ دکھا سکتا۔ لیکن بالمقابل ووکنگ مشن کے کام کو دیکھو۔ ان ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں میں جو اب تک اس کے ذریعہ سے اسلام میں داخل ہوچکے ہیں کس پایہ کس علمیت کس شوق اور جوش کے آدمی ہیں۔ دنیوی عزت اور وجاہت کے لحاظ سے لارڈ ہیڈلے اور کونٹ اور پرنس وغیرہ جیسے آدمی اس نے پیدا کر دکھائے۔ گورنمنٹ کے عہدیداران کے لحاظ سے میجر اور کپتان اور لفٹنٹ اس نے پیدا کر دکھائے علم و فضل کے لحاظ سے کئی پروفیسر کالجوں کے اس نے پیدا کر دکھائے۔ علمی قابلیت کے لحاظ سے مصنف۔ اڈیٹر مضمون نویس اس نے پیدا کر دکھائے۔ تبلیغ دینی کے لحاظ سے بھی بڑے بڑے پر جوش مرد اور خواتین اس نے پیدا کر دکھائیں۔ شاید لاکھوں روپے کے خرچ سے بیس سال میں بھی وہ کام نہ ہوسکتا جو چار سال کے عرصہ میں چند ہزار روپے کے خرچ سے ووکنگ مشن نے کر دکھایا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تا کہ مسلمانوں کی ہمتیں بلند ہوں اور وہ سمجھ لیں کہ اشاعت اسلام کا کام ایسا نہیں کہ روپیہ تو بہت صرف ہو اور نتائج تھوڑے سے نظر آئیں۔ بلکہ اس کے خلاف تھوڑے خرچ سے کیسے کیسے عظیم الشان نتائج پیدا کر دکھائے ہیں۔ اور یہ تو صرف چند آدمی ہیں جو پیدا ہوچکے وہ وسیع لٹریچر جو اس نے چار سال کے عرصہ میں پیدا کیا ہے۔ انگریزی زبان کی لائبریری میں جہاں افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کا چہرہ دکھانے والا آئینہ قریباً کوئی نہیں تھا۔ کیسا بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ پھر ایک قوم کی قوم کے خیالات ہیں اس خط و کتابت نے۔ اس میل و ملاقات نے۔ ان لیکچروں کے سلسلہ نے۔ ان جمعہ اور عیدین کے نظاروں نے جو ووکنگ مشن کے ذریعہ سے ظہور میں آتے ہیں کس قدر انقلاب عظیم پیدا

کر دیا ہے۔ اس کو بھی چھوڑ کر اسلام کی عظمت کو اس ایک مشن کے قیام نے کس طرح عام طور پر دُنیا کے دلوں میں بڑھا دیا ہے۔ اور اس کی زندگی کا یہ ایک کیسا نمایاں نشان قائم کر دیا ہے یہ سب کچھ تو ہوا۔ لیکن اس چار سال کے عرصہ میں بالمقابل ان عظیم الشان نتائج کے ہو جانا چاہیئے تھا کہ مُسلمانوں کے دلوں میں اشاعت اسلام کے عشق کی آگ لگا دیتے۔ اور اُن کے اندر ایک ولولہ پیدا کر دیتے۔ کہ یہ کام قوم کی زندگی کے قیام کے لیئے اور اُس کی عظمت کے اظہار کے لیئے اہم ترین کام ہے۔ قوم نے کس قدر توجہ کی ہے۔ قریبًا ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ان تحریکات کو اس رسالہ میں اور اس رسالہ سے باہر بھی دیکھا جاتا ہوگا۔ کہ لندن میں ایک شاخ اس مشن کے قائم کرنے کی ضرورت ہے اور مختلف قلموں سے یہ تحریک نکلتی رہی۔ مگر اس کے لیئے سامان کہاں سے آئے۔ ابھی تو خود ووکنگ مشن کا بھی کوئی مستقل انتظام نہیں۔ بلکہ اس قدر عرصہ میں ان نتائج کو دیکھ کر تو چاہیئے تھا۔ کہ اس قدر تیاری اس عرصہ میں کر لی جاتی کہ ان کے بعد یورپ کے ہر ایک ملک میں ایک ایک شاخ اس مشن کی قائم ہو جاتی۔ اور پھر دیکھا جاتا کہ اسلام کس طرح پر دلوں کو مسخر کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اپنا روحانی اقتدار دُنیا میں قائم کرتا چلا جاتا ہے تعجب آتا ہے کہ مُسلمانوں کی اُمنگوں پر کیوں اس طرح افسردگی چھا گئی کہ صریح نتائج کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔ ان کی تھوڑی سے جدوجہد پر عظیم الشان نتائج خدا تعالےٰ نے مرتب کر دکھائے تھے جن کی نظیر اس زمانہ میں ہمیں کوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ سب سے زیادہ پُر زور تحریک تبلیغ دین کی عیسائیت کی طرف سے ہے۔ مگر لاکھوں روپیوں کے اخراجات سے بیسیوں سالوں میں بھی ان کے مشن کی کسی شاخ نے ایسے عظیم الشان نتائج نہیں دکھائے۔ مگر خدا کے اس فضل پر بھی اُنھوں نے جیسا کہ چاہیئے تھا قدم آگے نہیں اُٹھایا۔ جہاں کامیابی کی موہوم امید بھی ہو وہاں لوگ اپنا مال پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ مگر یہاں تو امید نہیں۔ کھلی کھلی کامیابی اور بے نظیر کامیابی بھی مشاہدہ کرا دی گئی۔ پھر بھی خاموشی ہی خاموشی ہے۔ اور سوائے معدودے چند باہمت افراد کے باقی سات کروڑ مُسلمان یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمیں اس سے کیا سروکار

اسلام زندہ رہے یا مرے۔ اسلام تو نہ صرف زندہ ہی رہے گا بلکہ لیظھرہ علی الدین
کلہ کا وعدہ بھی اسکا پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن ان لوگوں کی ہمتوں پر جو اس وقت موجود
ہیں اور نتائج کو دیکھ رہے ہیں یہ کتنا بڑا دھبہ ہوگا اگر اُنھوں نے اس وقت ہمارے
اس کام کو ترقی دینے کے بجائے اسے بے توجہی قایم رکھ کر بگاڑ دیا۔ اس لیئے سب برادران
اہل اسلام سے یہ ہماری اپیل ہے کہ اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اسوقت
محض اللہ کی رضا کے لیئے۔ اللہ تعالےٰ کے دین کی عظمت کے لیئے۔ اللہ تعالےٰ کی
توحید قائم کرنے کے لیئے ہمت دکھائیں۔ اور اپنے سلف کے نقش قدم پر قدم رکھ
کر دُنیا کو دکھائیں۔ کہ مسلمان خدا کے لیئے اور دینِ حق کی اشاعت کے لئے کیسی
ایثار کرنے والی قوم ہے اور اس کی ہمت کیسی بلند ہے مسلمانوں کے اندر خیرات
بہت ہوتی ہے۔ اچھے کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کو بھی تیار ہوتے ہیں وہ خوب
سمجھ لیں کہ اُن کی خیرات کا سب سے بہتر مصرف اور اس وقت نیکی کے کاموں میں
سب سے مقدم اور اہم۔ اشاعت اسلام کا کام ہے۔ اور یہ اشاعت اسلام کا کام
جس طرح ووکنگ مشن کے ذریعہ شروع ہو چکا ہے اس کا قائم رکھنا اب ہر ایک مسلمان
کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک ہر ایک مسلمان اسمیں عملی
رنگ میں حصہ نہ لے۔ یہی قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر خدانخواستہ
مسلمانوں کی غفلت سے اس مشن کو نقصان پہنچا۔ تو مسلمان جو پہلے ہی ہمت
ہار بیٹھے ہیں۔ پھر شاید کبھی بھی اپنے دین کو دوسروں تک پہنچانے کی جرأت نہ
کرسکیں گے۔ اور جب اشاعت کا کام ان میں کمزور ہوا تو خوب یاد رکھو۔ کہ پھر
اسلام کی حفاظت کا بھی کوئی سامان نہ رہے گا۔ اشاعت اور حفاظت کے سوال
ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ دلوں میں تحریک
کا پیدا کرنا یہ خدا کے ہی اختیار میں ہے ✣

خط بنام برادران اسلام

(ایک اہم ضرورت)

برادران اسلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس نمبر کے ساتھ اسلامک ریویو کی چوتھی جلد ختم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی کل ہی انگلستان کے ساحل پر اترا تھا۔ اور یہ اب پانچواں سال شروع ہوتا ہے۔ چار سال کا زمانہ ایک قلیل عرصہ ہے۔ مگر جو کام اس تھوڑے سے عرصہ میں کیا گیا ہے اس کی تکمیل بیسیوں سالوں میں بھی بمشکل سے ہو سکتی تھی۔ صدیوں کی غلط فہمیوں نے اسلام کے چہرہ پر ایک تاریکی کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ اور نسلاً بعد نسل غلط بیانیوں نے اس کی خوبصورتی کو ایک بدنما داغ بنا رکھا تھا۔ ان غلط فہمیوں کا دور کرنا اور ان غلط بیانیوں کا مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ بلکہ ایک لمبے زمانہ کو اور پے در پے کوششوں کو چاہتا تھا۔ جو کچھ میں نے انگلستان آکر پہلے چھ مہینوں میں کتابوں رسالوں۔ تصویروں۔ تھیٹروں کے ذریعہ سے اسلام کے متعلق سنا اور دیکھا وہ ایک کپکپا دینے والا نظارہ تھا۔ اور میں نے اس وقت اس کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں اپنی چٹھی بنام آل انڈیا مسلم لیگ میں ۱۹۱۳ء میں کھینچا تھا:۔

"تعدد ازدواج۔ غلامی۔ جزیہ اور جہاد ہی ایسی چیزیں نہیں جن کے متعلق غلط بیانی کرکے اسلام کے خلاف یہاں نفرت پھیلائی جاتی ہے اور دلوں میں عناد کا بیج بویا جاتا ہے بلکہ اسلام کی ہر ایک چیز یہاں تنفر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کو ناقابل اصلاح قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارا علم الٰہیات اور ہمارا اخلاقی کوڈ۔ ہمارا طریق سیاست اور ہماری تدبیر منزل۔ ہمارا تمدن اور ہماری معاشرت وحشیانہ بتائے جاتے ہیں۔ ہمارا ذات باری کا عقیدہ خدائی کی تحقیر اور ہمارے انسان کے متعلق خیالات انسانیت پر ایک ظلم ٹھیرائے جاتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں اپنی عورتوں کی نیکی اور عصمت پر کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی مردوں

کے دلوں میں عورت کی عزت کا ہم کو یقین ہے۔ گویا محمدؐ نے ہم کو نکما کر دیا ہے۔ اور ہم نے
نسل انسانی کو اس بے مزہ خوشی سے محروم کر دیا ہے۔ جو ناچ اور تماشا میں مردوں اور عورتوں
کے کھلے میل ملاقات سے ایک دوسرے کو حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہم کمال انسانی کو محسوس
نہیں کرتے اور خوبصورتی کے سامنے آنکھیں بند کر کے اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے
مردوں کو اپنی عورتوں کی جسمانی خوبصورتی کی قدر کرنے کا موقعہ نہیں دیتے۔ حالانکہ قدرت
کا ان کو خوبصورت بنانے میں یہی منشاء تھا۔ کہ وہ نسل انسانی کی عام خوشی کو بڑھانیوالی
ہوں۔ ہم نے اپنے بہتر نصف حصّہ کو (یعنی صنف نازک کو) پردہ میں رکھ کر اُن کی ہر ایک
خوبی اور کمال کو مردہ کر دیا ہے۔ ہمارے اخلاقی قوانین اُن کے نزدیک متضاد اصولوں کا
ایک مجموعہ ہے۔ اور خشک زہد اور شہوات کا ایک بے جوڑ مرکب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
اسلام صرف حیوانی جذبات کو اپیل کرتا ہے اور نازک جذبات کے نشو و نما کے لیئے کوئی
موقعہ نہیں چھوڑتا۔ یہ مذہبی دیوانگی پیدا کرتا ہے اور عقل عامہ اور معقولیت کا ستیاناس
کرتا ہے۔ اس لیئے مسلمان فتح حاصل کر کے صرف تلوار کے ذریعہ سے اس کے ثمرات کو محفوظ
رکھ سکتا ہے۔ مگر مفتوحہ قوموں کو کوئی اچھی حکومت یہ نہیں دے سکتا۔ مختصر یہ کہ جہالت
اور تنگدلی۔ تندخوئی اور وحشیانہ پن۔ شہوات اور ناقابلیت اور ہر قسم کی قابل حقارت
صفات کا ہم مجموعہ سمجھے گئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام کا زمانہ اب ہو چکا۔ اس کی
خدمت کا دائرہ دُنیا میں گویا اسی حد تک محدود تھا۔ کہ بالکل وحشی قوموں کی تھوڑی سی
اصلاح کر دے اب یہ ایسے ممالک میں یورپین تہذیب کے لیئے ایک پیش خیمہ تو ہو سکتا ہے
مگر ترقی یافتہ حصص دُنیا میں اب اس کی جگہ کوئی بہتر اصول لیں گے"۔

غرض ایسے ایسے خیالات اسلام کے متعلق عام طور پر دلوں میں جاگزین تھے۔ اور اب
بھی ہیں۔ یہ بالکل جھوٹ اور سخت افترا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ابتدا میں ان خیالوں
کی ترویج اسلام کے خلاف منصوبہ بازی کی شرارت ہو گی۔ مگر اب یورپ میں لاکھوں کروڑوں
انسانوں کا نیک نیتی سے یہی خیال ہے۔ ہمارا سب سے پہلا اور مقدم فرض یہ ہے۔ کہ ان
جہالت کے بادلوں کو اُڑا دیں۔ جنھوں نے مطلع اسلام کو یورپ کی نگاہوں میں تاریک کر رکھا ہے

دونوں مغربی برّاعظم اسلام کے متعلق خطرناک غلط فہمیوں میں مُبتلا ہیں۔ اور عمداً غلط بیانیوں اور افتراؤں سے یہ غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں۔ اور اگر ہم ان غلطیوں کی اصلاح پر پُورا زور صرف کردیں تو اس آزادی اور وسیع خیالی کی زمین پر لاکھوں انسان اسلام کے مویّد ہوجائیں گے *

اسی یقین کے ساتھ ہم نے اپنا کام یہاں شروع کیا تھا۔ اور یہ امر کہ نتائج نے ہماری امیدوں کو سچ کردکھایا ہے۔ ایسا اظہر من الشمس ہے کہ اب مجھے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں کس قدر راحت محسُوس کرتا ہوں۔ جب میں ذیل کے اقتباس پادری آرمیکسول کنگ کے خطبہ سے جو اُنھوں نے اولڈ پریسبائیٹیرین چرچ نیو ٹاؤنرڈ میں جنوری گذشتہ کے کسی اتوار کو دیا تھا پڑھتا ہوں۔ پادری میکسول کنگ نے اپنے سامعین کو یوں مخاطب فرمایا

"یہ صرف غلط ہی نہیں۔ بلکہ یہ ایک مجرمانہ غلطی کا ارتکاب ہے۔ اگر مسلمانوں کو کافر کہا جائے .... اسلام کی کتاب مقدس قرآن ہے ... اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اعتقادات اور اعمال کا ہی ذکر ہے۔ بلکہ یہ روزمرّہ زندگی کے لیئے ایک کامل مجموعہ خلاق اور ایمانداروں کے لئے ایک قانونی نظم ہے۔ اس بارہ میں مسلم کو عیسائی پر فضیلت ہے۔ کہ اس کی روزمرّہ مذہبی زندگی کی ہدایات اور اس کا قانون یکساں ہیں۔ حالانکہ عیسائی کی روزمرّہ زندگی کے لیئے ایک مجموعہ اور اس کے قانون کے لیئے ایک الگ نظم ہے۔ اسلام روزانہ خیرات پر بُہت زور دیا جاتا ہے۔ اور مہربانی اور اخوّت کے کام خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں .... تمام نبیوں کی مُسلمان سچّے دل سے توقیر کرتا ہے .... مَیں نے اسلامی تحریروں میں یسُوع کی عزّت اور محبّت کے ایسے نیک خیالات کا اظہار دیکھا ہے کہ ان لفظوں کو دیکھ کر میں یہ بھول جاتا تھا۔ کہ میں ایک عیسائی لکھنے والے کے الفاظ کو نہیں پڑھ رہا ہوں۔ پس کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ عیسائیوں نے کیا طرز حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ذکر تقریروں اور تحریروں میں کرنے کے لئے اختیار کررکھی ہے۔ .... عملی زندگی میں مُسلمان ایک بااخلاق انسان ہے۔ اس کے طریق زندگی پر خدا تعالےٰ کی جزاو سزا کی حیثیت غالب ہے۔ میں اسلامک ریویو جلد ۲ نمبر ۳ کے صفحہ ۱۲۹ سے کچھ الفاظ نقل کرتا ہوں

اسلام عمل میں آزادی دیتا ہے۔ اور ہر انسان کے لیئے خود فیصلہ پر پہنچنے کی تائید کرتا ہے اور اس لیئے اختلاف رائے کی عزت کرتا ہے "..... یہ عام طور پر خیال کیا گیا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو آنکھیں بند کر کے قسمت کو قبول کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مسلم ریویو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے "ایک ایسا مذہب جو محنت کوشش اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کمزور اور سست کر دینے والے خیال کا حامی نہیں ہو سکتا۔ جو تقدیر کے فرض مفہوم سے پیدا ہوتا ہے۔ جس سے بدی ایک امر مقدر قرار پا کر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کو انسان ترک کر دیتا ہے۔ ... جہاں کہیں عورتوں کا ذکر قرآن میں آیا گیا ہے ان کی عزت اور ادب کا حکم دیا گیا ہے یہ ایک ظاہر امر ہے جس کے بیان کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں کہ جو مذہب خدا کی رضا کی کامل فرمانبرداری کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے قبول کرنے والے اپنے معاملات میں صادق راستباز اور انصاف کرنے والے ہوں۔ اور اپنے قول و قرار اور اپنے معاہدات کے پورے پابند ہوں.... اسلام میں بڑی صداقت اور راستبازی ہے"

پادری کننگ اس طرح اپنے اتوار کے خطبہ میں گرجا میں کھڑے ہو کر اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنے میں تنہا نہیں ہیں۔ ایک اور پادری صاحب والرمین صاحب ڈی ڈی نے بمقام پٹسبرگ اپنے گرجا میں " دُنیا کے امن کی راہ " پر خطبہ دیتے ہوئے اسلام کی بہت تعریف کی اور اس کے برخلاف عیسائیت کو اس بات کا ملزم ٹھیرایا کہ یہ ان زمینوں میں بھی امن قائم نہیں کر سکی۔ جہاں صرف عیسائی ہی عیسائی رہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ عیسائی ممالک جنگ و جدال کے گناہ سے کبھی بھی بری نہیں ہوئے۔ اور کہ آج کلیسیا پر جو جرم عاید ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہی عاید رہا ہے۔ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے پادری صاحب نے کہا۔

" ان کا مذہب یعنی قرآن کا مذہب اسلام کہلاتا ہے۔ جس کے معنے ہی صلح کرنا ہے اور جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے۔ یعنی ایسا شخص جس کی خدا کے ساتھ بھی صلح ہے اور اس کی مخلوق کے ساتھ بھی۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو وہ بھی السلام علیکم کہتا ہے۔ یعنی تم پر سلامتی ہو "

اس بات کا ثبوت کہ ان خیالات کی اصلاح میں اسلامک ریویو اور ووکنگ مسلم مشن ہی
اصل موجب ہیں خود ان تحریروں سے ملتا ہے۔ انہی خطبوں کو پڑھ کر نواب عماد الملک بہادر
نے ۱۹۱۵ء میں بمقام منصوری نواب محمد اسحاق خانصاحب اور اوروں کے سامنے یہ الفاظ
بولے تھے۔ کہ مغرب میں اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کو دُور کرنے اور عامہ رائے پر اسلام کے
متعلق نیک اثر ڈالنے میں اسلامک ریویو نے صدیوں کا کام سالوں میں کر دکھایا ہے۔
وہ لوگ جو ہم سے خاص طور پر عناد بھی رکھتے ہیں وہ بھی اسلام کے متعلق ہمارے ریویو
میں مضامین کو پڑھ کر اُن کی خوبی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور وہی فقرے جو بظاہر
اُنھوں نے ہم پر حملہ کے رنگ میں لکھے ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامک ریویو نے
جس رنگ میں اسلام کو پیش کیا ہے اُس نے دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر کیا ہے۔ چنانچہ رسالہ
مسلم والڈ نے جو عیسائیت کی اسلام کے خلاف تبلیغ کے لیئے ایک ماہوار میگزین ہے
ہماری ایک کتاب " اسلام اینڈ مسلم پریئر " پر جو اسلامک ریویو کے مضامین کو اکٹھا
کرکے تیار کی گئی تھی۔ ریویو کرتے ہوئے ذیل کے الفاظ لکھے ہیں :-

" ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ان کے لکھنے والوں کی جو تعلیم اسلامی کے مفہوم کو
پیش کرتے ہیں خلوص نیت کی وجہ سے ایک شخص تحیّر میں رہ جاتا ہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک
کتاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے متعلق بلند پروازیوں سے بھری ہوئی ہے۔
اور اکثر صورتوں میں سچے مسلمان بھی اس کو اسلام کی تائید نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تعلیم ہندوستانی
معلمین اسلام کے ترقی یافتہ گروہ سے مخصوص ہے جو اس بات کے لیئے پُر زور کوششیں
کر رہے ہیں کہ اسلام کے لئے جزائر برطانیہ میں زیادہ قابل برداشت اور معقول عزت
پیدا کریں "

اب جب عیسائی مشنری نے یہ دیکھا کہ اس کی ان کوششوں کی جو وہ اسلام کو بدنام
کرنے کے لئے کرتا رہا ہے حقیقت کھلتی جاتی ہے تو اُس نے ایک نیا راگ شروع کر دیا۔
جس طرح ہم اسلام کا خوبصورت چہرہ پیش کرتے ہیں وہ اسے محض بلند پروازی قرار دیتا ہے
گویا یہ حقیقی اسلام نہیں۔ لیکن ہم امید رکھتے ہیں کہ جوں جوں مغربی دماغ اسلام کی حقیقی

تعلیم سے خود زیادہ آشنا ہوتے چلے جائیں گے ان پر یہ بات بھی کھل جائے گی کہ آیا جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں وہ حقیقی اسلام ہے۔ یا محض ہمارے خیالات کی بلند پروازی ہیں تو خدا نے کتاب ہی ایسی دی ہے کہ ہر دعوٰے اور ہر دلیل کے لیئے ہم خود اس کتاب کو پیش کرتے ہیں۔ اس کا یہ یقینی نتیجہ ہے کہ جوں جوں مغرب پر مشنری غلط بیانی کی حقیقت آشکار ہوتی جائے گی وہ صداقت اسلام کو قبول کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے چلے جائیں گے لیکن مشنری اور وجوہ سے بھی معذور ہے۔ مغربی علم الٰہیات ایک الٰہی دین کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کو سمجھنے کے لیئے اس قدر دُور پڑا ہؤا اور ایسی ناقص حالت میں ہے کہ گو ہم اپنے مذہب کے اصُول کو ہی پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ اصُول اُن کو ایسے بلند اور ایسے اعلےٰ درجہ پر نظر آتے ہیں کہ وہ اُن کو ہمارے خیالات کے بلند پروازی پر محمول کرتے ہیں۔ اس سے ہم کو یہ امید ہے کہ جوں جوں ہمارا کام ترقی کرے گا اُس کے ثمرات اعلےٰ سے اعلےٰ شکل اختیار کرتے چلے جائیں گے +

نومُسلموں کی تعداد کو بڑھانا یہ ہم نے اپنے مدّ نظر نہیں رکھا۔ نہ ہی تعلیم قرآنی کے ماتحت ہمیں اس بات کی پروا کرنی چاہیئے کہ کتنے لوگ مُسلمان ہوتے ہیں۔ اعلان اسلام کی کسی کو توفیق دینا یہ خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام تو صرف یہ ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ کرتے چلے جائیں۔ اور یہ خیال بھی کبھی دل میں نہ لائیں۔ کہ جو لوگ ہمارے مخاطب ہیں انہیں سے کتنوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن ہم تو اس پہلو سے بھی افضال الٰہی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں صرف کافی تعداد میں نومسلم ہی نہیں دیئے بلکہ ایسے نومسلم دیئے ہیں جن میں صاحب وجاہت و مرتبہ اور صاحب علم و فضل انسانوں کی کمی نہیں۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ جس قدر ہم مغرب کے لوگوں سے زیادہ واقف ہوتے چلے جاتے ہیں اسی قدر ہمارا یقین اس بات پر بڑھتا چلا جاتا ہے کہ یہ قوم اسلام کے اصول کو قبول کرنے کے لیئے بہت تیار ہے۔ خود حالات زمانہ نے اور بعض دوسرا اسباب نے جو اس وقت پیدا ہو گئے ہیں مغربی دل میں اسلام کی قدر و عظمت بڑھا دی ہے یہ محض پُر جوش حمایت کے خیالات نہیں بلکہ واقعات اور اعداد ان بیانات کے موید ہیں +

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا جو کچھ ہم کو کرنا تھا کر لیا ہے۔ برادران اسلام! میں آپ سے
ہی یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں نے فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟
قرآن کریم کو کھولو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پڑھو تو آپ کو معلوم ہوگا
کہ یہ تبلیغ کا کام ہمارے کل کے کل فرائض میں سب پر مقدم ہے۔ ایک مسلمان کا وطن تو
ساری دنیا ہی ہے۔ اور ملکوں اور قوموں کی عارضی حدود اسلام کی عالمگیر وسعت
کے سامنے ہیچ ہیں۔ آخر ایک دن ہم سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور اس کے
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن کے نیچے پناہ تلاش کرنی ہے۔ وہاں کیا جواب دو گے
کہ اس پاک پیغام کو پہنچانے میں جس کا ساری دنیا میں پہنچانا ہمارا سب سے پہلا فرض قرار
دیا گیا تھا۔ ہم نے کس قدر کام کیا؟

دنیا میں ایک انقلاب عظیم ظہور پذیر ہوا ہے۔ عیسائی مذہب کو اس جنگ سے ایسا
صدمہ پہنچا ہے کہ اب انسانوں کی توجہ پر اسے وہ دسترس حاصل نہ ہوگی جو پہلے حاصل
تھی۔ مذہب کے بارے میں یہاں ایک کشمکش کا عالم ہے۔ پہلے عقاید نکلتے جا رہے ہیں
اور نیا بیج بویا جانے کا وقت ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم اسلام کے لیئے کمربستہ ہو جائیں
اللہ تعالےٰ نے بھی ہمیں ایسا موقعہ دیا ہے کہ ہم لوگوں کے لیئے اسلام کے اندر ایک دلچسپی
کا سامان پیدا کر دیں۔ بہت سے حلقوں میں ہم نے اسلام کی وہ قابل برداشت اور
معقول عزت پیدا کر دی ہے جس کا مشنریوں کو فکر ہے۔ اس دلچسپی کو قائم رکھنا یا بڑھانا
اس کا انحصار آپ لوگوں پر ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کی اشاعت ہی وہ کام ہے جو تمہیں ایسے دیرپا فوائد سے متمتع کریگا
جو دوسری شاخوں میں کام کر کے تم کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق
وہ کام جس کو میں نے یہاں شروع کیا ہے آپ لوگوں کا سب سے پہلا فرض ہے اور آپ
اور آپ کے انفاق فی سبیل اللہ پر اس کام کا سب سے مقدم حق ہے۔ مگر میں اس
غرض کے لیئے آپ سے التجا نہیں کرتا۔ میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں جس سے اس
مشن کی مالی بنیاد مستحکم ہو جائے گی اور کسی کو نقصان بھی نہیں اٹھانا پڑے گا جس چیز کی

سخت ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کا اسلامی مذہبی لٹریچر خاص خاص حلقوں میں جسقدر
ممکن ہو کثرت کے ساتھ اشاعت پذیر ہو۔ ہزارہا دل ہیں جن سے وہی آواز نکلتی ہے جو
ایک مسلمان کے دل سے نکلتی ہے۔ یقین اور ایمان کی رو سے وہ ہمارے بہت سے اعتقادات
میں متفق ہیں۔ اُن کی حالت ایسی ہے کہ ہمیں اُن کو اسلام میں لانے کے لیئے چنداں کوشش
کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُنھیں نے صرف ہمارے ساتھ اتحاد عقیدہ کا اعلان کرنا ہے۔ بہت
سے ایسے ہیں کہ مذہبی دائرہ میں ان کے خیالات اور اعتقادات کو صرف ایک اسلامی
نام ہی دینا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ قریباً قریباً مسلمان ہی ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ وہ مسلمان
ہیں۔ ہم کو اپنا لٹریچر پیش کر کے انہیں صرف اس قدر بتانا ہے۔ کہ جو کچھ ان کے خیالات
ہیں وہ اسلامی ہیں۔ اور درحقیقت وہ مسلمان ہیں۔ کھلی سچائی ہے [illegible]
ڈریپر جیسے انگرسول اور امرسن پیدا کیئے ہیں۔ ان کو [illegible] یا ایک خدا کے ماننے
والے کہو۔ یہ تمہارا انتخاب ہے۔ لیکن [illegible] کلیسا نے علم ادب [illegible] تعلق اظہار
خیال کیا وہ سچے خود اور بے تعصب تحقیقات کا نتیجہ تھا [illegible] جیسا کہ انھوں
نے اظہار کیا۔ اگر اسلام اپنے اصلی رنگ میں ان کے سامنے پیش ہوتا تو وہ مادی تاثرات
کو قبول نہ کرتے۔ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ کھیت میں ہل چلانے کا وقت آگیا ہے۔ زمین تیار
ہے۔ سخت اور دشوار کام ہو چکا ہے۔ اب صرف تخم ریزی اور آبپاشی کا مناسب انتظام
کرنا ہے۔ اور حسب دلخواہ نتائج جلد نکلنے میں آجائیں گے +

اسلامک ریویو کی اگلی جلد میں میرا ارادہ ہے کہ ایسے مضامین لکھوں جن میں یہ بتایا
جائے کہ جو عقاید کی عمارت گرائی گئی ہے۔ اب اس کی بجائے ہم کیا بنانا چاہتے ہیں۔
مولوی صدرالدین صاحب کی ان تھک کوششوں اور محبت کرنے والی طبیعت نے ہمارے لیئے
بہت سے قیمتی نامہ نگار پیدا کر دیئے ہیں۔ مسٹر قدوائی کے وجود میں بھی ہمیں ایک بیش بہا
فائدہ حاصل ہوا ہے۔ مسٹر عبدالقیوم ملک۔ بی۔ اے (علیگ) بھی ہمارے اس کام میں
اعانت کے لیئے یہاں آئے ہیں اور بڑا مفید کام کر رہے ہیں۔ اس لیئے ہم نئے کام کے
لیئے انشاءاللہ تعالےٰ خوب تیار ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک سلسلہ مضامین ارتقاء کے

انسانی کے عظیم الشان سوال پر بحث کرنے اور اس میں اسلام کا حصہ دکھانے کے لیئے
لکھا جانے۔ ایک حصہ قرآن کا تفسیر کے ساتھ درج ہوتا ہے۔ کچھ ترجمہ حدیث کا ہو۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بھی کچھ نکلتا رہے۔ اسلام کے
اندر جو بڑے بڑے لوگ ہوئے ہیں کچھ حصہ اُن کے تذکروں کا ہو۔ مسلمانوں نے سائنس
کو ترقی دینے میں جو حصہ لیا ہے کچھ ان کوششوں کو بھی پبلک کے سامنے لایا جائے زبان
عربی کے کمالات کو دکھایا جائے وغیرہ وغیرہ

میں یہ چاہتا ہوں کہ غیر اسلامی دائرہ میں ہم پرچہ کی مفت اشاعت کی توسیع کر سکیں
سلطنت متحدہ میں ہزاروں کتب خانے ہیں جو بڑی خوشی سے رسالہ کے لینے اور اپنے
ناظرین کے سامنے پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مشن کے موجودہ ذرائع اس قدر محدود ہیں
کہ میں اس کام کے لیے گنجائش نہیں دیکھتا۔ اس لیئے میں چند تجاویز اس رسالہ کے
پڑھنے والوں اور تبلیغ اسلام کے کام سے ہمدردی رکھنے والوں کے سامنے پیش
کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ وہ ریویو کے لئے زیادہ خریدار پیدا کرنے کی کوشش کریں جس قدر
خریداروں کی تعداد میں ترقی ہوگی وہ گویا مشن کی آمد کی ترقی ہے۔ چونکہ رسالے کا
منافع بھی مشن کے اخراجات کو پورا کرنے میں ہی صرف ہوتا ہے۔ اس لیئے میں اپنے
موجودہ خریداروں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہر خریدار دو نئے خریدار بہم پہنچائے
دوئم۔ مفت اشاعت کے لیئے کتابوں کی قیمت حسب توفیق بھیج دی جائے
سوئم۔ تاکہ یہاں کے غیر اسلامی دائرہ میں ہم مفت اشاعت کی توسیع کر سکیں
تیسرے اس قسم کے عطیہ جات کی اپیل قوم ہمیں دیجائیں جن کے ساتھ ہم
تمام کتب خانوں میں اسلامک ریویو کو پہنچا سکیں۔ اس طرح پر جو فائدہ
حاصل ہوگا وہ بہت بیش بہا ہوگا۔ کیونکہ لاکھوں انسانوں کی نظر سے یہ رسالہ
گذرے گا۔ چہارم۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں اور
مذہبی لٹریچر پیدا کرنے کے لیئے اور اُن کو برائے نام قیمت پر اشاعت کرنے کے
لیئے ہمیں کافی فنڈ دیا جائے۔ ۱۹۱۴ء میں میں نے کچھ احادیث نبوی کا انگریزی

ترجمہ اس طرح پر شائع کیا تھا اور ایک فیاض خاتون مرحوم نواب حکیم الدولہ بہادر حیدرآباد دکن کی بیگم صاحبہ نے اس کی تمام لاگت بطور عطیہ مرحمت فرمائی تھی۔ اس چھوٹی سی کتاب نے تبلیغ اسلام میں نہایت قیمتی کام ہمیں دیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ بخاری کا ترجمہ انگریزی زبان میں کروں۔ کوئی ہمدرد اسلام اس کے لیئے مجھے روپیہ دے تو میں اپنی محنت کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ اس قسم کی امدادی رقوم کا حساب بالکل الگ رکھا جاوے گا۔ اور وہ اسی کام پر خرچ ہونگی جس کام کے لیئے دی گئی ہیں۔ بالآخر میں ایک اور درخواست بھی کرتا ہوں۔ اگلا نمبر پانچویں جلد کا پہلا نمبر ہوگا۔ اور میں نے اپنے لاہور کے دفتر میں یہ ہدایت دی ہے کہ خریداران ہندوستان کے نام وہ نمبر وی پی کر دیا جائے میں امید کرتا ہوں کہ میرے معاونین اس وی پی کی رقم کو ادا کر دینگے۔ تاکہ ہمارے کاروبار میں سہولت ہو۔ جو ہندوستان سے باہر کے خریدار ہیں اُن کی خدمت میں درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر ممنون فرمائیں وہ وقت بھی اب آگیا ہے کہ ہم اپنی تبلیغی کوششوں کے لیئے ایک اور مرکز لندن میں قائم کریں۔ اسلام پر لیکچروں میں اب سامعین کی تعداد خوب ہو جاتی ہے۔ اور اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ اگر مجھے اس قسم کی امداد مل سکے کہ میرا کام ووکنگ میں چلتا رہے تو میں بڑی آسانی سے لندن میں کام شروع کر سکتا ہوں۔ اب بھی کبھی کبھی ہم وہاں لیکچروں کا انتظام کرتے ہیں۔ مگر مستقل طور پر کام کرنے سے ہی عمدہ نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔ اگر اسلامک ریویو کے فنڈ مجھے ایک اور معاون کو رکھنے کی اجازت دیں۔ تو میں فوراً اس کام کو شروع کر دونگا۔ اس لیئے سب بھائیوں کی خدمت میں میری التماس ہے کہ موجودہ تعداد خریداران کو دوگنا کرنے کی کوشش کریں۔

آپ کا بھائی

خواجہ کمال الدین

نوٹ:۔ رسالہ اشاعت اسلام جنوری میں اُن اصحاب کے نام وی پی ہوگا جن کا سال اس رسالہ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔

ارتداد اور اسکے نتائج

مسئلہ ارتداد اسلام کے معترضین کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کا ظلم اور وحشیانہ پن منسوب کرتے ہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر بے بنیاد حملہ بھی کم ہی ہؤا ہوگا۔ عموماً تعصب اور ناواقفیت نے ملکر اسلام کے خلاف ایک ایسا میلان طبائع میں پیدا کر دیا ہے کہ بہت سی بے بنیاد باتیں اسلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ کہ فی الواقع ایسی باتیں اسلام کی طرف کس حد تک منسوب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص عیسائی مشنری سلسلہ میں عموماً پاک اور صحیح اسلامی اصول کی ناواقفیت ہی طرح طرح کے پیرائیوں میں ظہور پذیر ہو کر اسکا ایک تاریک نقشہ اور سیاہ منظر ناواقف لوگوں کے سامنے پیش کرتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ اسلام کے متعلق بے رو و رعایت اور منصفانہ باتوں کے سُننے یا پھیلنے کو پسند نہیں کرتے۔ اور زود اعتقاد لوگوں کی ناواقفی اور توہمات سے فائدہ اٹھانے کی ناجائز کوشش کرتے ہیں۔ کبھی تو یہ راگ گایا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی حالت سخت ذلت کی حالت ہے۔ اور کبھی سارا زور اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مرتدین کے متعلق بڑے خوفناک اور وحشیانہ مظالم روا رکھے ہیں۔ حالانکہ جو تصویر ان مظالم کی پیش کی جاتی ہے وہ اسلامی قانون کی تصویر نہیں بلکہ اپنے ہی گھر کے محکمۂ تحقیقات مذہبی کے جنون مذہبی کا خاکہ اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے اور بہت سے ذرائع اس لیئے ایجاد اور اختیار کیئے جاتے ہیں کہ تا ایک ذہین اور حساس پبلک کے دلوں میں اس مذہب کے خلاف سخت تنفر پیدا کیا جائے۔ جو اُن کے خیال میں اس قسم کے مظالم کو روا رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ اب وہ زمانہ گذر گیا ہے۔ جب ہر بات بلا تحقیق قبول [illegible] جاتی تھی۔ اور طبائع کا رُجحان بدل کر ہر چیز کی اصل ہیئت دریافت [illegible] کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ہر بیان کے اوپر

تنقید کی روشنی ڈالنی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ اس لیئے ان حیلوں میں اب وُہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی جو پہلے حاصل ہو سکتی تھی +

اس بات کی ضرورت مشنری مسیحیوں کو کیا پیش آئی ہے کہ وہ اسلام کے مسئلہ ارتداد پر اپنی قوتت صرف کریں؟ شاید اس لیئے کہ ایک سادہ مگر سمجھدار پبلک کی توجہ کو اپنے مذہب کے ان تاریک پہلوؤں سے جو اُس کے بعض پروہتوں کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں ہٹا کر کسی اور طرف پھیر دیا جائے۔ اور وہ بُرائیاں جو اپنے اندر پائی جاتی ہیں اُن کو اپنے حریف کے ذمہ لگایا جائے۔ کہ تا اس حریف کے متعلق جس کا قدم روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ مہذب اور شائستہ طبائع میں تنفر پیدا ہو جائے +

ارتداد کا سوال دوسرے مذاہب میں نہ حل ہو سکا ہو تو الگ بات ہے مگر اسلام میں اس مسئلہ کا حل مشکلات کے ساتھ وابستہ نہیں۔ ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض ارتداد مذہبی پر اسلام نے اس دُنیا میں کوئی سزا تجویز نہیں کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کی اصلی کامیابی اس کے اصول کی معقولیت میں ہے۔ اور اس بَینّ دین الٰہی کی بڑی بڑی فتوحات اسی وجہ سے ہیں کہ بوجہ معقول اور سادہ ہونے کے یہ بہت جلد طبائع پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ اور فطرت انسانی کے مطابق ہونیکے سبب سے اس فطرت پر ایسا گہرا اثر ڈالتا ہے جس کو پھر کوئی بھی مٹا نہیں سکتی۔ اور جس طرح اسلام کے تمام اصول میں معقولیت پائی جاتی ہے۔ مسئلہ ارتداد میں بھی اس نے معقولیت کا پہلو ہی اختیار کیا ہے اور ان لوگوں پر قتل کا فتوےٰ نہیں دیا جو دلائل کے ساتھ اسکے احکام اور اصول کو سمجھ نہیں سکتے +

چونکہ مذہبی جوش جب غالب ہوتا ہے تو بسا اوقات معقولیت کے پہلو کو بھی دبا لیتا ہے۔ اِس لیئے بطور پیش بندی قرآن کریم نے ایک نہایت صاف اور سیدھا اصول شروع میں ہی بیان کر دیا ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لها واللہ سمیع علیم (البقرہ - ۲۵۷)۔ "دین کے معاملہ میں

جبر کوئی نہیں۔ سیدھی راہ غلطی سے کھلی کھلی الگ ہو گئی ہے۔ پس جو شخص حد سے بڑھی ہوئی غلطی (طاغوت) کا انکار کرتا ہے۔ اور اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ ایک ایسے مضبوط دستہ کو پکڑ لیتا ہے۔ جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی اسی اصول کو اور مضبوط کرنے کے لئے فرمایا۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے سخت تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔"

ان آیات قرآنی کے الفاظ اور معنی ایسے صاف اور بدیہی الدلالت ہیں کہ زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں۔ اس سے زیادہ حق اور راستی کی بھری ہوئی بات اس قدر مختصر الفاظ میں نہیں کی جا سکتی۔ جس میں ایسے حالات کے اندر صحیح رستہ عمل کا انسان کو بتایا جا سکے اور درحقیقت یہ خوشی کی بات ہے کہ جب سے یہ اصول بیان فرمایا گیا اُن لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ایسی واضح صداقت پر اپنی پیٹھ پھیر دی اُسی کے مطابق سلوک ہوتا رہا۔ یہ اصول نہایت محکم الفاظ میں قائم کر دیا گیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر کوئی نہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ جبر تو اُس صورت میں کیا جاتا جب دلائل صاف اور واضح نہ ہوتے۔ مگر حق کو باطل سے ایسی صفائی سے الگ کر کے رکھ دیا گیا ہے کہ اب کسی جبر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ رستہ ایسا صاف کر دیا گیا ہے کہ موٹی سے موٹی واقفیت کا آدمی بھی اس میں غلطی نہیں کھا سکتا۔ خود اس کی راستبازی اور صداقت ہی اس کی طرف کافی بلانے والی کشش ہے۔ اور اس کشش کی قوت کو بڑھانے کے لئے کسی انسانی طاقت کی ضرورت نہیں۔ اس کی سچائی وہ بلند مشعل ہے جس کی شعاعوں کو کوئی انسانی کوشش کمزور نہیں کر سکتی۔ اور اس بات کو ساری کائنات کا مالک اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اور اپنا قول ہمیں دیتا ہے کہ یخرجھم من الظلمت الی النور۔ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر وہ خود ہی روشنی میں لائے گا۔ درحقیقت اسلام کا پیغام بالکل بے معنی اور بیہودہ ہوتا۔ اگر اُس کی کامیابی کا انحصار اس کی اپنی صداقت

رنہیں۔ بلکہ انسان کی مدد پر ہوتا۔ یہ بات مضحکہ خیز ہے۔ کہ کلام تو خدا کا ہو اور اسکی
صداقت کا ثبوت انسانی امداد کے بغیر نہ ہو سکتا ہو۔ ایسی امداد جسمانی رنگ کی ہو
ذہنی اور عقلی۔ اور اگر ایسی صفائی کے ساتھ ہم کو بتا دیا گیا ہے کہ دین اسلام میں
لوگوں کو داخل کرنے کے لیئے جبر کو کام میں نہیں لایا جائے گا تو کیا یہ معقول بات ہے
۔ جو دین اسلام میں داخل ہو جائے اُسے جبرًا اس سے نکلنے نہ دیا جائے۔ حالانکہ جسطرح کوئی
شخص دین اسلام میں داخل ہونے سے اس لیئے رُک سکتا ہے کہ اس کا دلائل سے اطمینان
نہیں ہوا۔ ایسا ہی ایک شخص داخل ہو کر ممکن ہے کہ دلائل سے اطمینان حاصل نہ
رسکے۔ پھر جس طرح ایک غیر مطمئن کو جبرًا اسلام میں داخل کرنا منع ہے۔ ظاہر ہے
۔ اسی طرح ایک غیر مطمئن کو جبرًا اسلام کے اندر رکھنا منع ہونا چاہیئے۔ مگر صرف
ہی استدلال ہی مسئلۂ ارتداد پر ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ قرآن کریم نے خاص
طور پر ارتداد کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اس کے نتائج کو بھی بتایا ہے۔ خود لفظ ارتداد
قرآن شریف میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ذیل کی آیات میں ارتداد اور اُسکے
نتائج کا کھلے الفاظ میں ذکر ہے۔ یعنی ایک سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۴ میں جہاں
فرمایا۔ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن
یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا
والاخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔" اور یہ لوگ (یعنی کافر)
تم سے جنگ کرتے ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کا بس چلے تو تم کو اپنے دین سے واپس
پھیر کر ہی رہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور پھر کافر ہونیکی
حالت میں ہی مر جائے تو ایسے لوگوں کے کام دنیا اور آخرت میں بے نتیجہ رہے۔
اور وہ آگ والے ہیں۔ اسی میں رہیں گے۔ مگر دُوسری جگہ سورہ مائدہ کی آیت ۶۹
میں فرمایا۔ یایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ
بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین۔
"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ

ایک قوم کو لے آئے گا جسے وہ محبّت کرتا ہے۔ اور جو اس سے محبّت کرتے ہیں۔ مومنوں کے لیئے وہ لوگ نرم ہونگے۔ کافروں کے مقابلہ میں غالب "

اُن ہر دو حوالوں سے قارئین خود صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس بات کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ قانون اسلامی کا اصل منبع اور ماخذ قرآن شریف ہی ہے۔ اور مندرجہ بالا آیات میں ارتداد کے سوال پر فیصلہ کن قانون موجود ہے۔ پہلی آیت میں ارتداد کی سزا کا بھی ذکر ہے۔ مگر وہ سزا یہ نہیں کہ مرتد کو قتل کر دو یا اُس کے حقوق سلب کر دیئے جائیں بلکہ مرتد کی سزا اللہ تعالےٰ نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ۔ واولئک اصحاب النار۔ یعنی اُن کے کام خواہ وہ دنیا کے لیئے ہوں اور خواہ آخرت کے لیئے بے نتیجہ رہیں گے۔ اور وہ اصحاب النار ہونگے کیونکہ اُنھوں نے راہِ حق کو چھوڑ دیا ہے۔ دُوسری آیت میں بھی مرتد کے لیئے کوئی جسمانی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مسلمان غمگین نہ ہوں۔ کیونکہ ایک مرتد کی بجائے ایک قوم کی قوم دین اسلام میں داخل ہو جائیگی۔

لیکن بعض عیسائی مصنّفوں نے یہاں تک ظلم کیا ہے کہ لفظ "فیمت" کا ترجمہ غلط کر دیا ہے۔ تاکہ ان الفاظ سے یہ ثابت ہو کہ مرتد کو قتل کیا جانا ضروری ہے۔ لفظ "فیمت" کے معنے ہر ایک شخص جسے عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسکے معنے صرف اس قدر ہیں کہ "وہ مر جائے"۔ لیکن بعض عیسائی مترجمین نے اس کا ترجمہ یُوں کر دیا ہے۔ اسے "مار دیا جائے"۔ راڈ ویل نے صحیح ترجمہ "وہ مر جائے" ہی اختیار کیا ہے۔ اب لفظ موت قدرتی موت پر بولا جاتا ہے۔ مارنے کے لیئے لفظ قتل ہے۔ اور قرآن کریم نے موت کا لفظ اختیار کیا ہے نہ قتل۔ جیسا کہ قرآن کے صاف الفاظ سے ظاہر ہے۔ جو امر یہاں بیان کیا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے۔ کہ اسلام کے دشمن ایڑی چوٹی تک زور اس بات کے لیئے لگا رہے ہیں کہ ظالمانہ ایذادہی سے مُسلمانوں کو اُن کے دین سے پھیر دیں۔ اِس لیئے اگر واقعی کوئی مُسلمان کفر کیطرف ہو جائے۔ تو وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان اُٹھائے گا۔ کیونکہ

اسلام کو ترک کرکے وہ نہ صرف ان روحانی فوائد سے ہی محروم رہجائیگا جو بحیثیت ایک مسلم کے وہ حاصل کرسکتا تھا۔ بلکہ ان جسمانی فوائد سے بھی وہ قطعًا بے نصیب رہیگا جو اسلام کے آخری غلبہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو حاصل ہونے والے تھے۔ اور نہ یہاں نہ کسی دوسرے مقام پر قرآن شریف میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہے۔ کہ مرتد کو قتل کیا جائے یا اُس کو کوئی اور سزا دیجائے " (انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن)

گو لفظ ارتداد جو اصطلاحی لفظ دین سے پھر جانے کے متعلق ہے دو مرتبہ ہی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ مگر اسلام کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانیکا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آتا ہے۔ اور ان میں سے کسی موقعہ پر اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے کی سزا کا ذکر نہیں۔ یعنے یہ کہ ایسے شخص کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ ذیل کی آیات قرآنی اس پر شاہد ہیں:۔

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم ○

جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرتا ہے۔ نہ وہ جسے مجبور کیا گیا۔ اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ جس کا کفر پر شرح صدر ہو جاتا ہے۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ کیطرف سے غضب ہے اور اُن کے لیئے بڑا عذاب ہے۔

ذالک بانہم استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ○

یہ اس لئے کہ اُنھوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اس لئے کہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولئک ھم الغافلون ○

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور اُنکے کانوں اور اُن کی آنکھوں پر اللہ نے مُہر لگا دی۔ اور یہ لوگ غافل ہیں +

لاجرم انھم فی الاخرہ ھم الخاسرون ○

لاجرم آخرت میں وہ نقصان اٹھانیوالے ہونگے (النحل ۱۰۸-۱۱۰)

وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھ گئے یہ نہیں ہوگا کہ اللہ اُن کی حفاظت کرے اور نہ یہ کہ وہ اُن کو رستہ کی ہدایت کرے (النساء ۱۳۶)	ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا

یہ قابل غور امر ہے کہ جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں وہ اس زمانہ سے لے کر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں تھے۔ اس وقت تک کی ہیں۔ جب مدینہ میں آپ بحیثیت ایک بادشاہ کے تھے اور طاقت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آخری آیت جو ہم نے اوپر نقل کی ہے سورہ النساء میں سے ہے جو پانچویں سال ہجرت کے قریب کی ہے۔ جب مدینہ میں اور اُس کے گرد اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ مکہ میں مرتدین کے متعلق کہا گیا تھا۔ وہی حکم مدینہ میں بھی رہا یعنی مرتدین کے احکام شروع سے آخر تک ایک ہی رہے۔ غرض قرآن کریم سے جسقدر بھی شہادت پیدا ہوتی ہے اُس میں کہیں اشارہ تک بھی نہیں۔ کہ جو شخص دین اسلام کو اختیار کرکے پھر منحرف ہو جائے اُسے قتل کر دیا جائے۔ یا کوئی اور سزا اسے دیجائے۔ اور چونکہ قرآن ہی اصل ماخذ قانون اسلام کا ہے۔ اس لیئے یہ شہادت فیصلہ کن ہے۔ آخری حوالہ سورہ النساء کا آخری زمانہ کا ہونے کی وجہ سے اور بھی فیصلہ کن ہے۔ اور اس کے الفاظ اپنے اندر یہ شہادت رکھتے ہیں کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم اسلام میں جاری وساری نہ تھا۔ کیونکہ وہاں دوبارہ ایمان لانے اور دوبار کفر کی طرف لوٹ جانے کا ذکر ہے۔ پس اگر اس شخص کو جو اسلام لانیکے بعد کفر کی طرف لوٹ جائے قتل کرنے کا حکم ہوتا تو اس کو یہ موقع کہاں ہوتا۔ کہ وہ دوبارہ اسلام لائے اور پھر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے۔

الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا۔ جو لوگ ایمان لائیں اور پھر کافر ہو جائیں۔ پھر ایمان لائیں پھر کافر ہو جائیں۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے جائیں کیا ان الفاظ میں صاف ظاہر نہیں کہ ارتداد کی سزا قتل نہ تھی۔ پس نہ صرف قرآن میں مرتد کو قتل کرنے کی سزا کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف شہادت موجود ہے۔ کہ مرتد قتل

نہ کیا جاتا تھا۔

اب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا۔ کہ آپ نے کسی مرتد کو قتل کرایا ہو۔ یا اُسکے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔ یعنی محض ارتداد کی وجہ سے کسی کو سزائے قتل دی ہو۔ ہاں اگر ارتداد کے ساتھ کسی نے کوئی اور جرم کیا ہو۔ جس کی سزا موت ہو تو اس صورت میں قتل کی سزا ارتداد کی وجہ سے نہیں کہلائے گی۔ مگر اس دوسرے جرم کی سزا ہو گی۔

پس قانون اسلامی کے دونوں ماخذ یعنی قرآن شریف اور سنت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس بات پر شاہد ہیں کہ جو الزام اسلام پر دیا جاتا ہے۔ کہ دین اسلام سے پھر جانے کی سزا قتل قرار دے کر لوگوں کو جبراً دین اسلام کے اندر رکھا۔ وہ سراپا غلط اور محض افترا ہے۔ اسلام کے عام قوانین کو دیکھا جائے تو اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ان قوانین کا میلان یہی ہے کہ ہر مرد اور عورت کے سامنے اُسکے فرائض اور اُس کی ذمہ واریاں لکھدی ہیں۔ اور ایک قانون زندگی کا اُسے دیدیا ہے جسکی ضرورت اور جس کا ہر قدم پر استعمال اس کی پیروؤں کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ اور اس قانون کا پابند کرنے کے لیئے کسی ظاہری طاقت سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ ایک مذہب کا دوسرے کو اختلاف مذہب کی وجہ سے تکلیف پہنچانا یا ایک ہی مذہب کے اندر ایک غالب فرقہ کا دوسرے فرقہ کو تکلیف پہنچانا صرف دلائل سے اپنے مذہب کو نہ منوا سکنے کا نتیجہ ہی ہے۔ چنانچہ ہر نبی کے ظہور کے وقت ہی حق کو خاموش کرنے کے لئے طاقت انسانی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ جب حق کی تردید دلائل سے نہیں ہو سکتی تو پھر زور سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح پر آزار دہی حق کے لیئے روک ہونے کی بجائے اس کی اشاعت میں ہمیشہ معاون ثابت ہوئی ہے۔

اسلام کے نزدیک کسی شخص کا کسی مذہب کو قبول کرنا محض ایک ایسا معاملہ ہے جو خدا اور انسان کے درمیان ہے۔ اور جس کا کسی دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ پس جس طرح کوئی طاقت انسانی یہ حق نہیں رکھتی کہ کسی اصول کو بزور منوائے۔ اسیطرح

کسی طاقتِ انسانی کو یہ حق حاصل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ وہ کسی اصول پر لوگوں کو بزور قائم رکھے۔ یہی وہ اصول ہے جو قرآن کریم نے بھی سکھایا ہے۔ اور یہی عملدرآمد ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی اسلام کی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ ہے +

ابراہیم کا مذہب

(ایک خطبۂ جمعہ)

یسوع مسیح ایک مسلم اور اسلام کے ایک رسول تھے

ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه ولقد اصطفینٰه فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصالحین اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین ○ ووصی بها ابراهیم بنیه و یعقوب یبنی ان الله اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ○ (البقرة ۱۳۰- ۱۳۲)

اور کون ابراہیم کے مذہب سے ہٹتا ہے۔ مگر وہی جو اپنے آپ کو بیوقوف بناتا ہے۔ اور ہم نے اُس کو دُنیا میں پاک کیا۔ اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے۔ جب اس کے رب نے اسے کہا فرمانبردار ہو جا۔ اس نے کہا میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوا۔ اور اسی بات کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹو اللہ نے تمہارے لیئے اس دین کو پسند کیا ہے۔ پس تم پر موت نہ آئے۔ مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو +

ابراہیم کی اپنی اولاد کے لیئے کیا ہی پاک وصیت ہے۔ لا تموتن الا وانتم مسلمون۔ تم پر موت آئے تو اس حال میں تم کو پائے۔ کہ تم خدا کے کامل فرمانبردار ہو

مگر یہ ابراہیم کی وصیّت ہم میں سے ہر ایک کے لیئے ایک سُنہرا قانون ہے کہ اس زندگی
کو جو خداوندِ عالم نے ہم کو لغو طور پر نہیں دی بلکہ بعض اغراض کو پُورا کرنے کو دی ہے ہم
کس طرح بہترین طریق پر صرف کر سکتے ہیں۔ موت جو دُنیا کے تمام تیقّنات سے بڑھ کر یقینی ہے
مگر جہاں تک اس کے آنے کے وقت اور جگہ اور طرز کا سوال ہے۔ انسان کو اس سے کیسا
بے خبر رکھا گیا ہے۔ کون جانتا ہے کہ کب وہ وقت آئے گا۔ جب اس جسم خاکی کو چھوڑ کر
ایک دوسرے عالم میں ہم کو داخل ہونا اور تمام تعلقات فانی سے الگ ہو کر مالک حقیقی
کے حضور جوابدہی کرنا ہوگا۔ کیسی افسوسناک حالت ہماری ہوگی۔ اگر اس وقت ہم ملزم
ثابت ہوئے جب جوابدہی کا وقت آپہنچے اور یقیناً اس کے سوائے دُوسری حالت
میں ہم اپنے کو نہیں پا سکتے۔ اگر ہم ہر وقت موت کو یہ چیلنج دینے کے قابل ہوں
کہ آ اور تو ہم کو سچے مسلم۔ خدا کے کامل فرمانبردار اور اُس کی رضا پر چلنے والے نہ پائیگی
ہاں ابراہیم کی طرح چاہیئے کہ ہم میں سے ہر ایک یہ کہنے کے قابل ہو۔ اسلمت لرب
العالمین۔ میں رب العالمین کا پورا فرمانبردار ہوں ؎

ابراہیم کے یہ لفظ درحقیقت تعلیم اسلامی کا خلاصہ ہیں۔ اس اسلام کا جو حضرت نوح
سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں پر نازل کیا گیا۔ اور
سب نے اس کی تعلیم دی۔ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کا مذہب جو نجات انسانی کے لئے
ایک ہی خوشخبری ہے۔ ہر ایک نبی خواہ وہ مشرق میں ہوا ہو یا مغرب میں۔ خدائے
ذوالجلال کی طرف سے ایک ہی پیغام لاتا رہا ہے۔ ہماری نجات میں اس وقت کوئی
شبہہ باقی نہیں رہ جاتا جب ہم اس پیغام کو سچے دل سے قبول کرکے اُس پر عمل پیرا ہوں
بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم
ولا ھم یحزنون۔ ہاں ہاں جو کوئی شخص بھی اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ کی فرمانبرداری
میں لگا دیتا ہے۔ اور وہ مخلوق الٰہی کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ تو وہ اپنے رب سے اپنا
اجر بھی لیتا ہے۔ اور ایسے لوگوں پہ کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے (البقرہ۔ ۱۱۲)
کیا یسوع خود مسلم نہ تھا۔ اور کیا وہ اسلام کی تعلیم نہ دیتا تھا۔ جب اُس نے اپنے

شاگردوں کو کہا "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا۔
میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پورے کرنے کو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک
آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک
سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا
ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ پر جو کہ
عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" متی باب ورس ۱۷-۱۹)
آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلانا کیسا عظیم الشان مقام ہے اور کون اس کی خواہش
نہیں کرتا۔ مگر نسل انسانی میں سے ہر ایک اسے پا سکتا ہے۔ اگر وہ احکام کو سکھلاوے
اور ان پر عمل کرے جیسا کہ یسوع مسیح کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ خود مسلم
ہو اور دوسروں کو اسلام کی تعلیم دے۔ کیا مسیح کے یہ الفاظ صرف تاریخی رنگ میں
عزت کے قابل رہ گئے ہیں یا اب بھی وہ ہماری روزمرہ زندگی میں ایک زندہ طاقت
کا کام دے سکتے ہیں اور عمل میں لائے جانے کے قابل ہیں۔ لیکن پولوس اس کے خلاف
کہتا ہے "تم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو" (رومیوں ۶ : ۱۴)
لیکن تو حضرت مسیح ان الفاظ پر ایمان لاتے تھے۔ اور جب تک اس دنیا سے
رخصت نہیں ہو گئے ان پر عمل کرتے رہے۔ وہ کس قدر پابند احکام تھا۔ کہ محض
شریعت کو پورا کرنے کے لئے اسے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس بھی جانا ضروری
محسوس ہوا (متی ۳ : ۱۵) ان کے نزدیک راستبازی کا حقیقی معیار احکام کی
فرمانبرداری ہی تھی۔ وہ خود شریعت کو مانتے اور دوسروں کو یہی سکھاتے تھے
ہاں وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق انھوں نے کمی بیشی بھی کی۔ یعنی موسیٰ کی کتاب
میں حالات موجودہ کے مطابق تغیر بھی کیا۔ یعقوب کے خاندان کو غلامی کی حالت
سے نکال کر ایک جنگی قوم بنانے کے لئے ایک وقت اس قانون قصاص کی ضرورت
تھی جو حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو دیا گیا۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ اور اسلئے
مسیح علیہ السّلام کے وقت میں اس قانون میں بھی تبدیلی کی ضرورت تھی سو وحی الٰہی

نے حضرت مسیح کو ہدایت کی کہ وہ بعض تبدیلیاں کر دے۔ اس کے لیئے صرف پہاڑی
وعظ کو دیکھ لینا کافی ہے۔ جہاں اس قسم کے بہت سے بیان پائے جاتے ہیں "تم سن
چکے ہو یہ کہا گیا۔ کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ پر میں تمھیں کہتا
ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر تمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی
طرف پھیر دے" (متی ۵: ۳۸-۳۹) اس فروتنی اور مسکینی کی تعلیم کی آج ہمارے
زمانہ میں ضرورت نہ ہو یہ الگ بات ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اس تعلیم کو اپنا
اصول ٹھیرانا اور اس پر عمل پیرا ہونا خودکشی کے مرادف ہے۔ وہ حالات جو آج
یورپ میں پیش آرہے ہیں انھوں نے قوموں کو مجبور کر دیا ہے کہ اس تعلیم خلاقی کو
آج اپنا ہادی نہ بنائیں۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ وعظ اس مقدس معلم کے
زمانہ میں اس قوم کے لیئے ایک بڑی خوشخبری تھی۔ اسرائیلی قوم نے ایک دراز زمانہ
تک آنکھ کے بدلے آنکھ کے قانون پر ایسی سختی سے عمل کیا کہ ان کے اخلاق میں بھی
درشتی آگئی اور رحم اور شفقت کا احساس بالکل مفقود ہو گیا تھا۔ اس قوم کی اصلاح
چاہتی تھی کہ اسے ایسی ہی تعلیم دیجائے۔ جیسی پہاڑی وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام
نے دی۔ مگر حضرت مسیح درحقیقت اسلام کے ایک رسول تھے۔ اور وہ اسلام کی
ہی تعلیم اور اسلام کا ہی قانون دینے والے تھے۔ ہاں اسلام یعنی احکام اور فرمانبرداری
کے مذہب کی تعلیم کو کمال تک پہنچانا خدائے حکیم نے ان کے سپرد نہیں کیا۔ نہ آپ کے
شاگردوں کے عقلی اور ذہنی قوائے اس کمال تک پہونچے تھے کہ ایسی تعلیم خدا کی
طرف سے ان پر نازل ہوتی۔ حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں کی اس کمی کو خود محسوس
کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت جب وہ ان سے جدا ہونے والے تھے۔ انھوں نے
اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے یہ لفظ فرمائے:-

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں
کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے اور وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتاویگی
اس لیئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔ لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی۔ اور تمھیں آئندہ کی

خبریں دے گی (یوحنا ۱۶ : ۱۲ و ۱۴) یہ ضروری تھا کہ حضرت مسیح کے بعد روح حق آئے تاکہ وہ کامل حق کی طرف ہم کو ہدایت کرے کیا یہ الفاظ روح القدس کے نزول کیطرف اشارہ کرتے ہیں اور کیا یہ پیشگوئی پنتیکست کے دن پوری ہو گئی جیسا کہ حامیان مسیحیت خیال کرتے ہیں۔ اسکے متعلق جو کچھ اعمال حواریین میں لکھا ہے وہ صرف اسقدر ہے۔ "اور جب پنتیکست کا دن آیا تھا وے سب ایک دل ہو کے اکٹھے ہوئے۔ اور ایک بارگی آسمان سے ایک آواز آئی جیسی بڑی آندھی چلے اور اس سے سارا گھر جہاں وے بیٹھے تھے بھر گیا اور انہیں جدی جدی آگ کی سی زبانیں دکھائی دیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پر ٹھہریں تب وے سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں جیسے روح نے انہیں بولنے کی قدرت بخشی بولنے لگے" (اعمال ۲ : ۱-۴) اب اس کو یوحنا کی پیشگوئی کا پورا ہونا سمجھنا درحقیقت پیشگوئی کے ساتھ استہزا کرنا ہے۔ بلکہ کلمہ کفر ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ خود حضرت مسیح روح القدس سے خالی تھے۔ کیا حضرت مسیح نے خود روح حق کے آنے کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ نہیں فرمائے "لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا۔ پھر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پاس بھیج دوں" (یوحنا ۱۶ : ۷)

اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ روح حق اور تسلی دینے والے ایک ہی ہیں۔ اور مندرجہ بالا حوالے سے ثابت ہے کہ روح حق مسیح کے زمانہ میں نہ آئی تھی۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا" اور اگر یہ روح القدس ہی تھی تو کیا ہم یہ مان لیں کہ حضرت مسیح پر ان کی زندگی میں روح القدس یعنی خدا کی روح نازل نہیں ہوئی۔ لیکن مندرجہ ذیل واقعہ اس کی تردید کرتا ہے۔ "اور یسوع بپتسمہ پاکے وہیں پانی سے نکل کے اوپر آیا اور دیکھو کہ اس کے لئے آسمان کھل گیا۔ اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کے مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا" (متی ۳ : ۱۶)

اگر یہ کبوتر کا واقعہ درست ہے تو ضرور ہے کہ روح القدس وہی نہیں جو روح حق اور تسلی دہندہ ہے علاوہ ازیں روح حق کی ایک خاص علامت ضرور دیکھنی ہے

اور وہ یہ کہ وہ سارے صداقت کے راہوں پر دنیا کو چلائے گی۔ یسوع نے بہت سی باتیں حواریوں کو کہنی تھیں مگر حواری ان کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے پس صداقت کو کمال تک پہنچانے کا کام تسلی دہندہ کے سپرد کیا گیا اگر یہ پیشینگوئی پینتیکست کے دن پوری ہو گئی۔ جیسا کہ کلیسیا کا خیال ہے تو ان بہت سی باتوں کو ہم کہاں تلاش کریں۔ جو حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو کہنی تھیں مگر محض اسلئے نہ کہہ سکے کہ ان میں ابھی ان کی برداشت کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ باتیں ضروری تھا کہ روح حق دنیا کو سنائے۔ وہ کامل صداقت اور پورا پورا حق کہاں ہے جس پر جو تسلی دہندہ کی معرفت ہم کو ملنا تھا۔ اعمال کے دوسرے باب میں جو کچھ پینتیکست کے دن کا ذکر ہے اس میں تو اس کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا۔ مختلف زبانوں سے بولنے کا نام تو کامل صداقت نہیں۔ زبانوں میں تو ہر ایک کافر بھی باتیں کرتے ہیں تو کیا کامل صداقت ان کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے؟ ایسا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ نہ ہی پینتیکست کے دن کے بعد کلیسیا کی ساری تاریخ میں کامل صداقت کے نزول کی ہمیں کوئی خبر ملتی ہے کلیسیا نے روح القدس سے بھرپور ہو کر مسیح کے تعلیم پر کچھ اضافہ تو کیا نہیں۔ علاوہ ازیں کلیسیا تو ایک شخص کا نام نہیں بلکہ بہت سے اشخاص کا مجموعہ ہے۔ حالانکہ وہ تسلی جسکی پیشینگوئی حضرت مسیح نے کی ضروری ہے کہ ایک ہی شخص ہو جیسا کہ پیشینگوئی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ اور کیا یہ سچ نہیں کہ خدا نے ہمیشہ ہی آدمی کو اپنا پیغام دیکر بھیجا ہے کہ وہ اسے مخلوق تک پہنچائے۔ کیا اس کا قانون یہی نہیں ہے کہ وہ اپنی رضا کی راہیں اور اپنے احکام شریعت ایک ہی شخص پر ظاہر کرکے اسکے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچاتا رہا ہے لن تجد لسنة الله تبديلا۔ خدا کے قانون بدلا نہیں کرتے۔ یہ قرآن کا ارشاد ہے اور واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ کیا قانون قدرت میں جو کچھ ہم کو نظر آتا ہے اور جو اسکے قوانین کے لئے ٹھیک آئینہ نما ہے۔ اسی کا مصداق نہیں کہ اللہ تعالے کے قانون تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ اور جب یہی اس کا قانون ساری دنیا کی تاریخ میں ہمیں کام کرتا نظر آتا ہے کہ وہ اپنی رضامندی کی راہیں ایک ہی انسان کے ذریعہ سے مخلوق پر ظاہر کرتا رہا ہے تو یہ کس طرح قابل تسلیم ہے کہ مسیح کے وقت کے بعد یہ قانون الہی تبدیل ہو گیا۔ اگر ساری

صداقت یسوع مسیح کے بعد آئی تھی تو یہ چند لوگوں کے ذریعہ سے نہیں آسکتی۔ بلکہ ضرور تھا
کہ اللہ تعالےٰ اپنی سنت قدیمہ کے مطابق اپنے برگزیدوں میں سے ایک کو چن لے اور
اسطرح پر یسوع مسیح کی پیشنگوئی کو پورا کرے۔ اور یہ انتخاب کا قرعہ محمد رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم پر پڑا جو دنیا کا آخری نبی کہلایا اور جس کو قرآن نے روح حق کر کے پکارا ہے
جبکہ فرمایا قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ کہدو الحق آگیا اور باطل
بھاگ گیا۔ اور باطل چیز ہی بھاگ جانے والی اور نیست ونابود ہونے والی ہے۔

چاہو تو اس کو قبول کرو۔ ورنہ تم کو ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح کے الفاظ جن پر دو ہزار
سال گذر گئے آج تک پورے نہیں ہوئے۔ ہاں یہ قرآن تھا جو دنیا کی آخری کتاب ہے
اور جس نے کامل حق کی ساری راہیں بتائیں۔ اور سارے صداقت کے راستے کھول دیئے
اس نے شریعت کو کمال تک پہنچایا۔ وہی احکام اور فرمانبرداری کا مذہب اسلام جو نوح اور
ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اپنی ابتدائی حالت میں تھا اور موسےٰ داؤد مسیح علیہ السلام
کے وقتوں میں ارتقا کی مختلف حالتوں میں سے ہو کر گذرتا رہا۔ حضرت محمد مصطفےٰ تسلی
دہندہ اور روح حق صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اپنے کمال کو پہنچا۔ اس نے اپنی باتیں
نہیں کہیں بلکہ جو کچھ اس نے سُنا وہی کہا اور جو کچھ حضرت مسیح نے اسکے متعلق کہا تھا اسیطرح ہوا۔

اسلئے اسلام اپنی موجودہ صورت میں مسیح اور دوسرے انبیا علیہم السلام کا ہی مذہب ہے
ہاں اب یہ اپنی آخری مکمل حالت میں ہے۔ اور ایسے مذہب سے کون شخص آزاد ہوسکتا ہے
جو احکام کی فرمانبرداری پر اپنا دارومدار رکھتا ہے۔ اگر راستبازی کے لئے خود حضرت مسیح
کے لئے بھی یہ ضروری تھا کہ وہ احکام کی تعمیل کرے اور خدا کی کامل فرمانبرداری کے راہوں
پر چلے۔ اور اس طرح پر حقیقی طور پر مسلم بنے تو آج اس کے پیرو کس طرح نجات کے اس تجربہ
شدہ راستے یعنی اسلام کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر قدم مار سکتے ہیں اگر یسوع مسلم تھا تو کیا پیرؤں کیلئے
ضروری نہیں کہ وہ بھی مسلم بنے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے ماتحت نہیں فضل کے
ماتحت ہیں۔ ہاں وہ کہتے ہیں کہ ہم شریعت کے ماتحت گناہ کے غلام تھے جسکا انجام موت
ہے مگر صلیب کے بعد ہم فرمانبرداری کے غلام ہیں جس کا انجام راستبازی ہے (رومیوں ۶: ۱۶)

پولوس کہتا ہے کہ ہم شریعت کے ماتحت گناہ کے فرزند تھے۔ کفارہ کے بعد ہم فضل کے فرزند ہو گئے۔ احکام اور فرمانبرداری کے پرانے عہد نامہ کے ماتحت موت نے ہمیں اپنے لئے سمجھا۔ مگر خون کے فضل کے نیچے نجات ہماری ہو گئی۔ اور پھر کہتا ہے کہ جب تک شریعت تھی تب تک دنیا میں گناہ بھی تھا پر جب شریعت نہیں تو گناہ منسوب نہیں ہو سکتا۔ یہ دلکش لفظ ہیں۔ کانوں کو بیشک بہت اچھے لگتے ہیں مگر یہ وہ لفظ ہیں جو کبھی حقیقت کا جامہ نہیں پہن سکتے۔ کیا اب دنیا نے قانون سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ یا کیا واقعی راستبازی عیسائی ممالک میں کمال کو پہنچ چکی ہے۔ مگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم شریعت کی پابندی کر نہیں سکتے۔ اور گناہ ہمارا آدم سے ورثہ ہے خدا نے پرانے عہد نامہ کو کئی ہزار برس تک آزمایا۔ اس تجربہ کا نتیجہ اچھا نہ نکلا اور اس لئے خدائے علیم کو اُسے چھوڑ کر نسل انسانی کے نجات کی کوئی اور تجویز کرنی پڑی۔

اب یہ تعلیم خود حضرت مسیح نے کبھی نہیں دی۔ حالانکہ کلیسیا کے مذہب کا ستون یہی ہے سارا دارومدار صرف ایک سوال پر ہے۔ کیا گناہ فطرت انسانی کے اندر مرکوز ہے یا یہ محض ایک زائد چیز ہے جو انسان کے ساتھ لگ جاتی ہے کیا ہم گناہ میں پیدا ہوئے ہیں یا ہم مسلم پیدا ہوئے ہیں اور خدا نے ہم کو وہ فطرت دی ہے کہ ہم قانون کے پابند ہو سکتے ہیں یہ درحقیقت یہی فیصلہ کن سوال ہے جس پر اسلام اور مذہب صلیب کے جھگڑے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد دوسرے درجہ پر ہیں اور درحقیقت اسی ایک سوال سے پیدا ہوتے ہیں۔ دلیل یوں دیجاتی ہے ہم پیدائشا گنہگار ہیں کیونکہ آدم کی خطا کی وجہ سے ہم ایسے ہو گئے اور سزا کے مستوجب ہوئے لیکن خدا کے رحم نے نہ چاہا کہ ساری نسل انسانی ہمیشہ کے لئے ہلاکت کی وارث ہوتی چلی جائے۔ مگر دوسری طرف خدا کا انصاف چاہتا تھا کہ سزا ضرور ملے پس انصاف اور رحم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کفارہ ضروری ہوا لیکن کوئی انسان اپنے ہمجنسوں کے لئے کفارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہم تو سب گنہگار ہی پیدا ہونے کی وجہ سے کفارہ کے محتاج تھے۔ صرف وہی جو نطفہ نا جائز کا ہو غضب اسی کو دور کر سکتا تھا۔ اسلئے مسیح کی خدائی کا عقیدہ پیدا ہوا۔ کیونکہ جیسے ایک شخص کی

نافرمانبرداری سے بہت لوگ گنہگار ٹھہرے ویسے ہی آپ کی فرمانبرداری سے بہت لوگ راستباز ٹھیریں گے (رومیوں ۵: ۱۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائشی گناہ کا عقیدہ اصلی جڑ اس مذہب کی ہے جو مسیح کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ پولوس کا تعلیم کردہ ہے - اور اسی بنیاد پر کلیسیا نے سارے مذہب کی عمارت بنائی گئی ہے - اور کفارہ کا عقیدہ اور الوہیت مسیح کا عقیدہ محض اسی کی شاخیں ہیں - پس سوال اصل یہی ہے کہ ہم ایسی فطرت لیکر پیدا ہوئے ہیں جو قانون کی فرمانبرداری کر سکتی ہے یا ہم پیدائشًا نافرمان پیدا ہوئے ہیں؟ بالفاظ دیگر کیا ہم پیدائشًا مسلم ہیں یا کلیسیا کے مذہب پر؟ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہم سب پیدائشًا مسلم ہیں کل مولود یولد علے فطرۃ الاسلام ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے - یعنی پیدائشًا اس کو وہ قوٰے دیئے گئے جن کے ذریعے سے وہ قانون کی کامل فرمانبرداری کر سکتا ہے - کلیسیا اسکے خلاف کہتی ہے پس اسلام اور کلیسیا کے مذہب کے درمیان اصلی تنازع اسی ایک بات پر آرہتا ہے - اگر گناہ کے معنے قانون کا توڑنا ہے - اور اگر انسان پیدا ہی ایسا کیا گیا ہے کہ وہ قانون کی فرمانبرداری کرنے کے فطرتًا ناقابل ہے - تو کیا یہ ساری قانون سازی جو دنیا میں ہو رہی ہے لغویت نہیں اور کیا کسی ملک کا انتظام ایک بیہودگی قرار نہیں پاتی؟ کیا کوئی گورنمنٹ ایسی ہے کہ وہ بغیر اپنے قوانین کو منوا لینے کے بھی قائم رہ سکتی ہے اور کیا کسی ملک میں نظم کا قائم رکھنا ناممکن الحصول امر نہیں اگر انسان پیدا ہی ایسا ہوا ہے کہ وہ قانون کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا یعنی اگر وہ پیدائشًا گنہگار ہے؟ کیا ہم خود سوسائٹی کے قوانین کی تعمیل نہیں کرتے؟ اسکے خلاف کہنا ہمارے مدنی احساس کے پرلے درجہ کی تحقیر ہے - ہاں بیشک ہم میں سے اکثر لوگ پابند قانون ہیں ٭

اب کلیسیا کہتی ہے کہ مدنی اور دینوی کے متعلق یہ درست ہے - لیکن خدائی قوانین کی حالت اور ہے - اور وہاں انسان عاجز ہے - اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ آدم اس حکم کی فرمانبرداری نہ کر سکا جو اسے دیا گیا تھا - اس نے ممنوع درخت کا پھل کھایا اور اپنی نسل کو ابدی ہلاکت کا وارث ٹھیرایا - وہی قانون کی توڑنے والی فطرت ہم نے

ورثہ میں پائی ہے ۔ یہ وہ منطق ہے جسکی پولوس نے کلیسیا کو تعلیم دی ۔ اور ہمیں اسپر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ۔ صرف اتنا ہی دیکھ لینا کافی ہے کہ آدم کے بیٹوں نے خدا کی کامل فرمانبرداری کی قابلیت اپنے اندر دکھائی ہے انہوں نے لفظاً اور حرفاً احکام الہی کی پوری پوری عزت کی ہے ۔ کیا وہ موسےٰ کے دس احکام خدا کے شرائع کا بہترین نمونہ نہیں ؟ انکے عملدرآمد میں کونسا ناممکن امر ہے ۔ کیا ساری اسلامی دنیا پہلے دو احکام کی تعمیل نہیں کرتی ؟ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے ۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا ۔ کیا وہ کئی کروڑ انسان جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہے ان احکام کی تعمیل نہیں کرتا ؟ اور یہانتک لفظاً ان احکام کی تعمیل وہ کرتے ہیں کہ اللہ کا لفظ جو وہ اس ذات واحد کے لئے بولتے ہیں وہ ایسا لفظ ہے کہ کسی دوسری چیز پر کبھی بولا ہی نہیں گیا ۔ بلکہ مجازاً بھی دوسرے پر اس کا اطلاق نہیں کیا گیا ۔ گو دوسری زبانوں میں جسقدر الفاظ ذات باری تعالےٰ کے لئے بولے گئے ہیں وہ دوسروں پر بھی آجاتے ہیں جیسے انگریزی لفظ گاڈ ۔ یا فارسی خدا ۔ یا سنسکرت دیو ۔ یا فرانسیسی ڈیو ۔ یا جرمن گاٹ ۔ بیشک یہ الفاظ خدا پر بھی بولے جاتے ہیں مگر کبھی دوسروں پر بھی بول دئے جاتے ہیں ۔ مگر لفظ اللہ جس سے چالیس کروڑ انسان ذات باری کو یاد کرتے ہیں ایک ایسا لفظ ہے کہ سوائے خدا کے کسی دوسرے پر کبھی بولا نہیں گیا ۔ پس اس طرح پر ان احکام خداوندی کی کامل فرمانبرداری لفظاً اور معناً دنیا کی ایک عظیم الشان قوم اس وقت کر کے دکھا رہی ہے ۔ اور خدا کی توحید کیلئے یہ قوم اسقدر غیرت رکھتی ہے کہ لفظ کا اشتراک بھی پسند نہیں کیا ۔ پس کس طرح وہ خدا کی کوئی صورت یا مورت بنا سکتی ہے اور کس طرح کسی کے آگے جھک سکتی ہے ؟ ہاں اس قوم کو دنیا میں اگر کوئی شہرت اس رنگ میں حاصل ہوئی تو وہ بُت پرست کی حیثیت سے نہیں بُت شکن کی حیثیت سے ہے ۔

پھر حضرت موسےٰ کے دس احکام میں سے تیسرا حکم یہ ہے کہ خدا کا نام بیفائدہ نہ لیا جائے اور چوتھا یہ کہ سبت کا دن منایا جائے گیا اس کی تعمیل کروڑوں انسانوں نے

نہیں کر دکھائی۔ بدقسمتی سے یہاں سبت کے دن شراب خانوں کی عزت ہوتی ہے مگر ہزاروں نیک عیسائی دنیا میں موجود ہیں جو ان احکام کی پوری پوری تعمیل کرتے ہیں ٭

پھر اسکے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ تو اپنے ماں باپ کی عزت کر اور ہماری فرض شناسی کی احساس کی یہ تحقیر ہوگی اگر کہا جائے کہ کوئی مذہب ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ تم اس بات پر ایمان لاؤ کہ اس حکم تعمیل کرنے کے ہم قابل ہی نہیں۔ باقی احکام۔ تو خون مت کر۔ تو زنا نہ کر۔ تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔ تو اپنے پڑوس کے گھر کا لالچ مت کر۔ اس قسم کے قانون ہیں جنکو دنیا کی ہر قوم نے اپنے قوانین تعزیری میں داخل لیا ہے۔ اور یقیناً ان لوگوں کی تعداد جو ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں بمقابلہ اس کے جو اسکی تعمیل کرتے ہیں تھوڑی ہے۔ ہم تو خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔ کہ کسی شریف انسان کے متعلق یہ کہہ سکیں کہ وہ ان احکام کا فرمانبردار نہیں۔ قاتل یا چور یا زانی یا جھوٹا گواہ یا دوسروں کا مال کھانے والا بننا ایک خطرناک جرم ہے اور وہ شخص انسانیت کی خطرناک ہتک کرتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم فطرتاً چور یا قاتل یا زانی نہیں ٭

پھر ہم پوچھتے ہیں خدا نے انسان کو دنیا میں پیدا کر کے کس مقصد کو پورا کرنا چاہا اگر اسنے ہم کو فطرتاً گنہگار ہی بنایا۔ یہ کسقدر ڈراونا خیال ہے۔ خدا کی بیشمار برکتیں اور رحمتیں ہوں حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلم پر جنے ہمیں یہ بتایا کہ ہر بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے وہ پاک فطرت لیکر آتا اور فطرتاً وہ مسلم ہوتا ہے۔ یعنی اس میں احکام کی فرمانبرداری کی قابلیت رکھی گئی ہے قرآن میں فرماتا ہے ٭

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم (الروم - ۳۰) پس اسلام کے معنے ہیں قانون کی فرمانبرداری۔ پس کیا مسیح مسلم نہ تھے اور انہوں نے اسلام کی تعلیم نہیں دی۔ جب انہوں نے فرمایا۔

"پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" (متی ۵ : ۱۹)

تعددِ ازدواج

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساءٓ مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنٰی الا تعولوا

اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرو گے تو دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو لیکن اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک سے ہی یا ان سے جنکے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ قریب تر ہے اس سے کہ تم ظلم نہ کرو۔ (النساء-۳)

قرآن کریم میں یہ ایک ہی آیت ہے جس پر تعدد ازدواج کے معرکۃ الآرا مسئلہ کی بنیاد ہے جس نے ایک طرف اگر مخالفوں کو اسلام پر بڑے بڑے اعتراض کرنیکا موقعہ دیا ہے تو دوسری طرف بعض مسلمانوں نے خود بھی اس میں غلطی کھائی ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر ان الفاظ کو ایسا توڑا مروڑا ہے کہ خواہ مخواہ دشمنوں کو اعتراض کا موقع ملا۔ مسلمانوں میں امراء اور بادشاہوں نے تو اسلام کی تعلیم کا نچوڑ ہی اس بات کو سمجھ رکھا ہے کہ اپنے حرم سراؤں میں جسقدر بیبیاں مل سکیں ڈالتے جائیں۔ چار کی حد کا کیا ذکر ہے سینکڑوں تک بھی نوبت پہنچانے میں کمی نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ جو بمنزلہ قوم کے سر کے تھے بالکل بیکار ہو گئے اور محض عیش پرستی میں پڑ گئے اسی کا اثر عوام پر بھی ہونا تھا۔ پھر وہ سینکڑوں بیبیاں جو گھر اور حرم سراؤں میں ڈال لی جاتی ہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کا ادنےٰ لحاظ بھی نہیں حالانکہ قرآن کا حکم تھا کہ خوف بھی ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو دوسری بی بی مت کرو گویا جب تک اپنے نفس پر پورا پورا قابو نہ ہو اور یہ اطمینان نہ ہو کہ انصاف قائم رکھ سکو گے اسوقت تک دوسری بی بی کی اجازت بھی نہیں۔ مگر قرآن کی پرواہ نہ کی گئی اور نتیجہ وہ ہوا جو آج ہم دیکھتے ہیں کہ امراء کا طبقہ بگڑ کر کل قوم کی حالت میں فساد واقع ہو گیا۔ پس اس مسئلہ میں ذیل کے امور غور طلب ہیں اول یہ کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنیکا حکم ہے یا اجازت۔ دوسرے یہ کہ اجازت ضرورت کیلئے

ہے یا بلا ضرورت بھی اس اجازت سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ سوئم یہ کہ محض اجازت بوجہ ضرورت کے صورت میں اسلام کے اس مسئلے پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے +

سب سے پہلا امر فیصلہ طلب اس بارہ میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا ایک سے زیادہ نکاح کرنیکا حکم ہے یا محض اجازت ہے۔ اب اول الفاظ قرآنی پر غور کرو تو سب سے پہلی بات وہاں یہ پاتے ہیں کہ دو دو تین تین چار چار بیبیوں کو نکاح میں لانیکا ذکر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ شرط یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا ڈر ہے یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر دو دو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح کرلو۔ اب اگر یہ حکم ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکتا اس کے لئے ضروری ہوا کہ دو یا تین یا چار بیبیاں نکاح میں لائے۔ تو سب سے پہلے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہوا جو یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکتے۔ اب اگر اسے اجازت سمجھا جائے تو یہ ایک علاج کی صورت ہے لیکن اگر اسے حکم سمجھا جائے تو نہ صرف یہ علاج ہی کوئی نہیں بلکہ ایک اور بوجھ بن سکتا ہے۔ ایک شخص یتامٰے کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے سے خائف ہے تو اس کے لئے کیوں ضروری ہے کہ دوسرا نکاح بھی کرے اور دوسرے یہ حکم محض ان چند اشخاص کے لئے ہوا جنکو یتامٰے سے واسطہ پڑے اور جنکو یتامٰے کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا خوف ہو۔ کثیر تعداد پھر بھی اس حکم سے باہر رہ گئی +

اس شرط و جزا کا باہم کیا تعلق ہے۔ اس کی چار مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔ اول وہ توجیہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے۔ عروہ نے صدیقہ سے الاتقسطوا فی الیتامٰے کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے ولی کی حفاظت میں ہو پھر وہ ولی اس کے مال اور خوبصورتی کی وجہ سے اسے چاہتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ تھوڑے سے مہر پر اس سے نکاح کرلے اور پھر جب نکاح ہو جائے تو چونکہ اس کا اور کوئی ولی نہیں جو اسکے حقوق کا مطالبہ کرے اسلئے اس سے اچھا معاملہ نہیں کرتا۔ تو اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اگر یتیم لوگوں سے نکاح کرنے میں تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کرسکو گے تو ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں

سے جو تم کو پسند ہوں دو یا تین یا چار سے نکاح کر لو۔ اب اس توجیہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ
محض اجازت ہے۔ نہ حکم۔ ایک شخص کو مجبور نہیں کیا گیا کہ اگر یتامٰی کے بارے میں وہ انصاف
نہ کر سکے تو ضرور دو یا تین یا چار نکاح اور کرے صرف اس بات کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ اگر
نکاح کرنا ہے تو یتیم سے نہ کرے کسی اور سے کرے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جب پہلی آیت
میں یتامٰی کے بارے میں حکم نازل ہوا کہ انکے معاملے میں ناانصافی نہ کرنا تو ساتھ ہی ایک اور
ناانصافی سے ڈرایا اور وہ یہ کہ عرب میں بعض وقت ایک ایک شخص دس دس بیبیاں رکھتا تھا
اور بوجہ کثرت کے ان کے حقوق کو انصاف کے ساتھ ادا نہ کر سکتا تھا۔ تو اسلئے اللہ تعالے
نے حکم دیا کہ یتیموں کے بارے میں ناانصافی سے ڈرتے ہو تو ایک اور بھی ڈر کا مقام ہے یعنی
بیبیوں کے بارے میں بھی ناانصافی سے ڈرو۔ اور اسکا علاج یہ ہے کہ زیادہ نکاح نہ کرو ہاں
دو تین چار تک اجازت ہے مگر اس میں بھی اگر ناانصافی کا خوف ہو تو پھر ایک ہی بی بی پر کفایت
کرو۔ یہ توجیہ بھی صاف بتاتی ہے کہ دو بیبیوں کا نکاح میں لانا محض اجازت ہے۔ اور
زیادہ عورتوں کو نکاح میں لانے سے روکا ہے چار تک اجازت دی مگر اس میں بھی اگر انصاف
نہ رکھ سکتا ہو۔ تو ایک ہی کا حکم دیا۔ تیسری توجیہ وہ ہے جو حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ کہ
ایک شخص کے نکاح میں بیبیاں بھی زیادہ ہوتیں اور اس کی حفاظت میں یتیم بھی ہوتے۔ تو
چونکہ زیادہ بیبیوں کی وجہ سے مال زیادہ خرچ کرنا پڑتا اور اس طرح پر یتیموں کے مال کو
اپنے تصرف میں لانے کی ترغیب ہوتی اس لئے فرمایا کہ چار سے زیادہ نکاح کسی صورت میں
نہ کرو اس میں بھی ناانصافی کا خوف ہو تو ایک ہی نکاح کرو۔ یہ بھی صورت اجازت کی ہے نہ
حکم کی۔ ایک سے زیادہ بی بی نکاح میں لے آنا اور بات ہے مگر اس امر کے لئے مجبور رہونا
کہ چار ورنہ تین ورنہ دو بیبیاں ضرور نکاح میں لاؤ اسی توجیہ کے رو سے بالکل باطل ٹھیرتا
ہے۔ چوتھی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ یتامٰی کی ولایت کو ایک مشکل امر سمجھتے تھے تو ان کو
کہا گیا کہ زنا سے بھی خوف کرو۔ اور اگر زنا میں پڑنے کا خوف ہو تو دو تین چار تک عورتیں
نکاح میں لے لیا کرو۔ اس کے رو سے بھی ایک سے زیادہ بی بی کا نکاح میں لانا برنگ اجازت
ہے نہ برنگ حکم۔ ایک اور معنے اس آیت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر یتیم بچوں کے بارے میں

تم کو خوف ہو کہ انصاف کے ساتھ ان کی خبرگیری نہ کر سکو گے تو ان عورتوں کو جن کے وہ بچے یتیم رہ گئے ہیں اور جو جنگوں میں بیوہ ہو گئی ہیں دو تین چار تک نکاح میں لے آؤ اور اس معنے کی موید اسی سورت کی آیت ۱۲۷ میں دیکھو۔ نوٹ ۶۸۲

پس سیاق و سباق عبارت خود بتاتا ہے کہ یہ حکم نہیں بلکہ اجازت ہے۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ حکم ہوتا تو بجائے دو سے شروع کرنے کے چار سے شروع کرنا چاہئے تھا یعنی حکم یوں ہوتا کہ چار چار تین تین دو دو نکاح کرو۔ حکم کے لحاظ سے اعلےٰ تعداد پہلے ہونی چاہئے تھی اور اجازت کے لحاظ سے ادنےٰ تعداد۔ حکم تو یہ ہو سکتا ہے کہ چار نکاح کرو۔ ورنہ تین، ورنہ دو تو ضروری کرو۔ اور اجازت یوں ہو گی کہ دو کی اجازت ہے تین کی بھی اجازت ہے۔ چار تک بس۔ پس قرآن نے مثنےٰ سے شروع کر کے اور ربع پر ختم کر کے یہ بتا دیا کہ یہ اجازت ہے حکم نہیں۔ یہاں تک تو الفاظ قرآنی کی تشریح ہوئی۔ لیکن اگر ہم واقعات عالم پر غور کریں تو بھی اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ اجازت ہے حکم نہیں۔ قرآن کریم کے معنے کرنے میں ہم اسباب کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ معنے وہ درست ہوں گے جو واقعات عالم کے خلاف نہ ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم خدائے حکیم و علیم کی کتاب ہے وہ کوئی ایسی تعلیم نہیں دے سکتا جو واقعات عالم کے مخالف ہو۔ اب اگر چار بیبیوں کو نکاح میں لانا حکم مانا جائے تو گویا قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کے گھر میں چار بیبیاں ہوں اور دو سے کم تو کسی صورت میں نہ ہوں۔ تو یہ حکم قرآن ایسی صورت میں دے سکتا تھا کہ جب اس کے پورا ہونے کا سامان بھی دنیا میں رکھا ہو۔ یعنی عورتوں کی تعداد مردوں سے چوگنی یا کم از کم تگنی ضرور ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ انتظام خداوند عالم نے دنیا میں نہیں رکھا۔ پھر جس حکم کے پورا کرنے کا سامان ہی دنیا میں پیدا نہیں کیا گیا اور اسلامی ملکوں میں بھی آج تیرہ سو سال گذر جانیکے باوجود اللہ تعالےٰ نے یہ سامان پیدا نہیں کیا کہ عورتوں کی تعداد کو مردوں سے تگنی چوگنی رکھے تو پھر یہ کہنا کہ دو اور تین اور چار نکاح کرنے کا حکم ہے کہاں تک صحیح ہے۔ ؟

پھر اس آیت کا جن لفظوں پر خاتمہ ہوتا ہے وہ بھی یہی شہادت دیتے ہیں کہ ایک سے زیادہ بیبیاں نکاح میں لانے کی اجازت ہے حکم نہیں کیونکہ آخر میں اسباب کا ذکر

کرکے اگر تم کو خوف بھی ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی بس ہے یہ لفظ بڑھا دیئے ہیں
ذالک ادنی الاتعولوا۔ جور و ناانصافی سے بچنے کے لئے یہ بات بہت بہتر ہے گویا سفارش
اسی بات کی کی ہے کہ ایک ہی بی بی ہو۔ ہاں ضرورتوں کے لئے بطور علاج اور دوا تعدد
ازواج کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہے۔ اگر چار بیبیوں کو نکاح میں لانیکا حکم ہوتا۔ تو ایک
بی بی کے لئے ذالک ادنی الاتعولوا کے سفارش نہ ہوتی +

جب یہ ثابت ہو گیا کہ تعدد ازواج کی اجازت ہے حکم نہیں تو دوسرا امر یہ دیکھنا ہے کہ
آیا یہ اجازت ضرورت کے وقت پر استعمال کرنے کے لئے ہے یا بلا ضرورت بھی۔ سو اول
تو لفظ اجازت خود بتاتا ہے کہ یہ صرف ضرورت کیلئے ہے۔ کیونکہ ہر ایک اجازت دنیا میں
کسی ضرورت کے لئے ہی ہوا کرتی ہے دوسرے خود قرآن کریم کے الفاظ اس بات کے
موید ہیں کیونکہ وہاں خود ایک شرط ساتھ لگا دی گویا ایک ضرورت خود بتا دی۔ اب ضرورت میں
توسیع تو ہو سکتی ہے۔ یعنی جو کام ایک ضرورت کے لئے جائز ہے اس کا جواز تو اجتہادی
رنگ میں کسی دوسری ملتی جلتی ضرورت کے لئے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس
ضرورت کو بالکل اڑا ہی دیا جاوے۔ اور جسقدر توجیہات دیگئی ہیں ان میں سے ایک توجیہ
یہ بھی ہے کہ اگر تم کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو تو بہتر ہے کہ دو یا تین یا چار بیبیوں سے نکاح
کر لو۔ اس طرح پر یہ بھی ایک ضرورت قرار پا سکتی ہے +

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ان ضروریات کی تصریح کیوں نہیں فرما دی
اور کیوں نہیں بتا دیا کہ صرف فلاں فلاں حالات کے ماتحت یا اس قسم کی ضروریات کے
پیدا ہونے پر دو یا تین یا چار بیبیوں کی اجازت ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جن امور کا
تعلق انسانی ضروریات کے مختلف پہلوؤں سے ہے جو ملکوں اور قوموں اور زمانہ اور حالات
کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں وہاں قرآن حکیم ان ضروریات کو گننے کی لاحاصل کوشش سے
احتراز فرماتا ہے۔ مثلاً طلاق کا مسئلہ ہے۔ قرآن کریم نے کبھی نہیں بتایا کہ فلاں فلاں ضروریات
کے وقت طلاق دینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ نہایت مبین امر ہے کہ طلاق کی اجازت ضرورت
کے لئے دی ہے نہ بلا ضرورت۔ لیکن چونکہ طلاق کے لئے جو ضروریات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

وہ نہ صرف انسانوں کے مزاجوں کے اختلاف کے ساتھ ہی بدلتی رہتی ہیں بلکہ قومی اور ملکی اور زمانی حالات کے تغیر سے بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے ان کو بتانا لاحاصل کام تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے ممالک میں جہاں سب قوموں کا ایک ہی مذہب ہے۔ ایک سی تعلیم ہے۔ ایک سے خیالات ہیں کوئی دو ملک قانون طلاق پر اتفاق نہیں کرتے ایک ملک میں ایک وجہ کو تسلیم کیا گیا ہے تو دوسرے میں اسکو تسلیم نہیں کیا گیا۔ تیسرے میں کوئی اور ہی وجہ قرار دی گئی ہے۔ پس جب اسقدر اتحاد خیالات و مذہب و تعلیم و تہذیب بھی طلاق کے وجوہات میں یکسانی کا رنگ پیدا نہیں کرسکا تو اسلام جیسا مذہب جو سب زمانوں کے لئے سب قوموں کے لئے اور تہذیب کے سارے مرحلوں کے لئے آیا وہ کس طرح پر ان وجوہات کو محدود کرسکتا تھا۔ یہی حالت تعدد ازدواج کی ہے تفصیل ضروریات اس حالت میں دینا ایسا ہی محال تھا جیسا طلاق کی صورت میں اسلئے قرآن کریم نے ان ضروریات کو حالات انسانی کے اقتضا پر چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ طلاق اور تعدد ازدواج کی ضروریات کو قرآن کریم نے محدود نہیں کیا +

اب تیسری بات جس پر ہم کو غور کرنا ہے یہ ہے کہ آیا جس صورت میں قرآن کریم نے تعدد ازدواج کی اجازت ضرورت کے وقت دی ہے تو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے درحقیقت اس صورت میں اعتراض کرنے والے محض آنکھیں بند کرکے اسلام کے خلاف زبان اور قلم چلاتے ہیں۔ اس بات سے کسکو انکار ہوسکتا ہے کہ ہر ایک قوم نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ اسلام نے ان ضروریات کا علاج تعدد ازدواج کی صورت میں رکھدیا۔ دوسری قوموں نے اس کے لئے طرح طرح کے اور طریق اختیار کئے۔ حتیٰ کہ بعض ملکوں میں قانوناً زنا کے پیشہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور بعض نے اسکو اس حد تک رواج دیا ہے کہ قانونی جواز سے کچھ کم مرتبہ اسکا نہیں رہا۔ یہ مضمون بہت تفصیل طلب ہے لیکن اس تفصیل کے یہاں گنجائش نہیں۔ بہرحال یہ بلاشبہ سچ ہے کہ ہر ایک قوم نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ بعض حالات میں دوسری بیوی کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ ہاں اس کا سیدھا علاج تعدد ازدواج کے رنگ میں ترک کرکے ایک بڑے درجہ کی بیاہ بدکاری کو

جائز ٹھیرا دیا ہے جس میں عورت کی عزت برباد کر دی گئی ہے۔ اسلام چونکہ عورت کی عزت اور عفت کا حامی ہے۔ اور اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ عورتیں پیسوں کے عوض اپنی عفت کو فروخت کریں اسلئے تعدد ازواج کی صورت میں ان تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ پھر علاوہ دوسری ضروریات کے جنگ ایک ایسی ہی ضرورت ہے کہ وہ بعض حالات میں تعدد ازواج پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جنگ کا سلسلہ دنیا سے مٹ نہیں سکتا۔ اور جنگوں میں مردوں کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی رہتی ہے۔ اب چونکہ قدرتی حالت جسکے اندر انسان کو پیدا کیا گیا ہے وہ مرد و عورت کے باہمی تعلق کی حالت ہے۔ اور اسی پر نسل انسانی کی ترقی موقوف ہے نسل انسانی کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر ایک مرد اور ہر ایک عورت اپنے اس فرض کو پورا کرے جو نسل انسانی کو ترقی دینے کا فرض اسپر ڈالا گیا ہے اب اگر مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے تو چونکہ بچہ کا پیٹ میں رکھنا جننا پرورش کرنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ اس لئے نسل انسانی کا ہر ایک فرد جسے ممکن طور پر یہ موقعہ ہے اپنے اس فرض کو ادا کر سکتا ہے اور جو مرد بلا بیویوں کے رہ جائیں گے وہ کسی صورت میں نسل انسانی کی ترقی کا موجب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور یہ وہ صورت ہے جو جنگوں اور مردوں کی دوسری ضروریات کی وجہ سے اکثر حالات میں دنیا میں پیش آتی رہتی ہے تو جو عورتیں بلا خاوندوں کے ہونگی وہ نسل انسانی کی ترقی میں صرف تعدد ازواج کے ذریعہ سے معاون ہو سکتی ہیں۔ گویا اس صورت میں تعدد ازواج ایک ضروری فرض ٹھیر جاتا ہے۔ اور ایسے حالات میں جب پہلے ہی آبادی کم ہو جاتی ہے ان عورتوں کو خاوندوں کے بغیر چھوڑنا عمداً نسل انسانی کے افزائش کی راہ کو روکنا ہے۔ اس کے علاوہ عموماً عورتوں کے معاش کا انحصار مردوں پر ہوتا ہے۔ پس جو عورتیں جنگوں میں بیوہ رہجاتی ہیں یا یتیم رہ جاتی ہیں انکے متعلق پیچھے رہے ہوئے مردوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اُن کی خبر گیری اور پرورش کریں اور اس کے لئے ایک ہی راہ ہے جو قدرت نے رکھی ہے یعنی ان کو نکاح میں لے آنا۔ اور یہی وہ حالات تھے جنکے ماتحت قرآن کریم کی آیت

جس میں تعدد ازواج کی اجازت دی گئی نازل ہوئی اب یہ امر قابل غور ہے کہ کسقدر برمحل اسلام کا ہر ایک حکم نازل ہوا - جنگ اُحد میں مردوں کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی اور بہت سی عورتیں بیوہ اور لڑکیاں بلا کفیل کے رہ گئیں ان کی خبر گیری ان کے تمدنی حقوق کی ادائیگی یہ دونوں باتیں اسکو ضروری ٹھیراتی تھیں کہ تعدد ازواج کی اجازت دیجائے - اور اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب تھا اور خدائے علیم جانتا تھا کہ اس قسم کے یا اس سے بھی بڑھکر ضروریات تعدد ازواج کی دنیا میں ہمیشہ رہیں گی - اسلئے اس نے اپنی پاک کتاب میں یہ ہدایت بھی عین موقعہ پر نازل فرما دی - یورپ بیشک تعدد ازواج کا منکر ہوا ہے - لیکن خدا تعالے نے یورپ پر اتمام حجت بھی نہایت بین طور پر کیا ہے کیونکہ وہاں باوجودیکہ اُنکی کے عورتوں کی تعداد مردوں سے مدت سے بڑھی ہوئی چلی آتی ہے اور اب موجودہ جنگ جس میں لاکھوں مرد اب تک خاک کے نیچے سوچکے ہیں اس حالت کو اور بھی نمایاں کر کے یورپ کو مجبور کر کے تعدد ازواج کے مسئلہ کی طرف لائے گی کیونکہ آخر عقلمند غور کریں گے کہ جس صورت میں نسل انسانی کی افزائش کو جنگ سے سخت نقصان پہنچا ہے اور پیچھے کثرت سے عورتیں موجود ہیں جو اگر خاوندوں کے گھروں میں ہوں خواہ ایک خاوند کے گھر میں دو دو تین تین چار چار عورتیں ہیں کیوں نہ ہو نسل انسانی کی افزائش کا موجب ہوسکتی ہیں تو یہ کسقدر دوراندیشی سے بعید ہے کہ ایک فرضی روک پیدا کر کے نسل انسانی کی افزائش کو اسطرح جنگ کیساتھ یہ دوسرا صدمہ پہنچایا جائے - یا دوسری صورت یہ ہوگی کہ ناجائز تعلقات سے بچے پیدا ہوں جو نہ صرف سوسائٹی اور قوم کیلئے ننگ اور عار کا موجب اور ماؤں کیلئے پہلے درجہ کی ذلت کا باعث ہوں بلکہ انکی خبر گیری کا بھی کوئی اہتمام نہ ہونیکے باعث وہ حقیقی طور پر قوم کی ترقی کا موجب نہیں ہوسکتے اور چونکہ انکا کوئی کفیل بھی نہ ہوگا اس لئے ان میں سے کثرت کے ساتھ بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہے دنیا سے اُٹھ جائیں گے - عقلمند انسانوں کا یہی کام ہے کہ فرضی اور وہمی رکاوٹوں پر آخر وہ غالب آجاتے ہیں - اسی طرح یورپ میں عقلمند مجبور ہوکر اس امر کو قبول کریں گے کہ واقعی بعض حالات میں تعدد ازدواج ایک فرض قومی ہوجاتا ہے - اسلئے قرآن جیسی پُرحکمت کتاب نے تعدد ازواج کی اجازت ضروریات کے لئے دی اور اگر نہ دیتا تو خدائے حکیم کا کلام نہ ہوسکتا تھا - غرض عورتوں کا مردوں سے بڑھ جانا اور

پھر جنگوں میں مردوں کا اور بھی کم ہو جانا یہ اس قسم کی ضروریات ہیں کہ انکے ہوتے ہوئے
تعدد ازواج کو بطور علاج اور دوا استعمال سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک سخت مریض
باوجود مرض کی شدت کے دوائی کھانے سے انکار کرے جو گویا خودکشی کے قائمقام ہے۔
مرض موجود علاج ایک حکیم بتاتا ہے بدقسمت بیمار کا اختیار ہے کہ اس علاج کو رد کردے مگر
جو ایسا کریگا آخر اس کا وبال اٹھائیگا قوم کے اندر طرح طرح کی بدکاریاں پیدا ہونگی
اور اسکا نتیجہ نہ اخلاق اور نہ ہی صحت جسمانی کے پہلو کے لحاظ سے کبھی اچھا ہو سکتا ہے۔

ہمارا مولود نمبر

جنوری سنہ ۱۹۱۶ء کا رسالہ اشاعت اسلام مولود نمبر ہوگا
جو بلحاظ مضامین کے نرالا ہوگا اور وہی مولود نمبر
ان ناظرین رسالہ کی خدمت میں وی پی ہوگا جنکا چندہ
دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء میں ختم ہو جاتا ہے۔

مینجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا۔ لاہور

شربت مقوی اعضاء
اس شربت کے استعمال سے وہ قویٰ قوی ہو جاتے ہیں جن کی کمی
سے مرد نامرد نادم اور پورا ہونے سے جوان مرد کہلاتا ہے۔ جب کثرت
خواہشات و مسکرات و جوانی کی بدعنوانیاں آپ کے وقت عین
شباب میں لطف کی جگہ بے لطف کر دیں۔ تو اس شربت کو منگا کر تجربہ
کریں۔ ہر میدان میں آپ غالب رہیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ روزانہ ڈیوٹی و افکار مزید و محنت کی کثرت سے درماندہ ہوں۔ اور پیری
میں جوانی کے لطف اٹھائیں۔ تو اس کو اپنی میں رکھئے یہ نامرد کو مرد اور مرد کو جوان بنا دیتا ہے۔ اعضائے
رئیسہ۔ دل۔ دماغ۔ جگر اور معدہ کو درست کرتا ہے۔ ضعف کو دور کر کے طاقت ور بنا دیتا ہے سستی کو
دور کر کے چست بناتا ہے۔ بزدل کو صاحب حوصلہ اور ممتاز ہونے کی طاقت بخشتا ہے اور
اعصابی طاقت اور برق رفتار اعصاب میں اس سے زیادہ کسی دوائی میں نہیں ہوتی۔
جو لوگ بے وقت صرف قوت کر لیتے ہیں۔ اور زندگی کے واجبی مزوں سے قاصر ہو
بیٹھتے ہیں وہ اس کے چند روزہ استعمال سے اپنی گم شدہ قوت واپس لا سکتے
ہیں۔ جب مثانہ کمزور ہو کر بادہ زندگی تباہ ہو چکا ہو۔ اور تھوڑے فکر و رنج سے
حاجت روا ہو جاتی ہو۔ دماغ میں خیالات بے ہودہ کا ہجوم رہتا ہو تو اس کے
پینے سے دور ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ طبیعت شگفتہ رہے اور امراض
نہفتہ سے بچے رہیں۔ نیز وہ لوگ جن کو اپنے ہی اعمال نے ٹھنڈا کر دیا ہو۔ یا
بڑھاپا سد راہ مقصود ہو تو وہ اس کی چند خوراک کا تجربہ کریں۔ اس کے چند
روزہ استعمال سے حمل نرینہ قرار پاتا ہے۔ قیمت فی بوتل چار روپے ...
ملنے کا پتہ۔ زبدۃ الحکماء حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی شاہی سند یافتہ۔ لاہور (موچی دروازہ)

اشتہار

انگریزی زبان میں پہلی اور بینظیر کتاب لاجواب جسکی مثل آجتک کوئی نہیں نظر آتی "البیان فی علوم القرآن"
یہ کتاب جناب مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی شمس العلماء دہلی کی تصنیف ہے اسمیں مولانا نے ان تمام علوم کو ظاہر کیا ہے
جنکا قرآن شریف میں وارد ہوتے ہیں اس حیثیت سے کہ آجکل علماء نئی روشنی یعنی مغربی علوم مشرقی علوم علم کی
تقسیم کرتے ہیں تمام کتاب ان سب کو حاوی ہے اور مخالفان اسلام جو کچھ اسلام پاک پر اعتراض کرتے ہیں اس کتاب میں ہر ایک کا
عقلی و نقلی جواب ہے خوبی یہ کہ نہایت مختصر و مدلل جسکا شروع کرو یہی جی چاہتا ہے کہ تمام کئے بغیر نہ چھوڑیں۔
تحریک کا باعث یہ ہوا کہ ندوۃ العلماء کے جلسے میں جو کہ مدراس میں ہوا تھا ایک شخص نو مسلم اسٹریلیا کا رہنے والا عبدالحق
نام بھی شریک تھا اس اثناء تقریر میں افسوس ظاہر کیا کہ انگریزی زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی کہ جو انگریزی دان سمجھا
کیلئے ہدایت کا ذریعہ ہو ارباب جلسہ نے یہ کام مولانا ممدوح کے سپرد کیا اور آپ نے یہ کام بکمال محنت اور نہایت عرق ریزی
سے کیا کہ اول دو زبان میں کتاب تیار کی بعد ازاں [illegible] کلکتہ میں انگریزی کرا کے طبع کرائی اور زمیندار [illegible] جزاہ اللہ خیر الجزاء
کتاب تو اس قابل ہے کہ اگر اسکی قیمت سو روپیہ کر دیا جاوے تو بھی [illegible] مگر ناظرین کی سہولت کے لئے فقط وی پی کے
خرچہ سمیت عہ روپے کر دی ہے اسکی خریداری کیا ہے [illegible] یہ فن اور ہر علم کا عالم ایک واعظ ملتا ہے
انگریزی زبان میں تعلیم پانے والے اور دین اسلام کی اشاعت [illegible] والے صاحبان اس کتاب کو خرید فرما کر خود بھی
مطالعہ کریں اور تقسیم بھی کرا دیں دونوں مطالب آمد ہونگے [illegible] اشتہار کے طور پر مراسلت [illegible] قبول [illegible]
مکرر عرض ہے کہ فرمائش کیساتھ دو روپیہ پیشگی بھیجنا چاہئے اور [illegible] وی پی بھیجے جاوینگے
اور زیادہ نسخوں کے خریدار کو محصول معاف ۔

ملنے کا پتہ

حاجی محمد اسحاق صدر بازار دہلی

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

براہین نیرہ حصہ اول المعروف بہ قرآن ایک خاتم ناطق اور عالمگیر الہام ہے۔ اُردو قیمت .... ۱۲؍

ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اُردو۔ قیمت .... ۱؍

اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ زندہ اور کامل نبی اُردو ۸؍

احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت۔ ۲؍

مسلم پریئر .... " .... ۴؍

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بحضور نظام حیدر آباد دکن اردو۔ قیمت .... ۲؍

بنگال کی دلجوئی۔ انگریزی اردو قیمت فی ۱؍

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ اردو ۱؍ اور تین عدد " " " انگریزی ۳؍

مسلم انڈیپنڈنٹ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ قیمت فی کتاب .... ۱؍

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد ۱۹۱۳ء (۶) جلد ۱۹۱۴ء (۶)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء تا دسمبر ۱۹۱۴ء ۲؍

دیگر مختلف تصانیف

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ۔ پارہ اول مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے اردو ۶؍

نکات القرآن حصہ دوئم ۶؍ حصہ سوئم ۸؍ " حصہ چہارم ۸؍ عصمت انبیا ۸؍

غلامی .... ۱؍

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی ۱۲؍

التوحید جس میں لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل ایم ایس ۱؍

طریق فلاح حسین پرستی کی بنیاد اور اس کے سمجھنے کی آسان راہ مصنفہ جناب ڈاکٹر شاہ صاحب ایل ایم ایس ۱؍

Miracle of Mohd مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء انگریزی ۲؍

اسلام اینڈ سوشلزم " " " ۲؍

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت ۱؍

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوت کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ۲؍

حدوث مادہ " " " ۴؍

جلد اول ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام ۲؍

پتہ
خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس نولکھا لاہور

نوٹ:۔ ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں مفت تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

خطباتِ غربیہ

بالکل چھپکر تیار ہیں۔ کاغذ کی قلت کی وجہ سے بہت ہی قلیل تعداد میں چھپائے ہیں
جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں۔ احباب خریداری کا ہاتھ عجلت سے بڑھائیں ورنہ بعد میں
مایوس ہونا پڑے گا۔

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے ایل ایل۔بی مسلم مشنری اوڈیٹر اسلامک ریویو مصنفہ ووکنگ
لنڈن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام لندن میں شائقین
اسلام کو اسلامیات سے معروف کرانے اور انپر حقانیت اسلام منکشف کرنے کے لیئے انگلستان فرانس سکاٹلینڈ
کے مختلف مقامات پر خطبے لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیے۔ اسکے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف
اسلام کی خوبیاں اور اسکے اصولوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اسے اسلام کی فضیلت
کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش پر اردو میں
ترجمہ کرائے ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے انہیں چھ جلدوں میں حسب ذیل نام پر ترتیب دیا ہے

(۱) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۱۔ موسوم بہ "مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات" +
(۲) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۲۔ موسوم بہ "توحید۔ دعا۔ تصوف"
(۳) سلسلہ خطباتِ غربیہ نمبر ۳۔ موسوم بہ "خطبات عیدین"
(۴) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۴۔ موسوم بہ "دہریوں اور ملحدین کو خطاب"
(۵) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۵۔ موسوم بہ "اسلام اور دیگر مذاہب"
(۶) سلسلہ خطبات غربیہ نمبر ۶۔ موسوم بہ "حقوق نسوان"

احباب درخواست خریداری بھیجنے میں عجلت فرمائیں

المشتہر
خواجہ عبدالغنی منیجر اشاعت اسلام بک ڈپو۔ عزیز منزل۔ نولکھا لاہور